برطانیہ کے ادبی
مشاہیر
امجد مرزا امجد

برطانیہ کے ادبی مشاہیر

تعارفی مضامین

مع شعرا کا منتخب کلام

امجد مرزا امجد

ساحل پرنٹر اینڈ پبلشرز لندن ۔ لاہور

برطانیہ کے ادبی مشاہیر . . . تعارفی مضامین . . . . امجد مرزا امجدؔ

اہتمام اشاعت

مصنف	امجد مرزا امجدؔ
کمپوزنگ	امجد مرزا امجدؔ
سرورق	شہزاد احمد
مطالعاتی مشاورت	ڈاکٹر منور احمد کنڈے، شہزاد اسلم
ناشر	ساحل پرنٹر اینڈ پبلشر۔ لاہور
اشاعت اول	2014ء
اشاعت دوم	2016ء
تعداد	1000
پی ڈی ایف	20024ء

ISBN 978-969-9282-23-2

ملنے کا پتہ :

امجد مرزا امجدؔ

فون نمبر: 07939 830093

ای میل: mirzaamjad@hotmail.co.uk

انتساب

دیارِ غیر میں ادب کی شمع جلانے والے
عظیم قلم کاروں کے نام۔۔۔

اور

میرے بہت ہی محترم بزرگ دوست جناب پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب
کے نام جن کے قیمتی مشورے سے یہ کتاب وجود میں ہوئی۔

شکر و سپاس

از امجد مرزا امجد

کروں آغاز میں حمد و ثناء کے ساتھ اے پیارے
سپاس و شکر کے آنکھوں سے بہتے ہیں مرے دھارے
خدا کا شکر ہے آدم، یہ اس کی مہر ہے اسلم
مکمل ہے اُسی کے فضل سے تصنیف یہ انجم
لکھوں میں شکریہ شہزادا سلم اور منور کو
بتایا ہاتھ کچھ میرا دعا دیتا ہوں خاور کو
ہیں ابراہیم، سالم، اور ہیں مسعود بھی شامل
چمن، الیاس و اشرف اور اکبر شاعر کامل
محبت زین کی اس میں، ضیائی رنگ بھی اس میں
کیا اعجاز نے ہے قافیہ کتنوں کا تنگ اس میں
آصف کی کہانی بھی پڑھی ہم نے محبت سے
لکھا ہر لفظ عادل نے بہت ذوق و مروت سے
حمیدہ بھی ہے صفحوں پر، یہیں سیما ہے رخشی ہے
خدا نے انور و عمران کو توقیر بخشی ہے
بہت نزدیک ہیں دل سے مبشر، سوہن و نوری
مبارک، محسنہ، یعقوب، عامر اور سحر، جوگی
بہت ممنون ہوں ساحر، سہیل و سائرہ، آغا
پڑھا جب جیت کو ہم نے، لگا غم دور ہے بھاگا
لبوں پہ شاعری اشفاق کی، محبوب کی آئے
بقا صاحب کا حرف بے خطا ہر دل کو گرمائے
ہے جن کا نام نجمہ وہ مری پُستک میں دو دو ہیں
ادیبہ ہیں مہر اونچی، فسانہ ساز بلو ہیں
گلِ گلشن کی خوشبو سے معطر دل ہے کھنہ کا
عطاالحق و عنبر کے بھی دل پہ ہے اثر پیدا
بہن رضیہ کے بھی الفاظ ہیں جیسے کہ جادو ہے
یہیں ہیں عابدہ جن کی غزل میں گل کی خوشبو ہے
مرے دل میں امیر و شاہدہ کے حرف کی عزت
رہیں لب پر ضمیر و ناصرہ اور شاعرہ نکہت
نسیمہ، ناظر و دانش ادب کو روشنی بخشیں
بڑے مقصود صاحب ہیں الگ سے چاشنی بخشیں
ادب میں نام ہے اقبال و سروش کا یارو
سخن احمد مظفر کا کسی سے کم نہیں پیارو
نہیں ساگر جہاں میں اب مگر وہ نام اونچا ہے
بہت اونچے ہیں وہ بھی تو تخلص جن کا تنہا ہے
سیمی کے سخن میں بھی ہے عظمت شعر کی قائم
رہیں کوثر و فرخندہ کی دل میں چاہتیں دائم
بانو کی بھی شخصیت عیاں الفاظ سے ان کی
بہت جاوید کی بھی دھوم ہے ہر سو کہانی کی
نہیں ناداں مگر فاروق حیدر کیوں ہیں یوں کہتے ؟
رحیم اللہ سخن کی وادیوں میں شاد ہیں رہتے
لمبے فاصلے کشمیر سے عاصی نے کاٹے ہیں
ریاست نے محبت کے ہمیشہ پھول بانٹے ہیں
مرے دل میں رہیں سلطان بھی، شاہین و قاضی بھی
جہاں نرگس کا جادو ہے وہاں خورشید و بھٹی بھی
بہت ہیں محترم مجھ کو فرح، فرزانہ و فرحت
انہیں اشعار کہنے کی بہت ہی نیک ہے عادت
سخن کے عاشقوں میں جعفری، فاروق و زیبا بھی
ہے خالد کی حسین یادوں نے ہر دم دل کو گھیرا بھی
وطن کی یاد میں ایوب اور مشتاق پیارا ہے
مرے دل میں بسے ناصر وفاؤں کا ستارہ ہے
تری تصنیف یہ امجد وفاؤں کا ہی خاکہ ہے
ہے جس نے باندھ کر رکھا غزل کو یہ وہ دھاگہ ہے

فہرست

(تمام اسمائے مشاہیر بطریق حروف تہجی شامل کیے گئے ہیں)

شکرو سپاس ـ ـ ـ ـ ـ امجد مرزا امجد صفحہ ۶

ایک ادنیٰ سی کوشش (پیش لفظ) ـ ـ ـ ـ ـ امجد مرزا امجد صفحہ ۱۰

نمبر	نام	صفحہ
۱	آدم چغتائی	۱۳
۲	ابراھیم رضوی	۱۹
۳	احمد مسعود	۲۵
۴	اختر ضیائی (مرحوم)	۳۱
۵	اسلام نبی ساگر جعفری (مرحوم)	۳۶
۶	محمد اسلم چغتائی	۴۲
۷	اشتیاق زین	۴۷
۸	اشرف عطارد	۵۳
۹	اشفاق حسین اشفاق (مرحوم)	۵۹
۱۰	آصف جیلانی	۶۴
۱۱	اعجاز احمد اعجاز (مرحوم)	۷۳
۱۲	اکبر حیدر آبادی	۷۹
۱۳	راجہ محمد الیاس	۸۵
۱۴	انور نسرین (مرحومہ)	۹۱
۱۵	انجم شہزاد	۹۵
۱۶	اندر جیت سنگھ جیت	۱۰۱
۱۷	امجد مرزا امجد	۱۰۶
۱۸	محمد ایوب سنگھیا	۱۱۳
۱۹	بانو ارشد	۱۱۹
۲۰	پاکیزہ بیگ	۱۲۵
۲۱	جاوید اختر چوہدری	۱۳۱
۲۲	جتندر بلّو	۱۳۷
۲۳	چمن لال چمن (آنجہانی)	۱۴۷
۲۴	حمیدہ معین رضوی	۱۵۳
۲۵	خالد یوسف (مرحوم)	۱۵۹
۲۶	خورشید پرویز	۱۶۲
۲۷	ڈاکٹر رحیم اللہ شاد (مرحوم)	۱۶۸
۲۸	رخسانہ رخشی	۱۷۴
۲۹	ڈاکٹر رضیہ اسماعیل	۱۸۰
۳۰	ریاست عباس رضوی (مرحوم)	۱۸۶
۳۱	زاہد عظمت	۱۹۲
۳۲	ساحر شیوی (مرحوم)	۱۹۸
۳۳	سائرہ بتول	۲۰۴
۳۴	سینہ سحر	۲۱۰
۳۵	آغا محمد سعید (مرحوم)	۲۱۶
۳۶	سلطانہ مہر	۲۲۲
۳۷	سلطان صابری	۲۲۸
۳۸	سوہن راہی	۲۳۴
۳۹	سہیل احمد لون	۲۴۰
۴۰	سیما جبار	۲۴۶

نمبر	نام	صفحہ
۴۱	شاہین اختر شاہینؔ	۲۵۲
۴۲	شاہدہ ناز حسین	۲۵۸
۴۳	پروفیسر محمد شریف بقاء	۲۶۴
۴۴	شہزادہ قمر الدین مبشر	۲۷۰
۴۵	شہزاد اسلم	۲۷۵
۴۶	عابدہ شیخ	۲۸۱
۴۷	عاصی کشمیری (مرحوم)	۲۸۷
۴۸	عاشق جعفری	۲۹۳
۴۹	عامر مجید امیرؔ	۲۹۹
۵۰	قاضی عبدالقدوس	۳۰۵
۵۱	عطاالحق	۳۱۱
۵۲	عطا محمد عنبرؔ	۳۱۷
۵۳	عقیل دانش	۳۲۳
۵۴	ڈاکٹر عمران مشتاق	۳۲۹
۵۵	فاروق حیدر (مرحوم)	۳۳۵
۵۶	فرح ملک	۳۴۱
۵۷	فرخندہ رضوی	۳۴۷
۵۸	فرزانہ نیناں	۳۵۳
۵۹	فرزانہ فرحت	۳۵۹
۶۰	محمد فیاض عادل فاروقی	۳۶۵
۶۱	محمد فاروق نسیم	۳۷۱
۶۲	کوثر علی	۳۷۷
۶۳	گلزیب زیباؔ	۳۸۳
۶۴	گلشن کھنہ (آنجہانی)	۳۸۹
۶۵	مبارک احمد مبارک	۳۹۵
۶۶	مبارک صدیقی	۴۰۱
۶۷	مظفر احمد مظفرؔ	۴۰۷
۶۸	محسنہ جیلانی	۴۱۳
۶۹	محبوب احمد محبوبؔ	۴۱۹
۷۰	محمود اقبال محمودؔ	۴۲۵
۷۱	مشتاق سنگھ	۴۳۱
۷۲	مشہود الفاروق قریشی خاورؔ	۴۳۷
۷۳	ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ	۴۴۳
۷۴	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	۴۴۹
۷۵	مہ جبیں غزل انصاری	۴۵۵
۷۶	ناصرہ رفیق	۴۶۱
۷۷	محمد ناظر فاروقی	۴۶۷
۷۸	نجم الحسن ضمیر (مرحوم)	۴۷۳
۷۹	نجمہ عثمان	۴۷۸
۸۰	نجمہ شاہین	۴۸۴
۸۱	نرگس جمال سحرؔ	۴۹۰
۸۲	نسیمہ نسرین	۴۹۶
۸۳	نصیر احمد ناصرؔ	۵۰۲
۸۴	نعیم مرزا جوگی	۵۰۸
۸۵	نکہت فاطمہ لکھنوی	۵۱۴
۸۶	نور جہاں نوری	۵۲۰
۸۷	نور الصباح سیمی برلاس	۵۲۶
۸۸	ڈاکٹر ودیا ساگر آنندؔ (آنجہانی)	۵۳۲
۸۹	ہارون رشید تنہاؔ	۵۳۸
۹۰	محمد یاسین بھٹی	۵۴۴

۹۱	یعقوب رضوی قادری	۵۵۰
۹۲	مرحومین شعراء و ادباء	۵۵۶
۹۳	نجمہ انصار مرحومہ	۵۵۷
۹۴	رحمت قرنی مرحوم	۵۵۹
۹۵	محمد ادریس چغتائی مرحوم	۵۶۱
۹۶	راجہ محمد تاج مرحوم	۵۶۳
۹۷	محمد سرور رجا مرحوم	۵۶۴
۹۸	دیگر مرحوم قلمکار	۵۶۵
۹۹	برطانیہ کے اخبارات	۵۶۶
۱۰۰	اخبار وطن	۵۶۷
۱۰۱	نوائے وقت، یو کے ٹائمز	۵۶۸
۱۰۲	نیشن	۵۶۹
۱۰۳	برطانیہ کے رسائل	۵۷۰
۱۰۴	ماہنامہ ساحل، پرواز	۵۷۱
۱۰۵	برطانیہ کے ریڈیوز	۵۷۲
۱۰۶	برطانیہ کے ٹیلی ویژن	۵۷۴
۱۰۷	برطانیہ کی ادبی تنظیمیں	۵۷۹
۱۰۸	برطانیہ کے قلمکار	۵۹۰
۱۰۹	تصنیفاتِ امجد مرزا امجدؔ	۵۹۴
۱۱۰	سویرا اکیڈمی	۵۹۵

پیش لفظ

امجد مرزا امجد

کسی ملک میں بھی جا کر لوگ اپنی زبان تہذیب وتمدن اور مذہب نہیں چھوڑ دیتے۔

زبان کا تہذیب سے گہرا تعلق ہے بانیء پاکستان قائداعظمؒ کا قول ہے کہ جو قومیں اپنی زبان بھول جاتی ہیں وہ اپنی تہذیب بھی کھو بیٹھتی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ سابقہ پچاس برسوں میں ہم نے اپنی نئی نسل کو اپنی زبان سے ناآشنا رکھا اور وہ آج فقط انگریزی دان بن کر رہ گئی مگر اس تمام وقت میں پہلی نسل نے اپنی زبان کو اپنے تک ہی محدود کئے رکھا۔ ریٹائیر ڈ ہو کر اکثر لوگ ادب کی طرف مائل ہوئے اور برطانیہ کے ہر شہر میں بے شمار ادبی تنظیمیں بنیں اور مشاعروں نے بے شمار شعراء و شاعرات پیدا کئے۔ ہزاروں کتابیں منصہٴ شہود پر آئیں اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔اخبارات و رسائل بھی کافی تعداد میں ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔معروف خاکہ نگار و مضمون نگار محترمہ سلطانہ مہر صاحبہ نے گفتنی اول اور گفتنی دوم میں بے شمار قلمکاروں کو متعارف کروایا مگر ان کا احاطۂ قلم دنیا کے بے شمار ممالک کے ادباء تک وسیع تھا ۔میں نے کوشش کی ہے کہ صرف برطانیہ کے قلمکاروں کو متعارف کراؤں۔ مجھے یہ علم نہیں کہ برطانیہ میں اردو یا پنجابی ادب کا پہلا پودا کس نے لگایا مگر آج ان گنت قلمکار برطانیہ میں ادب کو فروغ دے رہے ہیں اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔لندن پورے برطانیہ میں ادب کا سب سے بڑا مرکز ہے اور بے شمار تنظیمیں رات دن ادب کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں۔ چند ایک ایسی ادبی تنظیمیں بھی ہیں جو ماہانہ ادبی محفلوں کا انعقاد کرتی ہیں اور کئی برسوں سے مسلسل بڑی پابندی اور کامیابی کے ساتھ یہ فرض نبھا رہی ہیں۔ کسی زمانے میں تو حکومت کی کافی گرانٹ بھی مل جاتی تھی مگر آج کل حکومت کی جانب سے بہت ہی کم تعاون مہیا ہے لہذا اکثر تنظیمیں ختم ہو گئیں یا سال میں ایک دو بار مشاعروں کا اہتمام کرتی ہیں۔ دوسرے شہروں میں جہاں ''اپنے'' لوگوں کی خاصی تعداد ہے مگر وہاں ادبی سرگرمیاں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ گو شعراء و ادبا گاہے بگاہے اپنی تخلیقات کو کتابی شکل دے کر اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

میں نے پچھلے دو تین برسوں سے ملنے والی کتابوں پر تعارفی مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو مقامی اخبارات و رسائل میں تواتر سے شائع ہوتے رہے اور ان کی چار کتابیں مرتب ہو گئیں مگر اتنی کتابیں شائع کروانا ناممکن تھا لہذا میرے بہت ہی محترم بزرگ دوست جو خود برطانیہ کے معروف شاعر ادیب اور محقق ہیں اور ۵۲ کتابوں کے مصنف ماہر اقبالیات جناب پروفیسر محمد شریف بقا صاحب نے مشورہ دیا کہ بجائے اتنی کتابیں شائع کروانے کے کیوں نہ برطانیہ کے مشاہیرِ ادب پر اُنہی مضامین کی روشنی میں نئی کتاب کو مرتب کریں۔ مشورہ نہایت مفید قابل عمل تھا لہذا میں نے فوراً اس پر کام شروع کر دیا۔صرف شرط یہ رکھی کہ صاحب مضمون کو دو کتابیں خریدنا ہوں گی جس کی قیمت لاگت سے بھی کم ہو گی۔ایک سوالنامہ

مرتب کیا اور تقریباً اڑھائی سو شعراء، وادبا کو بھیجا جن میں سے کافی دوستوں کی جانب سے حوصلہ افزا جوابات ملے اور اس کام کو سراہا اور پورے تعاون کا یقین دلایا اور دیا بھی۔ جن کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد مزید دوست بھی خواہش رکھیں گے جو اس میں شامل نہیں ہو سکے۔

برطانیہ کے ادب میں بہت سے ایسے نام ہیں جو اپنا اپنا فریضہ ادا کر کے ملک عدم سدھار گئے۔ کچھ میری ادبی زندگی کی ابتدا سے پہلے اور کچھ بعد میں گزر گئے۔ چند ایسے نام ہیں جنہیں میں ذاتی طور پر جانتا تھا کچھ مرحومین کے مضمون مع ان کے کلام کے شامل کئے ہیں کچھ کے کتاب کے آخری صفحات میں شامل ہیں، کئی ایسے نام ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا۔ کوشش ہے کہ ان تمام ادبا کے نام بھی شامل ہوں۔

ان تمام مرحومین شعراء وادبا کی باقاعدہ لسٹ آخری صفحات میں شامل ہے۔ اور ان شعراء کی بھی جو برطانیہ کے مختلف شہروں میں مقیم ادب کی خدمت میں کوشاں ہیں۔ باوجود ہزار کوشش کے اگر میں کسی کا نام نہ جان پایا تو دلی معذرت ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام ادبی تنظیموں کے نام مع ان کے سربراہوں کے، آج تک جو بھی اخبار رسالہ شائع ہوا میں نے اپنے وسائل کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ ادب کے حوالے سے کوئی بھی شخص، ادارہ یا میڈیا اردو سے متعلق اس کتاب میں شامل ہونے سے نہ رہ جائے تا کہ یہ کتاب مستقبل میں ایک مکمل ریفرینس بک کی حیثیت سے جانی جائے۔

میں جن جن لوگوں کو بھی جانتا تھا انہیں باقاعدہ خطوط کے ساتھ سوالیہ فارم بھیجے گئے ایک کتاب کی خرید اور کم از کم ایک کتاب کی قیمت بطور سپانسر تا کہ جو کتابیں دوسرے ممالک میں بھیجنی ہیں تعاون ہو۔ بہت سے کرم فرماؤں نے اپنی ادبی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق مالی تعاون کیا جس کے لئے میں دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہوں۔۔ مگر کچھ ایسے بھی مہربان ہیں جنہوں نے جواب تک دینے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ کچھ وعدہ کر کے بھول گئے۔

مگر ان تمام خطوط میں سے جو نوے کے قریب ادب نواز دوست شامل ہوئے ان کے لئے میں ضرور کہوں گا کہ یہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ادب زندہ رہے گا ورنہ۔۔۔ جو اس کتاب میں باوجود یاددہانی کے بھی شامل نہ ہوئے اللہ جانے کیا وجہ ہو۔۔ ان کے بڑا ہونے کا زعم۔۔ کوئی بخل، حسد یا۔۔ بات صرف دس پونڈ کی تھی۔۔!! کیونکہ دو سال کی دن رات کی محنت۔۔ دوسروں پر مضمون لکھنا۔۔ غیر ممالک میں کتابیں پوسٹ کرنا۔ چھ سو صفحات کی کتاب کو شائع کرنا پھر لندن منگوانا۔۔۔ تین ہزار پونڈ کے اس بھاری بجٹ کو میرے جیسے پینشن یافتہ انسان کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

ورنہ اپنی کتابیں تو ہر کوئی شائع کرتا ہے میں نے بھی بارہ کی ہیں اور آدھی سے زیادہ مفت بانٹی ہیں۔۔ اس دن رات کی محنت سے میں اپنی کہانیوں افسانوں اور شاعری کی مزید پانچ کتابیں لکھ اور شائع کر سکتا تھا جو میرے لئے مزید واہ واہ کا سامان بنتا مگر میں نے چاہا کہ برطانیہ کے قلمکار بھائی بہنوں پر جنہیں پاکستان و ہند میں بیٹھے ادب کے بھوت ناتھ تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ یورپ امریکہ اور مڈل ایسٹ میں موجود شعراء اپنی دولت کے بل بوتے پر ہندو پاک کے غریب

شعراء سے ان کا کلام خرید کر اپنے نام سے شائع کروا کر اپنا نام اونچا کرتے ہیں انہیں ثابت کروں کہ برطانیہ میں جو لوگ دن رات ادب کی آبیاری کرر ہے ہیں وہ ادب کے ساتھ سچے اور پر خلوص ہیں اور یہ سب ان کی محنت کا پھل ہے۔

میں ایک طویل مدت سے اس ادبی میدان میں آبلہ پا ہوں اور اکثر قلمکاروں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے اور کون کیسا اور کیا لکھ رہا ہے کون اپنا لکھتا ہے اور کون کون کس کس سے لکھوار ہا ہے۔۔!!اور یقین کیجئے میں نے ایسے نقلی چہروں کو اپنے کئی مضامین اور کالموں میں بے نقاب کیا ہے کئی لوگوں کو اپنا دشمن بنایا کچھ ناہجار متعصب لوگوں نے تو ہائی کورٹ تک مقدمات بھی درج کیئے مگر منہ کی کھائی اور آج اپنے زخم چاٹ رہے ہیں۔مگر میں نے اپنی قلم کی حرمت پر کوئی حرف نہیں آنے دیا۔گو میں ہر قلمکار کی عزت کرتا ہوں مصنفین کی کتابوں پر تعارفی مضامین لکھ کر اخباروں کے ادبی صفحات میں شائع کرتا ہوں اور ہر اس مصنف کی عزت کرتا ہوں جو اپنی جیب سے کثیر رقم خرچ کر کے اردو و پنجابی ادب کی خدمت کرتا ہے۔۔کئی مصنفین کو ہاتھ باندھ کر معذرت بھی کی ہے کہ میں ان کو اپنی اس کتاب میں شامل نہیں کر سکتا۔۔جو مجھ سے ناراض بھی ہوئے مگر نیت یہی تھی کہ وہی قلمکار شامل کتاب ہوں جن پر میرا ایمان ہے کہ وہ خود لکھتے ہیں کچھ اچھا بھی لکھتے ہیں جو لوگوں کی سمجھ میں بھی آئے اور ادب کے فروغ کے لئے مخلص ہیں۔۔آگے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اصلی ہے کون نقلی۔۔مگر یہ بات عیاں ہے کہ ایسے لوگ بہت دیر تک ادبی حلقوں میں نہیں ٹک سکتے جو راتوں رات ہی صاحب دیوان بن کر سامنے آتے ہیں۔۔میری لسٹ میں ایسے کئی وقتی بٹیرے ہیں جو آندھی طوفان بن کر آئے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی اور بگولے کی مانند منظر سے غائب ہو گئے۔۔کیونکہ ان کا اندر خالی تھا اپنی دولت یا اپنے حسن و اداؤں سے چند دن تو دوسروں کو بیوقوف بنالیا مگر زیادہ وقت نہیں لگتا ایسے پودوں کو مرجھانے میں جن کے نیچے جڑیں نہ ہوں۔۔ہاں اس کتاب میں ہر اس شاعر شاعرہ یا نثر نگار کا نام ضرور شامل ہوگا جو برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں یہ اس لئے کہ میں اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ادب سے متعلق ہر اس شخص کا نام اس میں شامل ہو جس نے شاعری یا نثر لکھی ہو۔۔۔کہ یہ ایک تاریخ کا حصہ ہوگا۔۔!

اب ماشاء اللہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن جناب محترم شاعر علی شاعرؔ صاحب شائع کر رہے ہیں جو ان کی ادبی محبت کا اعلی ثبوت ہے۔میں ان کی اس محبت و خلوص کا جس قدر بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔اللہ پاک انہیں ان کے اس اعلی و ارفع کام میں دن گنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے،میرے لئے ان کی یہ محبت کسی اعزاز سے کم نہیں۔۔

شکریہ،آپ کا اپنا،امجد مرزا امجدؔ

آدم چغتائی (مرحوم)

Mr.Adam Chughtai

10 Mossfield Road, KingHeath,

Birmingham B14 7JB

Tell: 0121 444 5242

آدم چغتائی پاکستان لاہور سے تعلق رکھتے ہیں 1935 میں پیدا ہوئے اور شاعرانہ عمر بھی نصف صدی سے زائد ہے۔ انہوں نے 1951 میں شاعری کا آغاز کیا۔ اپنی شاعری کو نہایت خوبصورت دھیمے لہجے میں ترنم سے پڑھ کر مشاعرہ کو لوٹ لے جاتے ہیں انہیں 1991 میں برمنگھم کے عالمی مشاعرے میں ''شاعرِ مترنم، اور شاعرِ برمنگھم'' کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ نہایت منکسر المزاج اور دھیمے لہجے کے بزرگ ہیں۔ آپ 1961 میں برطانیہ آئے اور شروع سے ہی برمنگھم جو پاکستانی آبادی کا مشہور شہر ہے میں ہی سکونت رکھی۔ شاعری کے شوق سے جلد ہی مقامی شعراء میں اچھا مقام پیدا کرلیا اور برمنگھم کے چند معروف شعراء کی معاونت سے انہوں نے ایک ادبی تنظیم ''رائٹرز گلڈ'' کی بنیاد رکھی اسی طرح وہ اسی شہر میں ''انجمنِ ترقی اردو کے بنیادی رکن، انجمنِ ترقی و ترویج اردو'' کے سیکریٹری، ''بزم اردو'' کے سیکریٹری جنرل اور ''اردو فورم برمنگھم'' کے بنیادی رکن بھی ہیں۔ اسی طرح وہ ''ایشین آرٹ اینڈ کلچرل سوسائٹی'' کے چیئرمین بھی رہے۔ ان کی نہایت مصروف و فعال ادبی زندگی دوسروں کے لئے مشعل راہ ہی نہیں رہی بلکہ پورے برطانیہ میں ایک ممتاز مقام بھی حاصل کیا۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''نوائے آدم'' 2000 میں منصۂ شہود پر آیا جو ادبی حلقوں میں خوب پسند کیا گیا، ان کا دوسرا مجموعہ کلام ''جستجوئے جمال'' جس کے دو ایڈیشن آچکے ہیں جن سے ان کی اعلٰی شاعری اور ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں صوفیانہ ہوک ہے وہاں بلبل کی صدا بھی گونجتی ہے جس طرح عام زندگی میں وہ نہایت دھیمے، میٹھے اور پراعتماد لہجے میں بات کرتے ہیں اسی طرح

ان کی شاعری میں بھی بلا کی حلاوت و مٹھاس ہے۔

ہم انتہا سے جو گزرے تو یہ شعور ملا
سکونِ قلب اگر ہے تو اعتدال میں ہے

آدم چغتائی انتہا سے گزرنے کے باوجود اپنے حواس و شعور کو اپنے قابو میں رکھنے کا ہنر جانتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ،

''خوبصورت مترنم آواز قدرت کا خاص عطیہ ہے جس کی وجہ سے الفاظ گنگنانے کا شوق پیدا ہوا، ذوقِ شعر گوئی نے الفاظ کے معانی دریافت کئے، ان کی تلاش میں نہ تو مجھے برف خانوں میں ٹھٹھرنا پڑا اور نہ ہی آگ کے الاؤ میں جلنا پڑا، یہی ابن آدم کی آواز تھی جو کبھی شاخِ زیتون سے اور کبھی زمزمۂ حجاز سے سنائی دی جس کو گرفت میں لانے کی کاوش نے منفرد اسلوب مہیا کر دیا۔اسی کاوش کے نقش نگار ''جستجوئے جمال'' کے آئینہ دار ہیں۔''

ان کے مجموعہ میں خوبصورت پھولوں کی طرح مہکتیں، بلبل کی طرح نغمہ سرا اور کوئل کی کوک کی مانند سریلی غزلیں شامل ہیں جو ایک کے بعد ایک اعلیٰ معیار کی ہیں۔

محبت کا کوئی نغمہ بھلایا جا نہیں سکتا
یہ وہ جذبہ ہے جو دل میں چھپایا جا نہیں سکتا

کے مصداق وہ محبت کے نغمات چھیڑتے ہیں جن میں کبھی غنچوں کو شبنم مل جاتی ہے تو کہیں تتلیاں اپنے اشکوں میں نہاتی ہیں تو کبھی چمن کی ساری کلیاں ان کے غم میں مسکراتی ہیں۔

گلوں کی پیاس تو شبنم کے اشکوں سے بجھی آدم
سنا ہے تتلیاں بھی اپنے اشکوں میں نہاتی ہیں

آدم چغتائی کو موسیقی کا بھی شوق ہے سنا ہے کسی زمانے میں وہ اپنے مرحوم و مغفور بھائی محمد ادریس چغتائی (تذکرہ صفحہ نمبر ۱۶۵) کے ساتھ ہلکے سے میوزک کے ساتھ بڑا اچھا گایا کرتے تھے۔مشاعروں میں انہیں ترنم کے ساتھ غزل پڑھنے کی فرمائش کی جاتی ہے اور وہ اپنی خوبصورت غزل کو اپنی خوبصورت آواز کے

ساتھ مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں۔ کالج کے زمانے میں بھی ان سے شعرا اپنی غزلیں ترنم سے پڑھواتے تھے۔ 1958 میں انہوں نے پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ایران میں بین اقوامی شخصیات کی موجودگی میں ثقافتی پرگرام پیش کیا جس میں شاہ ایران بھی موجود تھے

ان کی ہر غزل مترنم غزل ہے، بحر و عروض کے سانچے میں ڈھلی ہوئی جسے پڑھ کر بے اختیار گنگنانے کو جی کرتا ہے۔

اک ایسے ترنم نے بھی آدم کو صدا دی
سرمست ہوئے جاتے ہیں دریا کے کنارے

اور پھر کہتے ہیں۔

اگر توفیق دے مولا ذرا سا گنگنانے کو
ہواؤں میں ترنم کو میں زیبِ داستاں کردوں

ان کی شاعری میں پھولوں کا ذکر بہت زیادہ پایا جاتا ہے، پھولوں سے پیار کرنے والے لوگ بھی پھولوں کی طرح کومل، رنگین، خوبصورت، خوشبودار اور معطر ہوتے ہیں۔

نکالوں خشک صحراؤں سے میں نہریں محبت کی
سبھی بنجر زمینوں کو میں رشکِ گلستاں کردوں

محبت و پیار بانٹنے والے شاعر جس کی شاعری بھی پیار و محبت سے لبریز ہے جو ہمیشہ محبتوں کی باتیں کرتا ہے ہر مخاطب کو لمحوں میں اپنی محبتوں کا اسیر کردیتا ہے۔ آدم چغتائی۔۔۔۔ جس کی ہر نظر جھکی ہوئی محبتوں کے سلسلے کو آگے بڑھاتی ہے۔۔ اللہ کرے وہ اسی طرح پیار کی باتیں کرتے رہیں اور محبتیں تقسیم کرتے رہیں۔ آمین

کسی ایک نظر میں وہ بات تھی آدم
جو جھک گئی تو محبت کے سلسلے بھی ہوئے

❁ ❁ ❁

❁

یہ استعارۂ بے مثل و بے مثال میں ہے
ترا ہی نور زمانے کے خدو خال میں ہے
جو سرِ حفظِ مراتب ترے جلال میں ہے
وہی جوابِ ادب حسن جلال میں ہے
امید و یاس بہت مختصرِ خیال میں ہے
مگر عروجِ بشر عزمِ لازوال میں ہے
مدارِ شمس و قمر کے حدود قائم ہیں
مگر حیات کا ہر لمحہ اتصال میں ہے
ہم انتہا سے جو گزرے تو یہ شعور ملا
سکونِ قلب اگر ہے تو اعتدال میں ہے
زبانِ حضرتِ ناصح نہ شعلہ بار ہوئی
یہ کس کا بختِ زبوں آج ابتذال میں ہے
بچھڑ کے خوف سے ملتے ہیں جو یقین کے ساتھ
عجیب معجزہ اُن کے بھی ماہ و سال میں ہے
عطا ہوئیں ہیں اگر خوش بیانیاں آدم
مگر یہ لحنِ داؤدی بھی تو کمال میں ہے

❁

عیاں ہے حسن کا پرتو گلستاں کی بہاروں میں
سحر میں، چاندنی میں، گل رخوں میں اور نگاروں میں
کھنکتی ہے کہیں پائل سی تیرے مرغزاروں میں
بڑے سُر تال سے بہتا ہے پانی آبشاروں میں
ادا ایسی کہ جس پر خوبیِ قدرت بھی نازاں ہو
ضیا پھولوں کی جھلمل کر رہی ہے چاند تاروں میں
نظر آتی ہے ہر اک جام میں تیری ہی رعنائی
بڑھاتی ہے خمارِ شب جو تیرے بادہ خواروں میں
تری جنت کی رنگینی سدا قائم رہے یا رب
ترا سائل یہی تو مانگتا ہے استعاروں میں
کبھی انوارِ خوباں میں، کبھی عرشِ بریں میں تُو
کبھی پایا نظر نے بحر کے مضمر کناروں میں
بہت مشکل ہے کرگس سے بچانا اپنے شاہیں کو
کہیں بھٹکا دیا جائے نہ تپتے ریگزاروں میں
ہمیں تو وادیٔ محبوب سے آدم گزرنا ہے
مبادا گرد چھا جائے نہ پھنس جائیں غباروں میں

❁

جو ریگ زاروں پہ بند یا روطلوعِ ہستی کا باب ہوتا
نہ صحنِ گلشن میں پھول کھلتے، نہ بہر خوباں گلاب ہوتا
کچھ ایسے ذرّے ہیں جن میں مخفی ہے ماہ وانجم کی روشنی بھی
فلک پہ جا کے جو یہ چمکتے تو اک نیا آفتاب ہوتا
یہ تیرے آنچل کے رنگ سارے گلوں میں جا کر نکھر رہے ہیں
اُجالے رہتے سدا جہاں میں اگر جو تُو بے نقاب ہوتا
جفا کی دوزخ میں جلنے والے عجیب باتیں سنا رہے ہیں
ہماری دولت جو کام آتی تو ہم پہ یوں نہ عتاب ہوتا
سوال یہ ہے کہ آبِ جو سے ملا ہے کس کو قرار اب تک
جو مے نہ ہوتی جہاں میں یارو، تو کس کا خانہ خراب ہوتا
وفا کی جھلکی ہمارے خوابوں کی آئی ان کو نظر نہ ہرگز
اگر یہ راتیں طویل ہوتیں نہ جانے کیسا عذاب ہوتا
کوئی جو گوشہ نشیں سے پوچھے کہ راز کیا ہے سخن کا آدم
سراغ اس کا جو جان لیتے تو زندگی کی کتاب ہوتا

❁

لئے پوشاک لفظوں سے سخن کا پیرہن نکلا
ترے نغموں سے حسنِ گلستاں کا بانکپن نکلا
وہ کیسا دل ربا منظر تھا گلشن میں بہاروں کا
دِکھا جو پھول سا چہرہ وہ میرا گل بدن نکلا
ادا میں شوخیاں، سانسوں میں نکہت تھی گلابوں کی
اُٹھی چلمن تو یارو خوش نما شیریں دہن نکلا
وہ اک جاذب نگہ تھی شعلۂ بیباک گل رُخ کی
جہاں غنچہ نہ کھلتا وہیں سے اک چمن نکلا
وہ منظر دیکھ کر گلزارِ جاناں میں کھلی کلیاں
مگر وہ سادہ دل شاعر خیالوں میں مگن نکلا
کناروں سے ملے جب بھی کنارے بہتے پانی کے
وہیں سے نور نکلا، نور کا سیمیں بدن نکلا
سرابِ زندگانی نے ہمیں دھوکے دیئے آدم
حقیقت جس کو سمجھے تھے وہ اپنا حسنِ ظن نکلا

❁

نئی نویلی یہ کونپلیں ہیں ، انہیں عطا ہو قرار جاناں !
نہ آئے ان پر خزاں کسی دم ، رہے ہمیشہ بہار جاناں !
زبانِ گل کی یہ خامشی بھی ہزار قصے سنا رہی ہے
صدائے گریہ سکوتِ شب میں ہے گونجتی بار بار جاناں !
نہ تو اکیلا ، نہ میں اکیلا ، ہے بات ساری تصوروں کی
تو اپنے وہم و گماں سے باہر بھی آ کے مجھ کو پکار جاناں !
شکستِ وعدہ کی دل فریبی نہ جانے کیوں تجھ کو بھا گئی ہے
کبھی تو کر لے مری محبت کو آ کے تو ہمکنار جاناں !
نہ جذبۂ دل ، نہ راحتِ جاں ، طریقِ الفت یہ کیا ہوا ہے
تری ادائے جفا شعاری نے دکھ دیئے بے شمار جاناں !
جو زاہدوں نے بھی چھوڑ دی تھی وہ مجھ سے رندوں کو راس آئی
شراب میں گیسوؤں کی نکہت مرے سُبو میں اتار جاناں !
کسی کو ذوقِ سجود دے کر فُزونِ گریہ بھی بخش ڈالا
کسی کو آدم کی سجدہ ریزی نے کردیا باوقار جاناں !

❁

بھلاوے میں نہ ہم آتے ، ہمارا بھی جہاں ہوتا
زمیں کی کیا ضرورت تھی ، فقط اک آسماں ہوتا
یہی ہوتا خودی پر نور کا وہم و گماں ہوتا
حیاتِ جاودانی کا تصور رائیگاں ہوتا
نہ دل ہوتا ، نہ جاں ہوتی ، نہ قدرت مہرباں ہوتی
فلک پر کہکشاں کا قافلہ نہ ضوفشاں ہوتا
یہی ہوتا کہ ہر دم نور کی کرنوں میں ہم رہتے
ہماری دسترس میں کاش کہ اپنا مکاں ہوتا
یہی ہوتا کفِ صیاد سے دامن بچا رہتا
نہ کچھ دردِ تپاں ہوتا ، نہ کچھ سوزِ نہاں ہوتا
جو یوں ہوتا تو کیا ہوتا ، نہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
نہ ہر شے کا جہاں ہوتا نہ ہر شے کا مکاں ہوتا
نہ جنت بھی کسی آدم کے دامن میں بچھی ہوتی
نہ ہوتا جام کوثر کا ، نہ ساقی مہرباں ہوتا

ابراھیم رضوی (مرحوم)

Mr.Ibrahim Rizvi.

75,Daybrook Road.London.

SW19 3DJ. Tel: 0208542 4570

E.Mail: ibrahimrizvi@outlook.com

ابراھیم رضوی انڈیا سے ہجرت کر کے پاکستان گئے اور پھر وہاں سے دوسری ہجرت کی اور 1968 میں لندن آئے۔ وہ کہتے ہیں ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا یہاں آنے کا اس لیئے کہ کراچی میں وہ دو دو کالجوں میں صبح و شام پڑھاتے دن کو مشرق اخبار میں کام کرتے اس تمام مصروفیات میں بہت خوش تھے مگر ان کے ایک شاعر دوست ارتقا شیخ مرحوم نے خود جانا تھا لہذا انہیں اصرار کیا اور ابراھیم صاحب ان کا دل رکھنے کے لئے فارم بھر آئے مگر کچھ ہی مدت کے بعد برطانیہ میں ان کی ملازمت کا وو چرا انہیں گھر آ گیا۔ سوچا یہی تھا کہ چلو کچھ مدت جا کر مزید تعلیم حاصل کر کے پھر لوٹ آئیں گے۔۔۔ مگر جیسا کہ اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے یہاں آ کر پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔۔۔

لندن میں اعلی ملازمت پر رہے۔ نہایت نفیس اعلی لباس میں، خوش اخلاق اور ہلکے سے مزاحیہ انداز میں سلجھی ہوئی باتیں کرنے والے ابراھیم رضوی صاحب چند لمحوں میں اپنے مخاطب کو اپنا گرویدہ و اسیر بنا لیتے ہیں یہ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر لکھ رہا ہوں۔۔ آج برسوں ہو گئے ان کے ساتھ نہایت برادرانہ اور مخلص بے غرض دوستی ہے جو ایک بھائی کے رشتے کا پیرہن رکھتی ہے۔

کسی مذہبی تہوار یا کسی قومی دن پر فون کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے ہیں جو ان کے اخلاص کی پہچان ہے۔ کبھی کسی سے کوئی پرخاش نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں سے ایک آدھ ضرور دل جلے جلتے بھی ہیں مگر وہ ہنس کر کہہ دیتے ہیں۔

''ارے نہیں مرزا صاحب! یہ بھی ان کی محبت کا ادا ہو گی۔۔!''

ہر بلائے جہاں سے یاری ہے

یہ کرشمہ ہے یا بصارت ہے

ایک مدت تک لندن کی ادبی تنظیم سے بھی منسلک رہے نہایت اچھی نظامت کرتے۔اب ایک تنظیم ''برٹش مسلم ایسوسی ایشن آف مرٹن'' ہے جس کے تحت سال میں چار پانچ مختلف موضوعات پر سیمینار و جلسے کرتے ہیں۔

خود بہت اچھے شاعر ہیں اور اپنے مخصوص انداز میں ترنم سے پڑھ کر مشاعرہ لوٹ لے جاتے ہیں۔میرے مشاعرے میں اکثر دور کا سفر کر کے آتے ہیں اور اپنے خوبصورت کلام و ترنم سے خوب داد سمیٹتے ہیں۔لکھتے بہت کم ہیں مگر جو لکھا وہ بہت اچھا لکھا ہے۔ابھی اپنے مجموعہ کلام کا کوئی پروگرام نہیں جب بات چلے تو مسکرا کر کہتے ہیں۔

''بھائی امجد! یہاں اتنے بڑے بڑے شعرا استادِ زمانہ پڑے ہیں بھلا ہمیں کون پڑھے ہے۔'' یہ ان کی کسر نفسی ہے ورنہ اگر وہ اپنا مجموعہ کلام ترتیب دینے پر غور کریں تو یقین کریں اردو ادب میں ایک خوبصورت اضافہ ہوگا مگر ہمارے یہاں بدبختی ہے کہ جو شعراء و ادبا کثیر رقوم صرف کر کے کتابیں چھپواتے ہیں انہیں پڑھنے کے لئے قاری نہیں ملتے۔۔کتاب خریدنے کا رواج تو ہے ہی نہیں ہر کوئی مفت کتاب کی خواہش رکھتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ آج کل کتاب چھپوانا پھر اسے برطانیہ منگوانا مشکل ہی نہیں بہت مہنگا بھی پڑتا ہے اکثر شعراء و ادبا اسی وجہ سے کتابیں شائع نہیں کروارہے۔۔بلکہ میرے جاننے والوں میں بہت اچھے قلمکار جنہوں نے بددل ہو کر مزید لکھنا ختم کر دیا ہے۔۔۔کہ کتاب کو چند پونڈ صرف کر کے کوئی خریدتا تک نہیں۔۔۔!!

ابراھیم رضوی صاحب کا شعری اسلوب سب سے منفرد اور نرالا ہے۔کیونکہ ان کی شاعری میں جو رنگِ جنوں ہے وہ دوسرے شعراء کے طرزِ سخن سے مختلف ہے۔عشق اور زندگی دونوں سے انہیں لگاؤ جنون کی حد تک ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر فن کار اپنے عصر کا ترجمان ہوتا ہے۔باوجود اس کے وہ

مقبولیت کی منزل تک یونہی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے فن میں توانائی اور سحر کاری کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے ۔یہ وہ جوہر ہے جسے بغیر ریاضت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ محترم ابراھیم رضوی صاحب نے اپنے عصری شعور کو فن کے سانچے میں ڈھالنے میں کتنی ریاضت و مشق کی ہو گی۔

کبھی میں کہکشاں بر دوش ایوانوں سے گزرا ہوں
کبھی روحی کے رشکِ خلد کے کاشانوں سے گزرا ہوں

میں ابراھیم بھائی سے دست بستہ گذارش کروں گا کہ اپنے کلام کو کتابی شکل میں لائیں تا کہ ادب وسخن میں آپ کی خوبصورت شاعری سے مزید نکھار پیدا ہو۔۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ماشاءاللہ برطانیہ میں ادب وسخن کا ایک حدنظر تک گلشن آباد ہو چکا ہے ہر شہر میں شعرا اپنا خوبصوت کلام تخلیق کر رہے ہیں اور خاص کر لندن ادب کا گہوارہ ہے جہاں ہر مہینے کئی ادبی تنظیمیں ادب وسخن کے پھول کھلاتی ہیں نئے شعرا کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جس میں ابراھیم رضوی بھی پیش پیش ہیں۔جو نئے شعرا و شاعرات کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرماتے ہیں بلکہ ان کی اصلاح و رہنمائی بھی کرتے ہیں۔

دلی دعا ہے کہ ان جیسے ادب کے ساتھ مخلص کمیونٹی کے ساتھ ایثار کرنے والے اور اپنی تہذیب و تمدن کی ترجمانی کرنے والے عظیم شخص کو طویل زندگی عطا فرمائے۔۔۔آمین

پھر بہار آئی گلوں کو مسکرانا آگیا
پھر گریباں چاک کرنے کا زمانہ آگیا

بڑھ چلیں اہلِ جنوں کی انجمن آرائیاں
ہاتھ اربابِ خرد کے اک بہانہ آگیا

منکرینِ دین ، دانش منفعل دیکھے گئے
محتسب نازاں کہ دورِ ملزمانہ آگیا

اس ادا و ناز سے اس بانکپن سے ہم چلے
اہل تمکیں شادماں ، پھر اک دوانہ آگیا

ہم جو ہر دورِ زماں میں دار پر کھینچے گئے
مرحبا ہم کو بھی خنجر آزمانا آگیا

دوستی پہلی ملاقات سے آگے نہ بڑھی
گفتگو خیر طلب بات سے آگے نہ بڑھی

کتنے پیمان نگاہوں نے نگاہوں سے کیے
بات کچھ رمز و اشارات سے آگے نہ بڑھی

حلقۂ کاکلِ جاناں سے الجھتی ہی رہی
"روشنی سایۂ ظلمات سے آگے نہ بڑھی"

اب بھی ہر گام پہ ہے مرحلۂ دارو رسن
زندگی کہنہ روایات سے آگے نہ بڑھی

اہل دل خونِ جگر نذرِ وفا کرتے رہے
دلبری سحر و کرامات سے آگے نہ بڑھی

دل ہے آمادۂ فریاد و فغاں آج کی رات
کاش ہوتا وہ مسیحا نفساں آج کی رات

سونا سونا ہے بہت دل کا جہاں آج کی رات
زندگی کتنی ہے دشوار و گراں آج کی رات

اشکِ خوں چشمِ تمنا سے رواں آج کی رات
دیدنی ہے مری وحشت کا سماں آج کی رات

مجھ کو رہ رہ کے یہ ہوتا ہے گماں آج کی رات
جیسے وہ شوخ بھی ہے گریہ کناں آج کی رات

کیسے سمجھاؤں تجھے کیا میں کروں جوشِ جنوں
بھاگ کر خود سے میں جاؤں تو کہاں آج کی رات

کچھ اس انداز سے پھرتے ہیں نقیبانِ بہار
محفلِ شوق سے اُٹھتا ہے دھواں آج کی رات

کبھی میں کہکشاں بردوش ایوانوں سے گزرا ہوں
کبھی روحی کے رشکِ خلد کاشانوں سے گزرا ہوں
کبھی سر رکھ دیا ہے بےخودی میں سنگِ اسود پر
سکونِ دل نہ ملنے پر صنم خانوں سے گزرا ہوں
جہانِ شبنم و گل میں پذیرائی تو آساں تھی
مگر یہ شوقِ آوارہ کہ ویرانوں سے گزرا ہوں
کہاں کی بزم آرائی کجا پیمانہ و ساغر
زوالِ فہم و دانش پر عزاخانوں سے گزرا ہوں
پیام کفر و باطل میں کشش ہوتی تو کیا ہوتی
حرم کی کم نگاہی تھی کہ بت خانوں سے گزرا ہوں
بہ چشمِ نم بہت رسوائیاں جھیلیں حرم والو
شکایت کیا کہ غم خانوں سیہ خانوں سے گزرا ہوں
گزر ممکن تو تھی بزمِ نگارانِ خود آرا میں
یہ عزمِ چاکِ دامانی کہستانوں سے گزرا ہوں

٭

رہو رسمِ جنوں بدلی نہ طرزِ کوہ کن بدلا
نہ عزمِ چاکِ دامانی نہ فیضِ پیرہن بدلا

سلامت ہم صفیرانِ وطن کی شرم سامانی
کمالِ جورِ گلچیں تھا کہ اندازِ چمن بدلا

نہ وہ بدلے نہ ہم بدلے نہ بزمِ میکدہ بدلی
نہ عزمِ سرفروشی ہی سرِ دار و رسن بدلا

کسی گیسوپریشاں نے سحر ہونے نہ دی اب تک
نہ صبحِ منتظر پھوٹی نہ طرزِ اہرمن بدلا

سلام آخری اس کی طرف سے اے وطن والو
کہ جس کی لالہ پاشی نے طریقِ فکروفن بدلا

٭

خیال و فکر کی محفل میں کوئی آیا تھا
کبھی صنم کدۂ دل بھی جگمگایا تھا

فریبِ وہم و یقیں نے اسے بجھا ڈالا
وہ اک چراغ خرد نے جسے جلایا تھا

خیالِ چشمِ جفا جُو کی آنچ کہتی ہے
بہت خنک غمِ دوراں کا نرم سایہ تھا

کسی کی نرم نگاہی نے فاش کر ہی دیا
وہ ایک راز زمانے سے جو چھپایا تھا

فروغِ کعبہ و بتخانہ بے سبب لیکن
یہیں کہیں کوئی ناشاد مسکرایا تھا

احمد مسعود

Mr. Ahmed Masood.

49,Milford Drive, Bakersfield,

Nottingham NG3 7HE

Tell: 0115 9111875 E.Mail: masud42@yahoo.co.uk

احمد مسعود صاحب جنوری 1978 میں برطانیہ آئے، گوڑہ کنجال (بھمبر) آزاد کشمیر سے سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1961 سے لکھنا شروع کیا اور دونوں اصناف یعنی نثر اور شاعری لکھتے ہیں۔ ابتک دو شعری مجموعے ''سسکیاں سنائی دیں'' اور ''روشنی ہے کہاں'' منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ اپنے اعزازات کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ؎ مرا دامن ہے اب تک صاف مسعودؔ

ملا مجھ کو نہیں انعام کوئی

میری ان سے نوٹنگھم کے ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی جہاں نوٹنگھم کے بزرگ شاعر محمد سرور رجاہ مرحوم کی کتاب کی رسم اجرا تھی۔ مگر اس قلیل ملاقات میں انہوں نے اپنی بے پناہ محبت بھری باتوں سے دل کو اس طرح موہ لیا کہ اس کی خوشبو آج کئی برسوں بعد بھی دل کو خوشگوار کر دیتی ہے۔

احمد مسعود صاحب آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں مگر اپنے آپ کو کمیونٹی کے کاموں اور ادب کی خدمت میں اس طرح مصروف رکھا ہوا ہے کہ شاید ملازمت کے دوران اتنے مصروف نہ ہوں گے۔ ''پاکستان سینٹر کی انتظامیہ کمیٹی کے سرگرم رکن ہیں، نوٹنگھم ایشین آرٹس کونسل، بزم علم وفن نوٹنگھم، بزم ادب نوٹنگھم کے علاوہ مقامی اسکول کے گورنر بھی ہیں۔ ملازمت کے دوران انہوں نے چند ایک نہایت اہم فرائض انجام دیئے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے دوران کراچی میں کنٹرولر آفس، یوڈی سی 5 سال نیشنل بینک آف پاکستان بطور سپروائزر، برانچ مینجر اور ایریا مینجر 18 سال، برطانیہ آخر نوٹنگھم میں سٹی کونسل کمیونٹی سروسز میں بطور مینجر 22 سال سروس کی۔ ان کی زندگی میں اتنی طویل ملازمتیں ان کی پر اعتماد شخصیت کا منہ بولتا

ثبوت ہے۔خود اعلی تعلیم یافتہ ہیں لہذا اپنی اولاد کو بھی اس زریں زیور سے آراستہ کیا۔ان کے صاحبزادے برطانیہ میں فلم رائٹر اور ڈایئریکٹر ہیں ایک بیٹی وکیل،دوسری ڈاکٹر تیسری ٹیچر اور چوتھی اعلی تعلیم سے آراستہ ہوکر اچھی نوکری کی تلاش میں ہے۔

احمد مسعود کی نگارشات بے شمار اخبارات ورسائل میں شائع ہوتی رہیں جن میں قابلِ ذکر،''سروش،گل بکف کراچی ،ادبیات اسلام آباد، تخلیق لاہور، شاعر،انتساب انڈیا، راوی، شادیب بریڈ فورڈ، پرواز،ساحل لندن ہفت روزہ نوائے وقت،دی پاکستان،روزنامہ جنگ اور یو کے ٹائم لندن ہیں۔

ان کی دو کتابیں شاعری کی بہت پسند کی گئی ہیں۔آپ یقیناً غزل کے شاعر ہیں اور کامیاب شاعر ہیں۔ان کی شاعری آج کی شاعری ہے۔ان کی غزل نئے انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔ان کا سخن آج کا،سچا اور پکا سخن ہونے کا امتیاز اور انفرادیت رکھتا ہے۔ان کا کلام ہستی طور پر کلاسیکی رنگ و آہنگ میں سہل ممتنع کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہونے کے اعتبار سے متغزل ومترنم ساز میں رچا بسا ،شعری وفکری لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جادو لئے معنی تناظر میں مضمون آفرینی ،پہلو وتہہ داری نیز ہمہ گیریت سے معمول اس کا کینوس بہت ارفع وتوسیع ہوتا ہے۔اس لحاظ سے ان کے سخن میں وہ تمام محاسن وعوامل پائے جاتے ہیں جو سننے سنانے کی کشش اور سرور وکیف آفرینی نیز افہام وتفہیم کی بات صلائے عام دینے اور قبول عام ہونے کے شرف سے نوازتی ہے۔

ان کی شاعری گنجلک ترکیبوں اور غیر مروجہ بندشوں سے مبرا ہے۔وہ جو موضوع باندھتے ہیں اس میں نیاپن پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

شاعر ہمیشہ اپنے دل کی بات کہتا ہے جو وہ سمجھتا ہے جو اسے پسند ہو۔۔۔

کہاں سنا ہے وہ دنیا نے جو کہا مسعودؔ
کہا جو دل نے کیا ہے سدا وہی ہم نے

ان کے دوسرے شعری مجموعہ''روشنی ہے کہاں'' میں انہوں نے زیادہ چھوٹی بحر میں اور نہایت خوبصورت انداز میں غزل کہی ہے۔ان کے اشعار میں بھی پردیس کا دکھ اور وطن سے جدائی کا درد محسوس

ہوتا ہے۔غریب الوطنی انسان کو کبھی بھی چین نہیں لینے دیتی چاہے وہ پردیس میں کتنا خوش حال کیوں نہ ہو جائے۔اسے ہر دم اپنی مٹی کی خوشبو۔اپنے گاؤں سے آنے والی محبت بھری ہواؤں کی سرگوشیاں سنائی دیتی رہتی ہیں۔۔

یہ جو خوشبو سے لدی ہے مسعودؔ

میرے گاؤں کی ہوا لگتی ہے

جو اپنا گھر بھول جاتا ہے وہ کبھی کہیں اپنا گھر نہیں بنا پاتا کیونکہ اسے گھر کی قدر نہیں ہوتی۔۔احمد مسعود کا گھر یہاں بھی آباد ہے مگر وہ اپنے اس گھر کو کبھی نہ بھلا پائے جہاں ان کا بچپن کھیلا تھا۔۔اسی لئے شاعر کو اس کی تنہائی،اداسی،یاد کبھی تنہا نہیں ہونے دیتی۔۔

تیرے تنہا کرنے سے بھی میں ہوا تنہا نہ تھا

ساتھ میرا چھوڑ جاتا غم ترا ایسا نہ تھا

احمد مسعود صاحب صاحب علم ہیں اور صاحب دل بھی۔۔۔ان کا لہجہ،ان کا انداز بیان اور تخیل کی پرواز خالص شاعرانہ ہے جسے پڑھ کر قاری کتاب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔۔۔

ہم کہ سینے میں داغ رکھتے ہیں

گھر میں روشن چراغ رکھتے ہیں

کوئی دھبا نہیں ہے دامن میں

دل مگر داغ داغ رکھتے ہیں

مجھے یقین ہے کہ احمد مسعود صاحب اسی طرح سچی لگن اور محبت سے اپنی خوبصورت شاعری اور مضامین اپنے قارئین تک پہنچاتے رہیں گے اور نوٹنگھم جیسے تاریخی شہر میں ادب وسخن کی محفلیں سجائے رکھیں گے۔

اللہ کرے ہوزور قلم اور زیادہ۔آمین

❁

کوئی ایسی غزل کہی ہوتی
دل کسی کا جو چھو گئی ہوتی

کتنی پیاری یہ زندگی ہوتی
عمر ساری جو عاشقی ہوتی

سب نبھاتے جو پیار کے رشتے
ساری دنیا میں روشنی ہوتی

کیوں میں شکوہ کروں شبِ غم کا
غم نہ ہوتا تو کیا خوشی ہوتی

تیری صورت جو دھیان میں رہتی
ہر غزل میں جھلک تری ہوتی

اشک بہتے ہیں بات کرتے ہی
ایسی بھی تو نہ بے بسی ہوتی

داد مجھ کو جنہوں نے دی مسعؔود
ان کی آنکھوں میں بھی نمی ہوتی

❁

جتنی تیری حیات باقی ہے
اتنی اے دل یہ رات باقی ہے

ساری دنیا کی سیر کی میں نے
ایک قریۂ ذات باقی ہے

یار سارے بچھڑ گئے مجھ سے
اب تو غم کا ہی ساتھ باقی ہے

کوئی چہرہ نظر نہیں آتا
اس کا مطلب ہے رات باقی ہے

تم سے باتیں ادھر ادھر کی تو کیں
جو تھی کہنی وہ بات باقی ہے

دیکھتے جاؤ آخری منظر
بس وفا کی وفات باقی ہے

زندگی تو گزر گئی مسعؔود
داستانِ حیات باقی ہے

٭

ہم کہ سینے میں داغ رکھتے ہیں
گھر میں روشن چراغ رکھتے ہیں

آئے خوشبو ہماری باتوں سے
دل میں زخموں کا باغ رکھتے ہیں

کوئی دھبا نہیں ہے دامن پر
دل مگر داغ داغ رکھتے ہیں

آپ سوچیں تبائیاں ہر پل
آپ کیسا دماغ رکھتے ہیں

سوچنے دیجئے ہمیں بھی سر !
ہم بھی سر میں دماغ رکھتے ہیں

پوچھئے ہم سے زندگی کیا ہے
ہمی اس کا سراغ رکھتے ہیں

ان کو نسبت زمین سے کیا مسعودؔ
عرش پر جو دماغ رکھتے ہیں

٭

کچھ اس طرح ہے گزاری یہ زندگی ہم نے
جدھر سے گزرے ہیں کردی ہے روشنی ہم نے

کیا نہ کام کوئی بے سبب کبھی ہم نے
ملا جو درد تو پھر کی ہے شاعری ہم نے

سدا سلگتی رہی دل میں آرزو کوئی
دبا کے رکھی ہے سینے میں آگ سی ہم نے

کسی کے پیار کا اعجاز ایک یہ بھی ہے
رہے خمار میں اور مے کبھی نہ پی ہم نے

ہے زندگی پہ ہمیں اعتماد کچھ ایسا
کہ موت مانگی نہیں دشمنوں کی بھی ہم نے

مسافروں پہ ہوئیں منزلیں عیاں جن سے
ہیں خواب ایسے بھی دیکھے کبھی کبھی ہم نے

کہاں سنا ہے وہ دنیا نے جو کہا مسعودؔ
کہا جو دل نے کیا ہے سدا وہی ہم نے

۞

رات میں روشن خیالی بھی تری کس کام کی
تیرگی جاتی نہیں تو روشنی کس کام کی

آدمی کو آدمی سے دور تم نے کر دیا
یہ عبادت واعظو ، یہ بندگی کس کام کی

لوگ دن میں بھی نکلتے گھر سے ڈرتے ہیں بہت
رات میں اب چاند تیری چاندنی کس کام کی

زندگی میں رنگ سارے آرزو کے دم سے ہیں
آرزو میں دم نہیں تو زندگی کس کام کی

شعر کہنے کے سوا جو کام کچھ کرتے نہیں
اس طرح کے شاعروں کی شاعری کس کام کی

لٹ گئی دنیا ہماری ، دیکھتے ہم رہ گئے
یہ محبت ، یہ وفا ، یہ دوستی کس کام کی

یار تو مسعودؔ یوں بھی مل سکا اب تک نہیں
یہ تری دیوانگی ، یہ بے خودی کس کام کی

۞

چوٹ کھانا ، زخم سینا آ گیا
پتھروں کے ساتھ جینا آ گیا

بڑھ گیا ہے پیار بانٹنا جس قدر
ہاتھ یہ کیسا خزینہ آ گیا

دل سے رونے کی صدا آنے لگی
کس کے ماتم کا مہینہ آ گیا

ڈوب کر نکلا جو بحرِ غم سے میں
مجھ کو صحرا میں بھی جینا آ گیا

رمز میں ہونے لگی ہر بات اب
عشق کرنے کا قرینہ آ گیا

جستجو میں وہ بھی آیا وقت جب
آرزو کو بھی پسینہ آ گیا

تھم گیا مسعودؔ پھر طوفان بھی
جب کنارے پر سفینہ آ گیا
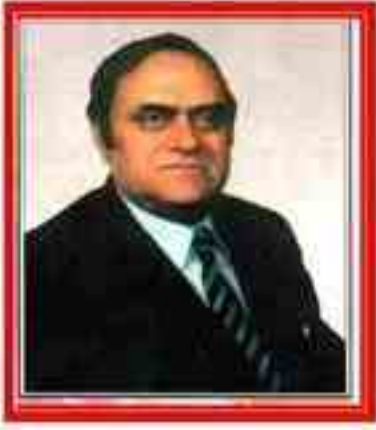
اختر ضیائی (مرحوم)

Mr. Akhtar Ziai (Late)

اختر ضیائی صاحب کا ہی شعر ہے کہ،

بن تیرے جیون کٹ تو گیا دل اس محور سے ہٹ تو گیا

پر یاد ہمیشہ ساتھ رہی جب بھی آئی غمناک ہوئے

کئی لوگ زندگی میں بوجھ بنے رہتے ہیں اور انسان ان سے چھٹکارے کی دعائیں مانگتا رہتا ہے ان کے بخل وعناد سے بیزار رہتا ہے ایسے لوگ مرنے کے بعد دنوں میں بھلا ہی نہیں دیئے جاتے بلکہ دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ ''خس کم جہاں پاک'' مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے لئے طویل عمری اور صحت تندرستی کی دعائیں دل سے نکلتی ہیں موت تو برحق ہے جہاں کسی کو فرار نہیں ،مگر ایسے لوگ جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو ساری عمر ان کی یاد دل سے نہیں نکلتی اور ہمیشہ ان کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ انہی لوگوں میں ایک اہم نام اختر ضیائی کا ہے جو ایسٹ لندن کے معروف علاقے والتھم سٹو میں اپنی محبتوں کے گلشن آباد کر گئے جن کی خوشبو سے آج بھی دل معطر رہتے ہیں۔

میری ادبی زندگی کا آغاز انہی کی ادبی محفل ''ایشین لٹریری سرکل'' سے ہوا۔ ان دنوں میں ''اخبار وطن'' سے وابستہ تھا اور ہر ماہ میری ایک کہانی اس ماہنامہ میں شائع ہوتی تھی اور اپنی پہلی کتاب ''کانچ کے رشتے'' کی تیاری کر رہا تھا۔ ایک دن وہ اس اخبار کے دفتر مجھے ملنے آئے اور کہا۔

''ایک تو آپ میرے شہر جہلم کے رہنے والے ہیں اور دوسرا آپ کے افسانے کہانیاں پڑھ کر ملنے کا اشتیاق ہوا کہ دعوت دوں کہ میں ہر ماہ ایک مشاعرے کا انعقاد کرتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس میں اپنا کوئی افسانہ پڑھیں۔'' میرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ پہلی بار مجھے کسی مشاعرے میں اپنا افسانہ سنانے کی دعوت دی جا رہی تھی اور وہ بھی ایک معروف شاعر کی زبانی !۔ اس پہلی ملاقات میں ہی

مرحوم اختر ضیائی میرے دل میں ایسے جاگزیں ہوئے کہ پھر نہ وہ نکلے نہ میں نکال پایا۔۔!!

میری ادبی زندگی کی پہلی اینٹ انہوں نے لگائی جو آج ماشاءاللہ ایک عظیم عمارت میں تبدیل ہو چکی ہے جس میں بے شمار ادبی کام کیئے گئے جنہوں نے مجھے ایک عزت دی ایک نام دیا۔مگر اس تمام عزت و محبت کے پیچھے اس عظیم شخص کا نام ہے، اختر ضیائی۔۔جو آج ہم میں نہیں ہے۔

میں جب اپنی پہلی کتاب ''کانچ کے رشتے'' کی اشاعت کے لئے پاکستان گیا جس کا دیباچہ بھی اختر ضیائی صاحب نے لکھا تھا، مگر افسوس 2002 کو جب میں کتاب لے کر واپس لندن آیا تو پتہ چلا کہ وہ تو میرے پاکستان جانے کے کچھ ہی دنوں بعد رحلت فرما گئے۔واللہ آج تیرہ برس ہو گئے میں جب بھی ان کا نام لوں میری آنکھیں بھیگتی ہی نہیں برسنے لگتی ہیں۔اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت دے اور بخشش فرمائے آمین۔اختر ضیائی ہمارے والتھم فاریسٹ کی ایک انتہائی باعزت باوقار، مخلص اور ادبی شخصیت تھے جن کے جانے سے ایک مدت تک والتھم فاریسٹ کی ساٹھ ہزار سے زیادہ آبادی ادبی طور پر ویران رہی۔جب بھی پاکستان یا انڈیا سے کوئی قلمکار، شاعر ادیب یا کوئی فن کار آتا وہ چند دنوں کے نوٹس پر لوگوں کا جم غفیر اکٹھا کر لیتے اور اس کے اعزاز میں خوبصورت محفل کا انعقاد کرتے۔شاعری کے ساتھ ساتھ وہ بہترین افسانہ نگار بھی تھے ان کا ایک مجموعہ ''چراغ اور آنسو'' شائع ہوا ان کی زندگی میں شعری مجموعہ ''درد کے رشتے'' نے منصۂ شہود پر آ کر خوب پذیرائی حاصل کی جبکہ وہ اپنے دوسرے شعری مجموعہ کی تیاری میں تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی، مگر ان کی نیک اولاد اور وفا شعار بیوی نے ان کی خواہش کے احترام میں ان کا تیسرا شعری مجموعہ ''کشت جاں'' شائع کیا اس کی رسم اجرا بھی کی۔

اختر ضیائی پاکستان میں جہلم ریلوے میں کام کیا کرتے تھے کالا گجراں سے تعلق تھا اور وہاں کے ممتاز اساتذہ شعرا کی شاگردی میں رہے، پاکستان میں بھی مشاعروں میں اپنا کلام سنا کر داد وصول کرتے۔ شاید ستر کی دہائی میں پاکستان سے آئے اور یہاں روزگار کے سلسلے میں مختلف فرموں میں برسرِ روزگار رہے۔ان کی اہلیہ بھی ان کی وفات سے چند سال بعد انتقال کر گئیں۔ایک جوان بیٹا گردوں کی بیماری سے جان بر نہ ہو سکا جب کہ دوسرے بیٹے کو بھی وہی تکلیف ہو گئی مگر ان کے چھوٹے بیٹے نوید ضیائی نے

قابل مثال قربانی دی اور اسی سال اپنے بڑے بھائی کو اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچائی۔ان کی تمام اولاد نیک صالح اور اعلی تعلیم یافتہ ہے۔ضیائی صاحب خود بڑے وضعدار اور مخلص انسان تھے۔انہوں نے اپنی اولاد کی بھی اسی طرح پرورش کی۔

انہوں نے اپنے افسانوں میں دیہی زندگی کے ساتھ شہری زندگی پر بھی لکھاان کی ہر کہانی جیتی جاگتی اپنے آپ کو پڑھواتی ہے۔شاعری میں ان کا لہجہ پرانی غزل سے بھی آشنا ہے اور نئی غزل کی رعنائی سے بھی، اسی لئے وہ غزل کی دنیا میں ایک نیا نگر بساتے نظر آتے ہیں وہ دونوں کی روایت و حکایت سے آشنا ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں صبح دم پھولوں کی پتیوں پر شبنم کے موتی جھلملاتے نظر آتے ہیں تو کبھی گلابی جاڑوں میں ٹھٹھرتی ہوئی دھوپ دکھتی ہے۔

ان کے اشعار میں پھولوں کی خوشبولہراتی بل کھاتی ہے۔

حسبِ توقع توڑ کے ہم بھی زلفوں میں اٹکا دیتے
کاش گلستاں میں مل جاتے ان کی شان کے شایاں پھول

شاعری کے بارے میں کیا خوب کہا ہے،

وہ کہ جو سمجھتے ہیں فکر و فن کو بے معنی جانے کس لئے اختر شاعری سے ڈرتے ہیں

آخر میں اس دعا کے ساتھ کہ اختر ضیائی مرحوم کو اللہ غریق رحمت کرے ان کی یاد بے شک ہمارے دلوں میں سدا زندہ رہے گی۔کیونکہ وہ ایک اچھے مخلص اور ادب نواز انسان تھے اور ایسے لوگ کبھی نہیں بھولتے!!

لمبی عمروں والے کانٹے سب کو دکھ پہنچاتے ہیں
اختر دل کو موہ لیتے ہیں پل دو پل کے مہماں پھول

اس کو منزل ملی نہ گھر ہی رہا
تم سے بچھڑا تو در بدر ہی رہا

آنکھ کچھ منظروں پہ رکتی رہی
دل تو آمادہء سفر ہی رہا

ایک عالم کی فکر تھی جس کو
میری حالت سے بے خبر ہی رہا

خوف سے کانپ کانپ جاتا تھا
زرد پتہ جو شاخ پر ہی رہا

دوسروں کے جو عیب گنتا تھا
حیف تا عمر بے ہنر ہی رہا

زیست صد جشن آرزو ٹھہری
یہ فسانہ بھی مختصر ہی رہا

وسعتِ کائنات میں اختؔر
جلتا بجھتا سا اک شرر ہی رہا

جو ہم اس دور میں مہر و وفا کی بات کرتے ہیں
یقیناً اک نئے ارض و سما کی بات کرتے ہیں
ابھی تک ذات کے جنگل سے جو باہر نہیں آئے
زمانے سے سدا بانگِ درا کی بات کرتے ہیں
تعجب ہے سرِ دشت زیاں وحشی بگولوں سے
ہم آہنگ و نوا رقصِ صبا کی بات کرتے ہیں
سفر تو اور بھی ہوتے ہیں لیکن راہِ الفت میں
ہمیشہ ابتداء سے انتہا کی بات کرتے ہیں
ہزاروں خوف انساں کو تحفظ دے نہیں پاتے
ابھی تک لوگ جو خوفِ خدا کی بات کرتے ہیں
بتوں سے ہم کو نسبت ہے لیکن حضرتِ واعظ !
جزا کے نام پر حرص و ہوا کی بات کرتے ہیں
کسی سے کیا کہیں اختؔر کہ کیوں تنہائی میں خود سے
ہم اکثر اس وفا نا آشنا کی بات کرتے ہیں

❁

بے سبب روٹھ گیا چھوڑ کے جانے والا
پھر سے شائد وہ نہیں لوٹ کے آنے والا

وہ جو برسا نہ کھلا ، ابر گریزاں کی طرح
چشمِ مے گوں سے میری پیاس بجھانے والا

وہ دھنک تھا کہ شفق پیکر خوشبو بن کر
دل کے آنگن میں نئے پھول کھلانے والا

مٹ گیا حرفِ غلط کی طرح وہ دنیا سے
کیا کوئی اور نہ تھا نقش مٹانے والا

سب کو کچھ روز ٹھہرنا ہے گزر جانا ہے
ہے یہاں کون بھلا ٹھور ٹھکانے والا ؟

جانے کیوں غیر سا لگتا ہے بھری محفل میں
دل میں رہ کر بھی سدا آنکھ چرانے والا

کیا تعجب اسے احساس ہے یکتائی کا !
کہ میرا عشق نہیں عام زمانے والا

اب نہ دیکھو گے کبھی چاند سا مکھڑا اختر
خوں رلا کر بھی نگاہوں میں سمانے والا

❁

جس کا ہر نقشِ وفا دل سے مٹایا ہم نے
یاد ہے آج بھی گو لاکھ بھلایا ہم نے

ہر نئی سانس نئی آس سے معمور رہی
زندگی ہنس کے ترا بوجھ اٹھایا ہم نے

خلوتِ افروز رہا لعل و گہر کی صورت
جو ترا زخم سدا سب سے چھپایا ہم نے

کیوں پریشاں ہوں رفیقانِ سفر جب اختر
آپ سے جو عہد کیا وہ تو نبھایا ہم نے
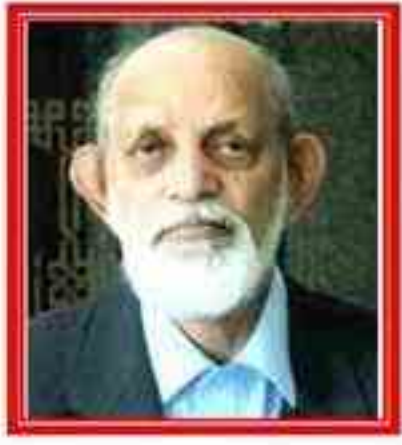
اسلام نبی سالمؔ جعفری (مرحوم)

Mr. Islam Nabi Salam Gahfri,
264, Silverdale Road,
Earley, READING RG6 7NU
Tel: 0118 935 1114

اصل نام اسلام نبی رکھا گیا مگر سات سال کی عمر میں شاعری کا شوق پیدا ہوا تو اپنے زمانہ کے جید عالم بزرگ والد صاحب جو عربی فارسی میں ماہر اپنے گھر میں ہزاروں کتب کی لائبریری رکھتے تھے جس سے اسلام نبی بھی استفادہ کرتے، کو چند اشعار لکھ کر دیئے تو انہوں نے لوٹاتے ہوئے فرمایا کہ ہر مصرعہ وزن سے خارج اور ہر شعر بے معنی اور لغو ہے۔تم پہلے اپنی تعلیم پر توجہ دو اور اگر شاعری کرنی ہی ہے تو حمد اور نعت لکھو،ان کی دل شکنی تو بہت ہوئی مگر جب والدہ ماجدہ نے یہ بتایا کہ ان کے والد صاحب ان کے بھائیوں سے تعریف کر رہے تھے کہ اسلام اچھے شعر کہہ لیتا ہے تو تسلی ہوئی ۔ کچھ ہی دنوں بعد جب انہوں نے ایک نعت لکھ کر والد صاحب کو پیش کی تو انہیں پسند آئی اور انہیں علم تخلص دیا۔نعت کی اصلاح اور پسندیدگی کے ساتھ انہیں جیسے شاعری کا لائسنس مل گیا۔مگر چونکہ والد صاحب کا تخلص ارم تھا لہذا بھائی اور دوسرے بچے یہ سمجھنے لگے کہ والد صاحب کے اشعار ان کا تخلص ارؔم بدل کر علم سے سنا دیتا ہے۔لہذا والد صاحب کی اجازت سے سالمؔ تخلص رکھا جو آج بھی قائم ہے۔۔اب وہ سالم جعفری کے نام سے ہی پہچانے جاتے ہیں ان کے دونوں مجموعوں پر بھی سالم جعفری کا ہی نام لکھا ہے۔یوں ان کی شاعری کا بیاضی سفر 1945 میں شروع ہوا لیکن اس دور میں رومانی غزلیں اور نظمیں لکھتے رہے نعت کی جانب خواہش و کوشش کے باوجود ذہن مائل نہ ہوا،مگر یہ 1993 میں فالج کے سخت حملہ کے بعد ہوا کہ اللہ پاک نے انہیں شفا بخشی اور رجحان حمد نعت کی جانب ہوا اور ایک چھوٹا سا گلدستہ بن گیا جو انہوں نے اپنے دوسرے مجموعہ کلام ”گلہائے متبسم“ کے حصہ دوم میں شامل کیا۔بچپن ہی سے یہ اپنی ہر کاوش کو ایک نام دے دیا کرتے تھے

چاہے ایک شعر ہی کیوں نہ ہو جو آج تک جاری ہے اس مجموعہ کلام میں بھی ان کی ہر غزل، نظم، قطعات و رباعی اور شعر کا نام ہے۔

2009 میں ان کا پہلا مجموعہ کلام ''گلہائے مترنم'' شائع ہوا جس کا مقدمہ برطانیہ کے معروف شاعر، ادیب و دانشور جناب خالد یوسف مرحوم نے لکھا۔ خالد یوسف کے ساتھ سالم جعفری کے دیرینہ تعلقات تھے جب وہ حیدر آباد میں رہائش پذیر تھے اور وہاں کے مشاعروں میں دونوں اکٹھے اپنے اشعار سے داد سمیٹتے تھے۔ پھر انگلینڈ آ کر سالم جعفری ریڈنگ شہر میں آباد ہو گئے اور خالد یوسف پہلے لندن اور آخر میں آکسفورڈ مقیم ہو گئے۔ 2009 میں ان کا پہلا مجموعہ کلام شائع ہوا جس کی تقریب رونمائی ریڈنگ کے سالانہ مشاعرے میں ہونی تھی مگر مشاعرہ سے ایک ہفتہ پہلے خالد یوسف اللہ کو پیارے ہو گئے جس کا سالم جعفری کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ باوجود دوستوں کے اصرار کے انہوں نے اپنے مجموعہ کی رسم اجرا ملتوی کر دی اور کتابوں کو اپنے گیراج میں رکھوا دیا جہاں وہ ایک مدت تک پڑی رہیں جب دوسرے سال کے سالانہ مشاعرے کے چند دن پہلے انہیں دیکھا تو یہاں کا موسم اپنا کام دکھا چکا تھا وہ اس قابل نہ رہیں کہ رونمائی کی جاتی۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی مخلص دوستی کی ایک مثال قائم کی اور برسوں کی محنت کی پرواہ تک نہ کی۔۔

لہذا انہوں نے اپنا دوسرا مجموعہ کلام 2013 میں بنام ''گلہائے متبسم'' شائع کیا جس میں غزلیں نظمیں، قطعات، اشعار، رباعیاں اور آخری حصہ نعت کا رکھا جس میں 43 نعتیں شامل ہیں کہ سالم جعفری رسول پاک ﷺ کے عاشقوں میں سے ہیں وہ اپنی بیماری و معذوری کے باوجود طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مکہ و مدینہ منورہ گئے ان کی دلی خواہش تھی کہ۔۔۔

یہ میری حسرتِ دیرینہ ہے اللہ بر لائے
وہیں پر نعت لکھوں اور وہیں گاؤں تو بہتر ہے

سفر حیات کی بلند ترین منزل کا نام عشق ہے، انسان جب منزلِ عشق پر پہنچتا ہے تو اسے اس کا محبوب بالکل قریبِ جاں نظر آتا ہے۔ جس کی آرزو اور جستجو میں وہ قیسِ صحرائی کی طرح دشتِ حیات کی نا قابلِ

برداشت صعوبتوں سے گذرتا ہے۔انہوں نے وہاں جا کر بھی کچھ نعتیں لکھیں جوان کے اس مجموعہ کلام میں شامل ہیں۔

سالم جعفری صاحب کو فالج نے مستقل ویل چیئر پر بٹھا دیا ہے مگر اس کے باوجود وہ کوشش کرتے ہیں کہ قریبی مشاعروں میں جا کر ادب وسخن کے گلستان میں اپنے سخن کے پھول کھلائیں۔

سب سے کہتے پھرتے ہیں میں ٹوٹ گیا میں پھوٹ گیا
پھر بھی نہ جانے کیوں سب ان کو سالم صاحب کہتے ہیں

ان کی شاعری نازک احساسات اور نہایت لطیف محسوسات کی شاعری ہے۔

انسان جس سے بے پناہ محبت کرتا ہے اسے ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھنا پسند کرتا ہے۔جدائی کا بھاری پتھر جب محبت کے نازک شیشے سے ٹکراتا ہے تو سینہ فگار ہو جاتا ہے جس سے انسان کے اندر ایک تڑپ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مگر اس سینہ فگاری میں ایک طرح کا لطف بھی پنہاں ہوتا ہے جیسا کہ وہ ایک نظم 'نفرت' کے ایک بند میں فرماتے ہیں۔

اس قدر محو ہوا تیری تمناؤں میں
عقل و دانائی کے موتی بھی تجھی پر وارے
میں نے اچھے یا برے کی کبھی پرواہ نہ کی
میں نے ٹھکرا دیئے فطرت کے تقاضے سارے

اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں اس مضمون کو کہ اللہ جل شانہ محترم سالم جعفری صاحب کو صحت اور تندرستی سے بھرپور طویل زندگی عطا فرمائے اور وہ اسی طرح ادب وسخن کے پھول کھلاتے رہیں۔۔آمین

۞ ۞ ۞

نعت

نظر کیجیے نبیؐ جی حال ابتر لے کے آیا ہوں
میں رِستے زخم دل پر اور جگر پر لے کے آیا ہوں

نہیں فریاد کا یارا بس اتنی عرض سن لیجے
جگر میں نوکِ تیغ اور دل میں خنجر لے کے آیا ہوں

زباں اُٹھتی نہیں آقا مگر آنسو بتا دیں گے
دھواں آہوں کا اشکوں کا سمندر لے کے آیا ہوں

کوئی گھر اب نہیں باقی جہاں فریاد کی جائے
امیدِ دستگیری آپ کے گھر لے کے آیا ہوں

کرم کی اِک نظر ہو اے کریمِ بیکساں لِلّٰہ
میں اپنے گرد مایوسی کا چکر لے کے آیا ہوں

تسلی اور تشفی کی ضرورت ہے شہہِ عالی
دلِ صد چاک و پُر آلام و مضطر لے کے آیا ہوں

مرے حزن و غم و آلام کا جلدی مداوا ہو
یہ عرضی بادلِ بیتاب در پر لے کے آیا ہوں

❁

جو خفا مجھ سے بہ ہر گام رہا کرتا ہے
دل کا بن کر وہی آرام رہا کرتا ہے

جو مجھے یاد بھی کرنے کا روادار نہیں
یاد مجھ کو سحر و شام رہا کرتا ہے

بھول بیٹھا ہوں میں گو نام تو اس کا لیکن
وہ مرے دل میں بلا نام رہا کرتا ہے

روز اس کوچے میں جاتا نہیں میں بے مقصد
مجھے اس کوچے میں اک کام رہا کرتا ہے

اس وجہ سے نہ جیا وعدوں پہ اس کے میں کبھی
اس کے وعدوں میں اک ابہام رہا کرتا ہے

پیار کا کھیل خوش آغاز تو ہوتا ہے مگر
پیار کا کھیل بد انجام رہا کرتا ہے

نام سن کر مرا کچھ سوچ کے بولے ، اچھا!
وہ ! جو ہر کام میں ناکام رہا کرتا ہے

غم نہ کر سالمِ محزوں کہ جو مخلص ہو وہی
پیار میں موردِ الزام رہا کرتا ہے

کیا کھو کے میں بیٹھا ہوں کہاں یاد نہیں اب
کیوں پہلو سے اُٹھا تھا دھواں یاد نہیں اب
کچھ ہمرہیِ عمرِ رواں یاد نہیں اب
کب بوڑھا ہوا کب تھا جواں یاد نہیں اب
بچپن میں نصیب آیا کبھی خندۂ معصوم
یا آنکھوں سے آنسو تھے رواں یاد نہیں اب
گزری ہے مری زیست طرب میں کہ تعب میں
کیا پوچھنے بیٹھے ہو میاں یاد نہیں اب
آغاز ہوا کب مرے افسانے کا جانے
انجام ہوا اس کا کہاں یاد نہیں اب
کس دیس کا باسی تھا اب آباد کہاں ہوں
احباب مرے سب ہیں کہاں یاد نہیں اب
آنکھیں تو مری آب فشانی میں تھیں مشاق
یہ ہو گئیں کب شعلہ فشاں یاد نہیں اب
خود بیتی کی کیا بات کروں تم سے عزیزو
مجھ کو تو حدیثِ دگراں یاد نہیں اب
سالؔم جسے کہتے ہو وہ کون اور کہاں ہے
بتلاؤ تو اے ہم نفساں یاد نہیں اب

نہ صبا پیام ہی لا سکے ، نہ سلام ہی مرا جا سکے
نہ میں اس کے شہر میں جاسکوں، نہ وہ میرے گاؤں میں آسکے

مرے سامنے ہے وہ شہر تو ، ذرا دیکھ حالتِ قہر تو
کہ یہ شوقِ دید کا مضمحل ،نہیں گام اپنے بڑھا سکے

بڑے طول لمبے ہیں حبس کے، یہ گھٹن ہے دیدنی دیکھیے
کہ صبا بھی چھو کے کبھی اسے ،مرے غم کدے میں نہ آسکے

مگر عزم آج بھی ہے جواں، مجھے آج بھی ہے یہی گماں
نہیں ایسا کوئی بھی امتحاں ،مرے عزم کو جو ہرا سکے

مری بات سن لے یہ سالؔما، نہ اُمید لوگوں سے باندھنا
کہ خدا ہی ایک وہ ذات ہے کہ جو فاصلوں کو مٹا سکے

کیا شکایت (رباعی)

زندگی بھر کی کمائی کھو گئی
بات جو ہونا تھی آخر ہو گئی
کیا شکایت کیجئے تقدیر کی
وہ بھی آخر تھک تھکا کر سو گئی

شفا

یاد رہ رہ کر وہ آئے گا مگر
کٹ ہی جائے گی حیاتِ مختصر
خاتمے پر آہی جائے گا سفر
پاہی جائے گا شفا دردِ جگر

مشکل کام (قطعات)

اپنے ہاتھوں میں اپنی خوشیوں کا
دوستو قتلِ عام مشکل ہے
زندگی کا گزارنا سالم
سارے کاموں میں کام مشکل ہے

اب تو

وہ کہاں اور کیسا ہے سالم
اب تو یہ بھی خبر نہیں آتی
جس گلی میں گیا تھا خود میں کبھی
آہ بھی اب مری نہیں جاتی

بلبلِ محزوں

ایک مرجھایا ہوا گل شاخ سے لٹکا ہوا
دل گرفتہ ایک بلبل پاس ہی بیٹھا ہوا

شدتِ حسرت سے گرتے گل کو وہ دیکھا کیا
نے کوئی اشکوں کا دریا ، نے کوئی آہ و بکا

اختتامِ پیار پر گو کہ بہت چپ چپ سا تھا
ننھے سے ٹوٹے ہوئے دل میں طلاطم تھا بپا

جامد و ساکت وہ گرچہ شاخ پر بیٹھا رہا
نالۂ خاموش لیکن میں نے اس کا سن لیا

کیسے لیتے ہیں مصیبت میں سہارا ضبط کا
بلبلِ محزوں نے سالم مجھ کو یہ سمجھا دیا

محمد اسلم چغتائی

Mr. M. Aslam Chughtai,

3, Cottenham Road London E17 6RP

Tel: 0203 583 3343 Mob:0793 253 6126

E.Mail: m_aslam_@hotmail.com

محمد اسلم چغتائی ڈھڈیال آزاد کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1967 میں برطانیہ آئے اور ذاتی کاروبار میں مشغول رہے۔ آج بھی پراپرٹی کا کاروبار ہے مگر ادب اور موسیقی سے گہرا لگاؤ انہیں آس پاس کے مشاعروں اور محفلوں سے دور نہیں ہونے دیتا۔ میں انہیں گذشتہ دو عشروں سے جانتا ہوں نہایت منکسر المزاج، پر خلوص اور دھیمے لہجے کے انسان ہیں کسی کی برائی یا سیاست میں نہیں پڑتے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں بچپن سے ہی لکھنے کا شوق تھا اور اسکول کے زمانے میں بھی پہلے نثر بعد میں شاعری شروع کی۔ انہیں ادبی، سماجی اور کاروباری خدمات پر کئی اعزازات ملے جن میں ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم لندن کی جانب سے نعتیہ اور صوفیانہ کلام پر ایوارڈ سے نوازا گیا'' نیوہیم پاکستانی کمیونٹی فورم، لولی ووڈ پرموشن، یونیورسل پیس فیڈریشن، لندن بارو آف والتھم فاریسٹ اور ایشین لٹریری سرکل کی جانب سے بھی ان کی طویل ادبی و سماجی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں اعزازی سرٹیفکیٹ پیش کئے گئے۔

کافی مدت سے لندن کے ویکلی اخبار 'دی نیشن' میں حالاتِ حاضرہ پر ہفتہ وار قطعہ لکھتے ہیں ہفت روزہ 'نوائے وقت' میں رپورٹنگ اور فوٹو گرافی بھی کرتے ہیں، 'جنگ، یو کے ٹائمز اور نیشن میں ان کی شاعری اور نثر شامل اشاعت رہتی ہے۔ آجکل ''سینئر سیٹزن ایشین گروپ'' کے جنرل سیکریٹری ہیں۔

اسلم چغتائی نے ''لندن اکیڈیمی آف ایکٹنگ'' سے تین مہینے کا کورس کر کے ڈپلومہ بھی حاصل کیا اور اپنے اس شوق کی تکمیل کے لئے برطانیہ کے مشہور اسٹیج ڈرامہ ''شوہر برائے فروخت'' میں اداکاری پر گلوکار اخلاق احمد (مرحوم) کے ہاتھوں انعام حاصل کیا، اس کے بعد معروف مزاحیہ اداکار عمر

شریف، اداکارہ ریما اور دیگر پاکستانی فنکاروں کو پرموٹ کیا، عمر شریف کے ایک ڈارمے ''لاہور سے لندن'' میں اداکاری کے جوہر بھی دکھائے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کے مختلف ٹی وی چینلز 'وکٹون، اے آر وائی کے مختلف پروگراموں میں گئے۔ میرے شاعری کے دونوں پروگراموں میں جو'ڈی ایم ڈیجیٹل' اور 'تکبیر' پر سال بھر جاری رہے ان میں بھی اسلم چغتائی نے اپنا کلام پڑھا اور داد حاصل کی۔

اس وقت لندن میں اسلم چغتائی تقریباً ہر ادبی، سماجی، مذہبی اور سیاسی محفل میں نعت پڑھنے کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ صوفیانہ کلام میں بھی ایک اچھا نام رکھتے ہیں۔

لندن کے معروف گلوکار استاد نعیم سلہریا سے ایک زمانے میں موسیقی کی تعلیم لیتے رہے مگر میوزک کے ساتھ گانا جاری نہ رکھ سکے، البتہ محمد رفیع سے کچھ آواز کی مشابہت سے انہیں محمد رفیع کے گانے بہت پسند ہیں اور وہ اکثر دوستوں کی محفلوں میں 'کریاکی' کے ساتھ گاتے ہیں۔ ان کے گائے ہوئے بے شمار صوفیانہ کلام گوگل کی ویب سائیٹ 'یو ٹیوب' پر موجود ہیں، نعت اچھی لکھتے ہیں اور بڑے خوبصورت لے میں پڑھتے بھی ہیں۔

اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ زیادہ تر حالات حاضرہ پر لکھتے ہیں۔ انہیں موجودہ پاکستانی سیاسی کشمکش سے اتفاق نہیں اور آپ چونکہ ایک نہایت مخلص دیندار اور محبّ الوطن انسان ہیں لہذا اپنے وطن سے جڑی کسی بات کو اچھا نہیں سمجھتے جو ملک کے نقصان کا باعث ہو۔

اسلم چغتائی اپنی شاعری کو اکٹھا کر کے جلد ہی کتابی شکل دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جو مجھے امید ہے دنیائے ادب میں پسند کی جائے گی۔

برطانیہ جیسے ملک میں جہاں صرف دولت ہی کمانا مقصود ہو اور وہ شخص جو دولت کمانے کی ہی غرض سے یہاں آئے اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو تو اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ فنون لطیفہ کے لئے بھی وقت نکالے اور لوگوں میں پذیرائی حاصل کرے تو میں سمجھتا ہوں یہ اس کی نہایت اہم خوبی ہے جس کو نہ سراہا جائے تو انصاف نہیں۔ اسلم چغتائی نے جہاں اپنے گھریلو فرائض پورے کئے اپنی اولاد کو بہتر تعلیم سے آراستہ کیا، پاکستان میں اپنے والدین اور عزیز واقربا کے ساتھ تعاون جاری رکھ کر اپنے شوق کی تکمیل

بھی کی ،موسیقی کے ساتھ ساتھ اداکاری کے جوہر دکھائے ،شعروشاعری کی محفلوں میں نعت خوانی کے ساتھ عارفانہ کلام میں بھی اپنی پہچان پیدا کی تو ان تمام خوبیوں کی جتنی داد دی جائے کم ہے ۔ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ ایک نہایت مخلص ،محبت وعزت کرنے والے دوست بھی ہیں جنہوں نے والتھم فاریسٹ کی بہت بڑی کمیونٹی میں اپنے اخلاص ،کردار اور محنت سے ایک اچھا مقام پیدا کیا جس پر ہر خاص وعام ان کو عزت واحترام کے ساتھ محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

میرے ساتھ ان کے بہت دوستانہ مراسم ہیں اور میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ اسلم جیسے دوست میرے ساتھ ہیں جن کی محبت وشفقت سے میں ہمیشہ سرفراز ہوا اور عزت پائی۔

مزید مطالعہ ،کسی اچھے شاعر سے مشورہ واصلاح ان کی شاعری کو مزید جلا بخشے گی اور مزید نکھار پیدا ہوگا۔انہیں اپنی پنجابی وار دو شاعری پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے اور امید ہے کہ جس طرح وہ محنت سے کام کر رہے ہیں ایک دن شاعری میں بھی اچھا نام پیدا کر لیں گے۔۔

اللہ انہیں مزید برکت دے، آمین ۔

خلوصِ دل کی ہر کلی مسکائی ہے
پاک و ہند میں امن کی بہار آئی ہے

بانٹتے رہیں پیار ہم یونہی جو سدا
یقین و محکم کی امید لہرائی ہے

ایک سی تہذیب تھی جو رشتے ہوئے استوار
روٹھنے والوں کو منانے کی گھڑی اب آئی ہے

غربت و بیماری کو مٹانا ہے اب دیس سے
بارود کو یوں مت خریدو قوم کی تباہی ہے

حل مسائل کا کر سکتے ہیں ہم بیٹھ کر
زندہ قوموں کی اسی میں ہی دانائی ہے

خوف مٹ جائے گا دو ایٹمی ہمسایوں میں
باہمی اخوت کے لئے اب قوم نکل آئی ہے

سر جھکا کر مانگتا ہے اسلم دعا اے خدا
اس امن کو قائم رکھ تری ہی یہ خدائی ہے

مسائل بڑھائے جاتے ہیں
لوگ الجھائے جاتے ہیں
جکڑ کر قوم کو قرضے میں
بیلنس بڑھائے جاتے ہیں
غربت کی لاشوں کے اوپر
ووٹ بنائے جاتے ہیں
ناکردہ گناہوں پر بے گناہ
سولی پہ لٹکائے جاتے ہیں
دہشت گردی کے بہانے سے
قبضے جمائے جاتے ہیں
بھوکے مفلس لوگوں پر
پھر بم گرائے جاتے ہیں
بیچ کے اسلم انساں کو
نوٹ بنائے جاتے ہیں

یاد اُن کی دل میں بسائے جاتے ہیں
غم اپنوں کے اٹھائے جاتے ہیں
چاہا تھا جنہیں دل و جاں سے کبھی
وہی نظریں چرائے جاتے ہیں
جنہیں کرنی تھی گلشن کی رکھوالی
وہی آج اسے لٹائے جاتے ہیں
کرتے تھے جو باتیں پیار کی ہی
وہی دل کو جلائے جاتے ہیں
کب آئے گی عقل تجھے چغتائی
کب سے ہم سمجھائے جاتے ہیں

پنجابی

وانگ بدلی سن زلفاں مٹیار دیاں
جھیلوں ڈونگیاں اکھاں مٹیار دیاں
دماغ تے دل معطر ہوئے
پھلاں وانگوں سی گلھاں مٹیار دیاں
ٹور انج دی جیویں مور نچدے
پیلاں پاندیاں چالاں مٹیار دیاں
کولوں لنگ گئی اوہ ہوا وانگوں
بس رہ گئیاں یاداں مٹیار دیاں
اسلم کدی وی نہ فیر بھل سکیا
یاداں دیس دی اُس مٹیار دیاں

قطعات

فن کار

خونِ جگر مانگتا ہے یہ فنِ شاعری
سُر اور لے میں ڈوب جائے وہ فنکار ہوتا ہے
لاکھوں میں کوئی ایک نام کماتا ہے چغتائی
خود کو فنا کر ڈالے جو وہ فنکار ہوتا ہے

پیار امن اور دوستی

بہاریں آئیں گی موسمِ گلستاں بدل جائے گا
بدلیں گے ہم خود کو تو یہ جہاں بدل جائے گا
محبت اور دوستی کا ہاتھ گر بڑھاؤ گے چغتائی
دُشمن ہے جو تمہارا وہ انساں بدل جائے گا

منافقت

کیسے کیسے رنگ بدلتا یہ انسان ہے
ہونٹوں پہ مسکان اور دل میں شیطان ہے
مال و زر کو پوجنے والوں کی دنیا میں
سینے خالی مگر زباں پہ اللہ و بھگوان ہے

پنجابی قطعہ

دُکھ سُکھ ونڈیئے دِل چوں کڈھیئے نفرت دا شیطان
ایہو سبق سکھاندے نے گرنتھ گیتا تے قرآن
ہندو مسلم سکھ عیسائی سب اللہ دے بندے
دھرتی پاویں ونڈی گئی پر سانجھے نے ارمان

اشتیاق زین

Mr.Ishtiaq Zain

69,Hazelmere Road, Slough SL2 5PP

Tel Mob: 07878658187

E.Mail: ishtiaq_zain@hotmail.com

اشتیاق زین پاکستان کے شہر جہلم سے تعلق رکھتے ہیں اور مئی 1999 میں برطانیہ تشریف لائے۔ لندن سے تیس میل دور ایک چھوٹے سے شہر سلاؤ میں رہائش پذیر ہیں جہاں پاکستانیوں کی کافی تعداد بسی ہوئی ہے۔اپنے ذاتی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں مگر اس کے باوجود ادب سے محبت اس قدر ہے کہ ایک خوبصورت شعری مجموعہ ''عشق آتش مزاج ہے جاناں'' کے نام سے منصۂ شہود پر آ کر پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔نوجوان شاعر ہیں اور لندن کے مشاعروں میں اپنے کلام سے خوب داد وصول کرتے ہیں۔ 2004 سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔

اشتیاق زین بھی میرے شہر کے باسی ہیں۔تین سال قبل میرے مشاعرے میں محترمہ نرگس جمال کے ساتھ آئے۔پہلی بار ملاقات ہوئی مگر اس پہلی ملاقات نے برسوں کے فاصلے پل بھر میں طے کر دیئے۔ اشتیاق زین نہایت مخلص دوست اور ادب نواز انسان ہیں۔ سچی کھری بات کرنے کے عادی ہیں۔اپنی انہی خوبیوں سے وہ پہلی ملاقات میں مخاطب کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔اور پھر جب ان کی باری آئی تو وہ سارا مشاعرہ ہی لوٹ کر لے گئے۔نوجوان شاعر ہیں مگر نہایت پختہ اور گہری شاعری کرتے ہیں ۔انہوں نے دوسری غزل سامعین کے اصرار پر سنائی۔اس کے بعد وہ میرے مشاعرے کے علاوہ ٹی وی پروگرام میں بھی آئے اور بے حد داد پائی۔انہوں نے اپنا پہلا مجموعہ کلام ''عشق آتش مزاج ہے جاناں'' دیا تو میں پڑھ کر حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی کے سمندر میں جیسے غرق ہو گیا کہ سیدھا سادھا پیارا سا یہ شخص اندر سے کتنا گہرا ہے۔اس کی قوس قزح رنگین تحریروں کا پھیلاؤ اس طرف اشارہ کرتا ہے گو سفر خاصا طویل نہیں

مگر تھکن کے سائے کہیں نظر نہیں آتے اس کے بجائے شاداب اور لہلاتے ہوئے مناظر کا ایک بے کراں ہجوم سطحِ چشم پر ابھر آتا ہے۔ اگر کہیں بے آب و گیاہ صحراؤں کی وحشت خیز کشادگی کا احساس ہوتا بھی ہے تو گرم ریت کے تلے چشمۂ آب کی سرسراہٹ نہ صرف یہ کہ سامع پر تراوش کرتی ہے بلکہ قدموں کو اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے۔

اشتیاق کے لہجے میں ایک ایسا بہاؤ اور روانی ہے جو ان کی غزلوں کو پڑھتے ہوئے ایک مسرت بھرا تحیر پیدا کرتی ہے۔

ریت مجنوں کی چلو زینؔ نبھائیں ہم بھی چاک دامن کو کریں، جشن منائیں ہم بھی

داغ سینے کے سبھی پھول بنا کر، کچھ تو ہاتھ گلشن میں بہاروں کا بٹائیں ہم بھی

زبان و بیان پر قدرت اور شعری تجربوں کے فن کارانہ اظہار کا سلیقہ نہ ہو تو کوئی شاعر مملکتِ شعر میں اپنے قدم جما نہیں پاتا۔ بعض لوگ گروہ بندی کے سہارے شہرت کی بلندیوں تک پہنچ جاتے ہیں مگر وقت کا انصاف ایک دن انہیں معتوب ضرور کرتا ہے۔ اشتیاق زین نے اپنے مخصوص رنگ و انداز میں اپنی فکر کے پھول کھلائے ہیں۔ انہوں نے خاص کر چھوٹی بحر میں نہایت خوبصورت غزلیں کہی ہیں۔

زین کی شاعری کے حوالے سے میں ضرور کہوں گا کہ ان کی شاعری ان کی عمر سے کہیں زیادہ بڑی اور پختہ ہے۔ ان کی کتاب کے اوائل میں نثری نظم میں دعا پڑھنے کے قابل ہے طوالت کی وجہ سے یہاں نقل نہیں ہو سکتی مگر جس خوبصورتی کے ساتھ انہوں نے اس کو لکھا وہ ان ہی کا کمال ہے۔ غزلیں بھی بہت اچھی ہیں وہ اپنی پہلی غزل میں کہتے ہیں کہ 'یہ عشق تو دریا ہے ہر چیز بہادے گا اور باقی کچھ نہ رہے گا سب کچھ مٹا دے گا۔ تُو موم کا پتلا ہے اپنے دامن کو نہیں بچائے گا تو یہ آگ کا طوفان اسے جلا دے گا پھر کہتے ہیں کہ 'یہ لگتا تو پھول جیسا ہے مگر کانٹوں کا جنگل ہے دھوکے میں نہ رہنا تڑپا کے رکھ دے گا اور اپنی مدہوش جوانی کو ہوش میں لے آ اگر وقت گنوا دے گا تو کچھ ہاتھ نہ آئے گا پھر تُو بحرِ مسلسل کی طرح دن رات تڑپے گا کس کو پکارے کس کو پھر صدا دے گا' اور آخر میں اس غزل کا مقطع ملاحظہ کریں۔

تو زینؔ بہت چنچل، ہے شوخ بھی تُو لیکن یہ عشق کا غم تجھ کو، دیوانہ بنا دے گا

اشتیاق زین کی شاعری میں ہجر و وصال کا کرب اور جدائی کی تڑپ بھی محسوس ہوتی ہے۔ جو پردیس میں رہنے والے ہر شخص کا مقدر بن چکی ہے۔

دن ڈھلا ہے مرمر کے اور سوچ میں گم ہوں ہجر کی یہ گزرے گی رات کس بہانے سے

اپنے وطن کی مٹی سے دوری، برسوں کی جدائی، اپنوں سے ملنے کی تڑپ، گزری ہوئی سہانی یادیں یہ سب مل کر شاعر کو کچھ ایسی کیفیت میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ وہ اپنے آنسوؤں میں قلم ڈبو ڈبو کر لکھتا ہے۔ زندگی کی اس سب سے بڑی طویل بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والی ہجرت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا شاعر سارے دکھ سہہ کر بھی کہتا ہے۔

پا بہ زنجیر سہی، محوِ فغاں تو نہ ہوا چاک داماں ہوں تو کیا، شکوہ کناں تو نہ ہوا

یہ الگ بات سلگتا ہے ترے درد سے دِل پر ترا درد کبھی بارِ گراں تو نہ ہوا

میں بڑے دعویٰ سے یہ کہوں گا کہ اشتیاق زین مستقبل میں برطانیہ کے ایک نامور شاعر ہوں گے ان کی شاعری میں گہرائی ہے ان کا لب ولہجہ نہایت خوبصورت ہے جس میں ان کی شاعری مزید نکھر جاتی ہے اور ہال تالیوں سے گونج اٹھتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی دہرا چکا ہوں کہ ان نوجوان شعرا کو شاعری کے ساتھ ساتھ اپنے مستقبل کو بھی سنوارنا ہے لہذا امید کرتا ہوں کہ ہمارے ادب کے یہ درخشاں ستارے اپنے روزمرہ کاموں کے ساتھ ساتھ اردو و پنجابی ادب کی بھی آبیاری جاری رکھیں گے کہ آنے والی نسلوں کو ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

اشتیاق زین نے شاعری کے ساتھ ساتھ چند شعرا پر مضامین بھی لکھے ہیں جن کو بہت سراہا گیا ہے لہذا میری خواہش ہے کہ وہ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی لکھیں۔ اللہ کرے زور قلم ہو اور زیادہ۔۔۔

❁ ❁ ❁

❁

ہر کوئی پریشاں بس، آشیاں کے بارے میں
کس کو ہے پڑی سوچے، گلستاں کے بارے میں

جن کی سوچ پر یارو! پستیوں کا پہرہ ہو
تذکرہ ہی کیا اُن سے، آسماں کے بارے میں

راستوں کی دلدل نے کر دیا جنہیں تنہا
سوچ سوچ روتے ہیں، کارواں کے بارے میں

عمر بھر کی تاریکی، پھر نصیب میرا تھی
خواب ایک دیکھا تھا، کہکشاں کے بارے میں

پل میں توڑ ڈالے گا، سلسلے وفاؤں کے
ہم نے کب یہ سوچا تھا، بدگماں کے بارے میں

زینؔ ہم نے دیکھا ہے، آ کے دشتِ الفت میں
سب غلط تھے اندازے، اِس جہاں کے بارے میں

❁

ستم کو اب کرم کہنا، خموشی کو بیاں لکھنا
ہمیں بھی آ گیا آخر حقیقت کو گماں لکھنا

لہو مجھ کو رلاتی ہے یہ عادت اس کی برسوں سے
محبت کو سزا کہنا، وفا کو داستاں لکھنا

شکایت بے ارادہ تھی، اِسے آشفتگی کہہ لو
وگرنہ ہم نے چاہا تھا تمہیں بھی مہرباں لکھنا

چڑھا دو شوق سے سولی، نہیں منظور یہ پھر بھی
جو سورج سر جلائے ہے، اُسی کو سائباں لکھنا

لگا کر تہمتیں صدہا تعلق توڑنا، آساں
بہت دشوار ہے لیکن، وفائے جاوداں لکھنا

نہیں یہ جوشِ وحشت تو بتاؤ پھر بھلا کیا ہے؟
زمانے پر عیاں ہے جو، اسی کو بے نشاں لکھنا

غمِ جاناں نے سکھلایا، غمِ ہستی بیاں کرنا
مجھے آتا ہی کب تھا زینؔ دردِ بے کراں لکھنا

دید تیری کا تقاضا تھا، رہیں لب بستہ
دل! کہ دھڑکن کو صدا دے کے گنہگار ہوا

شبِ فراق تھی، گزری یوں رات آنکھوں میں
بسر ہو جیسے، کسی کی حیات آنکھوں میں
خوشی کی بات بھی ہو تو چھلک پڑیں آنسو
عجب سے ہونے لگے حادثات آنکھوں میں
بسے ہوئے تھے یہاں خواب جو کہاں وہ گئے؟
کدھر سے اشک یہ لائے برات آنکھوں میں؟
نظر نظر سے ملاتا تو جان لیتا وہ
لکھی ہوئی تھی مرے دل کی بات آنکھوں میں
کہاں گئی وہ محبت، یہ بے رخی کیونکر؟
الجھ رہے ہیں سبھی واقعات آنکھوں میں
بھلا چکا میں اُسے زیںؔ، یوں تو کب کا مگر
نشاں سے چھوڑ گئی ہے وہ مات آنکھوں میں

زندگی ہاتھ جب چھڑائے تو
پاس اپنے ہوں، ناں پرائے تو؟

تم تو کب کے خدا بھلا بیٹھے
وہ بھی تم کو جو بھول جائے تو؟

تم اڑاتے ہو بے کسوں کی ہنسی
بے کسی تم پہ مسکرائے تو؟

لاکھ حاصل ہو مخملی بستر
نیند آنکھوں میں گر نہ آئے تو؟

روٹھ جائے جو ہر خوشی دل کی
چار سو درد جگمگائے تو؟

سوچتے زیںؔ سب ہیں صدیوں کا
سانس اگلا ہی گر نہ آئے تو؟

❁

عشق آتش مزاج ہے جاناں
دل، نظر کا خراج ہے جاناں
دردِ الفت سے بچ کے رہنا تم
روگ یہ لاعلاج ہے جاناں
دل کے بدلے وبالِ جاں لینا
چاہتوں میں رواج ہے جاناں
کل نہ آیا کبھی، نہ آئے گا
جو بھی ہے، بس یہ آج ہے جاناں
زندگی یوں بھی خوبصورت ہے
پیار اُس پر یہ ساج ہے جاناں
تیری آنکھوں سے مجھ کو لگتا ہے
پیار تجھ کو بھی آج ہے جاناں
کتنی معصوم ہے یہ چاہت تو
پھر بھی دشمن سماج ہے جاناں
زینؔ تجھ سے یہ آج کہتا ہے
دل پہ تیرا ہی راج ہے جاناں

❁

اک تُو ہی نہیں زینؔ، جسے خار ملے ہیں
چاہت کے سفر میں کسے گلزار ملے ہیں؟
بچھڑے تھے تلاطم میں جو اک بار، وہ ہمدم
اُس پار نظر آئے، نہ اِس پار ملے ہیں
غیروں میں تلاشو کہ ہو اپنا کوئی شاید
بہروپ میں اپنوں کے تو اغیار ملے ہیں
دیوار کے اس پار لڑا جنگ میں جن کی
وہ محوِ تماشا سرِ دیوار ملے ہیں
تھے جھوٹ کے داعی جو، وہ محلوں کی ہیں زینت
سچ بولنے والے تو، سرِ دار ملے ہیں
کب ایسا کہا ہم نے، اُسے جان گئے ہیں؟
ہاں! بات یہ سچ ہے کہ کئی بار ملے ہیں
ہر شخص کے ہونٹوں پہ یہی زینؔ گلہ ہے
”پھولوں کی تمنا تھی، مگر خار ملے ہیں“
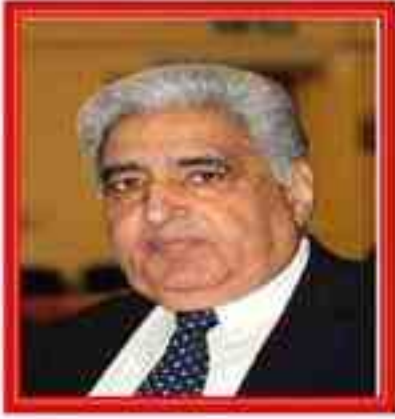
اشرف عطارد

Mr. Ashraf Atarad

6,Berica Court, Mossford Green,

Barking, Ilford, Essex IG6 2PE

Mob: 07830 662663

E.Mail : ashraf.atarid@hotmail.com

اشرف عطارد کا تعلق جہلم پاکستان سے ہے اور وہ روزگار کے سلسلے میں مارچ 1961 میں برطانیہ آئے لندن میں کاروبار شروع کیا، دوستوں کے ساتھ نہایت مخلص سادہ طبیعت اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ ایسٹ لندن ہی میں کافی مدت گزاری اور سماجی وادبی طور پر کمیونٹی کی خدمت کی۔ 1965 میں لکھنا شروع کیا، دونوں اصناف میں لکھا مگر شاعری کی جانب زیادہ رجحان رہا۔ ایسٹ لندن کی سماجی وادبی تنظیموں کے ساتھ وابستگی رہی۔ دھیمے لہجے کے منکسر المزاج انسان ہیں کسی سے کوئی عداوت یا بغض نہیں رکھتے اسی لئے دوستوں میں پسند کیے جاتے ہیں۔

اپنے پہلے شعری مجموعہ کو ترتیب دی جا رہی ہے جو جلد ہی منظر عام پر آنے کی امید ہے۔ لندن کے اخبارات ورسائل میں ان کی شاعری شائع ہوتی رہتی ہے۔ خاموش اور شرمیلی طبیعت کے باعث اپنے خاص خاص قریبی دوستوں کے مشاعرے میں شامل ہوتے ہیں۔ انہیں عام شعرا کی طرح اپنی شاعری کا رعب جمانا یا معروف ہونا پسند نہیں وہ کہتے ہیں ''اچھے شاعر کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اچھا شعر اس کی خود پہچان کراتا ہے۔'' وہ غزل کے شاعر ہیں جس میں انہوں نے زندگی کے بہت سے مسائل پر لکھا ہے۔ زندگی میں بہت سی اونچ نیچ دیکھ چکے ہیں اور جب بالوں میں چاندی چمکنے لگے تو سمجھدار انسان حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتا ہے اور اپنا لہجہ دھیما کر لیتا ہے۔ اشرف عطارد پنجاب کے اچھے کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور نہایت وضعدار انسان دوست طبیعت کے مالک ہیں۔ ان کی

شاعری میں ایک درد پایا جاتا ہے جوان کی عمراور زندگی کے تجربات کی عکاسی کرتا ہے۔

عاجزی زیست کا اصول رکھا تھا مگر
اوڑھ رکھی تھی ردائے بے بسی اس دور میں
لکھ دیا تو نے کیا اے خدا مقدر مرا
زندگی بھر اشرفؔ نہ ملی خوشی اس دور میں

پردیس کو دیس بنا کر جو لوگ آدھی صدی سے اس ملک میں آباد ہیں اس دوران درجنوں ایسے واقعات رونما ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے ان میں دکھ و درد کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ یہ دکھ ہم سب کا سانجھا ہے یہ دکھ ہر کسی نے کسی نہ کسی موقع پر ضرور سہا ہے۔

اشرف عطارد کی شاعری میں بھی یہ دکھ جھلکتا ہے ان کے یہاں یاس بھی ہے اور آس بھی ہے اور یہی حقیقت ہے کہ انسان ان دونوں کیفیات کا مرقع ہے۔ وہ جن حالات سے گزر چکے ہیں یا گزر رہے ہیں آپ کی شاعری انہی حالات کی ترجمان ہے۔ ان کا اندازِ شعر گوئی مصنوعی نہیں حقیقی ہے۔

غیروں سے کوئی گلا نہیں اپنوں سے کچھ ملا نہیں
زندگی کٹھن ہے دوستو! محبت کا کوئی صلہ نہیں

ان کے پہلو میں ایک دردمند اور دکھی دل ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ آپ نے زندگی کے کئی دور دیکھے ہیں مگر پھر بھی آپ کا کاروانِ زندگی رواں دواں ہے۔

جب سینہ غم سے بوجھل ہو اور یاد کسی کی آتی ہو تب کمرے میں بند ہو جانا، اور چپکے چپکے رو لینا

اشرف عطارد صرف دردِ ذات کے ہی خازن نہیں بلکہ دردِ کائنات کو بھی اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتے ہیں اور انہیں اشعار کے وسیلے سے اس کے اظہار و انعکاس کا یارا بھی ہے ان کی اکثر غزلیں زندگی کی ترش و تلخ سنگلاخ زمین پر ایستادہ ہیں اور وہ اپنے قاری و سامع کو زندگی کی بے رحم سچائیوں کے پرخار اور تپتے ہوئے راستوں سے آگاہ کرتے چلے جاتے ہیں۔

کرتے ہیں لوگ کیوں بے رخی اس دور میں کس قدر ہر سُو ہے بے کسی اس دور میں

کیسی ہے جان لیوا بے رخی اس دور میں ہو گئے کس قدر خون کے رشتے سفید

اردو کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی مادری زبان پنجابی میں بھی شعر کہے ہیں اور اکثر مشاعروں میں وہ اپنے خاص دھیمے لہجے میں پنجابی اشعار سنا کر داد وصول کرتے ہیں۔

کھادا چن چن اِلاں وانگوں لوکاں ساڈھا ماس

پر نہ ٹٹی ملن دی مینوں سجنا تیری آس

شوہ دریاوچ ٹھیل دتی میں اپنی آس دی بیڑی

پانی دے وچ ڈب کے وی نہ بجھی میری پیاس

دریائے جہلم کے کنارے پنجاب کی سرسبز زمین کشادہ کھیت اور چاروں جانب بکھری ہریالی ٹھنڈے گہرے کوہنوں کا میٹھا پانی پینے والا سرو قد گورا چٹا خوبصوت شکل انسان آدھی عمر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گزار کر انہیں جوان و آباد کر کے جب اپنے ساتھی کی جدائی میں تنہائی کے جنگل میں گم ہوتا ہے تو اس کے اشعار میں درد کی ٹیسیں محسوس ہونے لگتی ہیں۔

تیرے ہجر نے کردتا، جیوں ہویا میں بن باس پہلے وی ساں پردیسی، ہن اووی ہتھوں چھٹا

پھر زندگی مہربان ہو کر کروٹ لیتی ہے اور ایک حسین باذوق ساتھی کا ساتھ نصیب ہوا تو جیسے زیست کے اندھیرے میں روشنی کی کرن پھوٹ پڑی ۔۔میں اپنے بہت ہی عزیز دوست اشرف عطارد کو لاکھوں دعاؤں کے ساتھ ان کی نئی خوشگوار زندگی کی مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کی آئندہ شاعری میں پھولوں کی مہک اور نئی زندگی کے چہک و چمک اور خوشیوں کے ستارے جھلملائیں گے ۔۔۔اور وہ بے اختیار کہہ اٹھیں گے۔

زمانے کے سارے ہیں رنگ اپنی جا کوئی رنگ تجھ سے تو پیارا نہیں

❁ ❁ ❁ ❁

❁

یہی شاید قیامت کی گھڑی ہے
ہمارے درمیاں دنیا کھڑی ہے

گئی ہے نیند آخر مات کھا کر
تمہاری یاد سے شب بھر لڑی ہے

مجھے مصلوب پناہوں نے کیا ہے
صلیبِ بے رخی دل میں گڑی ہے

کیا ہے یاد اس دھوکے میں ہر پل
بھلانے کے لئے مدت پڑی ہے

ہوائے تند نے شاید یہ سمجھا
میری ہستی بھی جیسے پنکھڑی ہے

عطارؔد ٹوٹی جائے سانس کی ڈور اب
جدائی کی بڑی مشکل کڑی ہے

❁

مجھے اپنی محبت کا صلہ گر مل گیا ہوتا
نہ تم ہوتے نہ غم ہوتا مجھے حل مل گیا ہوتا

محبت میں کبھی تم جھانک لیتے وفا اپنی
خوشی کا اب تلک کوئی پھل مل گیا ہوتا

کوئی دل میں اب اترے لگائے ہاتھ پہ مہندی
محبت کا کوئی تحفہ اب تک مل گیا ہوتا

چاہت بھی نہ کم ہوتی غم بھی سب ضم ہوتے
گریباں چاک ہو جاتا یہ دل ڈھل گیا ہوتا

محبت بھی شفاف ہوتی پاک ہوتا دامن بھی
دل کی موجوں کو یہ ساحل مل گیا ہوتا

غافل ہوں کہوں میں کیا کروں اب جستجو تیری
عطارؔد کو تیری شفاعت کا سہارا مل گیا ہوتا

دیس پر آیا کٹھن یہ وقت بھی کٹ جائے گا
ظلم کا چھایا ہوا بادل بھی یہ چھٹ جائے گا

صبر کا ہے امتحاں صابر رہے ہم گر تو یہ
جو اُمڈ آیا ہے طوفان وہ پلٹ جائے گا

بھاگ جائیں گے سبھی ظالم ہوا ہو جائیں گے
جب کوئی مظلوم ان کے سامنے ڈٹ جائے گا

رہنما کی بات ہے ورنہ سفر کچھ بھی نہیں
مل گیا گر رہنما تو یہ سفر کٹ جائے گا

کیا خبر تھی اتنی اُٹھیں گی وطن میں آندھیاں
کہ وطن کا اُجلا چہرہ گرد سے اَٹ جائے گا

پھر چمک اُٹھے گی دھرتی تم عطاؔرد دیکھنا
یہ گرہن چہرۂ سورج سے جب ہٹ جائے گا

میرے رقیب ، کچھ تو رعائت کر دے
محبوب کی ہی کچھ تو ستائش کر دے

اُٹھتا ہے کبھی جب ، محبت کا ولولہ
میرے ارمانوں کی کبھی نمائش کر دے

مل جائے کبھی اُس کو پیغامِ محبت
پاداش میری میں کچھ گنجائش کر دے

بڑھ جائے ترے آنے سے جو میکدے کی رونق
ساغر و مینا کی کوئی زیبائش کر دے

کھو کر بھی نہ پایا عطاؔرد نے مقدر
تقدیر میں مری تھوڑی سی آسائش کر دے

❁

پھر دھماکہ ہوا شہر ویران ہوا
چھا گئی خون کی ہر طرف اک فضا

الاماں الاماں کا اُٹھا شور پھر
حشر اک چار سُو دیکھو برپا ہوا

مسخ لاشیں تھی بکھری پڑی ہر طرف
مرنے والوں کا کوئی پتہ نہ ملا

کچھ نہ معلوم تھا ہونے والا ہے کیا
آن کی آن میں موت نے آ لیا

رونقیں شہر کی ساری جاتی رہیں
ایسی آندھی چلی ہر دیا بُجھ گیا

لوگ سُکھ سے رہیں ہو امن ہر طرف
ہے عطاؔرد کی تجھ سے دُعا اے خدا !

❁

بادِ صبا آرزو ہے بس اتنی ہر شجر ثمر لائے
اجڑے ہوئے گلشن میں پھر سے بہار آجائے

بچھڑی کونجو! چہکتے پرندوں! سوندی خوشبو مٹی کی
اِک بار چمن سے ہو جاؤ شاید قرار آجائے

جمع و تقسیم سے مجھ کو تُو تفریق نہ کر
تیرے دوستوں میں شاید میرا شمار آجائے

چھوڑنا اب اس چمن کو وقت کا تقاضا نہیں مگر!
پرندوں کی ہجرت کا شاید اعتبار آجائے

اشفاق حسین اشفاق (مرحوم)

Mr.Ashfaq Hussain Ashfaq (Late)

5 دسمبر 2010 بروز اتوار کو حسب معمول میرا مشاعرہ شروع ہوا تمام مہمان آچکے تھے۔ ہمارے بارو کے سابق میئر پنجابی اردو کے ممتاز شاعر محترم فاروق قریشی صدارت کررہے تھے اور مہمانان خصوصی کی بھی طویل لسٹ تھی۔ مشاعرہ شروع ہو چکا تھا کہ ایک گھنٹہ بعد سید اشفاق حسین اشفاق تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ میری بیگم نے بارہ بجے کچھ خاص چیز بنائی اور اصرار کیا کہ کھا کر جاؤ لہذا مجھے کچھ دیر ہوگئی ہے۔ ہمارے صدر محفل نے کہیں دوسری میٹنگ پر جانا تھا لہذا وہ جلدی پڑھ کر چلے گئے لہذا صاحب نظامت نے اشفاق حسین اشفاق کو درخواست کی کہ وہ اسٹیج پر آجائیں۔ مگر اس دن ان کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی تھی اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار تھے جو میں سمجھا کہ رات پہلے وہ ایک مشاعرے میں ''ہیرو آن ویل'' گئے تھے مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ ''بھائی آپ کچھ تھکے تھکے نظر آتے ہیں آج رات بارہ بجے تک گھر پہنچیں گے لہذا اگر طبیعت نہ مانے تو بے شک نہ آئیے گا''۔ تو اپنے خاص انداز میں مجھے پیار سے دیکھ کر کہا۔ ''لو امجد بلائے اور میں نہ جاؤں۔۔ بھئی ہم ضرور آئیں گے۔'' یہ ان کی محبت کی خاص ادا تھی جس سے دوسرے اسیر ہو جاتے۔

چونکہ میرے مشاعرے میں وہ دیر سے آئے تھے لہذا ابھی تین مہمان خصوصی رہتے تھے لہذا ان کا نام پکارا گیا۔ وہ اسٹیج سے اُٹھ کر مائیک کی جانب آئے اپنی چھڑی بھی وہیں چھوڑی اور ہمیشہ کی طرح بڑی تمکنت سے پہلے ایک نظم تحت اللفظ پڑھی پھر ایک چھوٹی بحر میں غزل اپنے مخصوص ترنم میں شروع کی۔ ان کی آواز بڑی گونجدار تھی لہذا ہمیشہ مائیک سے فٹ بھر دور کھڑے ہو کر سناتے۔ وہ پڑھ رہے تھے اور سامعین سننے میں محو تھے بار بار مکرر مکرر کی آوازیں گونج رہی تھیں جن پر وہ اپنے اشعار دہرا رہے تھے۔ پانچ اشعار سنائے اور کیا اتفاق ہے کہ برطانیہ کے ممتاز ترین شاعر جو اپنی بیماری، بڑھاپے میں بھی سردی

برف کی پروا نہ کرتے ہوئے ہر مشاعرے میں اپنا کلام سناتے ۔۔اپنی غزل سناتے سناتے یکدم لڑکھڑائے اور زمین پر جا گرے۔قد آور بھاری بھرکم جسم ہونے کی وجہ سے لکڑی کے فرش پر گرنے سے اچھا بھلا دھما کہ ہوا۔ان کے کان ناک سے خون کے فوارے چھوٹ پڑے۔کوئی ان کا خون صاف کر رہا ہے کوئی ان کے ہاتھ پاؤں مل رہا ہے کوئی انہیں سہلا رہا ہے ہر چہرے پر سراسیمگی،خوف اور دکھ چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف یا اللہ خیر یا اللہ خیر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ہال میں کئی لوگ اپنے موبائیل کانوں پر لگا کر بیک وقت ایمبولینس کو فون کر رہے تھے۔۔پھر رات کو اطلاع ملی کہ ان کو سٹروک ہوا ہے جس کیوجہ سے وہ گر گئے اور گرنے سے ان کے سر کی پشت کی ہڈی اندر سے ٹوٹ کر دماغ کو زخمی کر گئی اور وہ کومے میں چلے گئے ہیں،دوسرے دن وہ اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔۔ ہر آنکھ نم تھی۔رات گئے لندن اور دوسرے شہروں سے لوگ فون پر افسوس کرتے رہے۔

ان کی میت کو بروز جمعہ 10 دسمبر 2010 پاکستان لے جایا گیا جہاں ان کی وصیت کے مطابق کراچی میں انہیں اپنی والدہ اور بھائی غضنفر حسین کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔اللہ مغفرت کرے،آمین

اشفاق حسین اشفاق بہت اعلی اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے آباؤ اجداد صوبہ سی پی کے ابرار علاقہ سے تعلق رکھتے تھے ۔مسلمان بادشاہوں کے زمانہ سے خطیب کے عہدہ پر فائز تھے۔ انگریزی دور میں نظام دکن کی طرف سے ہر سال خطیب وقت کی خلعت پیش کی جاتی تھی ۔خاندان کے تمام رکن عالم و فاضل تھے ان کے خاندان کے افراد اب بھی خطیب کے فرائض ادا کرتے ہیں۔

سید اشفاق حسین اشفاقؔ ہندوستان کے سابق صوبہ سی پی اور برار کے شہر امراوتی میں 1924ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سید الطاف حسین پولیس میں سرکل انسپکٹر تھے اور والدہ بغدادی بیگم بہت اچھی شاعرہ اور مدرس تھیں۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم امراوتی اور ناگپور میں حاصل کی ۔دوسری جنگ عظیم میں ہندوستانی فوج میں شامل برما کے محاذ پر جاپانیوں کے خلاف لڑے۔جنگ کے اختتام پر ہندوستانی فضائیہ میں کیڈٹ افسر کی حیثیت سے بھرتی ہوئے۔1947 میں ہندو پاکستان کی تقسیم پر پاکستانی فضائیہ میں شامل ہوئے اور

1948 میں رسالپور سے اعزاز کے ساتھ اپنی ٹریننگ مکمل کی۔کئی سال کی ملازمت کے بعد ونگ کمانڈر کی حیثیت سے ریٹایئر ہوئے۔

1973 میں آپ برطانیہ آ کر سیٹل ہو گئے اور تب سے یہیں تھے مگر وطن سے اس قدر محبت تھی کہ ہر دوسرے تیسرے برس وہاں جاتے۔آپ کو اردو زبان سے عشق تھا اور نہایت اچھے شاعر تھے۔اکثر ادبی محفلوں میں انہیں بڑا اعزاز دیا جاتا اور صدارت کی کرسی پیش کی جاتی۔

اللہ مغفرت کرے کیا خوب انسان تھا۔جو آج ہم میں موجود نہیں مگر ان کی یاد ان کی شاعری ان کا ترنم سدا ہمارے دلوں میں زندہ رہے گا۔کیونکہ ایسے عظیم انسان کبھی نہیں مرتے۔۔ان کی محبتیں ان کا خلوص اور ان کے اچھے کام انہیں زندہ و جاوید کر دیتے ہیں۔۔

ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے کلام کو کتابی شکل دیں مگر اچانک موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی، کسی نے بتایا تھا کہ ان کی صاحبزادی ان کا مجموعہ کلام شائع کروائیں گی مگر چونکہ ان کی اہلیہ آسٹریلین تھیں جس کی وجہ سے بچوں کی زبان بھی انگریزی ہی تھی اس لئے آج تک ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔۔کیا پتہ کبھی ان کے خاندان میں سے کسی کو یہ احساس ہو جائے کہ ایک اچھے شاعر کا کلام شائع ہونا چاہیے تا کہ جہاں قاری مستفید ہوں وہاں شاعر کا نام بھی اس کا کلام زندہ رکھے گا۔۔!!

مرحوم اشفاق حسین اشفاق کا شعری اسلوب سب سے منفرد اور نرالا تھا۔کیونکہ ان کی شاعری میں جو رنگِ جنوں تھا وہ دوسرے شعراء کے رنگِ سخن سے مختلف تھا۔عشق اور زندگی دونوں سے انہیں لگاؤ جنون کی حد تک تھا۔خدا انہیں غریقِ رحمت کرے ان کی یادیں عمر بھر دل میں زندہ رہیں گی۔۔۔

قربِ جاناں میں سنائے ہوئے نغمے اشفاقؔ
عہدِ ماضی کی خوشی الحان صدا آج بھی ہیں

❁

جب زمیں بھی اپنی ہے اور آسماں اپنا
کیوں کسی کو کرنے دیں ختم یہ جہاں اپنا

یہ تھی اپنی نادانی زخم اس کا دکھلائے
جس نے کی نمک پاشی بن کے مہرباں اپنا

اب بھی ڈھونڈتے ہیں ہم ایک ایسا ہمراہی
راہ میں مٹا دے جو فرق درمیاں اپنا

گر کوئی گرا دے گا اپنا چھت و دیوار
ہم وہ ہیں بنا لیں گے پھر سے سائباں اپنا

جیسی یہ خدائی دورِ ابتلا میں بھی
اس جہاں سے گر جائیں گے ہوگا امتحاں اپنا

آج تو نے مل کر کیوں اتنے پیار سے دیکھا
کر نہ پائے ہم تجھ سے دردِ دل بیاں اپنا

مقصدِ حیات اپنی دوستی ہے گر اشفاقؔ
دشمنی پہ کیا کرتے ہیں وقت ہم زیاں اپنا

❁

چند مجنوں ہیں جو اوروں سے جدا آج بھی ہیں
شہرِ قاتل میں وہ پابندِ وفا آج بھی ہیں

دے کے خون جن کو ملی قیدِ غلامی سے نجات
ملک میں کشتۂ سیلابِ بلا آج بھی ہیں

بے گناہوں کا لہو حکم پہ جن کے ہے رواں
صحنِ کعبہ میں وہ مصروفِ دعا آج بھی ہیں

ہم سے باغی جو بنے واعظ میں کیچڑ کا ہدف
تن پہ پہنے ہوئے بے داغ قبا آج بھی ہیں

سینچ کر خون کلیوں کو کھلانے کے پیام
صحنِ گلزار میں ہمدوشِ صبا آج بھی ہیں

عمر کی کھنچ گئی رُخ پہ لکیریں جاناں
دل میں جو عکس ہے ہم اس پہ فدا آج بھی ہیں

قربِ جاناں میں سنائے ہوئے نغمے اشفاقؔ
عہدِ ماضی کی خوش الحان صدا آج بھی ہیں

❁

ملا وہ رخ پہ مگر اجتناب پہنے ہوئے
جدا میں اس سے ہوا اضطراب پہنے ہوئے
بدن کے ذہن کے پردے پہ کھنچ گئی تصویر
وہ جب بھی سامنے آیا حجاب پہنے ہوئے
جفا بھی اس کے تغافل میں تھی کہ مدت سے
وہ میرے خواب میں آیا نقاب پہنے ہوئے
وہ بزم میں تھا عجب شانِ امتزاج کے ساتھ
کہ رخ تھا ماہِ بدن آفتاب پہنے ہوئے
غزل ہے میر کی وہ، اس کو راگ بھیروں میں
ہو سامنے تو سناؤں رباب پہنے ہوئے
فریب خود کو ہم اس طور بھی تو دیتے ہیں
سفید بال ہوں جیسے خضاب پہنے ہوئے
بنے حیات کچھ ایسی حسین اور شفاف
کنول کا پھول ہو جیسے حباب پہنے ہوئے
جب حسبِ وعدہ نہ آیا وہ وقتِ شام اشفاق
میں سو گیا شبِ فرقت میں خواب پہنے ہوئے

❁

عدو چمن کے ہیں ملبوسِ باغباں کی طرح
نہ برگ و بار نہ گل غارتِ خزاں کی طرح
گل و سمن کی مہک اور نسیمِ مست خرام
اسیرِ خوف نہیں شاخِ آشیاں کی طرح
ہیں غم کے راگ بھی اس میں مگر ہے قابلِ قدر
وہ زندگی جو گزر جائے نغمہ خواں کی طرح
ہماری سادہ دلی دیکھ تیری محفل میں
رقیب سے بھی ملے ہم تو رازداں کی طرح
سلامِ تیغِ ادا تیرے حسنِ فن پہ سلام
ہر ایک زخم دیا تو نے ارمغاں کی طرح
جفا شعار سہی کیسے میں بھلاؤں اسے
بسا ہے جسم میں جو مغزِ استخواں کی طرح
بساطِ بزم جہاں ایسے لوگ ہیں اشفاق
بنے قصیدہ نہ گزرے جو داستاں کی طرح
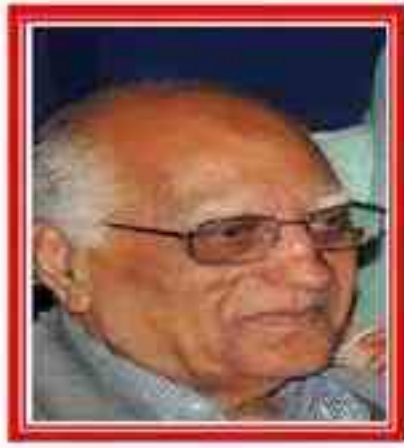
آصف جیلانی

Mr. Asif Jeelani

17, Ley Gardens,Cochfosters, London

EN4 9NA England Tel: 02083509956

E.mail:asafjilani9@yahoo.co.uk

آصف جیلانی برطانیہ کے ممتاز معروف صحافی ہیں وہ 1965 میں برطانیہ آئے اور بی بی سی کی اردو سروس لندن کے ساتھ طویل مدت تک کام کیا۔ سینئر پرڈیوسر بھی رہے اس کے بعد روزنامہ جنگ نے لندن سے اخبار شروع کیا تو ایک مدت تک بطور ایڈیٹر خدمات انجام دیں۔ کراچی پاکستان سے تعلق ہے کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ وطن عزیز سے گہری محبت ہے حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں طویل عرصے سے مقامی اخبارات کے علاوہ پاکستان کے ممتاز اخبارات میں ان کے کالم شائع ہوتے رہتے ہیں۔

انہوں نے 1952 سے لکھنا شروع کیا۔ جو آج تک مسلسل جاری ہے۔ نہایت سلجھے ہوئے سنجیدہ طبیعت اور پر خلوص انسان ہیں۔ جو اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

آصف جیلانی ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کو شریک حیات بھی ان کے ہم ذوق ملی۔ ان کی اہلیہ محترمہ محسنہ جیلانی برطانیہ کی معروف و مشہور افسانہ نگار اور شاعرہ ہیں جن کے بارے میں اگلے صفحات میں مفصل مضمون آرہا ہے۔ دونوں میاں بیوی کا اوڑھنا بچھونا ادب ہے اور دونوں مل کر نہایت خلوص و محبت کے ساتھ ادب کی خدمت کررہے ہیں۔

آصف جیلانی صرف نثر ہی لکھتے ہیں۔ ان کی تصانیف میں ''وسط ایشیاء، نئی آزادی نئے چیلنج۔ گاؤں گاؤں بدلتی دنیا، ساغر شیشے اور لعل و گہر شائع ہو کر پذیرائی حاصل کرچکی ہیں۔

اپنے کالموں میں وہ بڑی باریک بینی کے ساتھ حالات حاضرہ کا مطالعہ کر کے لکھتے ہیں ان کے کالم بے شمار موضوعات پر ہوتے ہیں۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور ادبی موضوعات پر وہ نہایت مدلل گفتگو کرتے

ہیں۔انہیں آئے دن چولے بدلتے لیڈران، بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے لیڈر، مذہبی گروہ بندی، وطن دشمنی، ملک سے باہر سرمایہ جمع کرنا،غریب عوام کا استحصال، ملک میں آئے دن بڑھتی ہوئی مہنگائی، آئے دن کی قتل وغارت اور دہشت گردی کے ساتھ ساتھ لیڈروں کی آپس میں رسہ کشی جس سے ملک کی ساکھ کے ساتھ ساتھ ملکی سلامتی کو خطرہ، ایک دوسرے کے خلاف سیاسی بیانات جن کی وجہ سے مخلص اور وطن پرست لوگ پریشان ہیں اسی طرح نوجوان طبقے کو ذہنی طور پر اذیت پسندی اور دہشت گردی کی طرف مائل کرنے والے عناصر، ملک میں پولیس پر عدم اعتماد، بڑھتے ہوئے جرائم اور قانون کی لاچاری، ملک کے رہبران کی کرسی سے محبت اور عوام کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری، بھوک و افلاس سے مجبور ہوکر خودسوزی کے علاوہ سینکڑوں موضوعات پر آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ان کے کام وطن سے محبت کرنے والا اور ملکی سلامیت کا خواہاں، ملک کی سیاست اور حالات حاضرہ سے دلچسپی لینے والے ہر قاری کے لئے نہایت مفید معلومات سے مزین اور دلچسپ انداز میں ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جسے ملکی سلامیت کا احساس ہے اور وہ اپنے قلم کے ساتھ جہاد میں مصروف ہے۔

کالم نگاری یا تجزیہ نگاری چاہے وہ سیاسی یا ادبی طور پر ہو قطعی سہل کام نہیں۔اس کے لئے وسیع مطالعہ اور سیاسی وادبی شعور درکار ہے۔ایک طویل مدت اس صحرا میں آبلہ پائی کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر کالم یا مضمون نگاری کی جاسکتی ہے۔آج کل کے اخبارات میں بے شمار کالم نگار اور سیاسی تجزیہ نگار اپنی اپنی اہلیت کے مطابق اخبارات کے صفحات کالے کررہے ہیں مگر کسی بڑے اخبار کو لے کر پڑھیئے تو وہاں تمام ایک جیسی ہی ہانک رہے ہوتے ہیں، اکثر موجودہ حکومت کی چاپلوسی اور تعریف میں قلابے ملا رہے ہوتے ہیں اور اس کے مخالفین کی مخالفت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں ہوتے ہیں۔ایسے کالم نگاروں کا نام انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے جنہیں پڑھ کر محسوس ہو کہ وہ سچ بات کہہ رہے ہیں یا انہوں نے قلم کی حرمت کا کچھ بھرم رکھا۔

آصف جیلانی ان صحافیوں میں سے ہیں جنہیں کوئی حکومت خرید نہیں سکی۔وہ کسی کے دباؤ میں آئے بغیر کسی سے ڈرے بغیر کسی سیاسی پارٹی کے مہرہ بنے بغیر صرف اور صرف اپنے وطن عزیز کی بقا کے لئے لکھتے

ہیں، انہوں نے ہمیشہ قلم کی حرمت کا فرض نبھایا اور اس کا بھرم رکھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر وہ شخص جو ملک سے باہر ہے اس میں اپنے وطن کی محبت کے سمندر موجزن ہوتے ہیں وطن سے دوری اپنے دیس کی محبت کو نمایاں کرتی ہے، دنیا کی اس جنت میں رہتے ہوئے بھی آدھی صدی سے ہم لوگ ہر وقت اپنے دیس کی دھول مٹی اور غبار تک کو یاد کر کے آنسو بہاتے ہیں۔

محترم آصف جیلانی بھی دوسرے محبّ الوطنوں کی مانند ملک کے خود غرض حکمرانوں سے بری طرح نالاں ہیں جنہوں نے سابقہ پینسٹھ برسوں میں چہرے بدل بدل کر نہ صرف وطن کو لوٹا اسے بدنام کیا بلکہ بے گناہ عوام کو بھی ایسی اذیت میں مبتلا کر دیا ہے کہ آج ملک کا ہر شخص بمشکل دو وقت کی روٹی پیدا کرنے میں دن رات ایک کر رہا ہے۔ اور وہ بھی اسے سکون سے مہیا نہیں۔ ہر جانب لاقانونیت، غنڈوں قاتلوں کا راج ہے۔ قبضہ گروپ اور پستول بندوقیں لئے بدمعاش عناصر دندناتے پھرتے ہیں اور شریف لوگ منہ چھپاتے اپنی عزت بچاتے کونوں میں دبکے پڑے ہیں۔ افسوس کہ آج ہمارے حکمرانوں نے بڑے منظم طریقے سے ملک کو لوٹنا شروع کیا ہوا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو اللہ نہ کرے کل تک ملک کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ محترم آصف جیلانی کے علم و قلم میں اور برکت دے اور وہ اپنے قلم کی تلوار سے اس جہاد میں کامیاب ہوں۔۔ آمین

❁ ❁ ❁ ❁

کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے (آصف جیلانی)

میں اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی صحافتی زندگی کا سفر روزنامہ امروز کراچی سے شروع کیا جس کے چیف ایڈیٹر فیض احمد فیض تھے۔ جنوری انیس سو ترپن میں جب میں نے امروز میں کام شروع کیا تو اس وقت فیض صاحب راولپنڈی سازش کیس میں حیدر آباد سندھ کی جیل میں قید تھے۔ انہیں انیس سو اکیاون کے اوائل میں پاکستان کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ سجاد ظہیر' جنرل اکبر خان' اور دوسرے فوجی افسروں کے ساتھ لیاقت علی خان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ پانچ جنوری انیس سو ترپن کو اس کیس کا فیصلہ سنایا گیا تھا اور فیض صاحب کو چار سال قید کی سزا دی گئی تھی۔

سن پچپن میں رہائی کے بعد جب فیض صاحب نے دوبارہ امروز اور پاکستان ٹائمز کے چیف ایڈیٹر کا عہدہ سنبھالا تو چند ماہ

بعد کراچی آئے اورانہوں نے امروز کے عملہ سے ملاقات کی اوران کے مسائل کے بارے میں تفصیل سے بات کی۔عملہ نے پہلے سے کچھ مطالبات تحریر کیے تھے جوفیض صاحب کے سامنے پیش کیے گئے۔عجیب انداز تھاان کا۔وہ مطالبات کی فہرست پر ایک ایک مطالبہ کودہراتے اورقلم سے صحیح کانشان لگا کر کہتے کہ ہاں یہ ہوجائے گااورجن مطالبات کووہ سمجھتے کہ یہ پورے نہیں ہو سکتے اس پر کراس کانشان لگا کر کہتے یہ مشکل ہے۔انہوں نے نہ مطالبات پرلمبی بحث کی اورنہ عملہ کواپنے مطالبات کے حق میں کچھ کہنے کی ضرورت پیش آئی۔

میں پچھلی صف میں بیٹھا تھا۔فیض صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے۔کہنے لگے کہ آپ اخبار کے واحد رپورٹر ہیں اورآپ کے ذمہ پولیس سے لے کر پارلیمنٹ تک کوریج کی ذمہ داریاں ہیں۔لیکن میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ کوکوئی کنوینس الاؤنس نہیں ملتا۔آخراتنی جگہ رپورٹنگ کے سلسلہ میں آنے جانے پرآپ کا کافی خرچ ہوتا ہوگا۔میرا خیال ہے کہ آپ کو پچاس روپے ماہانہ کا کنوینس الاؤنس ملنا چاہیے۔اس زمانہ میں روزنامہ امروز میں دوسرے اردواخبارات کے برعکس باقاعدہ تنخواہ کااسکیل مقررتھا اورایک سب ایڈیٹراوررپورٹرکی تنخواہ کااسکیل دوسودس روپے ماہانہ سے شروع ہوتا تھا۔یہ کنوینس الاؤنس اس اسکیل کے لحاظ سے اچھا خاصا تھا۔مجھے ایسا لگا کہ یہ میری زبردست ترقی ہے۔فیض صاحب سے یہ میری پہلی روبروملاقات تھی۔مجھے یوں محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے کچھ کہے بغیر میرے دل کی بات بھانپ لی ہے۔

جیسے ہی دفتری مسائل نبٹ گئے عملہ نے فیض صاحب سے فرمائش کی کہ وہ اپنا تازہ کلام عنایت فرمائیں۔فیض صاحب نے یوم آزادی کے موقع پرجوتازہ نظم کہی تھی وہ سنائی۔

”چاند دیکھاتری آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ شفق/ملتی جاتی ہے شب غم سے تری دیداب کے/پھر سے بجھ جائیں گی شمعیں جوہوا تیز چلی/لا کے رکھوسرِ محفل کوئی خورشیداب کے“

اس کے بعد یہ دفتری میٹنگ شعری محفل میں بدل گئی اور جب بھی فیض صاحب امروز کے دفتر آتے عملہ سے ملاقات کا یہی انداز رہتا۔پھراکتوبر ۵۸ میں ملک میں پہلا مارشل لاءلگااورایوب خان کی فوجی حکومت نے پاکستان ٹائمزاورامروز پر قبضہ کرلیا۔ میاں افتخار الدین اپنے ادارہ کی ملکیت سے محروم ہو گئے ۔عوام آزاداورترقی پسند اخبارات سے تہی دامن ہو گئے اور فیض صاحب اپنی چیف ایڈیٹری سے ہاتھ دھو بیٹھےاور پابندزنداں ہو گئے۔

ساتھ سال بعد فیض صاحب سے لندن میں تجدید ملاقات ہوئی۔میں ان دنوں شمالی لندن کے علاقہ مسول ہل میں رہتا تھا ۔فیض صاحب کے راولپنڈی سازش کے ساتھی افضل صاحب بھی اسی علاقہ میں رہتے تھےان ہی کے ہاں فیض صاحب سے اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی۔مسول ہل کے قریب الگزانڈرا پیلس کا خوشنما پارک انہیں بہت دلکش لگتا تھا۔یہ ایک پہاڑی پر پرانا شاہی محل ہے جہاں سے دوسری عالم گیر جنگ سے ذرا پہلے بی بی سی کی ٹیلیوژن نشریات شروع ہوئی تھیں۔اسی پارک میں خوبصورت جھیل کے کنارے ایک طویل ملاقات میں فیض صاحب سے وہ سوالات پوچھنے کا موقع ملا جوایک عرصہ سے میرے

ذہن میں تڑپ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اشرافیہ کے عیش و عشرت میں پلے بڑھے فیض صاحب مفلس و نادار افراد غریب کسانوں اور ظلم وستم کے ستائے ہوئے مزدوروں کے بارے میں نظمیں لکھتے کچھ عجیب سے لگتے ہیں۔ خاصی دیر تک خاموشی کے بعد اپنے خاص انداز سے مسکراتے ہوئے فیض صاحب نے کہا کہ ''بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ ہمارے والد سیالکوٹ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کے بے زمین نادار کسان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اتنے غریب تھے کہ زمینداروں کے مویشی چرا کر گذارہ کرتے تھے۔ اس دوران ایک دن انہیں گاؤں کے قریب ایک اسکول نظر آیا اس میں انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اسکول میں پڑھائی کے دوران وہ اپنے مویشی جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ ابتدائی اسکول کی تعلیم کے بعد گاؤں کے آس پاس کوئی ثانوی اسکول نہیں تھا۔ چنانچہ وہ مزید تعلیم کے لئے گھر سے بھاگ کر لاہور چلے گئے اور ایک مسجد میں رہنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ دن میں اسکول میں پڑھتے تھے اور رات کو ریلوے اسٹیشن پر قلی کا کام کرتے تھے۔ اس زمانہ میں مسجد میں رہنے والوں کو محلہ والوں کی طرف سے کھانا مل جاتا تھا۔ فیض صاحب کا کہنا تھا کہ افغانستان کے ایک سردار اسی مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے۔ انہوں نے ہمارے والد کو دیکھا کہ یہ پڑھا لکھا لڑکا مسجد میں رہ رہا ہے۔ افغان سردار نے ایک روز ہمارے والد سے پوچھا کہ افغانستان چلو گے؟۔ والد صاحب نے کہا کیوں نہیں۔ اس زمانہ میں افغانستان کے بادشاہ امیر عبدالرحمان تھے جو انگریزوں سے ڈیورنڈ لاین کے بارے میں مذاکرات کر رہے تھے۔ ہمارے والد نے پہلے انگریزی مترجم کی حیثیت سے کام کیا اور ڈیورنڈ لاین کے مذاکرات میں حصہ لیا۔ پھر بادشاہ نے اپنا چیف سیکریٹری اور بعد میں وزیر بنالیا۔ لیکن چونکہ وہ غیر افغان تھے اس لئے ان کے خلاف سازشیں ہوتی رہتی تھیں اور کئی بار ان پر انگریزوں کی جاسوسی کا الزام لگا اور سزائے موت سنائی گئی لیکن بادشاہ کے بیچ بچاؤ کی وجہ سے وہ بچ گئے اور ایک دن ایک فقیر کا بھیس بدل کر افغانستان سے فرار ہو کر لاہور آ گئے لیکن یہاں انہیں افغان جاسوس ہونے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ بعد میں وہ رہا کر دیئے گئے۔ ہمارے والد جب افغانستان میں تھے تو ان کی ایک انگریز خاتون ڈاکٹر۔۔ڈاکٹر ہملٹن سے دوستی ہوگئی تھی جنہوں نے افغانستان میں اچھا خاصا سرمایہ جمع کر کے برطانیہ میں بڑی جائداد بنالی تھی۔ انہیں جب ہمارے والد کی اس پریشانی کا پتہ چلا تو انہوں نے انگلستان آنے کی دعوت دی۔ فیض صاحب کہہ رہے تھے کہ اس خاتون کی مدد سے ہمارے والد نے کیمبرج یونیورسٹی میں اور وکالت پڑھنے کے لئے بار میں داخلہ لیا۔ امیر عبدالرحمان کو جب پتہ چلا کہ ہمارے والد لندن میں ہیں تو ان سے کہا کہ وہ افغانستان کے سفیر بن جائیں۔ وکالت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے سفیر کے بھی فرائض انجام دیئے۔ آخر کار وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ افغانستان جانے کے بجائے سیالکوٹ چلے آئے اور یہیں شادی کر کے مستقل طور پر بس گئے۔'' فیض صاحب کا کہنا تھا کہ والد صاحب جب تک بقید حیات تھے ہم نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی گزاری لیکن جب ہم نے بی اے کیا تو والد صاحب انتقال کر گئے۔ ان کے بعد ان کے قرضوں کی وجہ سے ہماری مالی حالت ابتر ہوگئی ویسے بھی یہ دور سنگین اقتصادی بدحالی کا تھا۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہم نے غربت کے دن نہیں دیکھے۔ مجھے معلوم ہے کہ بے

روزگاری کتنا بڑا عذاب ہے۔ پھر خود کہنے لگے کہ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ ہم نے عربی میں ایم اے کیوں کیا؟ بات دراصل یہ تھی کہ ہمارے پاس ایم اے انگریزی میں داخلہ کے لئے پیسے نہیں تھے چنانچہ ہم نے عربی ایم اے میں داخلہ لیا کیونکہ اس مضمون میں داخلہ چند روپوں میں ہو جاتا تھا۔عربی میں ایم اے کرنے کے بعد ہم نے انگریزی میں ایم اے کیا۔ تو یہ حال تھا ہماری غربت کا۔۔بہت سے لوگ فخریہ کہتے ہیں پدرم سلطان بود۔ فیض صاحب نے مسکرا کر کہا کہ ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہمارے والد کا نام سلطان محمد خان تھا اور والدہ کا نام سلطان فاطمہ تھا۔لیکن ہمارا ہمیشہ غریبوں اور ناداروں سے گہرا تعلق رہا ہے اور ہم نے ان کے مسائل قریب سے دیکھے ہیں۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور تاریکی کے سائے بڑھ رہے تھے۔یہ ملاقات اس وعدہ پر ختم ہوئی کہ اگلے دن یہیں ملاقات ہوگی اور شاعری کے میدان میں آنے کے محرکات اور ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے عوامل پر تفصیل سے بات ہوگی لیکن دوسرے دن انہیں اچانک لندن سے باہر جانا پڑا اور پھر ایک عرصہ تک ملاقات نہ ہو سکی۔ایک سال بعد وہ جب بیروت سے لندن آئے تو وہیں الگزانڈرا پیلس کے پارک میں ملاقات ہوئی۔میں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ انہیں شاعری سے لگاؤ کب اور کیسے شروع ہوا۔کہنے لگے کہ ویسے تو ہم نے اسکول کے دوسرے سال سے شعر کہنے شروع کر دیئے تھے اور شاعری کا شوق اس وجہ سے بھی بڑھ گیا تھا کہ ہمارے گھر کے قریب اسکول میں بڑی باقاعدگی سے مشاعرے ہوتے تھے لیکن ایک واردات نے مجھے شاعری کے سمندر میں دھکیل دیا۔میں صبر نہ کر سکا۔میں نے پوچھا کہ یہ کیا واردات تھی۔کہنے لگے کہ میں جب سترہ اٹھارہ برس کا تھا تو میں ایک افغان لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔اس کا خاندان ہمارے والد کے ساتھ افغانستان سے آیا تھا اور ہم بچپن میں ساتھ کھیلے ہوئے تھے۔بچپن ہی میں یہ خاندان فیصل آباد کے ایک گاؤں میں منتقل ہو گیا تھا میری ہمشیرہ کی شادی اسی گاؤں میں ہوئی تھی جب میں اپنی ہمشیرہ سے ملنے گیا تو اس افغان لڑکی سے ملاقات ہوئی۔یہ اتنی حسین تھی کہ میں اسے دیکھتے ہی اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا لیکن مجھے اس وقت سخت صدمہ ہوا جب دوسرے ہی دن اس کی ایک امیر زمیندار سے شادی ہو گئی ۔اس وقت اس کی عمر یہی بارہ تیرہ برس کی ہوگی ۔غم کا ایک پہاڑ تھا جو ہم پر ٹوٹ پڑا۔پھر ہم نے سہارا شاعری کا ہی لیا۔مجھ سے نہ رہا گیا۔میں نے پوچھا کہ بیگم ایلس سے ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟ کہنے لگے تاثیر صاحب کیمبرج سے ڈاکٹریٹ کر کے واپس آئے تھے ان کے ساتھ ان کی انگریز بیگم تھیں۔اس زمانہ میں ہم افغان لڑکی کی جدائی میں سخت غم زدہ تھے۔بیگم تاثیر نے بھانپ لیا۔کہنے لگیں تم پر عشق کا بخار طاری ہے۔یہ چند کتابیں پڑھو ان سے دھیان بٹے گا۔اور پھر کہا کہ یہ تمہارا چھوٹا سا غم ہے۔دیکھو ہندوستان کے عوام کتنے بڑے دکھوں میں مبتلا ہیں۔ان کے بھوک ،افلاس اور بے روزگاری کے مصائب کتنے سنگین ہیں۔ان کے بے پناہ مصائب کے سامنے تمہارا غم تو کچھ بھی نہیں۔۔۔بس اس کے بعد ہم نے عشق وشق چھوڑا اور انسانیت کے مصائب کو اپنا لیا۔کہنے لگے کہ اسی زمانہ میں ہم نے اپنی پہلی نظم لکھی۔

''مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ/ اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا/ راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے

سوا"۔۔ فیض صاحب نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور ایک وقفہ کے بعد کہا کہ کچھ عرصے بعد بیگم تاثیر کی ہمشیرہ ایلس ان سے ملنے ہندوستان آئیں۔اسی دوران جنگ چھڑ گئی اور وہ واپس نہ جا سکیں۔ ہمارا ارادہ کیمبرج یونیورسٹی جا کر تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ ہم بھی برطانیہ نہ جا سکے۔اس دوران ہماری ایلس سے دوستی شروع ہوگئی اور پھر سری نگر میں جہاں تاثیر صاحب ایک کالج کے پرنسپل تھے ہماری شادی ہوئی۔نکاح ہمارا شیخ عبداللہ نے پڑھایا۔تین زبانوں میں،انگریزی کشمیری اور اردو میں۔

میں نے فیض صاحب سے پوچھا کہ اشتراکیت سے آپ کا تعلق کیسے شروع ہوا؟ کہنے لگے یہ دور برصغیر میں انگریزوں کے خلاف پہلی مسلح انقلابی تحریک کا تھا۔ بہت سے انقلابی ہمارے گورنمنٹ کالج میں در آئے تھے۔ان میں سے ایک ہمارے قریبی دوست تھے جو بعد میں ممتاز موسیقار بن کر ابھرے۔یہ تھے خواجہ خورشید انور۔انہیں بم بنانے کے لئے کالج کی تجربہ گاہ سے ایسڈ چرانے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور تین سال قید کی سزا سنائی گئی تھی لیکن چونکہ ان کے والد بااثر تھے اس لئے انہیں کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیا گیا۔خواجہ خورشید انور ممنوعہ لٹریچر ہمارے ہاں چھوڑ جاتے تھے وہی پڑھ کر انقلابی خیالات کا ہم پر اثر ہوا۔فیض صاحب نے سگریٹ کا لمبا کش لگایا اور دور افق پر ایسے دیکھا جیسے پارینہ یادوں کو ڈھونڈ رہے ہوں۔کہنے لگے بنے بھائی سجاد ظہیر،محمود الظفر اور رشید جہاں نے مارکسزم سے متعارف کرایا۔اسی زمانہ میں یورپ اور امریکا کے ادیبوں میں اینٹی فاشسٹ تحریک بہت زوروں پر تھی جس نے ہم سب کو بہت متاثر کیا۔اسی زمانہ میں ہندوستان میں ترقی پسند مصنفین کی تنظیم کی داغ بیل پڑی۔

میں نے پوچھا کہ ایک طرف آپ پر انقلابیوں کا اثر اور دوسری جانب اشتراکیت سے وابستگی،انگریز سامراجی فوج انڈین آرمی میں آپ نے کیسے شمولیت اختیار کی۔ کہنے لگے کہ انیس سو اکیالیس میں جب جاپانی دوسری عالم گیر جنگ میں کودے اور ان کی فوجیں ہندوستان کی سرحدوں کی طرف بڑھیں تو ہم نے محسوس کیا کہ اب اپنے وطن کے دفاع کے لئے لڑنے کا وقت آ گیا ہے چنانچہ ہم نے فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ہم بندوق اٹھا کر لڑ تو سکتے نہیں تھے چنانچہ ہم نے فوج کے شعبہ تعلقات عامہ میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کیا۔ہمیں یاد ہے کہ بھرتی کے وقت اس شعبہ کے سربراہ نے جو فوجی نہیں تھے بلکہ لندن ٹائمز کے صحافی تھے ہم سے کہا کہ تمہارے بارے میں پولیس رپورٹ ہے کہ تم ایڈوانسڈ کمیونسٹ ہو۔ہم نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کے ایک بیک ورڈ کمیونسٹ کیا ہوتا ہے۔انہوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور کہا کہ بھلے تم فاشسٹ ہو لیکن تم ہمیں قبول ہو اگر تم ہمیں دغا نہ دو۔ہم نے کہا نہیں ہم دغا نہیں دیں گے۔فوج میں ہم نے ایسے ایسے مشورے دیئے کہ تین سال میں انہوں نے ہمیں کرنل کے عہدہ پر ترقی دے دی اور دراصل صحافت ہم نے فوج ہی میں سیکھی کیونکہ ہم اس وقت پوری انڈین آرمی کی پبلسٹی کے انچارج تھے۔فیض صاحب کہہ رہے تھے کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد ارادہ فارن سروس یا سول سروس میں جانے کا تھا۔اس دوران ہمارے ایک بڑے اچھے دوست میاں افتخار الدین نے جو پنجاب کانگریس پارٹی کی صدارت چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے ہم سے کہا کہ چھوڑو فارن اور سول سروس کو۔میرا ارادہ لاہور سے ایک روزنامہ نکالنے

کا ہے تم ہمارے ساتھ آؤ اور اس کی ایڈیٹری سنبھالو۔ چنانچہ جنوری انیس سو سینتالیس میں ہم لاہور آئے اور پاکستان ٹائمز نکالا۔ میں نے فیض صاحب سے پوچھا کہ ایک عرصہ سے یہ تجسس تھا کہ راولپنڈی سازش کیا تھی اور آیا تھی بھی کوئی سازش یا یہ محض جھوٹا الزام تھا؟ کہنے لگے، بات اصل میں یہ ہے کہ سن پچاس کے آخر میں مری میں اتفاقاً فوج کے زمانہ کے ایک پرانے دوست جنرل اکبر خان سے ہماری ملاقات ہوئی۔ اس وقت وہ فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف تھے۔ وہ ملک کے حالات سے بہت بدظن تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فوج میں وہ لوگ جنہوں نے کشمیر میں لڑائی لڑی تھی بہت مایوس اور دل برداشتہ ہیں۔ پاکستان کو قائم ہوئے چار سال گذر گئے اور ابھی تک آئین منظور نہیں ہو سکا ہے۔ کوئی انتخاب نہیں ہوا ہے۔ ملک میں بدعنوانی عام ہے اور اقربا پروری کا مرض بڑھتا جا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کچھ کیا جائے۔ ہم نے پوچھا کیا کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حکومت کا تختہ الٹ کر ایک ایسی حکومت بنانا چاہتے ہیں جس میں کوئی سیاسی پارٹی شامل نہ ہو۔ اس کے بعد آئین مرتب کر کے عام انتخابات کرائے جائیں۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ اس پر جنرل اکبر خان نے کہا ہمیں آپ کا مشورہ درکار ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ معاملہ تو فوج کا ہے ہم بھلا کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔ جنرل اکبر خان نے کہا کہ بہر حال آپ ہماری میٹنگ میں آئیں اور سنیں کہ ہمارا منصوبہ کیا ہے۔ فیض صاحب نے کہا کہ ہماری بے وقوفی کہ ہم دو اور سویلین دوستوں کے ساتھ یہ منصوبہ سننے میٹنگ میں چلے گئے۔ میں نے پوچھا کہ فیض صاحب منصوبہ کیا تھا؟ کہنے لگے کہ منصوبہ گورنر جنرل ہاؤس اور ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کرنے کا تھا۔ اس زمانہ میں ٹی وی تو تھا نہیں۔ صرف ریڈیو پر اعلان کرنے کا پلان تھا کہ حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے۔ نان پارٹی حکومت تشکیل دی گئی ہے اور چھ ماہ کے اندر اندر نیا آئین نافذ کیا جائے گا جس کے بعد عام انتخابات منعقد ہوں گے اور سماجی اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔

میں نے پوچھا اس میٹنگ میں کتنے فوجی تھے۔ کہنے لگے کہ کوئی چودہ یا پندرہ فوجی افسر تھے اس میٹنگ میں جو کوئی چھ گھنٹے تک جاری رہی۔ آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ منصوبہ قابل عمل نہیں ہے۔ ایک تو ملک کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ عوام کو منظم کیا جاسکے دوسرے اس منصوبہ پر عمل درآمد کے سلسلہ میں بہت خطرات ہیں۔ سو یہ طے کیا گیا کہ یہ منصوبہ ترک کر دیا جائے۔ لیکن میٹنگ میں شامل کسی نے حکومت کو خبر کر دی لیکن پوری خبر نہیں دی اور یہ نہیں بتایا کہ منصوبہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں لیاقت علی خان کی حکومت تھی۔ وہ اس منصوبہ کی خبر سے سخت گھبرا گئی اور اس نے ان سب کو گرفتار کرنا شروع کر دیا جو اس میٹنگ میں شریک تھے۔ ہمیں چار مہینہ تک قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اس دوران ہمیں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہوا۔ چار ماہ بعد پتہ چلا کہ دستور ساز اسمبلی میں ایک خاص قانون منظور کیا گیا ہے جو راولپنڈی سازش ایکٹ کہلاتا ہے۔ اس قانون کے تحت ہمارے خلاف خفیہ مقدمہ چلایا گیا جس کی ڈیڑھ سال تک سماعت ہوئی جنرل اکبر خان کو آٹھ سال قید کی سزا اور ہمیں چار سال قید کی سزا سنائی گئی۔ بقیہ فوجیوں کو ان کے رتبہ کے حساب سے سزائیں دی گئیں۔

فیض صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ قید کا زمانہ ہمارے لئے بڑا اچھا ثابت ہوا۔ کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا اور نہ کوئی

تفریح تھی۔ ہمیں پڑھنے کا خوب موقع ملا اور لکھنے کا بھی۔ ہم نے اس دوران شاعری کی دو کتابیں مکمل کیں۔

میں نے پوچھا کہ انیس سو اٹھاون کے پہلے مارشل لاء میں بھی آپ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس وقت کیا الزام تھا۔ کہنے لگے۔ اس زمانہ میں ہر اس شخص کو گرفتار کر لیا گیا تھا جس کا نام انیس سو بیس کے بعد سے پولیس کی فائلوں میں تھا۔ چنانچہ نوے نوے اسی اسی سال کے لوگ جیل میں قید تھے۔ اس دوران ہم چار ماہ قید رہے اور پہلی بار ڈیڑھ ماہ کے لئے لاہور کے قلعہ میں بند رہے۔ رہائی کے تین روز بعد جب ہم اپنے اخبار کے دفتر گئے تو دیکھا پولس نے دفتر کو گھیر رکھا ہے معلوم ہوا کہ میاں صاحب کے تمام اخبارات کو فوجی حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ کہنے لگے بس اسی روز سے ہماری صحافت ختم ہوگئی۔ ان کے چہرے پر دکھ کی لکیر شام کے دھندلکے میں اور گہری ہوگئی۔

پھر ایک طویل عرصہ کے بعد فیض صاحب سے فنچلے سینٹرل میں اس مکان میں ملاقات ہوئی جو انہوں نے لینن پرائز کی رقم سے خریدا تھا بعد میں جب وہ پاکستان منتقل ہوگئے تو یہ مکان بی بی سی میں ہمارے ساتھی تقی احمد سید نے خرید لیا تھا اور جب بھی وہ لندن آتے اس مکان میں ان کے اعزاز میں محفل ضرور سجتی تھی۔

لندن میں قیام کے دوران فیض صاحب وقتاً فوقتاً سویت یونین آتے جاتے رہتے تھے۔ گو انہوں نے کبھی کہا نہیں لیکن اس دوران ان کی نظموں سے سویت نظام سے ناخوشی کی رو تہہ آب نظر آتی تھی۔ وہ دور بریزنیف کا استبدادی دور تھا جب سویت یونین نے افغانستان میں دراندازی کی تھی اور جہادی مزاحمت کی آگ بھڑکا دی تھی۔ سویت نظام کے بارے میں ان کی مایوسی ان کی اس نظم میں جھلکتی ہے۔

''اس وقت تو لگتا ہے اب کچھ بھی نہیں ہے / مہتاب نہ سورج نہ اندھیرا نہ سویرا / آنکھوں کے دریچوں پہ کسی حسن کی چلمن / اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا''

ابھی فیض صاحب ستر برس ہی کے تھے کہ لندن کے اردو مرکز کو نہ جانے کیا سوجھی کہ ان کے کلام کی کلیات ''سارے سخن ہمارے'' کے نام سے شائع کی اور فیض صاحب کو اس کی تقریب رونمائی میں مدعو کیا۔ ستم ظریفی یہ کہ اس تقریب کی صدارت ان ہی موصوف الطاف گوہر نے کی جنہوں نے ایوب خان کو پاکستان ٹائمز امروز اور لیل و نہار پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور ان اخبارات کو تہس نہس کرنے میں پیش پیش تھے جس کے نتیجہ میں عوام معیاری اخبارت سے محروم ہوگئے تھے اور فیض صاحب چیف ایڈیٹری سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ اردو مرکز فیض صاحب کے کلام کی کلیات شایع کر کے غالباً یہ اعلان کر رہا ہے کہ فیض صاحب کو جو کچھ کہنا تھا وہ انہوں نے کہہ دیا اور اس کے بعد اب وہ کچھ نہیں کہیں گے بس یہ کلیات ہی ہے۔ اور بقول فیض۔۔۔ اب کوئی اور کرے پرورش گلشن غم۔ اسی کلیات میں پہلی بار فیض صاحب کا پنجابی کا کلام شامل کیا گیا ہے۔

''کدھرے نہ پیندیاں دساں / وے پردیسیا تیریاں / کاگ اڈاواں شگن مناواں / وگدی وا دے ترلے پاواں / تری یاد پوے تے رووواں / ترا ذکر کراں تاہساں / کدھرے نہ پیندیاں دساں

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اعجاز احمد اعجاز (مرحوم)

Aijaz Ahmed Aijaz (Late)

اعجاز احمد اعجاز افریقہ نیروبی کمپالا سے برطانیہ آئے جب نیروبی میں ایشین لوگوں پر مقامی باشندوں نے حکومت کی شہہ پر زندگی تنگ کردی۔ لندن آکر وہ جلد ہی یہاں کی زندگی کے عادی ہوگئے اور آخری عمر تک رزقِ حلال کما کر کھایا۔ شاعری اسکول کے زمانے سے کرتے تھے، افریقہ میں مشاعروں میں اپنی شاعری کا جادو جگایا مگر لندن کے ادبی ماحول میں وہ خوب پھلے پھولے اور مشاعروں کے لٹیرے بن گئے ان کا اپنا ایک مخصوص اندازِ بیان تھا، کلام پڑھتے ہوئے ان کی نظر میں تمام سامعین ہوتے جوں ہی کسی کی توجہ دوسری جانب دیکھتے تو بڑے خوبصورت انداز میں اسے مخاطب کر کے شعر اس کی نذر کرتے۔ شعر سناتے وقت ان کی 'باڈی لینگویج' بھی سامعین کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھتی وہ ہاتھوں اور سر کے اشاروں سے اپنی تائید کرواتے۔ اپنی غزلوں میں اکثر ایک آدھ شعر مذاحیہ انداز کا ضرور ہوتا جو یکدم ماحول کو تبدیل کردیتا اور وہ اپنی غزل سناتے اور مشاعرہ لوٹ کرلے جاتے۔ میرے مشاعرے میں وہ کئی بار آئے اور ہر بار میں نے انہیں اسٹیج پر صدارت دی یا مہمان خصوصی کا اعزاز دیا جس کا وہ حق بھی رکھتے تھے۔

انہیں اکثر یہ شکایت رہتی کہ 'اہل زبان' طبقہ ان کی مخالفت کرتا ہے اور انہیں اردو میں وہ مقام نہیں دیتا جس کے وہ اہل ہیں تو میں مسکرا کر کہتا، ''اعجاز بھائی! یہی مخالفت تو آپ کی مقبولیت و پسندیدگی کی ضمانت بن جاتی ہے لوگ ہمیشہ مقبول لوگوں سے ہی جلتے ہیں۔۔'' تو وہ قہقہہ لگا کر ہاتھ پہ ہاتھ مارتے اور خوش ہوجاتے۔

اعجاز احمد کو میں نے نہایت سچا کھرا انسان پایا ہے انہیں جو بھی شاعر یا ادیب پسند نہ ہوتا وہ کھل کر اس کی مخالفت کرتے کبھی منافقت کا روّیہ نہیں رکھا۔ یوں تو ان کے کئی مجموعے شائع ہوئے مثلاً ''تیری یاد کے بعد، میں تجھے یاد کرتا ہوں، چراغ پچھلے برس کا'' لیکن چراغ پچھلے برس کا بہت مقبول ہوا کہ کافی مدت کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ انہوں نے کئی عالمی مشاعرے بھی پڑھے اور انہیں دوسرے مما لک

میں بھی بلایا جاتا تھا۔ اردو کے علاوہ پنجابی میں بھی غزلیں کہیں ان کا ارادہ تھا کہ وہ پنجابی کا کلام بھی اکٹھا کر کے مجموعے کی شکل میں شائع کریں گے مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ اکثر مشاعروں میں ان سے پنجابی کلام کی فرمائش بھی ہوتی تو وہ اپنی مقبول نظم ''جنہاں پیتیاں شراباں اوہ ستے پئے نے '' سناتے تو محفل زعفران بن جاتی مگر اصل میں وہ اردو غزل کے شاعر تھے۔

اعجازؔ تذکرے ترے رہتے ہیں شہر شہر

شہرت کہاں کہاں ترے زورِ بیاں کی ہے

ہندوستان کے معروف شاعر، ناقد ڈاکٹر سیفی سرونجی لکھتے ہیں کہ،

''اعجاز احمد اعجازؔ کی شاعری کا یوں تو موضوع عشق ہے لیکن ان کا عشق بڑا پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کی شاعری میں بھی جب شاعر کسی جذباتی پہلو کو اجاگر کرتا ہے تو اپنے ذہنی رویئے کو پوشیدہ نہیں رکھ پاتا اور کبھی کھل کر بھی دبے الفاظ اندر کی کیفیت اجاگر ہو جاتی ہے اعجاز احمد اپنے محبوب کے بچھڑنے کا غم تو کبھی وصل کی سرمستیاں، کبھی غصہ، کبھی پیار کے جذبات کا اظہار بلا تکلف ایسے انداز میں کرتا ہے کہ جیسے ایک عاشق صادق اپنے محبوب سے بے خوف ہو کر گفتگو کرتا ہے اور کبھی کبھی ایسے ہی عشقیہ جذبات کا اظہار کرتے کرتے بہت تلخ اشعار کہہ جاتا ہے۔''

میں ہی تیری مشکلوں کا حل بھی ہوں

میں کہ تیرا آج بھی ہوں کل بھی ہوں

2012 کا سال برطانیہ کی ادبی زندگی کا بڑا کڑا سال تھا کہ ہمارا پسندیدہ شاعر اعجاز احمد اعجازؔ جو کافی دنوں سے بیمار ہونے کے باوجود بھی کئی مشاعروں میں شریک ہوا، مجھے یاد ہے کہ میرے آخری مشاعرے میں وہ کافی دیر سے آئے میں نے دور سے دیکھا تو دوڑا گیا اور معانقہ کیا تو مجھے کہا۔

''یار مرزا! تمہارے بلانے پر میں آ تو گیا مگر زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکوں گا۔۔'' میرا دل دھک سے ہوا کہ ان کی آواز میں وہ گونج زندگی اور شوخی نہ تھی چلتے ہوئے بھی وہ لڑکھڑا رہے تھے اور محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اپنے آپ کو دھکیل رہے ہوں۔ گو ان کا مقام نہ تھا مگر ان کے اصرار پر میں نے انہیں جلد پڑھوایا۔ انہوں نے

حسب معمول اپنے خاص انداز میں غزل پڑھ تو لی مگر پھر یکدم تھک کر قریبی کرسی پر بیٹھ گئے ان کے چہرے پر جیسے موت کا سایہ لہرا رہا تھا اور تھکے تھکے سے لگ رہے تھے پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس چلے گئے اور تیسرے دن اس افسوس ناک خبر نے برطانیہ کی تمام ادبی برادری کو غم زدہ کر دیا کہ اعجاز احمد اعجاز ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر دوسرے جہان چلے گئے جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔۔۔

اللہ غریق رحمت کرے۔۔مگر یقین کامل ہے کہ ان کا کلام انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔اردو ادب کو جو وہ قیمتی سرمایہ دے گئے ہیں وہ انہیں کبھی بھی بھولنے نہ دے گا۔ان کی ایک نعت کا شعر ہے۔

خوش قسمت اعجاز ہو کتنے، نسبت ہے تم کو بھی اُنؐ سے

جن کا تاریخ عالم نے ہر انداز نرالا دیکھا

مرتو ہر انسان نے اپنے وقت پر جانا ہی ہے مگر کئی لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد اچھے الفاظ میں یاد کئے جاتے ہیں اور اعجاز احمد اعجاز انہی خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں کیونکہ ایسے لوگ کچھ دے کر جاتے ہیں اور دعائیں لے کر جاتے ہیں۔۔

یہ عجز ہے کہ خوشامد کہ خود پسندی ہے

ہر ایک رقیب کو جھک کر سلام کرتے ہیں

یہ تیرے عشق کی خوبی ہے یا ترا اعجاز؟

کہ اب فرشتے بھی تجھ کو سلام کرتے ہیں

اعجاز کے شعر سننے والوں کو دل پر لگتے تھے اور بے اختیار واہ واہ نکلتی تھی۔۔سچ جانیئے کہ اعجاز کے چلے جانے سے لندن کی ادبی محفلیں بے رونق ہو گئیں۔۔۔وہ خود کہتا تھا۔۔

لفظوں کی ہیرا پھیری کو شعر نہیں کہتے

شعر جو سچا ہو وہ سیدھا دل پر لگتا ہے

✿

تمنا ہے قیامت کو ہمیں انؐ کی شفاعت ہو
فروزاں حشر کے میدان میں شمعِ رسالت ہو
جو منکر تھے نبیؐ کے حشر میں ان کو خجالت ہو
نبیؐ کے دلبروں کا قافلہ محوِ عبادت ہو
تمنا ہے یہی اعجازؔ اب تو اہلِ ایماں ہو
نبیؐ کی دید سے معراج ہو ہر اک مسلماں ہو

زمانے یاد رہے، صبح و شام بھول گیا
مجھے جو تجھ سے کبھی تھا، وہ کام بھول گیا
جہان بھر کے مصائب تھے ہم رکاب مرے
تمہاری شکل رہی یاد، نام بھول گیا
مجھے تو قبر میں جا کر بھی تو ہی یاد رہا
اور ایک تُو، کہ تجھے یہ غلام بھول گیا
تو عالی ظرف تھا تجھ کو تو تخت یاد رہا
میں کم نصیب تھا اپنا مقام بھول گیا
شکم کی آگ کے آگے اصول راکھ ہوئے
حلال بھول چکا، میں حرام بھول گیا
بس ایک چہرہ ہی لاکھوں میں ایک تھا گویا
میں بھیڑ بھول گیا، دھوم دھام بھول گیا
لڑا دیا ہمیں آپس میں جب سے واعظ نے
ہمیں تو اپنے ہی یاروں کا نام بھول گیا

✿

کون ہے چھوٹا، کون بڑا ہے؟
ایک سے بڑھ کر ایک بڑا ہے!
اٹکا ہوا یہ سانس ہے کوئی
یا نیزہ سینے میں گڑھا ہے؟
مقتل ہے کیوں سونا سونا؟
دروازے پہ قفل پڑا ہے!
چکنی چپڑی شیخ کی باتیں
شیخ کا ذہن بھی چکنا گھڑا ہے
صبح گلے کا پھندا ٹھہری
سورج میرے سر پہ کھڑا ہے
بدحالوں کی بات ہی چھوڑو
خوش حالوں پہ وقت کڑا ہے
باز آیا دل عشق بتاں سے
وقت یہ کیسا آن پڑا ہے؟
وہ ٹولی ہے زاہد جی کی
اور یہ مے خوروں کا دھڑا ہے
دیکھ بھی لے اعجازؔ کی جانب
ایک سوالی در ہی کھڑا ہے

٭

جو کیا تھا نہ ابھی تک ، وہی کر جائیں گے
شیخ جنت میں مرے ساتھ اگر جائیں گے

جب وہ لہرا کے مقابل سے گزر جائیں گے
مرحلے زیست کے یک لخت سنور جائیں گے

ہم تو آوارہ ہواؤں کی طرح بھٹکیں گے
دشتِ غربت پہ سبھی نقش بکھر جائیں گے

ہم ترے شہر میں آئے تھے جلا کر گھر کو
اب یہاں سے بھی نکالا تو کدھر جائیں گے؟

کشتیِ زیست کنارے پہ لگے گی کیسے ؟
جب یہ جذبات کے طوفان اتر جائیں گے

روح کے زخم تو شاید ، کبھی صدیوں میں بھریں
جسم کے زخم تو کچھ روز میں بھر جائیں گے

منزلیں دہر کی انسان کی قدرت میں نہیں
گاہ آجائیں گے ادھر ، گاہ ادھر جائیں گے

ہجرتیں بخت ہوئیں ، دشت نوردی قسمت
اب کہاں گھر ہیں؟ جو ہم کہہ دیں کہ گھر جائیں گے

ہم کہ اعجازؔ محبت کے پجاری ٹھہرے
رنگ اُڑ جائے گا پھولوں کا ، تو مر جائیں گے

٭

میری غزل ، کہ ، سراسر ابہام ہو گئی
واعظ کی گفتگو مگر الہام ہو گئی

سوئے حرم تو نور کے تڑکے چلا تھا میں
بت خانۂ عجم میں مجھے شام ہو گئی

میری انا نے جس کو اٹھایا تمام دن
تحلیل شب میں ہو گئی ، گمنام ہو گئی

مشہور ہیں جہاں میں تری بے وفائیاں
میری وفا تو مفت میں بدنام ہو گئی

اک وہ ، کہ ان کی قبر پر بجتی ہیں نوبتیں
اک وہ کہ جن پہ زندگی الزام ہو گئی

کمرے سے ایک پل بھی میں باہر نہیں گیا
بیٹھے بٹھائے دن بھی ڈھلا ، شام ہو گئی

اس نے جو ڈھایا قہر تو کچھ بھی نہیں ہوا
میری خموشی باعثِ ، کہرام ہو گئی

اہلِ ستم ہی تیرے یہاں سرخ رُو ہوئے
اعجازؔ کی فغاں مگر ناکام ہو گئی

❁

نجمہ دیکھی ، نجمی دیکھا ، گنگا جمنا والا دیکھا
کھول سکی نہ کوئی کنجی ، ایسا بھی اک تالا دیکھا
سرخ سویرے دیکھ چکے ہم،اب کے سورج کالا دیکھا
پہلے ہجرت سن رکھی تھی ، اب کے دیس نکالا دیکھا
خشک سمندر ، جل تھل صحرا ، چھپر تلے ہمالا دیکھا
عالم جاہل ، جاہل عالم ، ہم نے کھیل نرالا دیکھا
عابد ، زاہد ، واعظ دیکھے ، ملزم ، مجرم ، منصف دیکھے
راجہ دیکھا ، رانی دیکھی ، رانی خاں کا سالا دیکھا
اوپر سے جو دھلے ہوئے تھے زہر سے ان میں گھلے ہوئے تھے
مسجد کے در کھلے ہوئے تھے ، لیکن دلوں پہ تالا دیکھا
اک چھوٹی سی عمر میں ہم نے کتنے موسم دیکھ لئے ہیں!
گرمی،سردی،آندھی،طوفاں،پت جھڑ،باراں ژالہ دیکھا
صحرا صحرا خلا نوردی کر کے جب لوٹا میں گھر کو
دروازے پر قفل پڑا تھا ، ہر کھڑکی پر جالا دیکھا
لگتا ہے اب کچھ ہی دن میں قیدی گھر کو لوٹ آئیں گے
نور کے تڑکے گھر کی چھت پر، میں نے کوا کالا دیکھا
دہلی، کابل، بلخ، بخارا، لندن، پیرس چھان آئے ہیں
چین ملا اعجاز ہمیں ، جب شہر ترا کمپالا دیکھا

❁

کوئی ہوگا ، کوئی گھائل نہ ہوگا
نظر کے تیر ہوں گے ، دل نہ ہوگا
سرِ صحرا تو دانشور ملیں گے
کوئی وحشی سرِ محفل نہ ہوگا
کروں گا قتل کا دعویٰ میں کس پر ؟
اگر مقتل میں بھی قاتل نہ ہوگا
نکل جائیں نہ کیوں صحرا کو یارو
کہ اس کوچہ میں کچھ حاصل نہ ہوگا
مری دشواریاں آسان کرنا
تمہارے واسطے مشکل نہ ہوگا
بہت دشوار ہے اعجاز کرنا
ذرا کوشش کرو ، مشکل نہ ہوگا

اکبر حیدرآبادی (مرحوم)

Mr . Akbar Haiderabadi,

89 Rowsham Rd., Bristol BS5 6XN

Tel: 01179 392726

یوں تو برطانیہ میں ان گنت شعرا و شاعرات ہیں بلکہ روز بروز ساون کے گھاس کی مانند پھوٹ رہے ہیں اسی طرح خود ساختہ اساتذہ بھی کھمبوں کی طرح پیدا ہو کر زبردستی اپنے آپ کو منوانے میں کوشاں ہیں۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ایک زمانہ استاد سمجھتا ہے اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتا ہے وہ خاموشی سے ادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ادب سے محبت رکھنے والے انہیں اپنے دل میں سجا کر رکھتے ہیں۔ ان میں سے سرفہرست محترم اکبر حیدرآبادی کی شخصیت ہے۔ جو ایک طویل مدت سے ادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور بے شمار شعرا و شاعرات جو آج کئی کئی کتابوں کے مصنف ہیں ان سے فیض حاصل کر چکے ہیں۔ جن میں راقم الحروف کو بھی فخر ہے کہ انہوں نے اپنی بیماری کے باوجود بھی میرے مجموعہ کو اپنی محبتوں اور شفقتوں سے ایسا سنوارا کہ میں فخر اور خود اعتمادی سے اپنا کلام پڑھتا ہوں۔

فن میرا لہو میں جذب ہو کر تا حد کمال آ گیا ہے   ہیں اپنے ہی دام میں مسخر افسردہ نصیب لوگ اکبر

اتنے عالی مرتبہ شاعر پر میرے جیسا کم فہم اور کم علم شخص کیا لکھے گا مگر جو محبت اور عزت میرے دل میں ان کیلئے موجزن ہے اس کا اظہار فرض سمجھتا ہوں۔ ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ اکبر حیدرآبادی جیسا عظیم شاعر، دانش ور ہمارے درمیان موجود ہے۔ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی اور لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ برطانیہ میں ادب ان کی سرپرستی میں مزید پھولے پھلے اور ہم ان سے پورا فیض اُٹھا سکیں۔

ان کی شاعری میں نہ صرف دولت فکر ہے بلکہ وسعت اور ادراک بھی جو لہجے کی پختگی کی وجہ سے انفرادیت عطا کر گئی ہے۔ انہوں نے غزل کو امتیازی شان عطا کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی اور ہمیشہ اپنی شناخت قائم کرنے کے لئے کبھی کوئی شور شرابہ نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کا نام عزت و احترام اور

محبت سے لیا جاتا ہے اور ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ انشاءاللہ

کہاں ملیں گے صاحبانِ علم اب کہ اکبر ایسے لوگ خال خال ہیں

اکبرحیدرآبادی تمام تر تغزل کی رعنائی کو برقرار رکھتے ہوئے زمانہ کے نشیب و فراز غم دوراں اور غم جاناں کو جس انداز و پیرائے میں سپرد قلم کرتے ہیں وہ ان کی اپنی انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔شاعر ہمیشہ اپنے عہد اور معاشرے کا اہم جز ہوتا ہے اور نمائندگی کرتا ہے وہ اپنے معاشرے کو جیسا دیکھتا ہے اور پرکھتا ہے وہی لکھتا ہے۔

جس عہد سے وابستہ ہیں سب خواب ہمارے جینا ہے تو اس عہد کی آواز سمجھنا

انہوں نے اپنی غزلوں میں پرانی قدروں کو پیش نظر رکھا ہے اور کلاسیکی ادب کی چاشنی، سوز و گداز کے ساتھ لفظیات و موضوعات کے ساتھ روایات و جدیدیت کا راستہ بناتے ہوئے سنوارا ہے۔

تاج محل کا حسن امر ہے لیکن یہ شہکار
جس کا ہنر ہے، اس کا ہی احوال نہیں ملتا
معرکہ لاف زنی کا رہا جس جا اکبر
کیسے کھلتے وہاں اوصاف مرے جوہر کے

مرحوم خالد یوسف صاحب بھی برطانیہ کے معروف علمی شہر آکسفورڈ میں رہائش پذیر تھے جہاں اکبر حیدرآبادی مقیم تھے انہوں نے مشہور پنجابی شاعر جناب ایوب سنگیا کے ساتھ ایک ادبی تنظیم ---- کی بنیاد ڈالی جہاں سے بے شمار عالمی مشاعروں کا انعقاد ہوا۔ مگر اکبر بھائی کی پیری اور بیماری کی وجہ سے ان کی صاحبزادی انہیں اپنے ساتھ برسٹل لے گئی جس کی وجہ سے اب وہ مشاعروں میں بہت ہی کم شرکت کر پاتے ہیں ورنہ لندن اور دوسرے شہروں میں اکبر بھائی ضرور شرکت کرتے اور ہمیشہ ہی انہیں انکے حسب مراتب صدارت کی کرسی پیش کی جاتی ۔۔ مرحوم خالد یوسف اور اکبر حیدرآبادی کا ساتھ بہت پرانا تھا دونوں اعلی مقام کے شاعر اور اساتذہ میں شریک ہوتے ہیں خالد یوسف کی کمی آج بھی ادبی حلقوں میں محسوس کی جاتی ہے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے درمیان اکبر حیدرآبادی، محمد شریف بقا

جیسے دانش ور موجود ہیں جنہوں نے ادب کو بے بہا خزانہ دیا اسے مالا مال کیا، اپنے اخلاص، نیک نیتی ،محبت اور ادب نوازی سے ایک تاریخ مرتب کی ہے جسے قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دور اندیش بلا کا تھا وہ انسان اکبر

آج والوں کو سبق کل کا پڑھایا اس نے

اکبر حیدرآبادی کا پہلا مجموعہ ''خطِ رہگزر جو 1971 میں، دوسرا مجموعہ ''نموکی آگ'' جو 1981 میں، تیسرا مجموعہ'' آوازوں کا شہر'' 1988 میں، چوتھا مجموعہ'' ذروں سے ستاروں تک'' 1993 میں اور پانچواں مجموعہ کلام'' قرض ماہ وسال 2000 میں منصۂ شہود پر آیا۔

اسکے علاوہ حال ہی میں ان کی انگریزی میں نظموں کا مجموعہ'' ری فلیکشن'' شائع ہوا جو میرے علم میں کسی اردو دان کا پہلا انگلش میں مجموعہ ہے۔اردو کے علاوہ انہیں انگریزی زبان پر بھی پورا عبور حاصل ہے۔

اکبر حیدرآبادی اپنے پانچویں مجموعہ کلام'' قرض ماہ وسال'' کے اولین صفحات میں تحریر فرماتے ہیں کہ، '' شاعری آج کل ایک نئ اور انوکھی نہج سے کی جارہی ہے ۔بہت سی باتیں جو پہلے بدعت سمجھی جاتی تھیں، اب تسلیم کی جانے لگی ہیں۔دکھ اس بات کا ہے کہ زبان، محاورے، بیان، بندش اور قواعد سے بے اعتنائی ۔لاعلمی کے تحت جاری ہے یا محض بالک ہٹ کے طور پر۔فکر و خیال کے ارتقاء میں جدت و انفرادیت کی بڑی اہمیت ہے مگر جہاں جدت برائے جدت ہو اور جس کا مقصد قاری کو چونکانا ہو وہ کسی غیر جانب دار اور صائب نظر نقاد کو متاثر نہیں کر سکتی۔''

میری دلی دعا ہے کہ اکبر بھائی کو اللہ پاک صحت تندرستی والی عمر عطا فرمائے انہوں نے برطانیہ میں شعر و سخن کی طویل مدت تک سر پرستی کی ہے اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہترین انسان اور انسان دوست بھی ہیں۔

اٹھی جو دل میں موج اسے خیال کر گئے عجب ہنر دکھا گئے کمال کر گئے

خبر نہیں کہ اکبر اس پہ کیا اثر ہوا دبی زباں میں ہم جو عرضِ حال کر گئے

❁

آج کیا جانے کس غم کی وحشت نگاہوں میں تھی
ایک دم توڑتی روشنی اس کی آنکھوں میں تھی

خامشی قید تھی حرف و آواز کے درمیاں
بات شاید کوئی ان کہی اس کی باتوں میں تھی

اک کسک تھی کہ جو دل کی نس نس میں بہتی رہی
اک تھکن تھی کہ آنکھوں کے خالی کٹوروں میں تھی

ذرے ذرے میں ہوتی تھی اک دل کشی ان دنوں
زندگی مثلِ محبوبہ جب میری بانہوں میں تھی

ابر پاروں کو شاید ہوا نے بتایا نہ تھا
دشت کی پیاس کب سے مقید سرابوں میں تھی

دھیان میں ہوگا اکبر یقیناً ستارہ کوئی
ہجر میں کس قدر روشنی میری راتوں میں تھی

❁

جو نغمہ معتبر نہ کسی ساز میں ہوا
رنگ اس کا منفرد مری آواز میں ہوا

ادراک کی گرفت میں آیا نہ آج تک
اک حادثہ کہ وقت کے آغاز میں ہوا

جس کا لہو تھا دامنِ فصلِ بہار پر
زندہ وہ پھول موسمِ ناساز میں ہوا

تھی ارتقاء پذیر بہر طور زندگی
رقصِ جنوں بھی عقل کے اعزاز میں ہوا

اکبر کسے خبر کہ اُن آنکھوں نے کیا کہا
اِک کاروبارِ شوق تھا جو راز میں ہوا

٭

منہدم قصرِ انا ہو ، میں نہیں چاہوں گا
مانگنے سے جو ملا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

میرا نغمہ کہ ہے پہنائیِ صحرا کے لئے
کسی گنبد کی صدا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

حلقۂ کم نظراں میں مرے فن کی شہرت
میری محنت کا صلہ ہو ، میں نہیں چاہوں گا

جن کو کم قامتیِ فن کا بھی احساس نہیں
قد مرا ان سے سوا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

اس کی زلفوں کی مہک جب نہیں آتی مجھ تک
موج میں بادِ صبا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

جبکہ ہر گوشۂ گیتی میں بپا ہے کہرام
دل مرا نغمہ سرا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

ڈھونڈتا ہوگا کوئی غم کا مداوا اکبر
درد خود اپنی دوا ہو ، میں نہیں چاہوں گا

٭

کچھ نہ کر سکے یہ غم بہت ہے
مہلت جو ملی ہے کم بہت ہے

ہے اس کا بھی سلسلہ لہو سے
دل کے لئے چشمِ نم بہت ہے

کیوں جیتے غمِ نشاط میں عمر
جینے کو نشاطِ غم بہت ہے

ہے لطفِ سفر تو اسی پر
جس راہ میں پیچ و خم بہت ہے

کیسی شمشیر اور سپر کیا
لڑنے کے لئے قلم بہت ہے

کیا جائے قویٰ ہوں مضمحل کب
ہر چند کہ ان میں دم بہت ہے

سانسوں کا نہیں شمار اکبر
ہر سانس مگر اہم بہت ہے

غمِ ہجراں میں جینا ناروا لگتا ہے کتنا
تم آئے ہو خالی گھر بھرا لگتا ہے کتنا

محبت کی زباں میں گفتگو کرتے نہ ہوں سب
مجھے ہر شخص اپنا ہمنوا لگتا ہے کتنا

کبھی یہ زندگی گہوارۂ آسودگی تھی
مگر اب وہ زمانہ خواب سا لگتا ہے کتنا

یہ سچ ہے اس کے میرے درمیاں ، راہِ وفا میں
ذرا سا بھی اگر ہو فاصلہ لگتا ہے کتنا

یہ سب موقع محل اور وقت کی باتیں ہیں اکبر
جو اچھا ہے ، کبھی وہ بھی برا لگتا ہے کتنا

کھلائے گل صبا نے سو طرح کے
تھے مٹی میں خزانے سو طرح کے

گلہ اس سے نہ آنے کا کریں کیا
ہیں یاد اس کو بہانے سو طرح کے

اسیرِ لمحۂ حاضر ہوں لیکن
نظر میں ہیں زمانے سو طرح کے

بنا لیتی ہیں تنکوں ہی سے چڑیاں
چمن میں آشیانے سو طرح کے

کھڑا ہوں خواہشوں کے پل پہ اکبر
ہیں پانی میں خزانے سو طرح کے

راجہ محمد الیاس

Mr.Raja Mohammad Ilyas .

163,High Road, Leyton, London

E15 2BY.Tel: 02085584356

Mob:07886397832

E.Mail: ilyasraja786@yahoo.co.uk

راجہ محمد الیاس 1963 میں برطانیہ آئے وہ آزاد کشمیر میر پور سے تعلق رکھتے ہیں۔شروع سے ہی لندن کے معروف پاکستانی علاقے والتھم فاریسٹ میں رہائش رکھی اوراس علاقے میں سماجی لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں،انہیں کمیونٹی کی خدمت کا جنون ہےاور ہروقت کسی نہ کسی تنظیمی کام میں مصروف رہتے ہیں۔آج کل والتھم سٹو کی سب سے بڑی پرانی مسجد غوثیہ کے جنرل سیکریٹری ہیں۔اورلندن کی معروف ادبی وسماجی تنظیم ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم'' کے خازن بھی ہیں۔سیمی حکومتی ادارے ''ایج کنسرن'' کے ٹرسٹی اور آفیسر ہیں۔بے شمار تنظیموں سے وابستہ رہے اور نہایت کامیابی ،خلوص اور ایمانداری کے ساتھ کام کر کے اچھا نیک نام کمایا ہے۔لندن کے اس مشہوراور پاکستانیوں کے کثیرالتعداد علاقے میں بے شمارادبی وسماجی پروگرام منعقد کیئے۔

''فسٹ سٹیپ ایسٹ'' کے بانی وصدر بھی ہیں جس کے پلیٹ فارم سے بے شمار فلاحی وسماجی پروگرام تشکیل دیئے گئے۔ والتھم فاریسٹ کے'' آرٹ اینڈ کلچرل سب کمیٹی کے چیئر مین بھی رہے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بے شمار یادگار مشاعرے کرائے۔لندن کی پہلی پنجابی ادبی تنظیم'' پنجابی مجلس'' کے جنرل سیکریٹری بھی رہےاوراس مشہور پاکستانی علاقے میں پنجابی زبان وادب کوفروغ دیا۔انہوں نے غم روزگار کے ساتھ ساتھ ہمیشہ رفاہی ،سماجی اورادبی ومذہبی اداروں کے ساتھ نہ صرف منسلک رہے بلکہ عملی خدمات بھی شامل رکھیں آج روزگار کاروبار سے ریٹائیر ہوکر بھی راجہ الیاس بے حد فعال ومتحرک

رہتے ہیں اور جہاں بھی انہیں بلاؤ وہ نہایت خلوص و محبت سے نہ صرف شامل ہوتے ہیں بلکہ اپنے عملی، اخلاقی مالی تعاون بھی پیش کر کے حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس پاکستانی علاقے کے کاروباری ،سماجی ،مذہبی ،سیاسی اور ادبی لوگوں پر ''یادیں'' کے نام سے کتاب بھی لکھی۔ اردو پنجابی کے اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ کمال کے کہانی کار بھی ہیں ان کی کہانیوں کی ایک کتاب بھی میں نے اپنی ''سویرا اکیڈیمی'' سے بنام ''سمندر پار'' شائع کی جس کو بے حد پسند کیا گیا اس کتاب میں انہوں نے اپنے علاقے آزاد کشمیر کے گاؤں کی سچی کہانیاں اس خوبصورت پیرائے میں تحریر کی ہیں کہ قاری کے ہاتھ کتاب ختم ہونے تک نہیں چھوٹتی۔ ان کا انداز نہایت سادہ، مضبوط بیانیہ، اور ان کی ہر کہانی ایک سچی کہانی ہے جو ان کی زندگی میں ان کے سامنے تخلیق ہوئی۔ کہانیوں کے تمام کردار ان کے جانے پہچانے اور ان کے علاقہ کے لوگ ہیں۔ گو کہانی میں مصلحت کے پیش نظر ان کے نام و جگہ کو تبدیل کر دیا گیا۔ ان کی کہانیاں پڑھ کر منشی پریم چند، احمد یار خان کی یاد آتی ہے جنہوں نے معاشرتی اور گھریلو موضوعات کو قلمبند کیا۔ وہ جب قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے اندر وہی گاؤں کے کھیت کھلیان ہوا کے دوش پر جھومتے رقص کرتے درخت ،پرندوں کی چہچاہٹ ،لہلاتے ہوئے کھیت سرسوں کے پھولوں سے لدے ہوئے جھومتے پودے اور رہٹ کی چوں چوں اور میٹھے پانی کی سرسراہٹ جاگ پڑتی ہے۔ گاؤں اور علاقے میں ہونے والے واقعات فلم کی طرح ان کے ذہن کے پردے پر متحرک ہو جاتے ہیں۔ گاؤں کے سیدھے سادے لوگوں کی کہانیاں جن میں فطرتاً پیار محبت خلوص کے ساتھ ساتھ دشمنیاں بغض، عناد کے نتیجے میں قتل و غارت اور جرم کا ہونا شامل ہے۔۔ یہ تمام واقعات ان کے ذہن میں جمع ہو کر ایسی کہانیوں کو جنم دیتے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کر کے اسی ماحول میں پہنچ جاتا ہے۔ اور خود کو بھی ان کرداروں کی زندگی کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔

اب وہ اپنی شاعری کو بھی ترتیب دے رہے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی ان کی اردو اور پنجابی شعری مجموعہ بھی دنیائے ادب میں آ کر ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگا۔

انہیں اپنے وطن سے گہری محبت ہے جس کا گہرا اثر ان کی تحریر میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ چاہے وہ نثر

ہو یا نظم، راجہ صاحب حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہوئے اپنے قلم سے قوم کو پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ ایک ہی نعرہ ہے،

ہم دیس کے دیوانوں کا بس ایک ہی نعرہ ہے　　پیار، محبت، امن وسکوں پیغام ہمارا ہے

ہے دیس ہماری شمع اور ہم پروانے ہیں　　یہ دیس ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے

اس کے علاوہ شعری اور زندگی کے تجربات کی ایک طویل داستان آپکی شاعری ونثر میں چھپی ہوئی ملتی ہے چونکہ آپ عصری شعور رکھتے ہیں اس لئے تجربات کی داستان میں انفرادیت نمایاں ہے ۔تہذیب، ثقافت کا خون عصری شعور کی رگوں میں لہریں لیتا محسوس ہوتا ہے اور غمِ ذات اور غمِ کائنات ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔

ان کی نثر کا ایک زمانہ قائل ہے گو ان کی شاعری مشاعروں میں سننے کو ملتی ہے مگر دور بیٹھے قارئین کو ان کی شاعری کا بھی انتظار ہے جو امید ہے کہ جلد ہی ان کا شعری مجموعہ بھی منصۂ شہود پر آ کر اپنے قارئین سے داد پائے گا۔

میرے نہایت مخلص دوست راجہ الیاس صاحب کو دلی دعا دیتا ہوں کہ وہ اسی طرح لکھتے رہیں اور اپنی کمیونٹی کے ساتھ محبتوں کا اور اپنے قارئین کے ساتھ ادبی سفر جاری رکھیں۔ انہیں مخلصانہ رویوں نے انہیں بے شمار ایوارڈوں سے بھی نوازا ہے جو ان کی طویل ادبی وسماجی خدمات کے اعتراف میں مختلف ادبی وسماجی تنظیموں اور رواتھم فاریسٹ کے چار میئرز نے دیئے ہیں۔

نعت

میں جب روضۂ مصطفٰے دیکھتا ہوں
زمانہ وہاں پر جھکا دیکھتا ہوں
مٹا کر فرق سب ہی چھوٹے بڑے کا
وہاں بادشاہ و گدا دیکھتا ہوں
آنکھوں میں آنسو لبوں پر ہے مدحت
محبت کی ایسی ادا دیکھتا ہوں
مدینہ منور ہوا اُنؐ کے دم سے
مدینے کو اُنؐ کی عطا دیکھتا ہوں
چمک ہے اُنہیؐ کی ہی شمس و قمر میں
ستاروں میں اُنؐ کی ضیا دیکھتا ہوں
کہاں ہے جہاں اُنؐ کا جلوہ نہیں ہے
اُنہیںؐ ہر سُو جلوہ نما دیکھتا ہوں
ہے دکھیوں کی ایسی پناہ گاہ جہاں میں
ہر عاصی کو در پہ گدا دیکھتا ہوں
اُنہیؐ کی طرف لوٹ جاتی ہیں نظریں
میں جس وقت اپنے گناہ دیکھتا ہوں
لیا تھام جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن
میں دامن اُسی کا بھرا دیکھتا ہوں
نہیں پاس تیرے عمل کوئی راجہ
شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا دیکھتا ہوں

❁

ہم دیس کے دیوانوں کا بس ایک ہی نعرہ ہے
پیار ، محبت ، امن و سکوں پیغام ہمارا ہے
ہے دیس ہماری شمع اور ہم پروانے ہیں
یہ دیس ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے
مانا کہ بھنور میں ہے اس وقت نیّا اپنی
لڑتی ہوئی طوفاں سے کشتی کو کنارا ہے
جرأت ہو اگر دل میں کیا ڈر ہے طوفانوں کا
جرأت نے سفینوں کو سدا پار اتارا ہے
ملت کے جوانوں کو اتنا بس کہنا ہے
تم دیس کے وارث ہو یہ دیس تمہارا ہے
اُٹھو اور دشمن کو پیغام پہنچا دو یہ
یہ قوم چٹاں جیسی تم نے للکارا ہے
ہم ایک تھے اور ہیں ایک سدا ایک رہیں گے ہم
پرچم تلے جس میں ، چاند ستارہ ہے
کٹ جائے گی جب راجہ سیاہ رات غموں کی یہ
چمکنے کو پھر تیری قسمت کا ستارہ ہے

میرا تو ہے پیغام ، پیغام محبت
اور سب کو میرا سلامِ محبت

بناوٹ کی ساری دیواریں گرا کر
چرچہ کرو سرِ عامِ محبت

دنیا ہے فقط محبت کی پیاسی
نافذ کرو اب نظامِ محبت

کبھی نہ کرو دل آزاری کسی کی
سنو اور سناؤ کلامِ محبت

محبت ہی ہر دکھ کی دوا ہے راجہ
رہے نہ کوئی محرومِ محبت

ٹھوکر میں ان کی سارا جہاں ہے
زمانے میں جو ہیں غلامِ محبت

دیس کا نعرہ

ہم دیس کے دیوانوں کا بس ایک ہی نعرہ ہے
پیار ، محبت ، امن و سکوں پیغام ہمارا ہے
ہے دیس ہماری شمع اور ہم پروانے ہیں
یہ دیس ہمیں اپنی جان سے پیارا ہے
مانا کہ بھنور میں ہے اس وقت نیّا اپنی
لڑتی ہوئی طوفاں سے کشتی کو کنارا ہے
جراُت ہو اگر دل میں کیا ڈر ہے طوفانوں کا
جراُت نے سفینوں کو سدا پار اتارا ہے
ملت کے جوانوں کو اتنا بس کہنا ہے
تم دیس کے وارث ہو یہ دیس تمہارا ہے
اُٹھو اور دشمن کو پیغام پہنچا دو یہ
یہ قوم چٹاں جیسی تم نے للکارا ہے
ہم ایک تھے اور ہیں ایک سدا ایک رہیں گے ہم
پرچم تلے جس میں ، چاند ستارہ ہے
کٹ جائے گی جب راجہ سیاہ رات غموں کی یہ
چمکنے کو پھر تیری قسمت کا ستارہ ہے

اکھاں بند منہ تالا ، تیری بند زباں
جگ دا ہاسہ بن کے رہ گیا اج دا مسلماں
مانواں بھیناں دھیاں تیریاں رولیاں وچ بازاراں
ککھاں وانگوں در در رُلدے تیرے طفل جواں
ہر کوئی اپنے اپنے گھر وچ وسّے نال خوشی دے
تیرا خوں تے لاشاں تیریاں وِکھریاں نے تھاں تھاں
ہور کسے دا پانی ڈُھلے پے جاندی تھرتھرلی
پر نہ قدر خون تیرے دی ، خون تیرا ارزاں
تیری دولت لُٹ کے ویری آباد کرے گھر اپنا
ملیا میٹ کرے گھر تیرا ، تیرا گھر ویراں
ہر کوئی لِسہ جان کے تینوں چڑھ دوڑے گھر تیرے
مٹی دے ڈھیر بنا دئے تیرے شہر گراں
اجے وی تینوں ہوش نہ آیا ، ڈور تیری ہتھ غیراں
اللہ تے نبیؐ دے اپنے بھُل جے گیوں فرماں
غیراں اُتے مان کریں ٹوں ، سجناں دے نال ویر
سیاں دے پُت مِت نہ ہوندے ایہ گل سمجھ ناداں
رب وی اُس دی مدد نہ کردا ، خود نوں جو نہ بدلے
ایسے لوگاں دا جگ وچوں مِٹ جائے ناں نشاں
آپس دی ناچاقی راجہؔ تہانوں مار مکایا
اکھاں بند کرن نال سجناں نہیں ٹلدے طوفاں

اج وطن دی مٹی یاد آئی
مینوں سوہنی دھرتی یاد آئی
مینوں آئی یاد سکولے دی
مینوں پہلی پٹی یاد آئی
کتھے گیاں قلم کتاباں سب
مینوں اُکری تختی یاد آئی
جتھے گڑ پتاسے کھاندے ساں
بابے دی اوہ ہٹی یاد آئی
اوہ ہریاں کھیتیاں ہر پاسے
جنت جہی بستی یاد آئی
جنہوں بال کے راتیں پڑھدے ساں
اوہ دیوا بتی یاد آئی
ماں ولوں جہڑی آئی راجہؔ
اوہ پہلی چٹھی یاد آئی

انور نسرین (مرحومہ)

Anwar Nasreen. (Deceased)

محترمہ انور نسرین صاحبہ برطانیہ میں 1972 میں آئیں ۔سری نگر کشمیر میں 1922 میں پیدا ہوئیں آپ نے ماشاءاللہ نوے برس کی عمر پائی ۔تیرہ برس کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا۔علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کیا اور وہیں ان کی شادی ہوئی ۔ان کے شوہر مسلم لیگ سے منسلک تھے اور آپ بھی شعبۂ خواتین میں بطور سیکریٹری پانچ سال تک کام کرتی رہیں۔ان دنوں تقسیم ہند کی مہم جاری تھی لہذا آپ نے پاکستان کے لئے خواتین کے کئی جلوس نکالے اور اپنے وطن کے لئے دن رات مصروف عمل رہیں۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ مشرقی پاکستان چلی گئیں جہاں انہوں نے مقامی خواتین کی ابتر حالت دیکھ کر ان کی بہبودی کے لئے سماجی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اور مفت طبی امداد مہیا کرنے کے لئے کلینک کھولا جس میں خواتین کے لئے ادویات اور بچوں کے لئے دودھ کی فراہمی کو اولیت دی گئی۔ انور نسرین صاحبہ کو آرٹ سے بھی گہری دلچسپی ہے لہذا انہوں نے وہاں کے آرٹسٹوں کی بھی خوب پذیرائی کی اور ان کے فن پاروں کو فروخت کرنے کے لئے نمائشوں کا بندوبست کیا۔کافی مدت وہاں رہیں۔اور پھر 1972 میں برطانیہ آ گئیں۔یہاں آ کر انہوں نے لندن کی ادبی دنیا میں اچھا نام کمایا۔میری بھی ان سے ملاقات مشاعروں میں ہوتی۔ جہاں وہ اپنے افسانے اور مضامین پڑھ کر داد حاصل کرتیں۔انہوں اپنے ادبی شوق کی تسکین کے لئے ایک ادبی انجمن بھی بنائی اور ''انجمن ترقیِ اردو برطانیہ'' کے نام سے طویل مدت تک ان کے گھر میں ادبی محفلوں کا سلسلہ قائم رہا جس میں میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔اپنے پیری اور کمزور صحت کے باوجود نسرین بہن تمام مہمانوں کی خاطر مدارت میں بہت تکلف سے کام لیتیں۔لندن کے معروف شعراء وشاعرات ان کے ہاں اکٹھے ہوتے ۔پھر آپ لندن سے دور 'کیمبرج' منتقل ہو گئیں اور ان سے رابطہ محض فون پر رہ گیا۔

انور نسرین نے تین کتابیں لکھی ہیں ان کی پہلی کتاب 2001ء میں ''گزرگاہِ خیال'' کے نام سے ،دوسری

2003ء میں ''محبت میں اذیت'' اور پھر تیسری کتاب 2004ء میں آئی جو انہوں نے اپنے دونوں کتابوں سے منتخب کہانیاں انگریزی میں ترجمہ کر کے ''Women for sale'' کے نام سے شائع کی۔ انہوں نے نثر میں کافی کام کیا ، برطانیہ کے علاوہ ہندو پاک کے جرائد میں بھی ان کی نگارشات شائع ہوئیں۔ آپ نے برطانیہ علم کے منبع شہر' کیمرج' میں اپنی بیٹیوں ،نواسیوں نواسوں کے ساتھ خوشحال زندگی گذاری۔آخری عمر میں ادبی محفلوں میں جانا تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

انور نسرین نے اپنی زندگی غریب پسماندہ خواتین کی خدمت کرنے میں گذاری اور ان کی تحریر میں مشرقی پاکستان کی زندگی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے جہاں وہ ایک طویل مدت سماجی کاموں میں مصروفِ عمل رہیں تھیں۔ اللہ پاک جنت میں ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ان کا ایک افسانہ شامل کتاب ہے۔

خالہ اماں کا تھیلا (انور نسرین، کیمرج)

وہ لاہور سے لندن پی آئی اے سے جارہی تھی جہاز لیٹ تھا اس لئے ایئر پورٹ کے مسافروں کے ساتھ انتظار میں ہال میں ایک صوفے پر بیٹھی تھی کہ ایک بڑی بی سر پر سفید برقعہ ڈالے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھیں اور فوراً ہی اس کا بازو پکڑ لیا اور جلدی جلدی بولنے لگیں۔

''اے بیٹی! میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں۔اے اکیلی لندن جارہی ہو'' اس نے کہا۔

''ہاں اکیلی ہی جارہی ہوں۔''

اے ہے بیٹی بری نظر سے بچ کر رہو ۔۔خیر اب میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں، بڑے بوڑھے ساتھ ہوں تو کسی کی مجال نہیں آنکھ اٹھا کر دیکھے۔'' وہ چپ رہی کیا بتاتی کہ بچپن سے ہی اکیلی پڑھائی کے لئے آنا جانا لگا رہتا ہے۔پھر بڑھیا بولی۔

''بس بیٹا تم مجھے خالہ اماں کہو'' اُس نے منہ بند کرنے کو کہہ دیا ''اچھا'' ۔۔۔اتنے میں جہاز کی روانگی کے لئے پکارا گیا وہ جلدی سے بیگ کندھے پر لٹکا کر چلدی۔ بڑی بی نے پاندان کھولا رکھا تھا اٹھنے میں دیر ہوئی۔اب جو وہ اپنے نمبر والی سیٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ بڑی بی اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئیں اور لگیں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے۔اس نے کہا۔

"آپکی سیٹ کیا یہی ہے؟" اور اس کا کارڈ دیکھنے لگی۔ مگر جہاز کے بیش والے حصے میں اس کی سیٹ تھی۔ اتنے میں جن صاحب کی وہ سیٹ تھی وہ آن کھڑے ہوئے۔ بڑی بی بڑبڑائیں۔

"اے ہے میں بھلا کسی مرد کے ساتھ کیوں بیٹھوں گی۔ اے بھیا! تم میری سیٹ پر جا بیٹھو میں اپنی بھانجی کے ساتھ بیٹھوں گی۔"

وہ صاحب تذبذب میں کھڑے تھے کہ ایر ہوسٹس نے آ کر کہا۔

"اماں یہ سیٹ ان صاحب کی ہے آپ اپنی سیٹ پر جائیں۔" لیکن بڑی بی اڑ گئیں اور آخر وہ شریف آدمی یہ کہہ کر چلا گیا کہ "اچھا ماں جی! آپ ہی لے لیجئے یہ سیٹ میں کہیں اور بیٹھ جاؤں گا۔" بڑی بی بہت خوش ہوئیں اور جھٹ ساتھ والی سیٹ پر جا بیٹھ گئیں۔ وہ کیا کہتی چپ رہ گئی۔ ایئر ہوسٹس نے کہا۔

"اماں آپکو چاہیے تھا کہ ساتھ ہی کاؤنٹر پر سے سیٹ نمبر لگوا لیتیں۔" اور لڑکی سے کہا۔ "جی آپنے کیوں نہ سیٹیں ساتھ لگوالیں؟" بڑی بی بولیں۔ "بچی ہے نا سوچا نہیں کہ خالہ کسی غیر مرد کے ساتھ کیسے بیٹھے گی۔"

ایئر ہوسٹس نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا یہ آپکی خالہ ہیں؟" اس نے بے زار ہو کر کہا۔ "جی ابھی ابھی خالہ بنی ہیں پہلے تو میں انہیں جانتی تک نہ تھی۔" ایئر ہوسٹس مسکرا کر چلی گئی۔ لڑکی نے ایک رسالہ نکال کر پڑھنا شروع کیا تو بڑی بی بولیں۔ "ہائے بیٹا ذرا یہ کمر بند تو باندھ دو مجھ سے نہیں بندھے گا۔" سو اس نے خاموشی سے سیٹ بلیٹ باندھ دی اور رسالے میں منہ چھپالیا۔ اب بڑی بی نے سوالات پوچھنے شروع کئے، شادی ہوئی یا نہیں۔ ابھی تک پڑھ رہی ہو، ماں باپ ساتھ کیوں نہیں آئے۔ اس نے ایک آدھ کا جواب دیا مگر جب بڑی بی نے دیکھا کہ یہ کچھ بات کرنا نہیں چاہ رہی تو اپنے حالات بتانے لگی۔ "اے بیٹا! میں تو تین بار حج جا چکی ہوں اس بار بیٹے اور بہو سے ملنے آئی ہوں پوتا ہوا ہے ماشاء اللہ بیٹا بہت بلا رہا تھا۔" پھر انہوں نے پان کی گلوری منہ میں ڈالی ایک اسے دینا چاہی مگر اس نے انکار کر دیا تو بڑا تعجب ہوا کہ ایسے بھی جاہل لوگ ہیں دنیا میں جو پان نہیں کھاتے۔ پان چباتے چباتے اونگھنے لگیں اور پھر ذرا سی دیر میں خراٹے لینے لگیں۔ جب کھانے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی گئی تو جھٹ اُٹھ بیٹھیں سیٹ کے سامنے سے بیگ نکالا اس میں پان کی پیک تھوکی لفافہ واپس رکھا اور پھر کھانے پر نظریں جما دیں اور بولیں۔ "اے بیٹا! یہ حلال ہے یا نہیں توبہ توبہ کوئی چیز حرام نہ ہو میری کہیں میری مٹی خراب ہو۔" ایئر ہوسٹس نے کہا۔ "اماں جی پی آئی اے میں سب چیز آپ کو حلال ہی ملے گی پاکستان میں حرام کیا ہو سکتا ہے۔" بڑی بی نے توبہ توبہ کیا اور کھانے پر ٹوٹ پڑیں۔ پھر ایک پان کی گلوری کلے میں دبا کر جو غین ہوئیں تو گھنٹوں خراٹے لیتی رہیں۔ اس نے شکر کیا اپنی آنکھیں بند کیں مگر نیند نہ آئی۔ اترنے سے تھوڑی دیر پہلے چونک کر جاگیں ان کے ساتھ ایک تھیلا تھا جسے وہ بغل میں دبائے بیٹھی تھیں اور بار بار اسے ٹٹول کے دیکھ لیتی تھیں۔ اس نے دیکھا تو فوراً بولیں۔

"بیٹا تم کیا جانو میں نے پوتے کے لئے گدڑی بنائی ہے۔" وہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایک نہایت بوسیدہ سفید ساڑھی کئی کئی تہہ لگا کر ٹانکے لگائے ہوئے تھیے اور ایسے ہی لنگوٹ بھی تھے۔ اسے حیران دیکھ کر بولیں۔ "ہمارے یہاں ننھے بچے کو ایسی ہی گدڑی میں

رکھا جاتا ہے اتنے نازک بند پر کوئی تولئے وغیرہ نہیں لگائے جاتے جسم چھل جائے گا۔''

جہاز ہیتھرو ایئرپورٹ پر اترا اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور چلنے لگی تو اماں بولی۔

''کہاں چلی بیٹا ساتھ ساتھ چلنا کہیں میرا پیر نہ پھسل جائے۔'' اس نے کہا۔

''نہیں میں آپ کے ساتھ ہی ہوں خالہ۔'' وہ اس کا بازو تھامے اپنا بھاری تھیلا بمشکل اٹھائے ساتھ ساتھ جہاز کی سیڑھیوں سے اتریں ہانپ گئیں تو بولیں۔ ''اے بیٹا ذرا میرا تھیلا سنبھالنا پاؤں سے جوتی نکلی جارہی ہے۔'' اس کے پاس اپنا سفری بیگ بھی تھا وہ تھیلا اس قدر بھاری تھا کہ اس کے بوجھ کو سنبھالنے میں وہ گرتے گرتے بچی۔ اس نے کہا۔''

خالہ اس میں آپ نے کیا پتھر رکھے ہیں اس قدر بھاری ہے۔ بولیں۔ ''اے بیٹی پاندان ہے پان کی پتیاں ڈبوں میں بھر کر لے جارہی ہوں وہاں لندن میں پان کہاں ملیں گے۔'' بمشکل سامان لئے ہال میں پہنچے۔ لڑکی نے ایک ٹرالی لی اور بڑی بی کا تھیلا اس میں رکھ کر ٹرالی ان کے حوالے کی اور کہا۔

''خالہ اس میں آپ سوٹ کیس بھی رکھ لیجئے کوئی پورٹر باہر تک لے جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ ٹرالی لینے چل دی بڑی بی نے اسے پکارا۔''اے بیٹی اس میں پان پچک جائیں گے۔ تم میری تھوڑی دیر اور مدد کرو ساری عمر دعائیں دوں گی۔'' اس نے اپنا تھیلا ٹرالی سے باہر نکال لیا تھا۔ لڑکی کو اپنا سوٹ کیس نظر آیا تو اس نے جھٹ اپنا سوٹ کیس اٹھایا ٹرالی پر رکھا اور بولی۔'' خالہ میں تو باہر نکل رہی ہوں اور انتظار نہیں کر سکتی آپ اپنی چیزیں سنبھالیں۔'' مگر بڑی بی اپنا بھاری تھیلا اٹھائے لڑکتی ہوئی اس کے پیچھے ہی آرہی تھی۔ لڑکی نے اسے پھر کہا۔''خالہ آپ کا سوٹ کیس ابھی نہیں آیا آپ ابھی وہیں ٹھہریں۔'' مگر وہ بولیں۔

''اے میرا بیٹا آ کر لے جائے گا میں اکیلی ٹیکسی کہاں ڈھونڈوں گی۔'' اب وہ دونوں باہر ہال میں پہنچ گئے تھے۔ لڑکی نے دور سے ہی اپنے بھائی کو دیکھ لیا تھا ٹرالی لئے تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔ اتنے میں دیکھا بڑی بی اچانک لڑکھڑا کر گر پڑیں اور بھاری تھیلا الٹا پڑا ایک طرف سے پھٹ گیا تھا اور زمین پر سفید پوڈر سا نکل کر بکھرا پڑا تھا۔ لڑکی نے اپنے بھائی سے کہا۔

''ہائے بھائی جان! بے چاری گر گئی ہے۔'' اس نے دیکھا کہ بوڑھی کے اردگرد لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں اور دو پولیس والے اس کی طرف دوڑے چلے جارہے ہیں۔ لڑکی کے بھائی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتے ہوئے ایئرپورٹ سے باہر کار پارک کی طرف لے گیا۔

''بھائی جان! ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے تھی آپ تو مجھے لئے وہاں سے بھاگ آئے ہیں بے چاری کا پان چونا۔۔ وہ کیا تھا سفید سا پوڈر سب زمین پر گر گیا'' بھائی نے زور کا قہقہہ لگایا۔

''ہاں ہاں پان چونا۔۔۔ آہا آہا۔۔۔''اور تیزی سے کار پارک سے نکال لے گئے۔

Mr.Anjum Shahzad,

24,Cavendish Gardens,

Ilford IG1 3EA

Tel: 07956 279239

E.Mail: anjam1101@yahoo.com

انجم شہزادنوعمری میں برطانیہ آ گئے تھےاور یہیں قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آج لندن کے معروف وکیل ہیں اور اپنا ذاتی ادارہ چلا رہے ہیں۔ادب کی محبت ان کو اپنی والدہ مرحومہ سے ورثے میں ملی، وہ بھی نہایت اچھی شاعرہ اور افسانہ نگارتھیں ان کے افسانے ''اخبار وطن لندن'' اور دیگر ادبی مجلّوں میں شائع ہوا کرتے۔

انجم شہزاد سے تعارف اس وقت ہوا تھا جب مرحوم اختر ضیائی واٰلتھم سٹو میں مشاعرے کیا کرتے تھے، انجم شہزاداس وقت کی مشہوراور ادبی تنظیم ''ایشئین لٹریری سرکل'' کے جنرل سکریٹری تھے۔چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے بڑے اعتماد سے گفتگو کرتے ،نوجوان شاعر کہہ کرانہیں بلایا جاتا اور وہ اپنی خوبصورت شاعری نہایت اچھے لب ولہجہ میں سنا کر خوب داد پاتے۔

چند سال ہوئے انہوں نے مجھ سے ہی اپنا شعری مجموعہ کمپوز کرایا جو میں نے انہیں ایک کتاب کی شکل میں بنا کر برائے 'پروف ریڈنگ' کے دیا مگر پھر وہ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف ہو گئے کہ مشاعروں میں بھی بہت کم آتے ہیں اور کتاب کا کام بھی ادھورا رہ گیا۔انجم شہزاد ایسٹ لندن کے مشہور وکیل ہونے کی وجہ سے کافی مصروف رہتے ہیں۔۔مگر اکتوبر 2013 میں انہوں نے اپنا پہلا مجموعہ کلام بنام ''خوشبو تیرے خیال کی'' کے نام سے فیضان عارف صاحب کی معرفت ان کے ادارے ''اردو پبلشرز لندن'' سے شائع کروا کر دنیائے ادب میں ایک خوبصورت اضافہ کیا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے درمیان ایک نہایت پرخلوص دوستی اور بھائی چارے کا رشتہ استوار ہو چکا ہے جو میرے لئے نہایت پروقار اور اعزاز ہے کیونکہ سابقہ پندرہ برسوں کی رفاقت میں میں نے انجم شہزاد کو نہایت پرخلوص اور سچا کھرا انسان پایا ہے وہ ہمیشہ ادبی سیاست سے دور رہتے ہیں بلکہ خصوصیت یہ کہ ایسے لوگوں سے کوئی ناتا ہی نہیں رکھتے جو شرارتی ،فسادی قسم کے ہوں جن کی آج کل معاشرے میں بہتات ہے۔۔

ذرا سی بات پر مجھے وہ تہمتیں ملیں کہ پھر
راہِ وفا پہ چل پڑا ہوں میں قبا اُتار کے
اُٹھا ہوں بزمِ یار سے بُجھا کے سارے دیپ
تمام ربط توڑ کے دِل ونظر کو ہار کے

انجم شہزاد کی شاعری میں دکھ ہے درد ہے تنہائی اور اکیلا پن ہے ان کے اکثر اشعار میں حسرت ویاس کی جھلک نمایاں ہے۔۔کبھی کبھی ان پر نا امیدی کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے اور کبھی امید کے گھوڑے پر بیٹھ کر دنیا فتح کرنے نکل پڑتے ہیں۔۔۔

جب کسی کی آنکھوں سے حسین نیندیں چرا لی جاتی ہیں اور دل کے شہر میں پیار نفرت وکرب کے سارے سامان غم بن جاتے ہیں تو دل کا شہر کتنا بھیانک شور بپا کر دیتا ہے۔۔اور پھر وہ اسی غزل میں کہتے ہیں۔۔

اجنبیت میں ہی انجم عمر ساری کاٹ دی
زندگی اک مستقل تنہائیوں کا دور تھا

انجم شہزاد نے جس طرح غزل کو ایک نئے درد سے آشنا کیا اسی طرح اس نے اپنی آزاد نظموں میں بھی ایک نیا رنگ بھرا جو عام شعراء سے انوکھا ہے۔وہ انسانوں کی بھیڑ میں بھی تنہا ہیں۔۔۔

دل کی آباد بستیاں ویران — دل کی ہر اک گلی میں تنہائی
کیا ہوا کون ساتھ چھوڑ گیا — کیا ہوا کس نے بے وفائی کی

انجم شہزاد کی خوبصورت نیم مسکراتی شخصیت اس کی مخلصانہ دوستی ،اس کی سادہ پرکشش اور بہترین شاعری

پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔۔مگر افسوس صفحات اجازت نہیں دیتے۔

ان کی غزلیں اپنے رنگ و آہنگ میں منفرد ہیں جن میں زندگی کی تمام رعنائیاں ملتی ہیں۔ان کی قوتِ تخلیق اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ یہ سارے جہاں کا درد اپنے اندر سمونے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں اور وقت بھی اسی لئے ایسے لوگوں کو معتبر ٹھہراتا ہے۔

میرے لہو میں ہیں شامل محبتیں، تیری
چراغ جن سے وفاؤں کے جلنے والے ہیں
ٹھہر سکو تو ذرا مُڑ کے دیکھ لینا انہیں
وہ لوگ جو کہ تیرے ساتھ چلنے والے ہیں

انجم شہزاد کی شاعری ان کے داخلی باطنی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ ایک پورے عہد کی شعری تاریخ ہے جس کی جڑیں روایت سے جڑی ہوئی ملتی ہیں وہ اپنے اشعار میں خیالات و جذبات کو کسی فلسفے میں ملفوف نہیں رکھتے بلکہ اپنے سادہ اور بے ساختہ شاعری کے قالب میں پیش کر کے قاری یا سامع کی توجہ سمیٹ لیتے ہیں۔اس شعر میں الفاظ کی تعداد ملاحظہ ہو اور شعر کی بنت دیکھئے۔۔!

ضبط کا دعویٰ اور انجم   آنکھوں میں اتنی برسات

وہ غزل کے شاعر ہیں اور اکثر چھوٹی بحر میں لکھتے ہیں کم سے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرنا اتنا آسان نہیں ہے مگر انجم شہزاد پوری قدرت رکھتے ہیں کہ وہ چند الفاظ میں پوری کہانی سنا دے دل کی۔۔۔!

ان کے اس شعر کے ساتھ امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی خوبصورت شاعری کے اس جھرنے کو اسی طرح بہاتے چلے جائیں گے اور ادب کے گلشن کو سیراب کرتے رہیں گے۔ادب کے پھول کھلاتے رہیں گے۔۔!!

تقاضا وقت کا ہے اور ہم سب کی ضرورت ہے
کِھلیں گے پھول گلشن میں تو کانٹے بو نہیں سکتا

✺

جب میری نظم کا عنوان وفائیں ہوں گی
کتنی خاموش و پریشاں یہ نگاہیں ہوں گی

سبھی حالات موافق تھے مگر پھر بھی مجھے
ایسا لگتا تھا مُقدر میں سزائیں ہوں گی

کل مجھے ڈھونڈنے نکلا بھی میرا دوست تو کیا
خیر مقدم کے لئے صرف فضائیں ہوں گی

جبر ہوگا نہ تشدد کے حوالے ہوں گے
صرف مقتل کی وہ بے چین صدائیں ہوں گی

بے سکوں شہر کے سودائی و دیوانوں کی
اے سمندر تیری لہروں میں پناہیں ہوں گی

یوں تو گھر میں نہ اندھیرے ہوں گے
رات تاریک یا پھر سرد ہوائیں ہوں گی

سب گناہوں کی سزا پانے کو جی چاہتا ہے
ٹوٹ جانے کو بکھر جانے کو جی چاہتا ہے

ہم تو رُسوا ہوئے اس شہر کے باسی ہو کر
اب کسی اور نگر جانے کو جی چاہتا ہے

گھر کی دیواروں میں وہ ظلم کئے اپنوں نے
اب کسی غیر کے گھر جانے کو جی چاہتا ہے

مجھ کو جس نام نے بخشے ہیں اندھیرے اتنے
بس اسی نام پہ مر جانے کو جی چاہتا ہے

گرچہ کر بیٹھے کئی عہد مگر اب انجم
عہد و پیماں سے گذر جانے کو جی چاہتا ہے

٭

میرے حقوق کو پائمال کرنے والے ہیں
فقیہِ شہر کوئی چال چلنے والے ہیں
ہمیں نے دُکھ کے الاؤ میں ہات ڈالا ہے
ہمیں سے درد کے رشتے نکلنے والے ہیں
کسی نے چھین لیا ہے کسی کی آنکھ کا نُور
کسی کے ہات سے دو ہات کٹنے والے ہیں
میرے لہو میں ہیں شامل محبتیں تیری
چراغ جن سے وفاؤں کے جلنے والے ہیں
ٹھہر سکو تو ذرا مُڑ کے دیکھ لینا انہیں
وہ لوگ جو کہ تیرے ساتھ چلنے والے ہیں
ہمیں امید کہ ساحل سے لوٹ جانا ہے
وفا کے شہر کے موسم بدلنے والے ہیں
مرے وطن کی سیاست شکارِ سازش ہے
ہمارے ملک کے نقشے بدلنے والے ہیں
جو جل رہا ہے لہو سے چراغ تو کیا ہوا
اِسی سے کتنے دِیئے بھی سلگنے والے ہیں
سنبھل کے گھر کے چراغوں کو دے ہوا انجم
چراغ کتنے ہواؤں میں جلنے والے ہیں

٭

اتنی کڑی تھی دھوپ کہ سائے محال تھے
میری نظر میں پیاس کے کتنے سوال تھے

ہر اک سہراب میرے لئے ایک امتحان
صحرا کے پاس میرے لئے کتنے جال تھے

ہر بار تجھ سے مِل کر بچھڑنا پڑا ہمیں
لمحات زندگی کے بس ہجر و وصال تھے

یونہی خیالِ یار میں کٹتا رہا سفر
جیون میں کیا پتہ کہ کہیں ماہ و سال تھے !!

❁

کتنے موسم انگاروں کی صورت اب کے آئے ہیں
میرے ہی اپنوں نے مجھ پر پتھر کیوں برسائے ہیں

کس نے ہم کو چاہا ہے اور کس نے نفرت کی ہم سے
بارہا تم لوگوں سے یہ دھوکے بھی ہم نے کھائے ہیں

وہ رستے جو اندھیروں سے روشنی میں لے جاتے ہیں
اندھیاروں نے اُن رستوں میں کتنے جال بچھائے ہیں

کس نے اپنے ہات سے کِھلتی کلیوں کو رلوایا ہے
کس نے خونِ جگر کا دے کر سندر پھول اُگائے ہیں

نظروں سے دیکھوں تو جیسے ہر جانب سناٹے ہیں
دِل سے جو دیکھوں تو سارے لوگ ہی اپنے سائے ہیں

اتنے کیوں چپ چاپ کھڑے ہو کچھ ہم کو سمجھاؤ بھی
اتنے گہرے گھاؤ انجم کس نے تجھے لگائے ہیں

❁

سُوکھے پتے تیز ہوائیں
شہر بھی سارا سائیں سائیں

وہ تو ہم کو بھول چکے ہیں
ہم ان کو پر بھول نہ پائیں

دروازوں کو کھولے رکھنا
وہ پھر شاید لوٹ کے آئیں

تم بھی مُخلص وہ بھی اچھے
کس کو بھولیں کس کو چاہیں

آؤ انجم تنہا گھر میں
یادوں کا ہم جشن منائیں

Mr.Inder Jeet Singh `Jeet`

13,Sharon Close, Parkfield,

Wolverhampton WV4 6EU

Tel: 01902 569669

E.Mail: jeetmeerzada@hotmail.co.uk

اندر جیت سنگھ جن کا ادبی نام جیتؔ ہے انڈیا کے شہر جالندھر سے 1962 میں برطانیہ آئے۔اور ''ولورہیمپٹن'' میں رہائش پذیر ہیں۔ ہندی، پنجابی کے علاوہ اردو بھی لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ادبی شوق بچپن سے تھا مگر باقاعدہ لکھنا 1950 سے شروع کیا۔نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتے ہیں۔مزاحیہ شاعری کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ان کی کتابوں کی طویل لسٹ ہے جو گورمکھی اور انگریزی میں لکھی گئی ہیں۔برطانیہ میں پچھلے بارہ سال سے انہوں نے گورمکھی میں پہلا مزاحیہ سہ ماہی رسالہ ''میرزادہ'' نکالا جن کے آپ چیف ایڈیٹر ہیں جو برطانیہ کے علاوہ افریقہ، انڈیا میں بھی بہت پسند کیا جاتا ہے اور تا حال جاری ہے۔ان کی تصنیفات جو گورمکھی میں ہیں ۔''یار پرائے بنا، سہکدے کوی۔کتکاریاں، گستاخی معاف، ولائتی ہاسے، کویاں دیاں مشکڑیاں، اردو ہاس رس شاعری۔ہسدیاں کے گھر وسدے، ولورہیمپٹن کویاں دا شہر'' اور انگریزی میں دو کتابیں۔ ``Laughter is the Best`` اور ``Valentine Day``... ہیں۔انہوں نے اپنے ادبی ذوق کے حوالے سے بے شمار ایوارڈ بھی حاصل کیے جن میں سے مزاحیہ کلام لکھنے پر انہیں ''پیارا سنگھ داتا میموریل ایوارڈ ملا، پنجابی زبان کی ترقی وترویج میں انہیں ''لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ'' ملا، مزاحیہ کلام لکھنے میں انہیں ''ولورہیمپٹن کے میئر نے 2009 میں ایوارڈ سے نوازا۔

اندر جیت سنگھ صاحب کو برطانیہ کے مختلف شہروں میں مشاعروں میں بہت احترام دیا جاتا ہے جہاں

وہ اپنی مزاحیہ شاعری سے محفل کو زعفران بنا دیتے ہیں۔ مجھے بھی اعزاز ہے کہ انہوں نے میری مزاحیہ شاعری اور انشائیے اپنے سہ ماہی رسالے ''میرزادہ'' میں شائع کئے۔ایک بار ان سے لیسٹر کے مشاعرے میں ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا جہاں وہ چیف گیسٹ تھے۔فون پر اکثر بات چیت رہتی ہے۔اندرجیت ایک انسان دوست اور نہایت مخلص ادبی شخصیت کے حامل ہیں وہ ملکی و مذہبی تفریق کو نہیں مانتے ان کے ہاں ایک اچھا انسان ہونا زیادہ اہم ہے اور ہر مذہب اچھا انسان بننا سکھاتا ہے۔وہ ہر اچھے انسان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔وہ اپنی شاعری میں بھی یہی پیغام دیتے ہیں۔

مسئلے حل نہیں ہوتے تلواروں سے آخر پیار محبت ہی کام آتے ہیں

یارو جس کو ڈر لگتا ہو خاروں سے بھرے وہ کیسے دامن پھولوں سے

ان کے ساتھ چند منٹ کی ملاقات جس میں ان کے لطیفے اور چٹکلے زندگی بھر یاد رہتے ہیں کوئی نہیں بھول سکتا۔انہوں نے مزاحیہ کلام کے ساتھ ساتھ سنجیدہ کلام بھی لکھا اور اچھی غزل کہتے ہیں۔ان کی کچھ غزلیں درج ہیں اور کچھ مزاحیہ کلام بھی جو امید ہے قارئین کو پسند آئے گا۔

اندرجیت سنگھ مبارک باد کے مستحق ہیں جو دیارِ غیر میں اپنے ہم وطنوں کے افسردہ چہروں پر مسکراہٹوں کے پھول کھلاتے ہیں۔بارہ برس کی طول مدت سے وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مزاحیہ رسالے کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں جس میں ہندو پاک کے ممتاز شعرا و ادیبوں کا کلام وہ پنجابی گورمکھی میں ترجمہ کر کے شائع کرتے ہیں۔خدا ایسے ادب نواز بزرگوں کو طویل عمر عطا فرمائے تاکہ وہ ادب و سخن اور ماں بولی کی خدمت کرتے رہیں۔آمین

✺

چوروں سے نہ ڈرو دوستوں یاروں سے
اس بستی کو ڈر ہے پہرے داروں سے

مر نہیں سکتا تیروں سے تلواروں سے
ڈرتا ہوں نظروں کی تیز کٹاروں سے

آخر پیار محبت ہی کام آتے ہیں
مسئلے حل نہیں ہوتے تلواروں سے

بھرے وہ کیسے دامن اپنا پھولوں سے
یارو جس کو ڈر لگتا ہے خاروں سے

نہ ہو مایوس ہار کے جیون میں
اکثر جیت نکلتی ہے ہاروں سے

گرچہ لب خاموش رہے تھے محفل میں
پھر بھی دل کی باتیں ہوئیں اشاروں سے

وہم و بھرم کے اس چکر سے نکل کے دیکھو
ساتھی تیرے آگئے گھوم کے تاروں سے

ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر نہیں ملتے
اس نے سیکھا چلن یہ ندی کناروں سے

عشق میں دل کیا جان بھی دینی پڑتی ہے
ہم نے سبق یہ سیکھا عشق کے ماروں سے

دل کی کلیاں کھلتی ہیں ہر موسم میں
ہمیں بھلا کیا لینا مست بہاروں سے

وہ دن برف سے آگ نکلتی تھی
سرد ہوا اب چلتی ہے انگاروں سے

جیتؔ کو دیکھو کتنا بھولا بھالا ہے
آس وفا کی رکھے اپنے یاروں سے

❁

اُلفت میں حوصلوں کی شجاعت بنی رہے
نادان دل کی اس سے حفاظت بنی رہے

اپنوں کی خیر اور ہو غیروں سے دشمنی
اچھا نہیں ہے دل میں کدورت بنی رہے

❁

ہوتا ہے ذِکر میرا ابھی کچھ اُن کے نام سے
میں خوش ہوں مجھ پہ ایسی جو تہمت بنی رہے

خوش آمدید! بھول سے آئے جو میرے گھر
ہر روز ایسی آپ کی عادت بنی رہے

کلیاں بھی ہیں اداس اور بلبل بھی ہے خموش
یارب چمن میں ایسی نہ دہشت بنی رہے

سیرت مری بری ہے نہ صورت مری بری
سارے جہاں میں جیتؔ کی عزت بنی رہے

مست رہتا ہوں عزیزو صبح بھی اور شام بھی
شوق میں شامل میرے مالا ، صراحی ، جام بھی

فاش ہوجاتا ہے اکثر دردِ دل چھپتا نہیں
میں نگاہِ یار میں باغی بھی ہوں بدنام بھی

اپنی طاقت کے نشے میں ظلم ڈھاتے ہو مگر
کیا کبھی سوچا ہے تم نے جبر کا انجام بھی

نسلِ آدم کو نہیں ہے چین تا وقتِ نزع
زندگی کا یہ تماشہ خاص بھی ہے عام بھی

فرق دونوں میں مجھے تو کچھ نظر آتا نہیں
کرتا ہوں سجدہ خدا کو اور ذکرِ رام بھی

رکھ سکے تم کو زمانہ ، یاد کچھ بعدِ وفات
کرتے جاؤ زندگی میں نیکیوں کے کام بھی

وہ جنہیں در پہ ترے فریاد کا کچھ حق نہیں
شامل اس فہرست میں جیتؔ کا ہے نام بھی

❁

وہ کیا گیا کہ زندگی کی شام ہو گئی
میری داستانِ عشق جو کہ عام ہو گئی

پتھر بنا ہوا تھا جسم پیار کے بغیر
کسی نے چھوا کہ زیست مست جام ہو گئی

نہ ہاتھ ہی اُٹھے اور نہ ہونٹ ہی ہلے
محفل میں پھر بھی اُن سے دعا سلام ہو گئی

نظریں ملیں تو زندگی پُر نور ہو گئی
نظریں پھریں تو زندگی کی شام ہو گئی

جو کہ بنی تھی بات بڑی کاوشوں کے بعد
بس ان کی ایک انکار سے ناکام ہو گئی

رندوں کو بُرا کہہ کے پچھتاؤ گے اے شیخ
زبان اگر ہماری بے لگام ہو گئی

کچھ لوگ پیار میں مخمور رہتے ہیں
بہتوں کی زندگی بے آرام ہو گئی

ہم سے ایک حسین بے وفائی کر گیا
اپنی غزل یہ جیتؔ اُسی کے نام ہو گئی

مزاحیہ غزل

تو بات کرے ہے خوابوں کی
ہمیں فکر ہے پھٹی جرابوں کی

شوہر کی پھٹی قمیض ہے دیکھو
بیگم کی ٹوہر نوابوں کی

ہو جاتا ہے مرنا آساں
خوبی ہے یہی شرابوں کی

سر سے دوپٹہ سرکے ہے
کرتے ہیں بات حجابوں کی

اس شور و غل میں ڈسکو کے
گم سُم ہے تان ربابوں کی

خوش رہنا گر تم چاہتے ہو
نہ فکر کرو حسابوں کی

ہم جن کو اپنا سمجھے تھے
وہ نکلی تین جنابوں کی

مت سوچ ابھی چھپ جانے کی
نہیں قدر جیتؔ کتابوں کی

امجد مرزا امجؔد

Mr.Amjad Mirza `Amjad`

E.Mail : mirzaamjad@hotmail.co.uk

(اپنے بارے میں کچھ لکھنا یا کہنا مشکل بھی ہوتا ہے اور میاں مٹھو کا الزام بھی لگ جاتا ہے لہذا میں کچھ نہیں کہوں گا سوائے چند اہم باتوں کے۔ میں اٹھارہ سال کی عمر میں 1961 میں برطانیہ آیا۔ ماں باپ کا بڑا بیٹا تھا جب ایک تنگ دل ساہوکار نے میرے باپ کے پاؤں سے کاروبار کی زمین کھینچ لی جس کے صدمے نے انہیں دل کا مریض بنا کر فالج زدہ کر دیا تو بڑا بیٹا ہونے کی ذمہ داری نے مجھ سے میرا بستہ چھین لیا۔ جس کا مجھے کبھی افسوس نہیں ہوا کہ جو فرائض میرے اس کے بعد شروع ہوئے وہ بہت افضل تھے۔ میں بارش کا پہلا قطرہ بنا اور پھر علم و دولت کا ایک جھرنا بہہ اٹھا۔۔ ہر کام میں خدا کی بہتری ہوتی ہے جسے ہم نہیں سمجھتے۔ میرے بہن بھائیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے میری ساری کمیوں کو پورا کیا۔ میں انگلینڈ آ کر اٹھائیس برس کے بعد آٹھ سال پاکستان میں بھی رہا مگر گھونسلے سے گرے ہوئے چڑیا کے بچے کی طرح اس نے قبول نہ کیا تو 1998 میں واپس آ گیا اور آ کر قلم سنبھال کر اپنے آپ کو ادب کے لئے وقف کر دیا۔

آج زندگی کی سترویں منزل پر ہوں ہم دو ہمارے دو کے زریں اصول پر قائم بچے خود کفیل ہیں شریک حیات نہایت مذہبی، گھریلو مخلص ہمدرد جس نے ساری عمر مجھے کبھی پریشان نہیں کیا اللہ اس کا بھلا کرے جس نے سارے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال کر مجھے کمپیوٹر پر بیٹھے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ وہ بھی خوش، میں بھی خوش۔۔ اللہ اللہ خیر سلا۔۔ باقی تفصیل نہایت محترم مہربان میرے استادِ محترم جناب ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب بتائیں گے کہ میں نے کیا کیا گل کھلائے۔۔!!)

’’ لندن کی معروف و مقبول اور ہر دلعزیز ادبی و سماجی شخصیت محترم امجد مرزا امجؔد سے میرا مستقل برادرانہ قلبی ربط پچھلے اٹھارہ برس سے گہرائی روح میں رچ بس گیا ہے، مگر ان کے حقیقت نما افسانوں سے میری شناسائی بہت پہلے کی ہے جب وہ لندن کے ایک ماہانہ اردو اخبار سے منسلک تھے اور وہ اخبار ان کی جادوئی تحریروں کے بغیر نامکمل رہتا تھا۔ ان کا افسانہ پڑھتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے وہ زبانِ قلم سے قاری کی اپنی ہی کہانی دہرا رہے ہوں۔

اس اخبار کے بند ہو جانے کے بعد امجد بھائی نے پنجابی زبان کے اولین ماہنامہ کا اجراء لندن سے کیا تو

دنیا جان گئی کہ امجد صاحب کا خمیر پنجاب کی معطر سرزمین سے اٹھا ہے۔ پھر کیا تھا یورپ کے کونے کونے سے پنجابی ادب کے پروانے ان کی لسانی قندیل پہ نثار ہونے کو تیار کھڑے تھے۔ مقامِ فخر ہے کہ خاکسار بھی انہی افراد میں شامل تھا۔ یہ معیاری ماہنامہ ''پنجابی سویرا'' کئی برس تک بہت کامیابی سے نکلتا رہا۔ قارئین کی یادوں کو ''سویرا'' آج بھی شبنم کی طرح نمناک رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے برطانیہ کا پہلا مذاحیہ اردو رسالہ ''مسکان'' بھی جاری کیا جو دو سال تک لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ کے پھول کھلاتا رہا۔ سویرا پانچ سال اور مسکان دو سال کے بعد نامساعد حالات سے مجبوراً بند کرنے پڑے لیکن امجد مرزا کے بابِ الفت میں داخل ہونے والے بھی ان کے دامِ محبت میں اسیر ہو کر رہ گئے۔

امجد صاحب آج کا کام کل پر نہ چھوڑنے والے ذہین و فتین ادیب و سخنور ہیں جن کے قلم میں اللہ نے ساحرانہ قوت اور روانی عطا فرمائی ہے جس کی دوسری مثال ہمیں پاکستان اور بھارت سے باہر اردو کی بستیوں میں باوجود تلاش کے نہیں ملتی۔ خاکسار کے دیکھتے دیکھتے تیرہ برس کی قلیل مدت میں ان کی بارہ تصنیفات کا منظرِ عام پر آ جانا، اور تین چار مزید کتب کو زیرِ اشاعت محفوظ رکھنا کوئی معمولی عمل نہیں ہے ۔۔امجد مرزا امجد صاحب کی انشائیوں پر مشتمل کتاب ''پھلواری'' کی اشاعت سے قبل افسانوں کی تین کتابیں ''کانچ کے رشتے''، ''سونے کی صلیب'' اور ''دوریاں'' ظہور پذیر ہوئیں۔ بعد ازیں پنجابی زبان میں افسانے اور شاعری کی دو کتب بالترتیب ''اوکھے پینڈے'' اور ''یاداں'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منتظر قارئین تک پہنچیں۔ بہت ہی عمدہ اور خوبصورت افسانوں پر مشتمل ان کی مزید دو تصنیفات ''تنہائیاں'' اور ''جھوٹے لوگ'' اشاعت پذیر ہوئیں تو ان کے انشائیوں کی ایک اور کتاب ''دھنک کے رنگ'' نے آستانہٴ گلستانِ ادب میں داخل ہو کر بھرپور داد وصول کی۔

امجد صاحب کو پنجابی اور اردو سخن میں ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ ان کی دلکش و عمدہ شاعری سے بھرپور کتاب ''ہوائے موسمِ گل'' کے دو ایڈیشن لندن سے شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہو گئے۔ حال ہی میں ان کے افسانوں کا ایک اور مجموعہ ''توبہ'' کے زیرِ عنوان چھپ کر ''بک سینٹر بریڈفورڈ'' جیسے بڑے کتب خانوں میں پہنچ چکا ہے۔ پھر دوسرا پنجابی مجموعہ ''وچھوڑے'' آیا اور ان کی دیگر تصنیفات

کی طرح برٹش لائبریریوں میں ان کی یہ بارھویں کتاب بھی دستیاب ہے۔

امجد مرزآ کی مصروفیات فقط کتابیں تصنیف کرنے تک محدود نہیں ہیں بلکہ ادبی اور سماجی میدان کی شہسواری بھی ان کے روزمرہ فرائض میں شامل ہوچکی ہے۔ان کی ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم'' نام کی تنظیم کے تحت ماہانہ مشاعروں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں گلہائے سخنوری کی خوشبو نچھاور کرنے کو سینکڑوں افراد شامل ہوتے ہیں۔انہیں مشاعروں میں ادیبوں دانشوروں اور دیگر مصنفین کی کتابوں کی بلامعاوضہ رونمائیاں کی جاتی ہیں۔امجد صاحب بیسیوں ادبی ٹی وی پروگرامز بطورِ میزبان بہت ہنرمندی کے ساتھ پیش کرچکے ہیں،مختلف جریدوں اور اخبارات میں بہت کامیاب اور پراثر کالم نویسی کے ساتھ ساتھ سالہا سال تک ادبی صفحات ترتیب دے چکے ہیں۔بیسیوں کتابوں کی کمپیوٹر کمپوزنگ کرچکے ہیں۔ ان کی نان کمرشل ''سویرا اکیڈیمی'' کی جانب سے متعدد کتب کی اشاعت ہوچکی ہے جن میں خاکسار کی بھی سات کتابیں شامل ہیں۔اس کے علاوہ ڈی ایم ڈیجیٹل اور تکبیر ٹیلیویژن پر کئی ماہ ہفتہ وار شاعری اور سماجی مسائل پر نہایت کامیاب پروگرام بھی پیش کرتے رہے۔ اب برطانوی اردو اور پنجابی کے اہلِ قلم کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ آج کل امجد مرزا امجدؔ صاحب برطانیہ کے نوے (۹۰) ادبی مشاہیر کے مختصر تعارف اور کلام پر مشتمل ایک ضخیم اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کتاب مرتب کرنے میں مصروف ہیں ،اور انشاءاللہ یہ ڈائریکٹری نما کتاب جلد ہی اشاعت کے مراحل سے گذر کر برٹش لائبریریوں کے ذریعہ بھی دستیاب ہوسکے گی۔''

(ماخوذ از ویکلی نیشن،لندن)

❁

کتنے موسم بدل گئے ہیں ہجر کی آگ بجھانے میں
کتنی صدیاں بیت گئی ہیں روتا دِل بہلانے میں

تم نے ہم کو چاہا تھا اور تم نے ہی ٹھکرایا تھا
جانے کتنا وقت لگے اب زخموں کے بھر جانے میں

پاؤں کی بس اِک جُنبش سے ہی پتی پتی پھُول ہوا
یہ نہ سوچا کتنی دیر لگی تھی پھُول اُگانے میں

میرے گھر کے شیشے بھی تو تیرے گھر کے جیسے تھے
کیوں نہ ہاتھ میں لغزش آئی پتھر کے برسانے میں

ہم تو رِند نہیں تھے ساقی لوگوں نے بدنام کیا
تیری آنکھ کی مستی سے بس جھومے تھے مے خانے میں

کتنے موسم انگاروں کے خاموشی سے کاٹے ہیں
ہونٹ نہ امجؔد کھول سکے ہم ساری عمر زمانے میں

❁

بے پردہ ہو کے جب وہ لبِ بام آگیا
آنکھوں پہ میری دید کا الزام آگیا

تا صبح کروٹیں ہی بدلتے رہیں گے ہم
اُن کا اگر خیال سرِ شام آ گیا

بیبا کیوں پہ اُن کی کسی نے نظر نہ کی
میری نگاہِ شوق پہ الزام آ گیا

اس دور میں بہت ہی غنیمت کہو اُسے
دکھ میں اگر کسی کے کوئی کام آ گیا

کتنی ہماری عمرِ محبت تھی مختصر
آغاز ہی کیا تھا کہ انجام آگیا

دنیا کے غم بھی ہم نے اِسی میں ڈبو دیئے
امجؔد نگاہِ ناز کا جب جام آ گیا

❁

چھائی ہر سُو بدلی کالی ، آنکھ میں آنسو آئے
دیکھ سکے نہ پنچھی ڈالی ، آنکھ میں آنسو آئے
میرے دیس کی جنت جیسی دھرتی اُجڑی اُجڑی
ہر جا دیکھی جب بدحالی ، آنکھ میں آنسو آئے
خیموں کی بستی میں وہ جو زندہ لاشیں بستی ہیں
دیکھ کے اُن کی آنکھ سوالی ، آنکھ میں آنسو آئے
ٹھنڈا سینہ دھرتی کا ہے، بھوک کے مارے لوگ
دِن بھی تیرہ ، رات ہے کالی، آنکھ میں آنسو آئے
کیونکر ہم پردیس کو اپنا دیس کہیں بتلاؤ
کس ظالم نے رسم یہ ڈالی، آنکھ میں آنسو آئے
کس کو سینے سے لپٹائیں کس کا ماتھا چومیں
دیکھ کے گھر کا آنگن خالی، آنکھ میں آنسو آئے
جِس نے گھر کے باغیچے کو اپنے خون سے سینچا
چھوڑ گیا جب اُس کا مالی، آنکھ میں آنسو آئے
امجؔد کیسی آگ لگی ہے لفظوں کے پانی میں
اجلی غزلیں ہو گئیں کالی، آنکھ میں آنسو آئے

قطعہ

وطن کی سرزمیں سے دہشتیں سب ختم ہو جائیں
اگر قانونِ قرآنی وہاں بنا دیا جائے
نہ ہوگا کچھ وطن کو نہ کسی کی بیٹی کو
ہر مجرم کو گر چوک میں لٹکا دیا جائے

❁

اُس نے دِکھا کے آئینہ حیران کر دیا
مجھ کو بنا کے زاویہ حیران کر دیا
قربت کا احتمال ہے دُوری کے باوجود
اُس نے مِٹا کے فاصلہ حیران کر دیا
تنہائیوں میں دُھوم مچادی عزیز نے
پل میں بنا کے قافلہ حیران کر دیا
اِس دشتِ بیکراں میں دلِ رہ شناس نے
مجھ کو دِکھا کے راستہ حیران کر دیا
تھا جو خدائے وقت اُسی شخص نے مجھے
دے کر خدا کا واسطہ حیران کر دیا
امجؔد جو ایک حرف بھی دیتا نہ تھا مجھے
دے کر ردیف و قافیہ حیران کر دیا

✹

میں تے پیار نبھاوَن دی سونہہ ربّ دی کھاہدی یار
توں کیوں کھوبی سینے دے وِچ اکھراں دی تلوار

سَپّاں رِکناں ڈنگیا مینوں میں تے نہیں سی مریا
تیری اِک نِکّی جئی گل نے مینوں دِتا مار

شوہ دریا چہ ترے لئی میں کھیہہ دِتی سی بیڑی
میرے تھاں توں کچے گھڑے تے کیتا جے اعتبار

ساری راتیں ہجر دے ڈونگھے پانی وچ گزاراں
دِن چڑھے تک تُو نہ آئیوں نہ کونجاں دی ڈار

سارے شہر دے پیر فقیر وی اندروں جھوٹے نکلے
سڑ کے ہویا سواہ مِٹّی جد پھوک دتی تُوں مار

دُکھ دا مینہ کدی نہ وسدا ویہڑے ساڈے جے تینوں
آجاندی جے سمجھ ایہہ امجدؔ کیتا سچا پیار

✹

کیڈھے پینڈے ٹد لئی گالے
پیراں ییٹھاں پے گئے چھالے
لکھاں گلاں سہہ کے وی تے
نہ کھلے بُلھاں دے تالے
سانوں لگن پتھر وانگوں
تیرے باجھوں روئی دے گالے
سوہنی صورت ویکھ نہ ڈُلھیں
ہوندے اکثر بھیڑے چالے
کیویں آکھاں یار اُنہاں نوں
جیہاں اندر ٹھوویں پالے
اج وی تری اُڈیک اے سجنا
سُک گئے نیں اکھاں دے پیالے
تیرے لئی سی جینا مرنا
کِنے ورھے دکھ وچ گالے
ساری عمر دا رونا امجدؔ
اساں ہنجواں دے دیوے بالے

جیرا بلیڈ

اس کی دو انگلیوں میں پھنسا ہوا بلیڈ اس تیزی سے جیبوں کو کاٹتا کہ خبر تک نہ ہوتی۔ اسی ہنر سے اسے جیرا بلیڈ کہا جاتا۔ باپ مرا ہوا تھا ماں بوڑھی ہوگئی جو صبح اُسے پراٹھا بنا کر کھلاتے ہوئے کہتی۔

''اے پتر! خدا کے لئے یہ برا دھندہ چھوڑ دے کسی روز پکڑا جائیگا تو میں اکیلی روتی مر جاؤں گی۔''

''واہ ماں! میں نے تو کب کا یہ کام چھوڑ دیا ہے آج کل میں شیدے حلوائی کی دوکان پر کام کرتا ہوں۔'' وہ جھوٹی تسلی دے کر باہر نکل جاتا۔ اور بازار کی بھیڑ میں اپنی انگلیوں میں گھومتے بلیڈ سے لوگوں کی جیبوں کو صاف کرتا نوٹوں کی بڑی سی گڈی لا کر ماں کی جھولی میں ڈالتا تو ماں اسے دو ہتھڑ مار کر بد دعائیں دینے لگتی۔ مگر ماں تھی۔ ممتا اور بھوک سے مجبور کچھ نوٹ لے کر سرہانے تلے رکھ لیتی۔ اس دوران وہ کئی بار پکڑا گیا کبھی تو لوگوں سے مار جوتے کھا کر بھاگ آتا اور کبھی دو تین ماہ جیل میں گزر جاتے۔ اس دوران سرہانے تلے رکھے نوٹ ماں کے کام آتے۔

ایک بار تین ماہ جیل میں گزار کے جب وہ گھر آیا تو دیکھا ماں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی بے ہوش چارپائی پہ پڑی ہے۔ پڑوسیوں نے بتایا وہ کئی دن سے بیمار ہے مگر پیسے کہاں سے لیتی جو علاج کراتی۔ ماں نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے سر پر رکھ کر کہا۔

''جیرے! کھا میرے سر کی قسم کہ اب کسی کی جیب نہیں کاٹے گا۔ دیکھ حرام کی کمائی کا نتیجہ۔۔ میں کتنے دنوں کی بھوکی ہوں اور گھر میں ایک دانہ نہیں۔ لوگ بھی چور کی ماں کی مدد نہیں کرتے۔''

وہ رو دیا اور ماں کے ہاتھ چوم کر قسم کھائی کہ بھوکا مر جائے گا مگر جیب نہیں کاٹے گا۔ اسی رات اس کی ماں مر گئی تو اس کے پاس کفن کے پیسے تک نہ تھے۔ اس نے چند دوستوں کے ہاں جا کر تھوڑی تھوڑی رقم ادھار لی تاکہ ماں کو دفنا سکے۔ مشکل سے دو ہزار روپے اکٹھے ہوئے وہ تیزی سے گھر واپس آیا۔ لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ اس نے جذبات بھری آواز میں کہا۔

''فکر نہ کرو میں نے کچھ رقم کا بندوبست کر لیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے کرتے کی سائیڈ جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ کٹی ہوئی جیب کے سوراخ سے باہر نکل آیا۔۔!!

✡ ✡ ✡
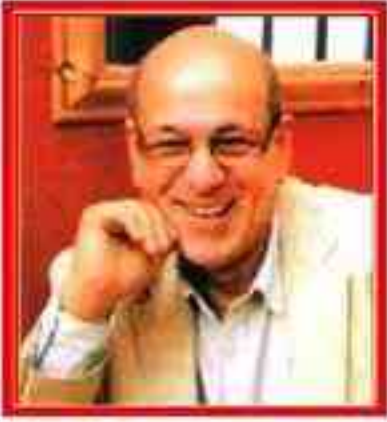
محمد ایوب سنگھیا

Mr. Mohammad Ayyub Sanghia,

15.Kennett Road, Headington,

Oxford OX3 7BH

Tel: 07534 842453

E.mail: mayyubno1@yahoo.co.uk

محمد ایوب سنگھیا چک براہم ضلع جہلم پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں اور 1964 میں برطانیہ آئے ۔ برطانیہ کے معروف شہر آکسفورڈ میں رہائش پذیر ہیں، اپنا ذاتی کاروبار کرتے رہے مگر آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزارتے ہیں۔ آکسفورڈ میں معروف شعرا جناب خالد یوسف اور محترم اکبر حیدر آبادی کی ایک ادبی تنظیم کے روح رواں بھی ہیں جو بے شمار مشاعرے کرا چکی ہے۔ خالد یوسف فوت ہو گئے اور اکبر حیدر آبادی بڑھاپے اور کمزوری و بیماری کی وجہ سے اپنی بیٹی کے پاس دوسرے شہر 'برسٹل' چلے گئے جس کی وجہ سے آکسفورڈ کی ادبی سرگرمیوں میں کافی کمی ہو گئی مگر ایوب سنگھیا اب بھی گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی مشاعرہ کرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ خود بھی چار پنجابی شعری مجموعات کے خالق ہیں انہوں نے 1993 میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ گو وہ نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتے ہیں مگر ان کی اصل پہچان پنجابی شاعری ہی ہے جس میں ان کے چار مجموعے۔'' قدر پھلاں دی، یاراں نال بہاراں، شربت شیریں وصال دا اور سہیلیاں دی سردار شائع ہو چکے ہیں۔

محمد ایوب نام ہے اور تخلص سنگھیا رکھتے ہیں سنگھیا پنجابی میں دوست کو کہتے ہیں۔ ایوب سنگھیا واقعی اپنے دوستوں کے سچے اور کھرے دوست ہیں۔

وہ رہتے تو برطانیہ کے معروف ترین کالجوں اور یونیورسٹیوں کے شہر میں ہیں مگر ان کا دل اپنے وطن کی گلیوں کھیتوں کھلیانوں میں، کنوؤں کی منڈھیر پر بیٹھی ہوئی مٹیاروں کے آس پاس ہوتا ہے وہ ایک آزاد

پنچھی کی مانند کبھی ایک ڈال پر تو کبھی دوسرے ڈال پر اڑانیں لیتا پھرتا ہے۔ساری عمر پردیس کی برفیلی زمین پر رہ کر بھی انہیں دھوپ میں گرم اپنی مٹی کی تپش نہیں بھولی ،بارش میں زمین سے اٹھتی ہوئی وہ مٹی کی خوشبو۔گاؤں میں چلتے ہوئے رہٹ کی وہ موسیقی ،کھیتوں میں گھاس چرتے ہوئے جانوروں کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹوں کی جل ترنگ اور نیلے آسمان پر اڑتے ہوئے خوش گلو وخوش رنگ پرندوں کی اڑانیں اور آوازیں انہیں شعر کہنے پر مجبور کرتی ہیں۔ان کی شاعری محبت کی شاعری ہے جس میں دیہی رنگ نمایاں نظر آتا ہے اس لئے کہ وہ یورپ کی چکا چوند روشنیوں میں رہ کر بھی اپنے گاؤں کی کچی پکی اندھیری گلیوں کو نہیں بھولے۔۔۔

وہ کسی کی آس میں راستے میں بیٹھے ہیں اور انہیں راہوں میں ڈیرے جما لئے ہیں جہاں سے ان کا یار گزرا تھا یا آنے والا ہوگا۔۔اور اپنے سر پر وسوسوں کا بوجھ لیے اور دل میں ملنے کی آس لئے بیٹھے ہیں اسی خوبصورت غزل کے دو پنجابی کے شعر ملاحظہ ہوں۔۔

گھیر گھار کے یاداں نوں	(یادوں کو گھیر گھار کے)
رنگ دی بزم جما بیٹھے ہاں	(رنگوں کی بزم جما کے بیٹھے ہیں)
بھولے آس دے پنچھی دے	(امید کے معصوم پرندے کے)
سارے کھمب کھوہا بیٹھے ہاں	(سارے پر اکھاڑ کھو بیٹھے ہیں)

انہوں نے اپنی شاعری میں جہاں ہجرت ،وصال ،محبت ،دکھ ،اجڑنا ،کھونا ،پانا ،یادوں کا سینے لگا کر رونا اور پردیس میں وطن کی یادوں پر آنسو بہانا ،بہن بھائیوں اور ہمجولیوں دوستوں کے ساتھ گزرے ہوئے لمحوں کی یاد ،ماں باپ کی جدائی اور ان کی محبتوں کے ذکر سے اپنی پنجابی کی شاعری کو دل میں اتر جانے والی شاعری کا روپ دیا وہاں وہ کہیں دور آنسو بہاتی یادوں کی چنگیر سر پر لئے کھیتوں میں اداس پھرتی ہوئی گاؤں کی خوبصورت حسینہ کے ذکر سے رنگین بھی کرتے نظر آتے ہیں۔اسی لئے ان کے شعری مجموعوں کے نام بھی ان کی شاعری کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں

''قدر پھلاں دی'' پھولوں کی قدر وہی کرتا ہے جسے پھولوں سے عشق کی حد تک پیار ہو۔۔پھر ان کا مجموعہ

کلام بنام ''یاراں نال بہاراں'' بھی ان کی دوستوں کے ساتھ بے پناہ محبت کا راز کھولتا نظر آتا ہے۔ کہ ان کی بہاریں ان کے دوستوں کے ساتھ ہی ہیں۔۔ تیسرا مجموعہ کلام ''سہیلیاں دی سردار'' اسی طرح ان کا چوتھا مجموعہ بڑا افسانوی اور رومانٹک نام ہے۔ ''شربت شیریں وصال دا'' یعنی وصال کا میٹھا شیریں شربت۔۔۔ وہ وصال کو بھی ایک شیریں شربت کا نام دیتے ہیں کہ وہ عشق ہی کیا جس میں ہجر کا دکھ نہ ہو اور پھر جب وصال ہوتا ہے تو محبوب کی آنکھوں کا شیریں شربت جو ملاقات پر ہی نصیب ہوتا ہے۔ جس کی مٹھاس سے عمر بھر کے ہجر کے دکھ بھول جاتے ہیں حال ہی میں ان کی دو مزید کتابیں منصۂ شہود پر آئیں ہیں ایک پنجابی شاعری ''مجرے کردی اکھ'' اور دوسری پنجابی میں ہی فرضِ محال'' جس میں فلسفہ زندگی پر بڑے خوبصورت مضامین ہیں۔ اس طرح ایوب صاحب کی چھ کتابیں پنجابی ادب میں آچکی ہیں۔

شاعری نام ہی محبت کا ہے۔ جس نے محبت نہ کی وہ کیا خاک لکھے گا۔۔!!

اسی لئے ایوب سنگھیا کہتے ہیں۔

متھا گوڈے ڈھا لینے ہاں — پکیاں قسماں کھا لینے ہاں

رو لینے گا لینے ہاں — دعا پُر اثر بنا لینے ہاں

پیریں جھانجھر پا لینے ہاں — ستا راگ جگا لینے ہاں

نچ کے یار جے منداا ے — نچ کے یار منا لینے ہاں

ایوب سنگھیا کی شاعری سادہ مگر پر اثر ہے گو انہوں نے کافی الفاظ اردو کے بھی شاعری میں استعمال کیے ہیں مگر اس کی وجہ وقتی طور پر متبادل الفاظ کی کمیابی یا وزن بحر کی مجبوری بھی ہوسکتی ہے۔ گو اساتذہ کے کلام میں بھی فارسی، ہندی اور اردو کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو پنجابی کی سادہ شاعری میں معمولی سا چبھتے ضرور ہیں۔۔۔ بحر حال پردیس میں جو شعرا اپنی مادری یا قومی زبان میں لکھ کر ادب کو فروغ دے رہے ہیں میں ان کو سلام کرتا ہوں اور ان کی اس کوشش کو سراہتا ہوں جن میں ایوب سنگھیا بھی شامل ہیں۔ اللہ کرے ہو زور قلم اور زیادہ۔۔۔

❁ ❁ ❁ ❁

یاد تیری نہیں رجدا ہرگز دل کنگال ہمیشہ
یاد تیری دا سینے رکھئے دیوا بال ہمیشہ

ہسدے روندے ترسدے رہندے نت اے نین سوالی
چن مکھڑے دی چاہ دا جادو اکو تال ہمیشہ

موج بہاراں، عیش شراباں وجدے ڈھول شہنائیاں
خواب تیرے تھیں، یاد تیری نوں دارو پیال ہمیشہ

آ دلیس لا ڈیرے بیٹھی وصل تیرے دی حسرت
خیر تیری دی چنتا دل نوں رہوے خیال ہمیشہ

کیوں تصویر تیری لے ٹھندے اکھاں دے چوں قطرے
یار جمال کمال تیرے تھیں اُٹھن سوال ہمیشہ

کالی زلف جوں گوہڑھ سیاہی تیوں ہے شام غریبی
حال احوال ہجر وچ سنگیا خستہ حال ہمیشہ

اتھرو اتھرو روندے رہے
داغ دلاں دے دھوندے رہے

چُن چُن پھُل خیالاں دے
ہنجوں ہار پروندے رہے

جذبات دے شوہ وچ بیڑی نوں
احساسِ طوفاں ڈبوندے رہے

خواباں دے گجھے سازاں نال
بحث مباحثے ہوندے رہے

سنگیا دل دے حواس بازاریں
عجب تماشے ہوندے رہے

ہوا پُرے دی وانگوں وگدی یاد کسے دی آئی
دل دیاں باغ بہاراں اندر سیر کرن کوئی آیا

ٹھنڈک یار قمر لے چڑھیا تابش حسن بے حسابوں
روشن لاٹ چمک محبوبی شمع پتنگ جلایا

جھب نیناں دی دھرتی چُمے نازک پیر گلابی
ہر قدم نال ودھیا اُس دا وادھوں شان سوایا

جھاتی پایاں ڈُلھ ڈُلھ پیندے تہمت حسن خزینے
گو ہڑے نین پر کوہ قافوں رُوپاں دا سرمایا

سوہنی صورت بھولی بھالی گھڑی وصال خیالی
عقل جواہری چھان نظر وچ لعلاں دا مُل پایا

نویں سویں فیر لا گیا سنگیا تیلی بال غماں نوں
ٹھگ گیا لا اگ کلیجے بھون کباب بنایا

لایا انگلی سجناں غیراں نوں
رُخ پلٹ لئے وگدیاں ہواواں نے

ٹُٹے سلسلے انج خیالاں نال
لُٹی رات ہجر جیوں خزاواں نے

سروں سائے اُٹھ گئے بدلاں دے
پر گھٹ لئے چھتراں چھاواں نے

کنڈھیاں تے سُٹیہا ہیریاں نوں
چھل مار کے غم دریاواں نے

سنگیا بے چینی دل دی دا
ساہ گھٹ لئے ڈردیاں ساہواں نے

❁

حسن دا جادو پھوک گیا ، کوئی ایسے جنتر منتر
دلاں دا باغ اجڑ گیا میرا لٹیا شہر بھنبھور

کچی نیندر جاگیاں دے اڈگ کھردے خواب
کھچ کسے دی تھلاں ول ، پئی کھچدی زور و زور

لبدا پھراں پراونڑاں سر رکھیا جس اے تاج
اکھ نوں ساڑ دیدار دا میرے سفنے نویں نکور

اگوں پچھوں ویکھیا ، ہے ای رُکھم رُکھی شام
چن نے گوڈا ماریا ، داواں ڈول چکور

گڈی دل دی جھوکیاں پئی دسدی ہوندی وہ
کمان گئی اُڑان دی ، پچیاں پے گئی ڈور

مار چڑہاٹھا باز نے لیا ہتھ پڑہتھے کھوہ
سنگیا خلقت جاندی ، حسن ہے سینہ زور

❁

چالاں ٹوراں سنگ سہیلیاں ، کونج اُڈاری لگے
حسن جمال ہے غزل خیال ، تحریر فنکاری لگے

اگ ہوس نوں دین ہواواں بلبل شائق پھلاں دی
جوبن عالی ، روپ بہاراں ، وقت خماری لگے

ثالثی نال تول دھرے نے ، کنڈے پھل اک دھارن
جس نے لائے روگ ، ودھرے چیز پیاری لگے

وٹ متھے تے گھوریاں ، اندروں نرما گرما
عمل درآمد دوگلے ، اے سب ہوشیاری لگے

تکھی نظرے تکنی سنگیا ، کر گئی اے جادو
زخمی کر گئے عین نشانہ تیر شکاری لگے

بانوارشد

Bano Arshad,

12,Camrose Ave,

Edgware HA8 6EG England

Tel: 0208893 2279

E.Mail: shaherbanoahmed@yahoo.co.uk

کراچی سے تعلق ہے،ادبی نام بانو ارشد خاندانی نام شہر بانو ارشد سانولے سلونے رنگ کی مسکراتی ہوئی خوش لباس ، سلم سمارٹ ،خوبصورت ساڑھی میں ملبوس ،حاضر جواب ، مسلسل باتیں کرنے والی ، اعلی تعلیم یافتہ ، شاعرہ ،افسانہ نگار ، ناقدہ اور بے شمار پروگرامز کی پیشکار ، ہندو پاک کے ممتاز ادبی گھرانے سے تعلق ، والد والدہ ، بھائی بہن ، پھپھو تک قلمکار۔ پاکستان سے ایم اے بی ایڈ کے بعد نائیجیریا میں جا کر تعلیم کی آب یاری کی اور ایک مدت تک درس وتدریس کا کام کیا ، پھر کیم اگست 1965 کو برطانیہ آگئیں اور یہاں بھی ادب کے جھنڈے گاڑے۔ بچپن سے کہانیاں لکھتی تھیں مگر باقاعدہ لکھنا 1953 سے شروع کیا اور آج تک جاری ہے۔ نثر اور شاعری دونوں لکھتی ہیں۔ان کی تصانیف ’’بانو کے افسانے ، بانو کی کہانیاں ، بانو کے مضامین حصہ اول اور حصہ دوم شائع ہوکر دنیائے ادب میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں ۔اب ہمیں ان کے شعری مجموعہ ’’بانو کی شاعری‘‘ کا بے تابی سے انتظار ہے!! ۔آدھی دنیا کا سفر کر ڈالا ۔جس میں امریکہ ، کینیڈا ، عراق ، سعودی عرب ، ایران ، کویت ، مصر ، شام ، فرانس ، ہالینڈ ، جرمنی سوئیز رلینڈ اور نجانے اور کتنے مما لک شامل ہیں جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے ۔لندن کے اکثر مشاعروں میں جا کر اپنا کلام سناتی ہیں اور داد پاتی ہیں۔ بلکہ کئی مشاعروں کی کامیاب نظامت بھی کی ۔ اپنی مزیدار چٹکلے دار باتوں میں مشہور ، جہاں بیٹھتی ہیں شاید ہی کسی کو بات کرنے کا موقع ملتا ہو مگر گھنٹوں سن کر بھی جی نہیں بھرتا ایک جھرنا ادب کا بہتا جاتا ہے

۔اور سامعین کو سیراب کرتا جاتا ہے۔

بانو بلا کی میزبان ہیں اور اکثر اپنے گھر چیدہ چیدہ شعرا و شاعرات و ادباء کو بلا کر ان کے اعزاز میں نجی محفلوں کا اہتمام کرتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے بنائے کھانوں سے ان کی تواضع کر کے خوش ہوتی ہیں۔میں نے جب بھی انہیں اپنے مشاعرے میں بلایا وہ سردی برف بارش کی پروا کیئے بغیر طویل سفر کی مشقت برداشت کر کے سب سے پہلے پہنچی ہیں اور ہمیشہ آخری شاعر کو سن کر گئی ہیں جبکہ اکثر شعرا اپنا کلام پڑھتے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ان سے ان کی اعلی شخصیت اور وضع داری کا ثبوت ملتا ہے ۔انہوں نے ہمیشہ نئے شعرا کی حوصلہ افزائی کی اور مشاعروں میں کھل کر داد دی۔

بے شمار اشعار یاد ہیں۔ برطانیہ کے علاوہ ہندو پاک کے بے شمار شاعر و شاعرات اور ادباء کے متعلق مضامین بھی لکھے۔

بانو ارشد جسے میں بانو باجی کہہ کر بلاتا ہوں تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ کی چاندنی بکھر جاتی ہے اور آنکھوں میں محبت کے چاند چمکنے لگتے ہیں۔انہوں نے ہمیشہ مجھے پر خلوص مشوروں سے نوازا۔اپنا بھائی سمجھ کر بڑی محبت سے پیش آئیں۔اگر کبھی اپنے کالموں میں کسی ادبی چور کی چوری یا کسی بے ایمان کی بے ایمانی کا تذکرہ کر دیا تو اسی روز فون آگیا۔

’’امجد!تم نے پھر لکھ دیا نا۔۔دیکھو بھیا!‘‘ وہ بڑے پیار سے کہتیں۔’’میرے ابو کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی تمہاری برائی کرے یا تمہیں اچھا نہ لگے یا اس میں کوئی عیب ہوں یا تمہیں نہ پسند ہوں تو سب سے بہتر طریقہ ہے کہ اسے یکدم فراموش کر دو۔۔اسے دیکھ کر راستہ بدل لو۔۔اس سے منہ پھیر لو۔۔بس اسے خود ہی سمجھ آجائے گی۔۔بھلا تم کیوں غصے میں اپنے آپ کو جلاتے رہو۔۔‘‘بات سولہ آنے کھری تھی۔۔

میں اسے ان کی یہ عظمت سمجھتا کہ وہ میری بات سمجھتے ہوئے مانتے ہوئے بھی مجھے اس بات سے منع کرتیں جس سے کسی برے شخص کا بھی دل دکھے۔۔یا اسے برا لگے۔۔یہ اخلاص، ہمدردی، پیار کی معراج ہے۔۔جس سے ان کا خمیر اٹھا ہے۔

بانو ارشد اور ان کے بھائی عمران الارشد نے اپنے والد بزرگ محترم ارشد تھانوی مرحوم کی کلیات مرتب کی جو ادبی دنیا کے لئے بیش بہا خزانہ ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی اولاد نے ان کا کلام زندہ رکھا۔۔ اور کتنی فرمانبردار اور نیک اولاد ہے جنہوں نے اپنے بزرگوں کا نام زندہ جاوید کیا۔ بانو ارشد اور ان کے بڑے بھائی جناب عمران الارشد نے یہ کلیات شائع کر کے اردو ادب میں بے شک ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ عمران بھائی بھی ایک مانے ہوئے ادیب اور بہت پائے کے افسانہ نگار تھے آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔

بانو ارشد کے متعلق ایک خوبصورت کتاب ''بانو ارشد فن و شخصیت'' ان کی بھتیجی نوشابہ سلمان نے مرتب کی جس میں دنیائے ادب کے بے شمار معتبر نام ہیں جنہوں نے بانو ارشد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جسے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ بانو ارشد کا ایک روپ نہیں ہے اس کے ہزاروں خوبصورت روپ ہیں ان کی کئی جہتیں ہیں۔ میں اگر اس کتاب کے مضامین کے دو دو الفاظ بھی اپنے اس مضمون میں شامل کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔

ان کا مطالعہ، ان کا ادبی ذوق و شوق، ان کی تحریریں ان کی زندگی کے بارے میں جو انہوں نے علم و ادب کے لئے کام کیا لکھا جائے تو کئی کتابوں پر بھی بات ختم نہیں ہوتی۔۔

یہ کہنے میں کوئی باق نہیں کہ بانو ارشد کے متعلق بے شمار ادبی شخصیات نے لکھا بہت کچھ لکھا اور بہت اچھا لکھا۔۔ میرا یہ مضمون تو محض میرے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔۔ کہ میرے دل میں میری بہت ہی محترمہ بہن کے لئے کیا جذبات ہیں اور میری ناقص عقل کے مطابق ادب میں ان کا کیا مقام ہے مگر۔۔ شاید میری قلم میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ اتنی بڑی مصنفہ، شاعرہ اور ادیبہ کے متعلق کچھ لکھ سکے۔۔ افسوس کہ میری ادبی پٹاری میں اتنے الفاظ نہیں۔۔۔!!!

✺

جو آنکھوں میں آنسو چلے آ رہے ہیں
یہ دریا کے دریا بہے جا رہے ہیں

خدا نے سنبھالا نہ بندوں نے پوچھا
خود اپنے سے باتیں کئے جا رہے ہیں

بہت ہم نے چاہا مسائل سے جا گیں
یہ سائے کی صورت چلے آ رہے ہیں

نہیں کوئی اپنا ملا ہے جہاں میں
خدا جانے کیسے جئے جا رہے ہیں

پریشانیاں سی پریشانیاں ہیں
کہ دفتر کے دفتر کھلے جا رہے ہیں

زمانے نے ہم کو جو صدمے دیئے ہیں
انہیں ہنس کے ہم تو سہے جا رہے ہیں

نہیں پیاس بجھتی ہے بانوؔ ہماری
غموں کو مسلسل پئے جا رہے ہیں

✺

رُخ پر جب آنسوؤں کا سمندر بکھر گیا
اس شوخ کا تو اور بھی چہرہ نکھر گیا

ایسا بنایا زینہ سا لہروں نے بحر میں
دل کا سفینہ خود ہی بھنور میں اتر گیا

دل کو اداس کرکے نہ بیٹھو فراق میں
''تم جس ہوا میں ہو، وہ زمانہ گزر گیا''

اک شخص زندگی میں ملا تھا ہمیں کہیں
منزل سے پہلے چھوڑ کے جانے کدھر گیا

کیوں نہ ہجوم یاس سے بانوؔ ہو مضطرب
ایسی اندھیری رات تھی جگنو بھی ڈر گیا

یہ سج دھج کے گھر میں جو آئے ہوئے ہیں
یہ فتنے ان ہی کے اٹھائے ہوئے ہیں

نہیں کوئی رشتہ ہمارا اب ان سے
جو خوابوں کی دنیا پہ چھائے ہوئے ہیں

قیامت جو برپا ہے دل میں ہمارے
پسِ پردہ اس کو چھپائے ہوئے ہیں

خدارا نہ سمجھے کوئی دل کی حالت
تبسم لبوں پر سجائے ہوئے ہیں

نہ وعدہ کی صورت نہ امکانِ آمد
دیا کیوں یہ مدھم جلائے ہوئے ہیں

زمانے سے کہہ دو ہمیں نہ ستائے
بہت ہم نے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں

کوئی دوست بانوؔ نہیں ہے جہاں میں
ملاقات سب سے نبھائے ہوئے ہیں

دعا بھی مانگنا میرا ابھی تو رائیگاں ہو گا
یہ اس کی بندگی ہو گی مگر سجدہ کہاں ہو گا

محبت تم کو کرنی ہے تو ہستی کو مٹا ڈالو
نہ فکر داستاں ہو گی نہ ذکرِ آشیاں ہو گا

اجل آ کر تجھے چپ چاپ لے جائے گی دنیا سے
''نہ گردِ کارواں ہو گی نہ شورِ کارواں ہو گا''

مرا غم ہی پگھل جائے گا جب آتش فشاں بن کر
تو آنسو کی لڑی بن کر وہ آنکھوں سے رواں ہو گا

تباہی کی یہی صورت رہی اس ملک میں بانوؔ
نہ تم ہو گی نہ ہم ہوں گے نہ میرِ کارواں ہو گا

۞

جلتا ہے اس خیال سے نازک بدن تمام
''روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام''
ایسی تیرے شباب کی تصویر بن گئی
کلیوں نے تار تار کیے پیرہن تمام
کیسا نفاق ملک میں میرے یہ آگیا
اپنے لہو سے ہو گیا رنگیں وطن تمام
آئی بہار اب کے چمن میں کچھ اس طرح
کملا کے رہ گئے ہیں گل و یاسمن تمام
چنگاریوں نے عشق کی جادو یہ کیا کیا
آتش فشاں سی بن گئے سیمیں بدن تمام
نکلا تھا ذکر رات کو ایک داستان کا
خاموش ہو کے رہ گئے جب اہل فن تمام
یا رب ہمارے حال پہ اتنا تو ہو کرم
مہکا دے بوئے گل سے تو صحن چمن تمام
بادِ بہار بن کے وہ آیا تھا ایک بار
حیراں کھڑے ہیں باغ میں سرد و سمن تمام
کیسا یہ قتل عام ہے بانو کے دیس میں
ڈوبی ہوئی ہے خون میں خاکِ وطن تمام

۞

ہر شخص بنا ہے شعر کا معمار دیکھئے
گرنے کو ہے ادب کی یہ دیوار دیکھئے
دشتِ ادب کی راہ کو دشوار دیکھئے
کشتی کو اپنی ڈوبتے منجدھار دیکھئے
شیریں مقال اور ترنم کے ساتھ ساتھ
شہرت کی اس قطار میں فنکار دیکھئے
آتا نہ ہو یقین اگر میری بات کا
جا کر اٹھا کے آج کا اخبار دیکھئے
شعروں پہ داد دیجئے مصرعے اٹھایئے
ہو گا نہ کیسے گرم یہ بازار دیکھئے
آتا نہیں ہے بانو کو شیریں زباں کا فن
شعروں پہ دھنتے سر انہیں ہر بار دیکھئے

پاکیزہ بیگ

Mrs. Pakiza Baig,

5A,South Bourn Gardens,

ILFORD IG1 2QF

Tel: 02085142287\Mob:07825641586

E.Mail: pakizabaig@btinternet.com

پاکیزہ بیگ گجرات پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں۔ برطانیہ 1974 میں آئیں۔ شاعری کے علاوہ گائیکی سے بھی گہرا تعلق ہے اور مشاعروں میں ان سے ہمیشہ ترنم کی فرمائش کی جاتی ہے جہاں وہ اپنی غزلوں کو اپنی نہایت خوبصورت آواز میں سنا کر سامعین کو سحر میں گرفتار کردیتی ہیں۔ انہیں چونکہ گلوکاری کا بھی شوق ہے لہذا انہوں نے باقاعدہ لندن کے معروف گلوکار خان صاحب استاد نعیم سلہریا صاحب سے تربیت بھی حاصل کی۔ نہایت مخلص، سنجیدہ اور وضعدار خاتون ہیں۔ ادبی لگاؤ اسکول کے زمانے سے تھا۔ برطانیہ کے دیگر شہروں کے علاوہ بے شمار انٹرنیشنل مشاعروں میں بھی شرکت کرچکی ہیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ،

''میں مانتی ہوں کہ نغمگی کو لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی مگر جب ذہن اور گلے میں مناسبت پیدا ہوجائے تو گنگناہٹ بامعنی ہوجاتی ہے اور اس طرح میری شاعری کا آغاز ہوا۔''

پھر جب شاعر اپنی شاعری میں اپنے جذبات پرو کر صفحہ قرطاس پر سجا کر اپنی آواز کا پیرہن دے کر سر اور لے میں ڈھالتا ہے تو ہر سُو کہکشاں بکھر جاتی ہے رنگ اور نور کی بارش ہونے لگتی ہے۔ ان کی مشہور نظم جو کتاب کا عنوان بھی ہے ''چڑیو میری بات سنو'' کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

جس آنگن میں چوں چوں کرتا غول تمہارا اترا ہے

اس آنگن میں کھیلی ہوں میں، بچپن میرا گزرا ہے

اس آنگن میں پھول کھلے ہیں ڈال پہ ابتک جھولا ہے
یہ آنگن اک گڑیا گھر ہے، کھیل، تماشا، میلا ہے
اس میلے میں گم سم بیٹھی گڑیوں کے جذبات سنو

چڑیو میری بات سنو

پاکیزہ بیگ کی شاعری میں جہاں وطن سے دوری کا درد پنہاں ہے وہاں وہ اپنے دیس کی ہر ہر شے کو یاد کرکے اپنے اندران کا لمس محسوس کرکے اس محبت کو روشن بھی رکھتی ہیں۔

کچھ عکس ہیں، کچھ روپ ہیں، کچھ لمس ہیں مجھ میں
گاؤں سے گزرتی ہوئی ندیا کی طرح ہوں

شاعر، صوفیوں اور عشاق کے شہر گجرات کو چھوڑ کر لندن آ بسنے والی شاعرہ اپنے اشعار میں تسلیم کرتی ہے کہ۔

خاکِ لندن ہے تجھے ہم نے وطن مان لیا
ٹوٹ کے شاخ سے تجھ کو ہے چمن مان لیا

پاکیزہ کو اچھا شعر کہنے والے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اور ہر کوئی یہ تسلیم کرتا ہے کہ پاکیزہ بیگ کے یہاں تجربات کے علامتی اور استعاراتی اظہار میں جو سچائی اور پختگی کے ساتھ بے پناہ حسن دکھائی دیتا ہے وہی ان کا امتیازی وصف ہے۔

میں مٹی ہوں، میں تنکا ہوں، میں ذرہ ہوں، میں خوشبو ہوں
اُڑا دے اے ہوا مجھ کو، مری ہستی کہیں لے چل

پاکیزہ بیگ کا پہلا مجموعہ کلام ''آواز میں جادو، دوسرا ''چڑیو میری بات سنو' اور تیسرا'' میں دیواروں میں چنوائی گئی'' شائع ہو کر دنیائے ادب میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ چوتھا مجموعہ بھی زیر ترتیب ہے جو جلد ہی منصۂ شہود پر آ کر ادب میں اضافہ کرے گا۔ اس کے علاوہ انہوں نے چار کیسٹ بھی اپنی غزلوں کے اپنی آواز میں تیار کیے تین غزل کے اور ایک نعت کا جو کافی پسند کیے گئے۔ ٹیوی پر بھی ان

کے گانوں کی وڈیو بار ہا دیکھی ہیں جن میں وہ خود گاتی ہوئی جادو جگا رہی ہیں۔

اچھی غزل کو جب ایک خوبصورت آواز مل جاتی ہے تو وہ دوآتشہ ہو کر سننے والوں کو مسحور کر دیتی ہے۔ پاکیزہ بیگ کے اس ہنر کو ادبی لوگ بہت پسند کرتے ہیں جبکہ ان کی خاص خوبی کہ وہ کبھی اپنے آپ کا اشتہار نہیں بنیں میں نے انہیں بے حد منکسر المزاج پایا ہے۔ انہوں نہ کبھی کسی کو کہہ کر اپنے آپ پر نہ تو مضمون لکھوائے اور نہ ہی بن بلائے کسی مشاعرے پر گئیں بلکہ انہیں بڑے اصرار کے ساتھ لندن اور گرد و نواح کے مشاعروں پر دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ مزاج گھریلو خاتون ہیں جن پر بے شمار گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں جنہیں وہ ہمیشہ اولیت دیتی ہیں۔

اپنے وطن سے بے پناہ پیار، اپنی مٹی سے حقیقی عشق جوان کی شاعری میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے قاری اور سامع کو متاثر کرتا ہے۔ ان کے کلام میں ہجرت، پردیس کا دکھ اور اپنے دیس کی یادوں کا ذکر ملتا ہے۔

وطن سے دور گزاری ہیں کس طرح شامیں
یہ ہم سے پوچھو کہ رنجِ مسافری کیا ہے

میں نہایت مخلص بہن محترمہ پاکیزہ بیگ جو اسم بامسمّٰی ہیں، ان کی خوبصورت شاعری پر مبارک باد دیتا ہوں دلی دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ان کے قلم میں مزید برکت دے اور وہ اس دیارِ غیر میں اپنی خوبصورت شاعری اور سریلی آواز سے سخن کے پھول اگاتی رہیں اور ادب میں اپنے مجموعات سے خوبصورت اضافہ کرتی رہیں۔۔

✿

وہ شاعر ہے جو شمعوں کو بھی پروانہ بنا ڈالے
محبت خود کرے اوروں کو دیوانہ بنا ڈالے
ذرا سی بات میں دل کا لہو بھرنے لگے کوئی
قلم کو چوٹ لگ جائے ، وہ افسانہ بنا ڈالے
تمہاری آنکھ میں ڈوبا ہوا ہے زُہد اور تقویٰ
یہ مسجد کی طرف دیکھے تو میخانہ بنا ڈالے
دلوں کی بات ہے، ان کی اگر سرحد کہیں مل جائے
جو گولی بھی چلے ، چاہت کا پروانہ بنا ڈالے
چلو اک میز پر اب دل کے ٹکڑے جوڑنے بیٹھیں
یہ دردِ مشترک نفرت کو یارانہ بنا ڈالے
یہ قاتل پڑھ کے ہیں نکلے ہوئے کیسے سکولوں سے
ہر اک کہتا ہے اس بستی کو ویرانہ بنا ڈالے
ہماری نعش کو کھینچے پھرو غالب کی گلیوں میں
محبت مقتلوں کو کوئے جانانہ بنا ڈالے
فقط چیزیں نہیں ہوتیں، دھڑکتے دل بھی ہوتے ہیں
یہی اخلاص اک کٹیا کو شاہانہ بنا ڈالے
کوئی ایثار ایسا ہو جسے دنیا کہے وہ وا
کوئی میداں میں آکر ایک پیمانہ بنا ڈالے
چھتوں میں دب کے مرنے سے تو بہتر ہے کہ پاکیزہ
عمارت خود گرا کر کوئی کاشانہ بنا ڈالے

✿

بہت دریا بھی میرے تھے فقط صحرا نہ تھا میرا
مجھے محصور کر ڈالا وگرنہ کیا نہ تھا میرا
مِری تو آئینوں نے حقیقت کھول کر رکھ دی
جب اپنی شکل دیکھی تو کوئی چہرہ نہ تھا میرا
مجھے لگتا ہے میری کاوشوں پر پھر گیا پانی
کہ موجودہ ترقی میں کوئی حصہ نہ تھا میرا
میں اُس بستی میں آنکلی جہاں سب غیر چہرے تھے
سبھی انساں پرائے تھے کوئی اپنا نہ تھا میرا
گئے گزرے زمانوں کی ہزاروں داستانیں تھیں
مگر اب تک سالوں پر کوئی قصّہ نہ تھا میرا

❁

آنکھوں نے کہا رک جا، ہونٹوں نے کہا رک جا
روٹھی ہوئی گڑیا تجھے لوگوں نے کہا رک جا
جب پاؤں میں پڑتی ہوئی زنجیر کو توڑا
کچھ دور تک آئے ہوئے اپنوں نے کہا رک جا
آنکھوں پہ ہی پردہ تھا کہ میں دیکھ نہ پائی
ورنہ مجھے روتی ہوئی گلیوں نے کہا رک جا
کچھ بند کواڑوں سے اُبھر آئی تھی چیخیں
کچھ ٹوٹ کے بکھری ہوئی آہوں نے کہا رک جا
خوشبو جو چلی چھوڑ کے رنگوں کا جزیرہ
کلیوں کی طرح مہکتی بانہوں نے کہا رک جا
صحرا میں نکل آئی بگولوں کے میں ہمراہ
آندھی کی طرح دوڑتے ہرنوں نے کہا رک جا
اک آبلہ پائی کا نشہ تھا کہ جنوں تھا
دامن کو مرے کھینچتے زخموں نے کہا رک جا
تو گرد کی مانند نہ اُڑ جائے ہوا میں
ایسے نہ بکھر، ریت کے ٹیلوں نے کہا رک جا

❁

ہم نے اک عمر گزاری تھی تری راہوں میں
بیٹھ رہتے تھے کبھی ہم بھی گزر گاہوں میں
قہقہے ٹوٹ گئے کانچ کے برتن کی طرح
دفعتاً حادثے دو چار ہوئے راہوں میں
اب تو اس کھوکھلے پن پہ بھی ہنسی آتی ہے
کوئی تاثیر بھی باقی نہ رہی آہوں میں
اب نہ آرائشِ گیسو نہ سنورنے کا خیال
ہم بھی ہوتے تھے کبھی اپنے ہی خواہوں میں
لوٹ کر آ پھر سے کسی مہکی ہوئی رُت کی طرح
ایک ویران سا موسم ہے مری باہوں میں
ہم کو دیوار میں چُنوا کے چلے پاکیزہؔ
پیار کا حوصلہ پیدا نہ ہوا شاہوں میں

❁

اس ہجر میں تپتے ہوئے صحرا کی طرح ہوں
آ جاؤ کہ سوکھے ہوئے دریا کی طرح ہوں

لہروں سے اُلجھتی ہوئی کشتی نہ اُلٹ جائے
پانی کے بہاؤ پہ تمنا کی طرح ہوں

پتوں کا لبادہ ہے تو تنکوں کا سہارا
میں شاخ پہ بیٹھی ہوئی چڑیا کی طرح ہوں

بھیگی ہوئی پلکیں ہیں تو پھیلا ہوا کاجل
اس شام تو برسی ہوئی برکھا کی طرح ہوں

یوں چھوڑ گئے کھیل کے معصوم زمانے
میں آج بھی ٹوٹی ہوئی گڑیا کی طرح ہوں

کچھ عکس ہیں، کچھ روپ ہیں، کچھ لمس ہیں مجھ میں
گاؤں سے گزرتی ہوئی ندیا کی طرح ہوں

پاکیزگی ، شوق ہے ولیوں کا اثاثہ
صد شکر کہ میں آج بھی آباء کی طرح ہوں

❁

چلتے چلتے رستے میں اک نامعلوم نگر آیا
ایک امید دکھائی دی پریوں کا غول اتر آیا

ساتھ ہی کوئی البیلے شہزادوں کی اک ٹولی تھی
مل کر پھر باغوں میں گھومے پہلے پہلے ڈر آیا

پھول کھلے اور کلیاں مہکیں ، کوئل کوکو کوک اُٹھی
پھر اس سندر بن کا جوبن اپنے جوبن پر آیا

محلوں میں اک دھوم مچی تھی چاروں جانب رونق تھی
سب کہتے تھے من کا راجہ لوٹ کے اپنے گھر آیا

یوں تو اپنے ہاتھ اٹھا کر سب نے دعائیں مانگی تھیں
اس کی عید ہوئی پاکیزہ جس کو چاند نظر آیا

جاوید اختر چوہدری

Mr.Javed Akhtar Choudry,

2,Birchtrees Croft South Yardley

Birmingham B26 1FE

Mob:07438004627 Tel:01214483709

Email:jachoudhry@yahoo.co.uk

جاوید اختر چوہدری اپریل 1972 میں برطانیہ آئے اور ایک طویل مدت بطور الیکٹرانکس ٹیسٹ انجینئر کے خدمات انجام دیں، آجکل ریٹایئرڈ زندگی گزارر ہے ہیں۔ پاکستان ضلع جہلم کے مشہور شہر سوہاوہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1965 سے لکھتے آرہے ہیں مگر باقاعدہ لکھنا 1989 میں شروع کیا اور اب تک سات تصنیفات منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ان کی اہلیہ محترمہ سلطانہ مہر صاحبہ عالمی قلمکار ہیں۔ بہت کم ادباء وشعرا کو اپنا ہم ذوق ساتھی ملتا ہے۔ جاوید صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کا گھریلو ماحول ادبی ہے۔ جاوید اختر چوہدری صاحب کا ایک شعری مجموعہ ''حصارِ ذات اور'' اک فرصت گناہ، حرفِ دعا، ٹھوکا، شیرازہ'' افسانوں کے مجموعے، ''سوہاوہ میری بستی کے لوگ'' اور'' ہم صورت گر کچھ خوابوں کے'' (سلطانہ فن وشخصیت) یعنی نثر کی چھ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جاوید اختر ایک خوبصورت افسانہ نگار ہیں اور نثر ہی ان کی پسندیدہ صنف ہے۔

برمنگھم اک زمانے میں ادب وسخن کا بڑا مرکز ہوتا تھا اور اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے جن میں پاکستان و انڈیا کے ممتاز شعرا و شاعرات مدعو کئے جاتے مگر یہ تمام رونقیں انور مغل صاحب کی وفات کے بعد ماند پڑ گئیں۔ پھر کچھ کوشش محترمہ سلطانہ مہر اور جاوید بھائی نے بھی کی کتابوں کی رسم اجرا اور باہر کے شعراء کی مہمان نوازی کی مگر افسوس کہ ہمارے لوگ ایک دوسرے کی ٹانگیں تو کھینچنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے اتفاق اور تعاون نہیں کرتے۔ اب کبھی سال میں ایک آدھ مشاعرے یا ادبی محفل کی خبر اخبار میں پڑھنے

کو ملتی ہے ۔جبکہ لندن آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسے بیس سال پہلے ہوا کرتا تھا ۔آئے دن مشاعروں ،موسیقی کی محفلوں یا دیگر موضوعات پر سیمینار کی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں بلکہ دیکھنے اور سننے کے بھی مواقع میسر ہوتے ہیں ۔برمنگھم کی طرح باقی شہروں میں بھی مایوسی کی لہر نظر آتی ہے جن میں بریڈفورڈ ،مانچسٹر، نوٹنگھم وغیرہ تھے جہاں ادبی محفلوں کی رونق رہتی تھی ۔

جاوید اختر صاحب نے کئی کتابوں کے دیباچے بھی لکھے ان پر مضامین بھی اور خوبصورت افسانے بھی جن میں انہوں نے ہمیشہ معاشرے کے دکھتے پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

جاوید اختر چوہدری صاحب نے طویل کہانیاں بھی لکھیں اور مختصر بھی ۔ان کی کہانی کی بنت ایسی ہوتی ہے کہ قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے ۔وہ عام کہانی کاروں کی طرح نہ تو منظر کشی میں صفحات بھرتے ہیں اور نہ ہی قاری کو لیکچر دیتے ہیں ۔اچھا کہانی کار کہانی کے کرداروں سے سب کچھ کہلواتا ہے خود کچھ نہیں کہتا۔آج کے دور میں جب کہ الیکٹرانک میڈیا نے قاری کے ہاتھ سے کتاب چھین کر ریموٹ پکڑا دیا ہے ہمارے مصنفین کو چاہیے کہ مختصر سے مختصر لکھیں اور اختصار میں اپنی بات کہنے کے فن سے روشناس ہوں ۔اب پندرہ بیس صفحات کے افسانوں کا دور ختم ہو گیا ہے کیونکہ کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ انہیں پڑھے الا یہ کہ افسانے میں اتنی جان ہو کہ وہ قاری کی انگلی پکڑے رکھے اور اسے کہانی کی آخری حدود تک لے جائے ،اور بے شک اس ہنر سے جاوید اختر صاحب پوری طرح واقف ہیں ۔

ان کے افسانے برطانیہ کے ہی نہیں انڈو پاکستان کے ادبی رسائل کی زینت بھی بنتے ہیں اور قارئین سے داد وصول کرتے ہیں ۔

جاوید اختر چوہدری نے اپنے گاؤں کے بارے میں ایک ضخیم کتاب ''سوہاوہ میری بستی کے لوگ'' لکھ کر ثابت کیا کہ وہ پردیس میں اپنا گھر آباد کر کے بھی اپنے گاؤں کی کچی گلیاں نہیں بھولے ۔سوہاوہ جو جہلم سے راولپنڈی جاتے ہوئے برلب سڑک ایک چھوٹا سا شہر ہے جاوید صاحب نے اپنے اس شہر اور بچپن کی یادوں کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کی مالا میں پرو یا ہے کہ ان کے شہر والے اور بچپن کے دوست ان پر ناز کرتے ہیں ۔یہ لازماً ایک تاریخی کتاب ہے جو سوہاوہ کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ لکھی گئی

اور دوسرے قلمکاروں کو بھی دعوت دیتی ہے کہ اپنے اپنے علاقے کی تاریخ کو لکھیں اپنے گاؤں ،شہر کے بارے میں اپنی یادوں کو سمیٹ کر کتابی شکل میں محفوظ کریں کہ یہ تاریخی کتب ہماری آنے والی نسلوں کے لئے یادگار تاریخی دستاویزات کی شکل میں ہوں گی جو ہمارے زمانے کے حالات و واقعات کو زندہ رکھنے کے علاوہ نئی نسل کیلئے مشعل راہ بھی ثابت ہوں گی۔

جاوید اختر اپنی شاعری میں بھی ایک پیغام رکھتے ہیں جس طرح اپنے افسانوں میں وہ معاشرے میں سیاسی، مذہبی اور سماجی لٹیروں کے نقاب کو الٹ کر ان کا صحیح چہرہ دکھاتے ہیں۔

جاوید اختر صاحب دورِ حاضر کے وہ قلمکار ہیں جو اپنی شاعری اور نثر میں اپنا تخلیقی جواز اپنی فکری قوت سے اس طرح فراہم کرتے ہیں کہ نہ تو ان کا ماضی سے رشتہ منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی حال اور مستقبل سے ان کی تحریر پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ان کی ذات کی جڑیں انسانیت کے احساسات کی عمیق گہرائیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔انہیں اپنے وطن کی مٹی سے عشق کی حد تک پیار ہے جس کا ثبوت ان کے تحریر کردہ ہر لفظ کی خوشبو سے محسوس ہوتا ہے۔میری جنم بھومی سے صرف بائیس میل دور رہنے والے میرے بہت ہی عزیز مہربان دوست جناب جاوید اختر کے لئے دعا ہے کہ وہ اسی طرح لکھتے رہیں اور ہم انہیں پڑھتے رہیں۔

۞ ۞ ۞ ۞

وزٹینگ کارڈ

جاوید اختر چودھری۔ برمنگھم برطانیہ

اس کی نئی کتاب کی تقریب اجرا تھی۔اس سے پہلے اس کی تین کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔لیکن کسی بھی کتاب کی رسمِ اجرا نہیں ہوئی تھی۔حالانکہ اس کے احباب نے بہت اصرار بھی کیا تھا۔

وہ اپنی کتاب کی اشاعت پر بہت خوش تھا۔ایک ادبی سوسائٹی نے تقریب اجرا کا اہتمام کیا تھا۔شہر کے منتخب اور پڑھے لکھے لوگوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

وہ بروقت ہال میں پہنچ گیا تھا۔لوگوں کی آمد بھی شروع ہو چکی تھی۔اس نے ہال پر نظر دوڑائی۔تقریب کا ہال کشادہ اور خوب صورت تھا۔تھوڑی دیر میں ہال بھر گیا۔شرکائے محفل خوش وخرم دکھائی دے رہے تھے۔وہ مختلف ٹکریوں میں بے خوش گپیوں میں

مصروف تھے اور مشروبات پی رہے تھے۔ جوں جوں تقریب کا وقت قریب آ رہا تھا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے اسٹیج پر خطاب کرنے کے فن سے آگاہی نہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اسے مہمان خصوصی کی حیثیت سے بلایا گیا۔ اسٹیج خوب صورت بینر اور گلدستوں سے سجا ہوا تھا۔ ساؤنڈ سسٹم بھی بہت اچھا تھا۔ تقریب کے ریکارڈ کے لئے ویڈیو کیمرے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اسٹیج سکریٹری نے پروگرام کا آغاز کرتے ہوئے لوگوں سے درخواست کی کہ خاموش ہو جائیں تاکہ مقررین دلجمعی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

اس وقت تک وہ اپنی دھڑکنوں پر قابو پا چکا تھا۔ اس کا ماضی اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنی ''مٹی'' کو یاد رکھا تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ جو لوگ اپنی 'مٹی' سے پیار کرتے ہیں تو 'مٹی' بھی اسے عزت دیتی ہے۔ ان لمحوں اسے اپنی اماں کا خیال آیا جو اسے اپنی ساری اولاد سے زیادہ چاہتی اور ہر وقت دعا گو رہتی۔ اسے اپنے مرحوم والد بھی یاد آئے۔ اس کے جی میں ایک دم ان کے زندہ رہنے کی تمنا نے انگڑائی لی۔ کاش وہ زندہ ہوتے اور اس خوب صورت اور باوقار تقریب کو دیکھتے تو خوشی سے نہال ہو جاتے اور اپنے ملنے والوں کے سامنے فخر سے سر بلند کر کے اپنے بیٹے کی کامیابی
کا ذکر کرتے۔ اس کی نظروں کے سامنے اپنے گاؤں کی کچی گلیاں اور گلیوں میں چلنے پھرنے والوں کی صورتیں بھی اجاگر ہو گئیں۔

پھر اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھی اپنی ''نصف بہتر'' کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا تو اسے لگا جیسے وہ ''نصف بہتر'' نہیں بلکہ ''مکمل بہتر'' ہے۔

جذبات کی شدت سے اس کی آنکھوں کے کونے نم ہو گئے۔

اس نے بڑے انکسار سے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

اس نے سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین مجلس پر نظر دوڑائی۔ ان میں جوان اور درمیانی عمر کے جوڑے اور کچھ ''چھڑے'' بھی نظر آئے۔ آسودگی اور بشاشت ان کے چہروں سے نمایاں تھی۔ مقررین نے اس کی کتاب پر خوب صورت اور جاندار تبصرے کئے تھے۔ وہ اہم نکات لکھ رہا تھا اور گاہے گاہے سامعین کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

ایک بار پھر اس کا بچپن اسے یاد آیا' تو بیساختہ عرفان مرتضٰی کا ایک شعر اسے یاد آ گیا۔ اس نے زیر لب شعر گنگنایا۔

؎ پلٹ کر دیکھتا ہوں تو مجھے حیرت سی ہوتی ہے ۔ کہ میں تو اپنے یاروں سے بہت آگے نکل آیا

اس نے مسرت بھری مستی سے دوبارہ شعر گنگنایا اور ایک بار پھر اپنی شریکِ حیات کو تحسین بھری نظروں سے دیکھا جنہوں نے اس محفل کے انعقاد میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

تقریب کا پہلا دور ختم ہوا۔ وقفہ میں کھانا اور کتابوں کی فروخت کا پروگرام تھا۔

وہ کتابوں پر دستخط کرتا جا رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں بھی بنوائیں۔ اور یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

اس وقفے میں ایک حسین وجمیل خاتون نے اس کی کتاب خرید کر اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ دستخط کے ساتھ اپنی پسند کے ایک دو شعر بھی لکھ دیں۔اس نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

وہ بہت دلربا اور نفیس خاتون تھی۔اس نے کتاب پر دستخط کئے اور کہا کہ وہ تقریب ختم ہونے کے بعد کوئی شعر بھی لکھ دے گا' کیونکہ اس کے بہت سوچنے پر بھی ایسا کوئی شعر یاد نہ آیا جو اس خاتون کے شایانِ شان ہو۔

تقریب کے دوسرے مرحلے میں مشاعرہ تھا۔مشاعرہ شروع ہوا۔اس دن اسے اچھے شعر سننے کو ملے۔وہ حاضرین کو دیکھ رہا تھا۔وہ خاتون ایک ایسے مرد کے ساتھ بیٹھی تھی جو عام شکل وصورت کا مالک تھا اور جس کے متعلق اسے بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس شریکِ حیات تھا۔وہ سوچنے لگا کہ اتنی خوش شکل اور مکمل عورت اس معمولی صورت کے مرد کے ساتھ کیسے خوش وخرم ہوگی!

تقریب ختم ہوئی۔لوگ رخصت ہونے سے پیشتر آپس رسمی جملوں کے تبادلے کر رہے تھے۔اس نے نوٹ کیا کہ بہت سارے لوگ اس خاتون سے بات کرنے کو موقع ڈھونڈ رہے تھے۔جوں ہی وہ کسی سے ہمکلام ہوتی اس کا مرد بے چارگی سے ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔وہ عورت پیاری بھری نظروں سے اپنے شریکِ حیات کو دیکھتی اور اپنی طرف کھینچ لیتی جیسے وہ اس کا حفاظتی حصار ہو۔

وہ ایک بار پھر صاحبِ کتاب کے پاس آئی اور شعر لکھنے کی فرمائش کی۔

اس نے دھیرے سے کہا۔

میرے پاس اپنا قابلِ ذکر شعر نہیں البتہ اگلے وقتوں کے دو شاعروں نے آپ کے لئے شعر لکھے ہیں سو وہی نذر کر رہا ہوں۔

اس نے اپنا وزٹنگ کارڈ نکالا کہ دعوتِ سخن کے لئے اس سے بہتر ہتھیار اور کوئی نہ تھا اور اس کی پشت پر دو شعر لکھ دیئے۔

ے رنگ' خوشبو' صبا' چاند' تارے' کرن' پھول' شبنم' شفق' آبجو' چاندنی
اس کی رنگیں جوانی کی تکمیل میں حسنِ فطرت کی ہر چیز کام آ گئی (شمیم کرہانی)

ے جو بھی آوے ہے ترے پاس ہی بیٹھا جاوے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں (میر حسن)

کارڈ پر لکھے اشعار پڑھتے ہوئے اس خاتون کے چہرے پر تمتماہٹ کے آثار نمودار ہوئے۔تاہم اس نے مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کچھ رکھائی سے صرف اتنا کہا۔

''وزٹنگ کارڈ کا استعمال آپ نے خوب کیا ہے۔آپ بھی موقع سے فائدہ اٹھانے والوں سے مختلف نہیں نکلے''۔

مزید کچھ کہے بغیر وہ اپنے شریکِ حیات کے پاس پہنچی۔اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پلٹ کر ایک نظر مجھ پر ڈالی۔

اس لمحے اس کی آنکھوں میں تحفظ اور طمانیت کا گہرا سمندر ہلکورے لے رہا تھا۔

✺

سارے ہنگاموں کو اب تو ختم ہونا چاہیے
اختلافِ رائے کو گھر میں سمونا چاہیے
کٹ رہی ہیں ڈالیاں اس دیس کے اشجار کی
اس ضیاعِ بے بہا پہ سب کو رونا چاہیے
ہو گئے ہیں بدگماں اپنے پرائے جو بھی ہیں
بہہ رہا ہے خون جو اب بند ہونا چاہیے
گرگِ ظالم سے عزیزو بچ کے رہنا ہر قدم
خوابِ غفلت میں کسی کو اب نہ سونا چاہیے
کس نے پھیلائی ہیں لوگوں میں تفرقہ بازیاں
پھر سے روشن روشنی کا شہر ہونا چاہیے
کس کا بچہ رو رہا ہے اس گلی کے موڑ پر
اب تو اس بچے کے ہاتھوں میں کھلونا چاہیے
ظلم دامن میں لئے آئے ہیں جو بھی نا خدا
ایسے لوگوں کے سفینوں کو ڈبونا چاہیے
درہم و برہم ہوئے ہیں زندگی کے تار و پود
رنجشوں کے داغ کو جاویدؔ دھونا چاہیے

✺

انجامِ زندگی پہ ہماری نظر نہ تھی
تھی دلفریب زیست مگر اس قدر نہ تھی
سوزِ غمِ حیات سے ہم بجھ کے رہ گئے
کیا شور اپنی ذات میں تھا کچھ خبر نہ تھی
یہ عقلِ نامراد لئے در بہ در پھری
اظہارِ مدعا میں مگر باہنر نہ تھی
دستِ خزاں نے دل کی کلی کو مسل دیا
شاید مرے نصیب میں بادِ سحر نہ تھی
احباب کا خلوص تھا فہمیدگی بھی تھی
دشمن کی بددعا بھی کچھ بے اثر نہ تھی
دشمن نے میرے ملک کو دو لخت کر دیا
اور رہبرانِ قوم کو گویا خبر نہ تھی

جتندر بلّو

Mr. Jatindar Billo,

6,Corfton Lodge, Crofton Road Ealing,

London NW5 2HU

Tel: 02089980185 Mob 0778 7842541

اصل نام جتندر دیولا نبہ ہے جبکہ ادبی نام جتندر بلّو کے نام سے جانے جاتے ہیں۔بلّو ان کے بچپن کا نام ہے جو انہیں بہت پسند ہے، پشاور میں پیدا ہوئے زندگی میں دو ہجرتوں سے گزرے انڈیا میں دہلی یونیورسٹی سے بی اے کیا ممبئی میں فلمی دنیا سے بھی منسلک رہے اور پھر 1976 میں لندن آکر بس گئے۔ یہاں وہ کیٹرنگ کے کاروبار سے وابستہ رہے جبکہ آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ نثر میں بہت بڑا نام رکھتے ہیں اور ہمیشہ نثر ہی لکھی۔ان کے تین ناول اور چھ افسانوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں جبکہ ''آخری پڑاؤ'' زیر طبع ہے۔ان کا پہلا ناول ''پرائی دھرتی اپنے لوگ'' ۱۹۷۷ء جو یو پی اردو اکیڈیمی کا انعام یافتہ ہے دوسرا ناول ''مہانگر'' ۱۹۹۰ء بھی یو پی اردو اکیڈیمی کا انعام یافتہ ہے تیسرا ناول ''وشواش گھات'' جو ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔افسانوں کے مجموعے ''پہچان کی نوک(۱۹۸۶ء)، جزیرہ(۱۹۹۴ء) نئے دیس میں(۱۹۹۸ء) انجانا کھیل (۲۰۰۱ء) چکر(۲۰۰۷ء) اور درد کی حد سے پرے'' (۲۰۰۹ء) دنیائے ادب میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔

جتندر بلو کی کہانیاں اکثر دیارِ غیر میں بس جانے والے لوگوں کے مسائل کی نشاندہی کرتی ہیں ان کی تمام کہانیاں سچے واقعات کی بنیاد پر لکھی جاتی ہیں وہ خود دو ہجرتوں کے عذاب سے گزرے ہیں لہٰذا ان کے افسانوں میں ہجرت، دیس کی یاد بے وطنی کا درد نمایاں ہوتا ہے۔وہ اپنی کہانیوں کے کرداروں کو اپنے اوپر مسلط کر کے ان کا درد سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں اسی لئے ان کے افسانے کہانیاں پڑھ کر قاری یہی سمجھتا ہے کہ وہ اسی کی کہانی ہے یا اس کے کسی جاننے والے کی اور یہی خوبی ہے جس نے جتندر کو صفِ اول کے

کہانی کاروں میں لاکھڑا کیا۔وہ خودنہیں بولتے نہ کبھی ان سے اپنے بارے میں کہتے کچھ سنا ہے سنجیدہ مزاج ،نہایت مخلص کھرے اور سچے انسان ہیں جن کے دل میں انسانیت کا پیار اور درد موجود ہے انسان کی بنائی ہوئی سرحدوں کو نہیں مانتے بلکہ اپنے اندر محبت وخلوص کی بنیاد پر دوستی نبھاتے ہیں۔لندن میں رہ کر بھی وہ اپنی مشرقی اقدار،رسم ورواج،اخلاقیات،مذہب اوراپنا رہن سہن ساتھ رکھتے ہیں گنگا جمنی تہذیب ان پر حاوی ہے۔ان سے ملاقات ممتاز شاعرافسانہ نگار گلشن کھنہ کے ہاں ہی ہوتی ہے۔وہ کم بولتے ہیں زیادہ سنتے ہیں جب بولتے ہیں تو بڑے ناپے تلے اندزامیں بولتے ہیں۔ان کی کہانیاں طویل مگر دلچسپ ہوتی ہیں۔وہ کہانی کولکھنےاور سنانے کے فن سے بخوبی واقف ہیں لہذاان کی کوئی کہانی قاری کو بورنہیں کرتی۔وہ خود کے بارے میں فرماتے ہیں۔

’’جب میری پہلی کہانی ’’جعلی نوٹ‘‘ ماہنامہ شمع دہلی میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی تو ان دنوں ہندوستان پاکستان میں جنگ ہورہی تھی۔لیکن میرے ہاں بھی خودآ گہی سے وابستہ چند سوالات نے جنگ چھیڑ ڈالی کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ اور کیوں ہوں؟ تب سے میں ادب کے ذریعے خودکو دریافت کرنے کے عمل سے گزر رہا ہوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ راہ بڑی کٹھن ہے،اذیت دہ ہےاور کرب ناک بھی۔لیکن جب سفر پر نکل پڑے تو پھر مڑ کر دیکھنا کیا؟۔۔‘‘

اوراس میں کوئی شک نہیں کہ جب سے جتندر بلو نے قلم پکڑاانہوں نے مڑ کر نہیں دیکھا اور اپنے اس ادبی سفر کو بڑی محنت،محبت جانفشانی اورخلوص کے ساتھ طے کیا اورابھی تک محوِ سفر ہیں۔

ان کے نزدیک معیاری ادب کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ داخلی سچائیاں لئے ہوئے ہواور زندگی کے ان پہلوؤں سے روشناس کرائے جوغیر مرئی ہوں اور جن تک شعور کی رسائی مشکل سے ہوتی ہو۔فنی اعتبار سے اسے پڑھتے ہوئے ذہن میں اسی طرح دائرے پھیلنا شروع ہوں جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر پھینکنے پر ابھرا کرتے ہیں اور متن کی تہداریوں سے مفہوم کے ساتھ نئے افق بھی ابھریں۔لیکن ایک ادیب کے لئے اسی وقت ممکن ہے جب اس کا خارجی مشاہدہ،داخلی تجربہ،تخلیقی صلاحتیں اوراپنی ذات یکجا ہوکر ایک اکائی کی صورت اختیار کریں۔جتندر بلو کی ایک کہانی ملاحظہ ہواور دیکھیں کہ وہ اپنے قاری کو کس طرح ساتھ لئے چلتے ہیں۔۔۔

❁ ❁

آخری پڑاؤ

جتندر بلّو

ڈھلتی عمر میں رام مورتی کے ساتھ نیند کا رشتہ ٹوٹ رہا تھا۔ اُسے نیند بھی چار گھنٹوں کی ملا کرتی اور کبھی مشکل سے پانچ۔ یہ اُس کے ساتھ روز کا قصہ تھا۔ معاً اُس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ ہر سو اندھیرا تھا اور گہرا سناٹا۔ شدید سردی کے کارن اندھیرا اپنے گاڑھے پن کا احساس دلا رہا تھا۔ جانے وہ رات کا کون سا پہر تھا' کہنا مشکل ہے۔ گو کہ برقی لیمپ سرہانے دھرا تھا۔ اُسے جلا کر میز پر رکھی گھڑی سے وقت دیکھا جا سکتا تھا۔ مگر لیمپ جلانے کو اُس کا من ہی نہ مانا۔ البتہ اُس کے باطن میں دُکھ جھیلتے ہوئے مریض نے اتنا ضرور کہا کہ کیا دن اور کیا رات؟ دونوں یکساں اُس کی نظر میں اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ وہ گھنٹوں بستر پر پڑا کوئی کتاب یا اخبار اُٹھا کر پڑھتا رہتا یا پھر خالی خالی نظروں سے چھت کو تکتا سوچا کرتا کہ عمر کے آخری پڑاؤ میں انسانی زندگی میں بیماریاں کیوں دبے پاؤں چلی آتی ہیں؟ اور وہ تا دم آخر مریض کے ساتھ ہی کیوں رہا کرتی ہیں؟ مگر کوئی معقول جواب نہ پا کر اُس کی سوچ سوالیہ نشان بن کر رہ جاتی۔

وہ جن دنوں برسرِ روزگار تھا اور لندن ٹرانسپورٹ میں ملازم تھا۔ فشار خون (B.P.) نے اُسے آن گھیرا تھا۔ پھر خوش خوراک اور قدرے مے نوش ہونے کے کارن ذیابیطس (Diabetes) نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ ابھی چند برس بھی نہ بیتے تھے کہ نقرس (Gout) نے اُسے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ پاؤں سوج کر سرخ ہو جاتے اور درد دھیرے دھیرے بڑھنے لگتا۔ انجام کار گھٹنیاں (Osteo Artheritis) نے اُس کے بدن میں اتر کر اپنا گھر بنا لیا تھا۔ انھوں نے مل کر اُس کے شریر سے ماس بھی چرانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اکیلے میں سوچا کرتا کہ اتنی ساری بیماریاں آدمی کو کیوں کر گھیر لیتی ہیں؟ اُن سے رہائی پانے کا کوئی وسیلہ بھی ضرور رہا ہوگا؟ پھر کہیں اُڑتا ہوا ایک خیال اُسے خود میں دبوچ لیتا کہ سوئیز رلینڈ کے شہر زیورک میں یوتھانیزیا (Euthansia) کا ایک ادارہ ڈگنی ٹس (Digntas) کے نام سے قانونی طور پر قائم ہے۔ جہاں مریض کو رکن بن جانے پر' ڈاکٹر کی تفصیلی میڈیکل رپورٹ اور کاغذی کارروائی مکمل ہونے پر اُسے ایک انجکشن دن رات کے کربناک امراض سے نجات دلا دیتا ہے اور وہ شخص مسکراتا ہوا اپنے مالک حقیقی سے جا ملتا ہے۔ پھر یہ خیال بھی اُسے تقویت دیا کرتا کہ وہ موت کتنی حسین ہوگی؟ محض ایک انجکشن اور معاملہ ختم اور مریض مکمل آزاد۔۔۔۔ ورنہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور دوسروں کو تکلیف پہنچا کر ہی دم توڑتا ہے۔

بارہا وہ اپنے گھر کے لاؤنج میں بیٹھا سوچا کرتا کہ اُس نے بچپن، جوانی اور ادھیڑ عمر میں کسی بھی شخص کو دھوکہ نہیں دیا' کوئی دکھ نہیں پہنچایا' کسی کی حق تلفی نہیں کی' کسی کا پیسہ نہیں مارا' بے ایمانی نہیں کی؟ پھر اتنی ساری بیماریوں نے اُسے کیوں کر گھیر رکھا ہے؟ کیا یہ پچھلے جنم کے کرم ہیں یا سنسکار؟ ممکن ہے وہ اُن کا پالن ٹھیک طرح سے نہ کر پایا ہو' جن کی سزا اُسے

اس جنم میں مل رہی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کی باڈی کیمسٹری بدل چکی ہے۔ قوت مدافعت بھی قریب قریب جواب دے چکی ہے۔ حالانکہ اُس کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے کہ وہ نیم مردہ بنا دن رات سانس لیتا پھرے۔ دو برس پہلے وہ ستر کا ہوا تھا۔ اُسے اکثر خیال آتا کہ اُس سے بڑی عمر کے بے شمار لوگ پارکوں میں، ہائی اسٹریٹ میں اور شاپنگ مال میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو چھڑی کا سہارا بھی نہیں لیتے۔ ہشاش بشاش چلتے پھرتے ہیں۔ مگر اُسے قدم بڑھانے میں دو دو چھڑیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔۔۔۔ اچانک کہیں سے وہ سرد شام اُڑ کر اُس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی، جب اُسے اگلے روز اپنی عمر عزیز کے ساٹھویں برس کو چھونا تھا۔ وہ دفتر سے لوٹا تھا۔ تھکا ماندہ۔ دن بھر کمپیوٹر پر اپنا سر کھپا کر دماغ کا گودا خشک کر چکا تھا۔ مگر گھر میں پاؤں رکھتے ہی اُس کی ذہنی کیفیت بدل کر رہ گئی تھی۔ گھر میں موجود ہر شے سے اُسے اُنسیت تھی اور اپناپن بھی تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اُس نے چرمی بیگ صوفے پر پھینکا۔ کوٹ اتار کر بستر پر پھیلایا۔ اتنے میں اس کی بہو دیویانی کندھے پر اپنا دوسرا شیر خوار بچہ رکھے داخل ہوئی۔ پہلے تو اُس نے اپنے سسر کو آنے والی سالگرہ کی بدھائی دی، پھر بولی:

''پاپا! کل آپ ساٹھے پاٹھے ہو جائیں گے۔''

وہ دیر تک ہنستے رہے پھر رام مورتی نے بلّو کو پیار سے دیکھا اور اپنے ماضی میں جھانک کر کہا: ''اکتیس برس ہو گئے ہیں اس دیس میں آئے ہوئے۔۔۔۔ تیرا گھر والا میرے کندھے پر تھا، جب ہم انڈیا سے لندن آئے تھے۔۔۔۔ مگر جب سے تو اس گھر میں آئی ہے۔ تو نے اور سریش نے مل کر میری ہر سالگرہ دھوم دھام سے منائی ہے، اُس سمے میرا سر آکاش کو چھو جاتا ہے۔''

دیویانی خوش ہو گئی تھی۔ مگر اُس کو بسورتا بچہ اوں ہاں، کرتا دودھ کا طلب گار تھا۔ اس نے رونا بھی شروع کر دیا تھا۔ دیویانی اسے اپنے سسر کے حوالے کر کے اُس کے واسطے دودھ اور سسر کے لئے چائے بنانے کچن میں چل دی تھی۔ گول مول بلّو کو دادا کے ہاتھ زیادہ پسند نہیں آئے تھے۔ اس نے اونچے سروں میں رونا شروع کر دیا تھا۔ دادا نے اُسے چپ کراتے ہوئے اپنے مکان پر ایک اُچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ ایک پل بلّو کو دیکھا۔ پھر سوچا کہ اُسے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے میں ابھی پانچ سال کا وقفہ ہے۔ کیوں نا اس مکان کو فروخت کر کے نیا بڑا مکان خریدا جائے؟ جہاں اُس کے پوتے پوتی کو کھیلنے کودنے اور باغیچے میں دوڑنے کی مکمل آزادی ہو۔ منع کرنے پر بھی وہ کوئی کیاری روند ڈالیں، کوئی پھول توڑ ڈالیں۔ مگر وہ بذات خود ذرا بھی نہ برا مانے، بلکہ خوش ہو کر بلے بلے کرتا بلّو اور اس کی بہن دالی کو منہ چوم لے۔ ایسا سوچتے سوچتے اس نے بلّو کا منہ چوم لیا۔ مگر اُس کا رونا کسی بھی طور کم نہ ہوا۔

ادھر رام مورتی نے بڑے چاؤ سے نیا مکان خریدا، اُدھر ایک کے بعد دوسرا مرض موڑ پر کھڑا اُس کے انتظار میں تھا۔ چند ہی برسوں میں اُنھوں نے اُسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ جانتا تھا کہ انسان کے بدن کی مشین ایک بار بگڑ جائے تو وہ

بگڑتی ہی چلی جاتی ہے۔ مگر وہ بھی سخت جان تھا۔ کھتری پتر تھا۔ ڈٹ کر مقابلہ کرنا اُس کا دھرم بھی تھا اور تو وہ بھی۔ مگر شیر تو بوڑھا ہوا جا رہا تھا۔ ذیابیطس اُسے دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی۔ عمارت ڈے رہی تھی۔ صبح شام کے انجکشن اپنا رنگ دکھا کر عمارت کو گرنے سے ضرور بچا رہے تھے۔ مگر آرتھرائیٹس کے حملوں نے رہی سہی کسر پوری کر ڈالی تھی۔ درد بے پناہ ہوا کرتا۔ مگر اُس کی مضبوط قوت ارادی نے اُسے سنبھال رکھا تھا۔ مگر کب تلک؟ وہ اندر سے ٹوٹ رہا تھا، بکھر رہا تھا۔ گھر سے باہر قدم رکھنا اُس کے واسطے دشوار ہو رہا تھا۔ چار دیواری ہی اُس کی کل کائنات بنتی جا رہی تھی۔ یہ المیہ اُس کی آنکھوں کو غمناک کر دیا کرتا۔

ایک نصف شب کو اُس کے پاؤں کے بڑھتے ہوئے درد نے اُس کی نیند اُچاٹ کر رکھی تھی۔ نقرس کا حملہ تھا۔ سوجن کے ساتھ درد بھی اتنا زیادہ تھا کہ خود پہ جبر کرتے ہوئے بھی ''اے ماں۔۔۔ اے بھگوان۔۔۔۔ اے رام جی'' کو یاد کرتا ہوا، دیر تک اُس کا الاپ جاری رہا۔ کربناک آواز کا اتار چڑھاؤ بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ کچھ دیر میں اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ بتی جلی۔ بیٹے کی آواز سنائی دی:

''پاپا۔ درد بہت ہے؟ Pain Killer دے دوں؟''

''نہیں سریش۔۔۔ گولی کچھ دیر اپنا اثر ضرور کرتی ہے۔۔۔۔ پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔۔۔۔ گاؤٹ، ذائی بیٹیز، بلڈ پریشر اور آرتھرائیٹس نے میرے شریر میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔۔۔۔ اب اُن سے نجات ممکن نہیں۔۔۔۔ صبح آرتھرائیٹس نے بھی تنگ کیا تھا۔۔۔۔ اب انگلیاں اکڑ جاتی ہیں اور ہاتھ مڑنے لگتے ہیں۔''

''شام میں آپ نے بتایا کیوں نہیں؟''۔

''کیا بتاتا۔۔۔۔ تم تھکے ٹوٹے دفتر سے آتے ہو۔۔۔۔ بتا کر تم کو پریشان ہی کرتا۔''

''میں کل ہی ہارلے اسٹریٹ کے کسی چوٹی کے آسٹیوپیتھ سے وقت لیتا ہوں۔''

''نہیں بیٹے نہیں۔۔۔ تو تو پگلا ہے۔۔۔۔ تیرے دادا کو بھی یہی مرض تھا۔۔۔ وہ تو چلنے پھرنے سے بھی رہ گئے تھے۔ مجھے کو اُن سے کچھ تو ملنا ہی تھا۔۔۔۔ جینز (Genes) چھ سات نسلوں تک اپنا رنگ دکھایا کرتی ہیں۔۔۔ اب گا کیا؟ یہ مرض تو اب بڑھتا ہی رہے گا۔۔۔ تو میرا ایک کام کر۔ مجھ کو زیورک لے چل۔۔۔۔ یہ میری آخری اچھا ہے ۔۔۔۔ اب اور دکھ درد برداشت نہیں ہوتا۔''

سریش خاموش رہا۔

''چپ مت رہ۔۔۔۔ کچھ تو بول۔۔۔۔ زیورک جاؤں گا تو سب کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔''

''پاپا۔ یہ اتنا آسان نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔۔۔۔ قانون مجھ کو اپنی پکڑ میں لے سکتا ہے۔۔۔۔ مجھے چودہ برس تک کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں کا قانون اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص مریض کو بیرون ملک لے جائے اور خود

کشی کرنے میں اُس کی مدد کرے۔''

''ہاں ہاں --جان ---تا ہوں -----پھر کبھی بات کریں گے ---جا -- تو سو جا ----صبح تجھ کو کام پر بھی جانا ہے۔''

مگر سریش بت بنا دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ وہ باپ کو کراہتا دیکھ کر سخت پریشان تھا۔ اندر ہی اندر روئے بھی جا رہا تھا۔ اس نے زبردستی باپ کو نیند آور گولی کھلائی۔ پانی پلایا۔ بستر پر لٹا کر بتی گل کی۔ لیکن کمرہ چھوڑنے سے پہلے گولیوں کی شیشی جیب میں ڈال لی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر لینڈنگ سے ہوتا ہوا اپنے کمرے کو چل دیا۔ مگر باپ کا کراہنا اُس کے کانوں سے الگ نہ ہو پایا۔ اس کی آنکھیں باپ کی محبت اور احترام میں گیلی ہو گئی تھیں۔

ویک اینڈ کا آغاز تھا۔ گھر کے سبھی افراد دیر سے بیدا ہوا کرتے تھے۔ مکان کی پہلی منزل پر تین کمرے تھے۔ دو کمرے بچوں کے پاس تھے۔ ڈالی چودہ برس کی ہو چکی تھی اور بلو بارہ کا۔ تیسرا بڑا کمرہ بہو بیٹے کے پاس تھا۔ نیچے لاؤنج کے ساتھ ڈرائنگ روم کے برابر باتھ ٹائیلٹ سے جڑا ہوا کمرہ رام مورتی کھنہ کا تھا۔ اپنا نام لے کر اور خود کو یاد کر کے اس کا چہرہ فخر سے کھل اٹھا تھا۔ اُس کی پیدائش بٹوارے سے پہلے انگریزوں کے زمانے کی تھی۔ اُن دنوں جیمنی سرکس میں ایک نہایت طاقت ور شخص رام مورتی کے نام سے ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے بدن کے گرد موٹے موٹے رسے باندھ کر بھاری ٹرک اور موٹریں کھینچا کرتا تھا۔ انگریزوں نے اسے انعام اور سند سے بھی نوازا تھا۔ ذہن کو جھٹک کر اس نے اپنے بارے میں سوچا کہ اس کی ماں بتاتی تھی کہ جب وہ پیدا ہوا تھا تو اس کا وزن دس پاؤنڈ آٹھ اونس تھا۔ اس گول مول بچے کے بارے میں اُس کے والد ماجد کا خیال تھا کہ اُس کا بیٹا بڑا ہو کر یقیناً رام مورتی پہلوان کی طرح طاقت ور بنے گا۔ مگر اب اُسے اپنے بے جان اور ہڈیالے بدن پر نظر ڈال کر ہر بات جھوٹی لگا کرتی اور والد ماجد کا خیال بھی محض ایک بھیانک مذاق۔

کھانے کی میز پر پورا کنبہ بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ دنوں بعد صاف آسمان دکھنے میں آیا تھا۔ باہر لان پر میٹھی دھوپ بھی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے من نے چاہا کہ وہ دھوپ میں بیٹھ کر ناشتہ کرے۔ مگر موسم گلابی جاڑے کا تھا اور ہوا بھی قدرے سرد تھی۔ لہٰذا اس کی خواہش دل میں ہی رہ گئی تھی۔ اس کا پوتا اور پوتی اس کے سامنے بیٹھے ناشتے کر رہے تھے۔ وہ عموماً ویک اینڈ پر ہی اُن کو آنکھ بھر کر دیکھا کرتا تھا اور اُس کے چہرے پر رونق آ جایا کرتی تھی۔ وہ اپنے پوتے پوتی کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔ ورنہ بچے اس کے کمرے کے آگے سے چپکے سے گزر کر اپنے اپنے کمرے کی طرف بڑھ جایا کرتے تھے۔ ایک بار اُن کے باپ نے انھیں ڈانٹ بھی پلائی تھی وہ وہ گھر میں اسکول سے آتے جاتے گرینڈ پا سے بات کیوں نہیں کرتے؟ ان کا حال احوال کیوں نہیں پوچھتے؟ لیکن ڈالی نے اپنی صفائی میں جو جواب اپنے ڈیڈ کو دیا تھا' اُس نے رام مورتی کی سوچ کے زاویے ہی بدل ڈالے تھے۔ اس سمے وہ اپنے کمرے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔

''ڈیڈ۔۔۔۔میں چھوٹی تھی تو گرینڈ پا کتنے ہینڈسم تھے' کتنے اسمارٹ تھے۔ میں کبھی نہیں بھولتی۔ مگر اب اُن کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔۔۔۔بلو تو ان کا فرینکن اسٹائن بھی کہتا ہے۔''

''شٹ اپ ۔ یو اسٹوپڈ ۔۔۔۔ وہ تمہارے گرینڈ پا ہیں اُن کا نام عزت سے لیا کرو۔''

ڈالی کا چہرہ اتر گیا تھا۔لیکن رام مورتی نے اس کی بات کا برا نہیں مانا تھا۔ بچے تو حساس ہوتے ہی ہیں۔ بھیانک روپ کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔اپنوں سے بھی دور دور رہتے ہیں۔اسے خیال آیا کہ جب تک بیماریوں نے اسے گھیرا نہیں تھا' ڈالی اور بلو اکثر اس کے کمرے میں اودھم مچایا کرتے تھے۔اسکول کا ہوم ورک بھی وہاں بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ پارک میں اس کے ساتھ گھومنے بھی جایا کرتے تھے۔وہاں آئس کریم بھی کھایا کرتے تھے۔مگر اب وہ دھیرے دھیرے بے گانے ہو جا رہے تھے۔بیماریوں نے اس کا فطری حسن اور چہرے کی تازگی کیا چھینی' گہری لکیروں نے اس کے چہرے پر مستقل ڈیرا ڈال لیا تھا۔آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی پھیل گئے تھے۔رخساروں کی ہڈیاں ابھرتے ہی گال اندر کو دھنس گئے تھے۔ہونٹوں کے دونوں طرف اور ٹھوڑی کے نیچے ابھرے ہوئے ماس سے اس کی شکل اتنی بگڑ گئی تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر محسوس کرتا تھا کہ ایک بوڑھا بدصورت شخص اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ چراغ سحر بجھا جاتا ہے۔آئینے میں وہ اپنا بدلا ہوا چہرہ دیکھ کر خود بھی بعض دفعہ ڈر جایا کرتا تھا۔بار ہا اُسے خیال آتا کہ کیا وہ وہی شخص ہے جسے یونیورسٹی کے دنوں میں اور شادی کے بعد بھی جوان لڑکیاں پلٹ پلٹ کر دیکھا کرتی تھیں۔ مگر وہ خود مست اور جوانی کے نشے میں سرشار انہیں نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔کہیں اُن کی بددعا تو اسے لگ کر نہیں رہ گئی؟

''پاپا ۔ اپ کچھ کھا نہیں رہے؟'' ۔بیٹے کی آواز نے اس کی سوچ کا تسلسل توڑ ڈالا تھا۔وہ ماضی سے نکل کر حال میں آ گیا تھا۔ اس نے افسوس سے کہا۔

''کیا کھاؤں بیٹے۔۔۔۔کھانے پینے کے مزے تو اب جاتے رہے۔۔۔۔تیری ماں جیوت تھی تو اس کے ہاتھوں کا پکا ہوا ہر پکوان میں چٹ کر جایا کرتا تھا۔۔۔۔ویسے بہو بھی پکوان مزے کے بناتی ہے۔۔۔۔پر اب کھانے کو من ساتھ نہیں دیتا۔۔۔۔گولیاں کھا کھا کر سب اندر سے مرتا جا رہا ہے۔بھوک کم لگتی ہے۔''

بیٹا سنجیدہ تھا۔باپ کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر وہ مدت سے فکر مند تھا۔لیکن باپ کی محبت میں وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا کہ اس کی اپنی فیملی کو کوئی نقصان پہنچے۔اُسے اپنے بیوی بچے بہت عزیز تھے۔دیویانی نے اصرار کیا:

''پاپا !آپ کچھ کھائیں گے نہیں تو اور کمزور پڑ جائیں گے۔'' رام مورتی نے با دل نخواستہ ڈبل روٹی کا ایک سلائس اٹھا کر آملیٹ کا ٹکڑا اس پر رکھا اور آہستہ آہستہ اُسے چبانے لگا۔مگر وہ چبانے کے عمل کے دوران بھی بیٹے کو برابر دیکھے جا رہا تھا۔آخر بولا۔

''سرجو بیٹے۔'' سریش اپنے بچپن کا گھریلو نام سن کر چونک اٹھا تھا۔سالوں بعد اس کے باپ نے اسے اس نام سے پکارا تھا۔اس نے نہایت چاؤ سے اپنے باپ کو دیکھا۔محبت احترام سے اُس کا چہرہ بھر گیا تھا۔اس نے خود کو اپنے بچپن میں دوڑتا ہوا پایا' جب اُس کے ماتا پتا اسے سرجو سرجو پکارتے تھکا نہیں کرتے تھے۔وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا اور آنکھوں کا تارا بھی۔

''جب کبھی میں نے تجھ کو زیورک لے جانے کو کہا' تو خاموش رہا یا ٹال کر ادھر ادھر کی بات شروع کر دی۔۔۔۔ جانتا ہوں تو باپ کو مرتا نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی اس کی موت چاہتا ہے۔'' پھر وہ گہری سوچ میں ڈوبا بیٹے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ جب اُسے مکمل یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا اس کی موت کے سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا' تو اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور گردن سینے کی طرف ڈھلک گئی۔ میاں بیوی گھبرا گئے۔ سریش نے چھوٹتے ہی کہا: ''پاپا۔۔ پاپا۔ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''۔ رام مورتی نے آنکھیں کھول ڈالیں اور بیٹے کو سنجیدگی سے دیکھ کر کہا۔

''میں جانتا ہوں یہ کام تیرے واسطے بہت مشکل ہے۔۔۔۔ مجھ کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔''

''لیکن پاپا ۔'' دیویانی نے فوراً مداخلت کی۔ ''جیون تو بھگوان دیتا ہے۔ وہی واپس بھی لیتا ہے۔۔۔۔ ہم اپنی مرضی سے اپنا جیون ختم کرنے والے کون ہوتے ہیں؟''۔

''تم ٹھیک کہتی ہو بہو ۔۔۔۔ میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔۔۔ پر کیا کروں۔ جس تن لاگے' وہ تن جانے۔۔ کون جانے پیڑ (درد) پرائی۔''

بچے اُن کی گفتگو سے خوش نہ تھے۔ حد درجہ بور ہو چکے تھے۔ اٹھ کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئے۔ وہاں ٹیلی ویژن جاری تھا۔ دیویانی نے بات آگے بڑھائی۔

''ہم آپ کے دکھ درد کو خوب سمجھتے ہیں۔۔۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ آپ کا دکھ درد بانٹ نہیں سکتے۔''

''مگر چھٹکارا تو دلا سکتے ہو؟''

میاں بیوی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ان کی گردن اپنی اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ مگر سریش اپنی پلیٹ کو آگے کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور سنجیدگی سے ''ایکسکیوزمی'' کہہ کر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔ دیویانی اپنے شوہر کو جاتا دیکھ کر از حد پریشان تھی۔ مگر اس نے اپنا نقطہ نظر برقرار رکھا۔ ''آپ پریوار میں سب سے بڑے ہیں۔ اگر آپ چلے گئے تو گھر کی ساری ذمہ داریاں' سارا بوجھ آپ کے بیٹے پر آ جائے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے میرے پلیٹیں اتنی تیزی سے سمیٹنا شروع کر دیں کہ رام مورتی حیران رہ گیا۔ دیویانی بولی۔

''اب تو میں بھی جاب (Job) نہیں کرتی۔ نہیں تو سریش کا ہاتھ بٹاتی اور ہمیں کوئی تکلیف نہ رہتی۔''

وہ ناراض تھی۔ چہرہ بھی غصے سے بھر گیا تھا۔ لیکن رام مورتی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ دیویانی کو اس کے مرنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ زندگی تو اس کی ہے دیویانی کی نہیں؟ وہ خود اپنی مرضی سے مرنا چاہتا ہے۔ گھر کا ہر فرد اس کے بڑھاپے اور بیماریوں سے پریشان ہے۔ اس کے چلے جانے میں ہی سب کی بہتری پوشیدہ ہے۔ وہ اس تناظر میں سوچ ہی رہا تھا کہ بہو کا موقف اور اس کے ادا کردہ جملے اس کے کانوں میں گونج کر خود کو دہرانے لگے۔ ان میں پوشیدہ کئی معنی اس کی سمجھ میں آنے لگے۔ مکان کی ماہانہ قسط (مورگیج) وہ ادا کر رہا تھا۔ لندن ٹرانسپورٹ کی پنشن اور سرکاری پنشن ہر ماہ پابندی سے اس کے بینک میں جمع ہو رہی تھیں۔ گھر کے

کئی چھوٹے موٹے بل بھی وہ چکا دیا کرتا تھا۔ ڈالی کی پبلک اسکول کی فیس بھی وہ ادا کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے چلے جانے سے گھر کے اخراجات کا توازن واقعی بگڑ کر رہ جائے گا۔ سریش مالی پریشانیوں کا شکار ہو جائے گا۔ یہی سوچتے سوچتے اسے اپنا بھی خیال آیا کہ اس کا مسلسل دکھ، جان لیوا کرب، بے خواب راتیں، ان سب کا کیا ہوگا؟ وہ کس کھاتے میں درج ہوں گے؟ جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے ایک لمبا سانس بھر کر باہر چھوڑا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ نہ تو وہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے اور نہ ہی جی سکتا ہے۔ آخر وہ کیا کرے؟ کس سے فریاد کرے؟ کہاں جائے؟

رام مورتی کا ڈاکٹر (جی پی) ذات کا اسکاٹ تھا۔ تجربہ کار، روشن دماغ اور ہنر میں یکتا۔ علاقے میں اس کی ساکھ ایک ہمدرد انسان دوست کی تھی۔ وہ رام مورتی کی پوری داستان سن کر اور اس کی Assited Suicide کی خواہش جان کر اپنی انگشت شہادت دانتوں میں داب بیٹھا۔ اور اسے ششدر دیکھنے لگا۔ گویا وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔ سنبھلا تو بولا: ''کمال ہے تم پہلے مریض ہو، جو اپنی موت خود مرنا چاہتا ہے۔ ورنہ میرے پاس وہ مریض بھی آتے ہیں جو مرنے کے قریب ترین ہوتے ہیں، مگر وہ دیر عمر تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔۔۔ واقعی وہ زندگی سے محبت کرتے ہیں۔''

''لیکن ڈاکٹر۔۔۔ مجھ میں زندہ رہنے کی تڑپ ختم ہو چکی ہے۔۔۔ میں دن رات دکھ درد کو سہتے سہتے تھک چکا ہوں۔۔۔ زندگی میرے واسطے اب مسلسل عذاب سے کم نہیں۔۔۔ جتنی جلدی چلا جاؤں، اتنا اچھا ہے۔۔۔ اب میں صحت یاب ہونے سے تو رہا۔''

ڈاکٹر اُسے گہری نظروں سے دیکھتا گہری سوچ میں گم تھا۔ آزاد ہوا تو بولا:

''مسٹر کھنہ۔۔۔ میں پیشہ ور ڈاکٹر ہوں۔۔۔ میرا کام مریضوں کا علاج کرنا ہے۔۔۔ ان کے ہر مرض کو دور کرنا ہے۔۔۔ ان کو موت کے منہ میں دھکیلنا نہیں؟''۔

''مانتا ہوں اور اس بات کو سمجھتا بھی ہوں۔۔۔ لیکن ڈاکٹر تم ذرا یوں سوچو۔۔۔ ایک شخص، جس کا بدن دن رات درد سے دکھتا رہتا ہو۔۔۔ اس کے پیروں کی سوجن ہر دوسرے تیسرے روز بڑھ جاتی ہو۔۔۔ اس کے ہاتھ اکثر مڑ جاتے ہو۔ اس کا بی پی (B.P) چھلانگیں لگا کر اس کے ذہنی تناؤ اور سر درد میں اضافہ کرتا ہو۔۔۔ اس کا شوگر لیول بھی بڑھ جاتا ہو اور کبھی کم ہونے پر وہ شخص سیمی کوما (Semi Coma) میں چلا جاتا ہو۔۔۔ پھر اس کی نیند بھی بمشکل چار پانچ گھنٹوں تک کی رہ گئی ہو۔ اس کے زندہ رہنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے تمام دکھوں سے رہا ہو کر اپنے حقیقی لارڈ سے جا ملے اور کسی کو کوئی ملال نہ ہو۔''

ڈاکٹر مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں اس کا نفسیاتی مشاہدہ بھی شامل تھا۔ جانتا تھا کہ رام مورتی کسی دوسرے شخص کی آڑ میں اپنی بیماریوں کے ساتھ اپنی سمانی اور ذہنی کیفیات بھی بیان کر رہا ہے۔ سنجیدگی سے بولا:

''تم واقعی دکھی لگتے ہو۔۔۔ اولڈ ایج میں ہر کسی کو چھوٹی بڑی پرابلمز ضرور آیا کرتی ہیں۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔ مگر کوئی بھی آدمی موت نہیں چاہتا۔۔۔ مگر تم تو خود ہی مرنے کی ٹھان بیٹھے ہو۔''

''ہاں ڈاکٹر۔۔۔ میں اپنی مرضی سے مرنا چاہتا ہوں۔۔۔ یہ زندگی اب میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔۔۔ میرے مرنے میں

ہی میری مکتی ہے۔ اور عذاب سے نجات بھی۔"

"مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے۔۔۔۔۔ دن رات کا دکھ درد آدمی کو پریشان رکھتا ہے۔۔۔۔ لیکن میں تمہاری خودکشی کے سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ البتہ تمہارا علاج جاری رہے گا۔۔۔ اور ہاں۔۔۔۔" پھر اس نے لہجہ بدل کر آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا: "میری کوشش رہے گی کہ جب میں تمہاری میڈیکل رپورٹ تیار کروں تو وہ اس قابل ہو کہ اُسے پڑھنے والا تمہاری ہر بیماری کا گہرا اثر لے۔"

ہیتھرو ایئرپورٹ کے ٹرمینل نمبر دو سے زیورک جانے والے جہاز کی اڑان چالیس منٹ بعد تھی۔ رام مورتی وہیل چیئر پر بیٹھا گود میں سفری بیگ کے ساتھ ایک فائل رکھے اپنی دو چھڑیاں بھی سنبھالے ہوئے تھا۔ قریب ہی سریش اپنا اترا ہوا چہرہ لیے کھڑا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ لیکن جانتے تھے کہ وہ پل ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا اسد اان کو ایک دوسرے سے الگ کر دے گا۔ یقیناً وہ پل دونوں کی قسمت میں پہلے سے لکھ دیا گیا تھا اور آج وہ خود کو سچ ثابت کرنے والا تھا۔ رام مورتی دکھوں سے مکت ہو گا اور سریش باپ کے سائے سے محروم۔ آخر وہ پل آ ہی گیا، جب اعلان ہوا کہ زیورک جانے والے مسافر گیٹ نمبر سات سے جہاز کی طرف بڑھیں۔ رام مورتی کے بدن میں زلزلہ سے آ گیا۔ بدن کا سارا لہو دل میں آتے ہی اس نے نظریں سریش کی طرف اٹھ گئیں۔ پھر وہ کرسی کا ہتھا پکڑ کر بمشکل اٹھا اور بے تحاشا اپنے بیٹے سے لپٹ گیا۔ سریش کی گرفت بھی اتنی مضبوط تھی کہ رام مورتی کا دم گھٹنے لگا۔ وہ اپنا سانس چھوڑتے پکڑتے بولا۔ "بیٹے ذرا آہستہ۔"

ویل چیئر چلانے والا سیاہ فام شخص اس وجہ سے حیران تھا کہ باپ بیٹا گہری محبت میں گرفتار ایک دوسرے سے مدغم ہوا جا رہے تھے۔

"سر جو! میرے بیٹے۔۔۔۔ میں اپنا کل اثاثہ تمہارے نام چھوڑے جا رہا ہوں۔۔۔۔ بیٹی ڈالی پبلک اسکول میں ہی تعلیم پائے گی۔ ایک بات اور۔۔۔ کل صبح گیارہ بج کر دو منٹ پر میں اس جہاں میں نہیں رہوں گا۔ تم دوپہر میں پہلا جہاز پکڑ کر زیورک چلے آنا۔"

سریش حیران رہ گیا کہ ان باتوں کا ذکر گھر سے ایئرپورٹ چلتے وقت اس کے باپ نے بالکل نہ کیا تھا۔ وہ کار میں بالکل خاموش بیٹھے ایئرپورٹ تک خاموش ہی رہے تھے۔

"میری ڈیڈ باڈی DeadBody لندن لا کر میرا انتم سنسکار اپنی برادری میں شاندار طریقے سے کرنا اور سب کو کھانا بھی کسی مندر میں کھلا دینا۔۔۔۔ ڈالی اور بلو سے کہنا کہ گرینڈ پا ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ فیونرل میں ایک دو منٹ میرے بارے میں ضرور بولیں۔ میری آتما کو شانتی ملے گی۔"

وہ خود کو سنبھالتا واپس وہیل چیئر پر بیٹھا ہی تھا کہ اس میں فوراً حرکت پیدا ہوئی۔ کرسی لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتی رہی۔ لیکن رام مورتی پلٹ پلٹ کر فضا میں دایاں ہاتھ لہراتا مسکرا کر سریش کو دیکھتا رہا۔ اس کا عمل تب تک جاری رہا جب تک کہ وہ مسافروں کی بھیڑ میں کھو نہیں گیا۔ سریش دیر تک بت بنا رہا۔ اس کی دنیا زیر و زبر ہو گئی تھی۔

❁❁❁

چمن لال چمن (آنجہانی)

Mr. Chaman Lal Chaman,

42, Lanbury Drive, Hayes, Middx

UB4 8SB Mob: 07788588060

Tel: 02085618829

E.mail: clchaman@live.co.uk

چمن لال چمن جون 1974 میں برطانیہ آئے۔ وہ انڈیا ضلع جالندھر سے تعلق رکھتے ہیں مگر اپنی عمر کا ایک اہم حصہ نیروبی میں بھی گزارا ہے چمن لال جہاں بھی گئے وہاں ہی انہوں نے اپنی محبتوں کے چمن کھلائے۔ ہنستے مسکراتے جس محفل میں جاتے ہیں وہاں اپنی مذاحیہ حس سے اداس چہروں پر مسکراہٹ کے پھول کھلا دیتے ہیں۔ ان کے دیرینہ دوست گل بھوشن صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں ان کا مکمل تعارف کرایا وہ لکھتے ہیں کہ،

''چمن لال چمن تین زبانوں میں شعر کہتے ہیں، نصف صدی سے زائد عرصہ سے ریڈیو، ٹی وی پروگراموں میں سرگرم رہے ہیں، وائس آف کینیا سے لے کر بی بی سی ریڈیو اور ٹی وی لندن براڈ کاسٹنگ کمپنی، گیت مالا، سن رائز ریڈیو، اور اب پنجاب ریڈیو لندن سے باقاعدہ اپنے پروگرامز براڈ کاسٹ کرتے ہیں۔ لگ بھگ بیس سال تک لندن میں آرٹس آفیسر رہ چکے ہیں، چمن لال چمن کے لکھے ہوئے گیت، جگجیت سنگھ، آشا بھونسلے، کمار سانو، کوتا سیتھ، دیدار سنگھ پردیسی اور دیگر بے شمار پنجابی بھنگڑا گروپوں نے گائے ہیں۔

ان کا ایک گانا جو جگجیت سنگھ نے فلم ''پرائڈ اینڈ پریجوڈس'' میں گایا ''ساون دا مہینہ'' بہت مشہور ہوا۔''

کسی زمانے میں جب میرے بچے چھوٹے ہوا کرتے تھے تو میں بھی ان کی برتھ ڈے پر ریڈیو سے چمن لال چمن جی کو ان کے لئے گانے کی فرمائش کرتا تھا جو آج تک میری ایک کیسٹ میں محفوظ ہے۔ وہ مشاعروں میں بھی آ کر شعرا کا کلام ریکارڈ کر کے ریڈیو سے نشر کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ خود

بہت اچھے شاعر ہیں ،پنجابی مادری زبان ہے اردو پنجابی دونوں میں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔مشاعروں کی نظامت بھی بڑے خوبصورت اور شگفتہ انداز میں اپنے خاص انداز میں کرتے ہیں کہ پوری محفل کھل اٹھتی ہے۔13 برس کی عمر میں پہلی نظم گورونانک دیو کے جنم دن پر سنائی تھی جس سے ان کی خوب حوصلہ افزائی ہوئی۔پنجابی شاعری میں ان کے دو مجموعے ''گُتھلی اور سب رنگ'' شائع ہوئے ہندی میں ''دو ناٹک'' اور اردو میں پہلا شعری مجموعہ اسی سال ''پھول کھلے چمن چمن'' کے نام سے آیا جو برطانیہ کے ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے گیتوں کے لگ بھگ تیں ریکارڈ مشہور گلوکاروں نے گا کر موسیقی کی دنیا میں دھوم مچائی۔انہوں نے اپنی طویل انتھک محنت سے دنیائے ادب اور آواز کی دنیا میں بے شمار اعزازات حاصل کئے۔جن میں ''ایشین اچیومنٹ ایوارڈ اِن میڈیا اینڈ کلچر 2009، ساحر اکیڈیمی کی جانب سے ادیب ایوارڈ، مووی انٹرنیشنل ایوارڈ اور اردو ٹرسٹ انڈیا کی طرف سے کالی داس گپتا ایوارڈ حاصل کئے۔

کام کو عبادت کا درجہ دیتے ہوئے آج ریٹائیرڈ ہو کر بھی پارٹ ٹائم میں براڈ کاسٹنگ کرتے ہیں۔ چمن جی کا موسیقی کے ساتھ گہرا تعلق ہے لہٰذا ان کی اکثر غزلیں نہایت مترنم ہیں۔انہیں پڑھ کر بے اختیار گنگنانے کو جی چاہتا ہے۔

آسان زبان، اشعار میں پھولوں کی مہک ہو تو کیوں نہ ایسی شاعری کو جادوگری کا نام دیا جائے۔

زباں آسان و باتیں سرل و مہک پھولوں کی شعروں میں
غزل میں چمن کی جادوگری محسوس ہوتی ہے

چمن جی نے ہمیشہ انسانیت کی بات کی ہے ان کی شاعری میں جگہ جگہ محبتوں کا ذکر، ہر غزل میں انسان سے پیار، آپس میں مل جل کر رہنے کا سبق، ایک دوسرے کے احترام کی باتیں، ایک دوسرے کے مذہب کا تقدس اور احترام کی نصیحت اور دہشت گردی و مذہبی تعصب کی تردید کی گئی ہے۔

اگر خدا کے اتنے نام نہ ہوتے اس کے نام پہ اتنے قتلِ عام نہ ہوتے

پھر کہتے ہیں:

رام نام کے اور نہ اگنی بان چلاؤ نہ تم مسجد توڑو نہ ہی مندر ڈھاؤ

پیار کا سبق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیار کرتے ہیں پیار کرتے ہیں، بس یہی کاروبار کرتے ہیں۔اور کیا شعر ہے!

اچھے لوگوں کی یہ نشانی ہے ساری دنیا سے پیار کرتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا چمن لال چمن ایک اچھا انسان ہے جو اپنے اشعار میں اچھائی کا سبق دیتا ہے۔انہوں نے اپنے اس مجموعے میں گل و رخسار یا گیسوؤں کی باتیں نہیں کیں اور نہ جھوٹے عشق کا رونا رویا اور نہ ہی روائتی شعرا کی مانند محبوب کے ہجر و فراق میں آنسو بہائے اور گیت گائے۔ان کے گیتوں میں بھی ایک پیغام ہے اچھائی کا محبت اور اتفاق و پیار کا،

پریم پیار کا پاٹھ پڑھاؤ ان بچوں کو ورنہ یہ بوڑھوں کا سیکھا رٹ جائیں گے

کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر یہ سبق انہوں نے نہ پڑھا تو پھر۔۔

دھرتی کی تقسیم تو ہم نے کر ہی لی ہے آسمان بھی دھیرے دھیرے بٹ جائیں گے

چمن لال چمن کی شاعری کے اس اجمالی مطالعہ سے واضع ہو جاتا ہے کہ چمن ایک حقیقت شناس شاعر ہیں وہ زندگی کی معنویت اور اپنے عہد کے تقاضوں کو سمجھنے والے ایک دیدہ ور فنکار ہیں ان کی شاعری قارئین کا دامن تھامنے کا ہنر جانتی ہے اور وہ حقیقت کے اظہار کے لئے ماضی کے واقعات سے بھی بھرپور قوت حاصل کرتی ہے اور تلخیوں کو اپنا کر اپنا مدعا بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔

اللہ کرے زور قلم ہو اور زیادہ۔۔۔۔

❀ ❀ ❀ ❀

❁

سانس کی دوڑی بال برابر ہوتی ہے
دھڑکن کی لے تال برابر ہوتی ہے
تیری یادیں جیون کا سرمایا ہیں
ان کی سب سنبھال برابر ہوتی ہے
ماں کا سایا ہوتا ہے جب تک سر پہ
ماں کی ممتا ڈھال برابر ہوتی ہے
جب مُرلی کی کنٹھ لگاتی ہے رادھا
مُرلی دھر گوپال برابر ہوتی ہے
یار سے بچھڑے رہنے کی اِک آدھ گھڑی
جانے کتنے سال برابر ہوتی ہے
جیسا بیجو گے ویسا پھل پاؤ گے
کرموں کی پڑتال برابر ہوتی ہے
آسمان پر چاند ستاروں کی شوبھا
پوجا کے اِک تھال برابر ہوتی ہے
جن پیڑوں پر پنچھی چہک رہے ہوں گے
جھوم رہی ہر ڈال برابر ہوتی ہے
بیوی اور محبوبہ میں ہے فرق یہی
گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے

❁

بسر اب زندگانی ہو گئی ہے
خدا کی مہربانی ہو گئی ہے
سبھی آنکھوں کا پانی مر گیا ہے
کہ غیرت پانی پانی ہو گئی ہے
مجھے اب نیند کم آنے لگی ہے
میری بیٹی سیانی ہو گئی ہے
گھٹائیں ہیں تری زلفوں کے سائے
فضا کچھ آسمانی ہو گئی ہے
جسے کہتی تھی دنیا ابلا ناری
وہی دُرگا بھوانی ہو گئی ہے
میں شاہیں بن کے اُڑنا چاہتا ہوں
طبیعت آسمانی ہو گئی ہے
چمنؔ نے دل سے جو بھی بات کہہ دی
وہی اب پریم بانی ہو گئی ہے

❁

اگر خدا کے اتنے سارے نام نہ ہوتے
اُس کے نام پہ اتنے قتلِ عام نہ ہوتے

کاش کہ ہر اِک مسلم سچا مسلم ہوتا
جتنے مسلم اتنے ہی اسلام نہ ہوتے

دھرتی پر نہ بیواؤں کے آنسو بہتے
گر جنت میں حوروں کے انعام نہ ہوتے

تشنہ لب ہی اُٹھ جاتے میخانے سے ہم
ساقی تیری آنکھوں کے جو جام نہ ہوتے

میراؔ کے اک تارے میں جو درد نہ ہوتا
اس کے من میں آن براجے شام نہ ہوتے

کاش ہمارے سینے میں بھی دل نہ ہوتا
دنیا بھر میں ہم ناحق بدنام نہ ہوتے

کاش چمن کا مالی یوں نہ غفلت کرتا
ہنستے گاتے پنچھی زیرِ دام نہ ہوتے

❁

جیون کی یہ ڈور بندھی ہے سپنوں سے آشاؤں سے
اندھیاروں سے نور کھلے گا، دھوپ کھلے گی چھاؤں سے

سیسی نواؤ، تلک کرو اب ان راہوں کی مٹی سے
جن راہوں سے قاصد لایا پریت سندیسہ گاؤں سے

کیسی وہ منحوس گھڑی تھی ہم بٹوارا کر بیٹھے
بہنیں بچھڑیں بھائیوں سے کچھ بچے چھوٹے ماؤں سے

شاید یہ پروائیاں، ان کی زلفیں چوم کے آئی ہیں
ساون رُت میں مہک سلونی آئی آج ہواؤں سے

بھیگا بدن اور اس پر بھیگا بھیگا موسم اُف توبہ
موتی برسے زلفوں سے اور امرت مست گھٹاؤں سے

نئی جوانی اپنی راہیں اپنے آپ نکالے گی
دنیا والو! بچ کر رہنا چڑھتے ہوئے دریاؤں سے

دکھاوے کی سجاوٹ رہ گئی ہے
زمانے میں بناوٹ رہ گئی ہے
دلوں کے پھول سب مرجھا گئے ہیں
لبوں پر مسکراہٹ رہ گئی ہے
جسے کہتے ہیں میرے دل کی دھڑکن
ترے قدموں کی آہٹ رہ گئی ہے
وہ جھولے ، مہکتے آنچل ، وہ ساون
ہوا میں سرسراہٹ رہ گئی ہے
ترے مہتاب رُخ کا لمس پانے
بکھر کر زلف کی لٹ رہ گئی ہے
تیرے آکر چلے جانے کے غم میں
نگاہوں میں تراوٹ رہ گئی ہے
کوئی بھی چیز اب خالص نہیں ہے
ملاوٹ ہی ملاوٹ رہ گئی ہے
چمنؔ رخصت ہوئی کب کی جوانی
بڑھاپے کی تھکاوٹ رہ گئی ہے

جنگ

آؤاب ہم جنگ کریں
ایک دوجے کا خون بہا کر اس دھرتی کو رنگ کریں
ایک طرف غوریؔ چھوڑیں
ایک طرف اگنی داغیں
پھر ہم لنگڑی لولی نسلوں کے لیڈر بن کر راج کریں
ہاتھوں میں کشکول لئے ، در در بھٹکیں
آنے والی نسلوں کا سُکھ گروی رکھیں
پشتوں تک ہم قرض چکائیں
سسک سسک یوں مر جائیں!

حمیدہ معین رضوی

Mrs.Hamida Moeen Rizvi,

38,Gainsbrough Road,

New Malden, Surrey KT3 5NU

E.Mail : hamida1943@yahoo.co.uk

حمیدہ معین رضوی آگرہ میں پیدا ہوئیں تعلیم و تربیت سیالکوٹ میں ہوئی اور 1968 میں برطانیہ آئیں۔ انہیں بچپن سے ہی مطالعہ کا گہرا شوق تھا۔ والد کی حوصلہ افزائی سے ادبی مضامین لکھنا شروع کئے۔ ان کا پہلا افسانہ 1957 میں رسالہ علم و ادب میں چھپا جب وہ تیرہ برس کی تھیں اور آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں۔ پھر ان کا پہلا تنقیدی مضمون 1960 میں بعنوان 'اقبال اور اشتراکیت' کالج میگزین 'افق' میں شائع ہوا۔ 1960 سے ہی وہ پاکستان کے معروف ادبی جرائد "لیل و نہار، ادبِ لطیف، فنون، سیپ اور نقوش میں لکھ رہی ہیں اور کم عمری سے ہی انہیں 'صاحبِ طرز ادیب' کہا جانے لگا۔
نثر کے ساتھ حمیدہ معین رضوی نے شاعری بھی کی اور ان کا پہلا شعری مجموعہ "شیشہ نگر" ادبی حلقوں میں اپنی انفرادی فکر اور اسلامی فلسفے کی وجہ سے خصوصی توجہ کا مرکز بنی۔

نقاد کی حیثیت سے بھی انہوں نے بے شمار مضامین لکھے اور مشاعروں میں پڑھے ان کی تنقیدی اصول پر کتاب زیر تالیف ہے۔

انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بالترتیب اردو اور انگریزی میں ایم اے کیا، لندن یونیورسٹی سے ایجوکیشن میں پوسٹ گریجوٹ کی ڈگری لی اور درس و تدریس کے مقدس پیشے سے منسلک رہیں۔ آپ 'سیکستھ فورم' کالج میں ESOL اور اے لیول اردو پڑھاتی رہی ہیں۔ معروف ڈرامہ نویس کوثر علی کی معاونت سے 'گولڈ سمتھ' یونیورسٹی اور کیمرج یونیورسٹی کے اشتراک سے ایک پراجیکٹ پہ وزیٹنگ لیکچرار

کی حیثیت میں اردو تدریس کے لئے سلیبس تیار کیا ہے جو ابتدا سے لے کر اٹھارہ سال تک کے بچوں کی تدریس میں معاون ہوگا بلکہ ان دونوں یونیورسٹیوں کا خیال ہے کہ ان تمام علاقوں میں یہ سلیبس کام آئے گا جہاں جہاں انگریزی بولنے والے بچے اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً جنوبی افریقہ، کینیا، ماریشیس، امریکہ وغیرہ۔۔ان کے اپنے بچے اردو بولنی سمجھنی اور پڑھنی لکھنی جانتے ہیں۔

آپ 1990 سے ایک اسکول رضا کارانہ طور پر چلا رہی ہیں اور ہر سال کچھ بچے ان کے اس اسکول سے اردو میں جی سی ایس سی کرر ہے ہیں۔اردو کی ترقی وترویج کے لئے انہوں نے ہر قسم کی قربانی دی اور مزید تیار رہتی ہیں اور وہ بھی رضا کارانہ طور پر۔۔

برطانیہ کی پہلی خاتون شاعرہ ہیں جو ماشاء اللہ حافظِ قرآن ہیں اور ہمیشہ نہایت خوش لباسی میں مکمل حجاب اور چادر میں ملبوس ہوتی ہیں اور لندن کے علاوہ ہندو پاک، یورپ وامریکہ تک کے مشاعروں میں انہیں اعلیٰ مقام دیا جاتا ہے۔

جہاں ان کی شاعری میں حسن اخلاق، انسانیت کا درس اور مذہب کا رنگ نمایاں ہوتا ہے اسی طرح ان کے افسانوں میں بھی مذہبی رنگ اور ہلکا سا درس ضرور ہوتا ہے جو قاری کے لئے نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔ان کے افسانے کافی طویل اور مفصل ہوتے ہیں مگر ان کا بیانیہ اور طرز تحریر قاری کے ذہن پر قطعی بھاری نہیں محسوس ہوتا اور کہانی قاری کی انگلی تھامے اختتام کی سرحدوں تک لے جاتی ہے۔

انہوں نے اب تک جو تصانیف دنیائے ادب کو دان کی ہیں ان کی تفصیل یوں ہے۔

۱) فن کی دہلیز	افسانے	1972
۲) مردہ لمحوں کے زندہ صنم	افسانے	1984
۳) اجلی زمین میلا آسمان	افسانے	1988
۴) شیش نگر	شعری مجموعہ	1998
۵) بے سورج بستی	افسانے	2000
۶) داستاں درداستاں	ناولیٹ، افسانے	2010

ان کے علاوہ ان کی زیرِ طبع و زیرِ تالیف کتب ''تنقیدی نظریات''، ''عملی تنقید۔ اپنے ہم عصروں کے بارے میں تجزیات''، ''روسی ادب۔۔ ایک جائزہ'' اور شاعری کا دوسرا مجموعہ جو زیرِ تالیف ہے۔

حمیدہ معین رضوی صاحبہ کو 1965 کو ''جنرل'' اور 1966 کو افسانہ ''ایک پل'' پر بہترین افسانہ کا اعزاز ملا۔

آپ لندن کے اچھے مشاعروں میں جا کر اپنے خوبصورت کلام سے داد حاصل کرتی ہیں۔ اچھے شاعر کی شاعری بذاتِ خود اس کی تمہید و تعارف اور شاعری کے خد و خال کی طرزِ حیات پر مبنی ہونا چاہیے۔ شاعری ایک بوقلمونیت اور جاذبیت ہے اس میں تخیل کی ندرت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے شاعر اپنا پیغام ملک ملک پہنچاتا ہے ان کے لئے لطف و نشاط کا سامان فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی روحِ شاعری کو بقائے دوام بھی دیتا ہے اور یہ تمام خوبیاں محترمہ حمیدہ معین رضوی صاحبہ میں پائی جاتی ہیں۔

ان کی شاعری کے چند نمونے اگلے تین صفحات پر ملاحظہ فرمائیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حمیدہ معین کی شاعری گنجلک ترکیبوں اور غیر مروجہ بندشوں سے مبرا ہے۔ وہ جو موضوع باندھتی ہیں اس میں نیا پن پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں اور ان کی شاعری میں جا بجا اچھوتے موضوعات تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

❁

شوقِ منزل اس قدر تھا معاملہ چلتا رہا
یوں سفر جاری رہا اور قافلہ چلتا رہا
بزم گاہِ فکر و فن سے جلوہ گاہِ عشق تک
سازشوں کا اور حسد کا سلسلہ چلتا رہا
کچھ ہیں ٹوٹی آرزوئیں اور کچھ ناکامیاں
یہ وفاؤں کا صلہ تھا یہ صلہ چلتا رہا
چل رہے ہیں رازِ منزل کی خبر کوئی نہیں
فاصلہ جتنا تھا اتنا فاصلہ چلتا رہا
میں نے چاہا بھی نہ تھا پھر جانے کیسے ہو گیا
شہرِ دل میں کشمکش کا مرحلہ چلتا رہا
کم رہے مومن مگر حق کے لئے لڑتے رہے
اس لئے ہر عہد میں اک کربلا چلتا رہا
سنگلاخوں سے گذرنا اتنا تو آساں نہ تھا
کرب کا اور خواب کا تھا فیصلہ چلتا رہا
دل کے کھنڈر میں لہو کا جو دیا ہے جل رہا
حوصلے کی ہے علامت حوصلہ چلتا رہا
وقت کے دریا میں کشتی زیست کی بہتی رہی
عشق کا اور عقل کا وہ مسئلہ چلتا رہا

❁

جو ویرانی تھی دل میں ، وہی پرانی ابھی تک ہے
کھنڈر سے اس مکاں کی خستہ سامانی ابھی تک ہے
ہم اپنے قافلے سے لگتا ہے آگے نکل آئے
کہ ان کے گھر میں عہدِ ظلِ سبحانی ابھی تک ہے
لئے کشکول پھرتے ہیں، زمانے بھر میں وہ گرچہ
مگر ان کی وہ کر و فر سلطانی ابھی تک ہے
قبائیں تن پہ ، پیشانی پہ ، سجدو کے نشاں واضع
عمل میں نفسِ عمارہ کی شیطانی ابھی تک ہے
جہاں تک ہو سکے ندرت کو اپنانا ضروری ہے
یہ نکتہ ہے غزل کی جس سے تابانی ابھی تک ہے
ہر اک شے کی ہے قلت زندگی جس سے سنورتی ہے
فقط ایک حرص ہے جس کی فراوانی ابھی تک ہے
وہ زندہ دفن کیوں کر دی گئیں اس عہدِ روشن میں
کیوں ؟ عہدِ جاہلیت کی ستم رانی ابھی تک ہے
عجب عالم حمیدہ ہے ، سکوں ناپید ہے جیسے
ہے خوش حالی ، مگر ، اک دردِ روحانی ابھی تک ہے

❀

قصہ ، عشق مرا قصہ دوراں نکلا
جس کو بھی دیکھا یہاں ، سوختہ ساماں نکلا
چین کی نیند کہاں آتی ہے جن راتوں کو
شہر کا شہر لئے خنجرِ بُراں نکلا
پارسائی کا لبادہ تھا بدن پہ سب کے
سچ کے آئینے میں ہر شخص ہی عریاں نکلا
کاٹتے ہیں وہ رگِ جاں ، ہیں لہو میں غلطاں
پھر بھی اس قریہ میں کوئی نہ پشیماں نکلا
عزتیں مٹتی ہیں گھر جلتے ہیں اپنوں کے ہی
عدل کا خواہاں نہیں کوئی مسلماں نکلا
رنگِ الفاظ بھرے درد کی تصویروں میں
شوقِ تکمیل ، مگر خوابِ پریشاں نکلا
طاقِ نسیاں میں سلگتے ہی رہے چند چراغ
آخرش درد ہی ، خود درد کا درماں نکلا
رات کے دشت کے سناٹے میں جو روتا تھا
مرے پندار کا وہ سایہِ لرزاں نکلا

❀

خموش دیکھا کئے شہرِ دل کو جلتے ہوئے
عجیب طرح کے جذبات تھے مچلتے ہوئے
نہیں یہ سوچا کہ لوہے کا کاٹنا کیا ہے ؟
گزر گئے ہیں ہمیں ہی کارواں کچلتے ہوئے
بزرگوں نے تو سکھایا بچا لو ایمان کو
نہ سر بچانا کبھی فاسقوں میں ڈھلتے ہوئے
وفا پہ اس نے کیا شک تو ہم چلے آئے
پلٹ کے دریا نہیں آتا رُخ بدلتے ہوئے
وفا میں ایسے بھی کچھ اعلیٰ ظرف گزرے ہیں
تمام ہو گئے اس آنچ میں پگھلتے ہوئے
کوئی بھی اپنا نہیں ایسی ہی یہ بستی ہے
بہت سے سانپ بھی ہیں آستیں میں پلتے ہوئے
زمیں کو اپنی کیا ترک تو سکوں نہ ملا
گذاری عمر یوں جیسے سفر میں چلتے ہوئے

❁

ہستی میں زہر بو کے وہ لمحہ کہاں چلا گیا
یادوں کی راکھ رہ گئی شعلہِ جاں چلا گیا

قافلہ بہار کا ٹھہرا تھا تھوڑی دیر کو
ہاتھوں میں باگ رہ گئی رخشِ زماں چلا گیا

خواہشیں سو گئیں کہیں ہمتیں کھو گئیں کہیں
مٹی میں خواب مل گئے عزمِ جواں چلا گیا

ترکِ تعلقات کی اتنی سی داستان تھی
نظریں جھکا کے سن لیا ، اشکِ فشاں چلا گیا

دستک تھا دے رہا کوئی دل میں تھا رو رہا کوئی
خوابِ حسین سا کوئی ، مثلِ گماں چلا گیا

سارے چراغ بجھ گئے ، ہر شے دھواں دھواں ہوئی
محفل سے اٹھ کے جب وہ اک رشکِ جناں چلا گیا

کانٹوں میں زندگی کٹی اشکوں میں ہی بسر ہوئی
حرص و حیات چھوڑ دی ،خوفِ زیاں چلا گیا

درسِ خودی حکیم نے دے تو دیا تھا خوب تھا
کبرِ خودی تو رہ گئی پر سر کہاں چلا گیا !!

آنکھوں سے اشک ہوں رواں لب پہ ہوں قہقہے جواں
سیکھے رموزِ درد یوں ، دردِ نہاں چلا گیا

❁

اس عہدِ ستم گر میں بھی تم فتنوں کی سیاست مت کرنا
باطل کو باطل ہی کہنا ایماں کی تجارت مت کرنا

جب ترکِ تعلق کو سوچا اس سے یہ عہد بھی لے ڈالا
خوابوں میں کبھی مت جھانکنا تم یادوں کی سفارت مت کرنا

یہ وقت گذر ہی جاتا ہے کتنا ہی اذیت ناک ہو یہ
جو حق سے روگردانی کرے تم اس کی اطاعت مت کرنا

پُر پیچ سفر ہے ہستی کا کانٹوں سے بھری راہیں ہوں گی
گو آبلہ پائی ساتھ رہے زخموں کی شکایت مت کرنا

الفت کا تقاضا تو یہ ہے قربانیِ جاں ایماں کے لئے
گو جاں سے گزر بھی جانا ہو تم شر کی حمایت مت کرنا

پت جھڑ کی ہواؤں میں اکثر سوکھے پتوں کی سرگوشی
زخمی کیسے کر جاتی ہے یہ ذکرِ جراحت مت کرنا

چمنی کی ہوا میں اکثر سسکی سی سنائی دیتی ہے
آوازیں لوٹ ہی جائیں گی سننے کی حماقت مت کرنا

کہتے ہیں پرانے درد کبھی پھاگن میں جاگنے لگتے ہیں
اس درد کی نسبت جان بھی لو کہنے کی جسارت مت کرنا

تم سعیِ مسلسل کرتے رہو اور وقت کے ساتھ ہی چلتے رہو
دامن میں ملے گر ناکامی تم اس پہ ندامت مت کرنا

خالد یوسف (مرحوم)

Mr.Khalid Yousaf (Late)

خالد یوسف کو مرحوم لکھتے دل بھر آتا ہے کہ ان کا مجھ سے بے حد پیار تھا میری کتابیں پڑھتے ان پر مضامین لکھتے شاعری میں میری رہنمائی کرتے اور مخلص مشوروں سے نوازتے۔ان کی کمی کا احساس مجھے ہی نہیں ہر اس ادب سے مخلص شخص کو ہے جسے ادب وزبان سے سچا پیار ہے۔افسوس کہ ایسے بھی وقت پرست لوگ ان کے ساتھ رہے جو ان کی زندگی میں ان کا دم بھرتے رہے مگر ان کی وفات کے فوراً بعد انہی کے دشمنوں اور مخالفین کی دوستی کا دم بھرنے لگے۔بحرحال دنیا میں طرح طرح کے لوگ ہوتے ہی ہیں مگر انسان کو اپنا کوئی اصول بھی قائم رکھنا چاہیے۔اس معاملے میں خالد یوسف نہایت اصول پسند اور اپنی بات پر قائم رہنے والے تھے۔انہوں نے کبھی کسی کی نہ بے جا تعریف کی اور نہ ہی مخالفت،ادب میں جس کا جو مقام ہے وہ ہمیشہ اسی کو صحیح کہتے۔۔

خالد یوسف کا سوانحی خاکہ لکھنے بیٹھوں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔مگر مختصراً عرض ہے کہ وہ یوپی انڈیا تلہر ضلع شاہجہاں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہی ہوئی پھر ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور حیدر آباد، سرگودھا میں باقی ماندہ تعلیم حاصل کی۔ایم اے انگریزی ادب اور ایل ایل بی کے بعد سندھ یونیورسٹی میں لیکچرر شپ کے مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہو کر محکمہ انکم ٹیکس میں مختلف اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔

1976 میں سفارت کار کی حیثیت میں پاکستان سفارت خانہ لندن میں 1982 تک فرائض انجام دیئے۔آپ علم نجوم کے بھی ماہر تھے اور پہلے پاکستانی تھے جو برطانوی اسٹرالاجیکل ایسوسی ایشن کے ممبر بنے۔اخبارات میں ان کی پیشن گوئیاں شائع ہوتی رہیں لندن کے ایک ٹی وی چینل پر علم نجوم پر پروگرام بھی دیئے۔اس دوران ان کی آٹھ تصنیفات جن میں ”حسرت گفتار،لبِ سحر،زخمِ سفر،چاند ستارہ باتیں، چنگاریاں،گلدستہ فرنگ،ارژنگ،اوراق پریشان اور آخری مجموعہ کلام جگنو“ تارے منظر عام پر آیا۔ان کے مضامین،خاکے اور افسانے ہندوپاک اور برطانیہ کے مقبول جرائد میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہے

،لندن کے رسائل میں مقامی شعراء کے کلام پر تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے جن سے بے شمار شعراء نے استفادہ حاصل کیا، انہوں نے سیما جبار کے ساتھ مل کر ایک ادبی تنظیم ''بزم وشعر وادب'' جس کا میں بھی بنیادی ممبر تھا بنائی جس میں وہ جنرل سیکریٹری اور میں خازن تھا۔وہ میرے مشاعروں میں باقاعدگی سے آتے جہاں انہیں ہمیشہ بطور صدر یا مہمان خصوصی مدعو کیا جاتا۔ان کا یہ بھی ایک زریں اصول تھا کہ اگر کسی مشاعرے کی دعوت قبول کرتے تو چاہے وہ کتنا دور ہوتا موسم چاہے کیسا ہوتا طبیعت اچھی ہوتی یا نہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ بھابھی رشیدہ کے ساتھ ہمیشہ وقت سے قبل وہاں موجود ہوتے، میں نے ان کے ساتھ لندن کے علاوہ کئی دوسرے شہروں میں مشاعرے پڑھے جہاں وہ مجھ سے پہلے موجود ہوتے۔۔

ان کی مشقِ سخن کم وبیش چالیس برسوں پر محیط ہے وہ ابتدا میں ترقی پسند نظریئے کے ساتھ وابستہ تھے مگر ان کی شاعری ہمیشہ حالات حاضرہ اور ملک کے وقت پرست خودغرض سیاستدانوں کی مذمت میں ہوتی ان کا انداز نہایت پر جوش اور ولولہ انگیز ہوتا، اپنی نظمیں بڑے جوش سے پڑھتے اور سامعین پر ایک سحر طاری کردیتے۔

انہوں نے ''ارژنگ'' میں برطانیہ کے نام نہاد قلمکاروں پر مزاحیہ فکائیہ انشائیے بھی لکھے جنہیں کتابی شکل دی گئی تھی جس میں کئی پردہ نشینوں کو بڑا اعتراض ہوا تھا مگر جو بات سچی ہے اس سے کوئی انکار کیا کرے گا!

وقت، تنہائی، مطالعہ، ارتکاز، تجربے اور مشاہدے نے خالد یوسف کے دامن سخن میں اس قدر وسعت دی کہ ان میں ان کی زندگی اور سماعت کے تمام موضوعات کو سما جانے کی نا قابل بیان قدرت پیدا ہوگئی تھی جس کی بنیاد پر ایک عام شاعر اور حقیقی شاعر کو پرکھا جاسکتا ہے۔انہوں نے برطانیہ میں اپنی ولولہ انگیز اور حقیقی شاعری کو منوایا اور اپنا ایک منفرد مقام حاصل کیا۔مگر افسوس کہ جسمانی بیماریوں نے انہیں آخری ایام میں بستر فراش کر دیا اور ایک دن اس ادب کی شمع کو موت کو بے رحم جھونکوں نے ہمیشہ کے لئے بجھا کر ہمیں ایک مخلص دوست، وضع دار، سنجیدہ اور اعلی قلمکار سے محروم کر دیا۔

❁

جب شام ڈھلے زلف کو لہرائے ہے ظالم
حالات کو کچھ اور بھی الجھائے ہے ظالم
کب اپنی جفا جوئی پہ شرمائے ہے ظالم
مظلوم خود اپنے کو ہی ٹھہرائے ہے ظالم
بھولے سے کبھی یاد بھی کرتا نہیں لیکن
مل جائے کہیں گر تو بچھا جائے ہے ظالم
معلوم نہیں حسن ہے یا حسنِ نظر ہے
کس دولتِ موہوم پہ اترائے ہے ظالم
ہر روز یہ الزامِ دغا لالۂ و گل پر
یہ ظلم ہے، بیداد ہے، اپنائے ہے ظالم
ناواقفِ انجام ہو یہ تو نہیں پھر بھی
تاریخ کی ہر بھول کو دہرائے ہے ظالم
ہم کیسے کریں پیروی، منبر و محراب
واعظ بھی اسی شوخ کا ہمرائے ہے ظالم
کتنی ہی سیہ رنگ ہو کتنی ہی کڑی ہو
ہر رات بہر طور گذر جائے ہے ظالم
مظلوم سے لاکھ اپنا گریبان بچا لے
قدرت کی عدالت سے سزا پائے ہے ظالم
ہم عدل الٰہی پہ یقین رکھتے ہیں خالدؔ
اللہ کو ہم سے نہ کہا جائے ہے ظالم

❁

کہنے کو ہمارا تھا ہمارا ہی نہیں تھا
سب کچھ تھا وہ بے مہر سہارا ہی نہیں تھا
ہم جس کو سمجھتے تھے مقدر کا ستارا
معلوم ہوا وہ تو ستارا ہی نہیں تھا
ہم جان بھی دینے میں پس و پیش نہ کرتے
لیکن ترے ابرو کا اشارہ ہی نہیں تھا
یہ اپنا مقدر ہے کہ اس بحر میں اُترے
مانند فلک جس کا کنارا ہی نہیں تھا
اللہ نے بھی کام لیا بخل سے اس میں
ثانی کوئی اس بت کا اتارا ہی نہیں تھا
سچ بول کے آخر میں پشیماں ہمیں تھے
سچ سننے کا احباب کو یارا ہی نہیں تھا
تنقید نگاروں پہ بھی رحم آتا ہے خالدؔ
شعراء میں فقط نام ہمارا ہی نہیں تھا
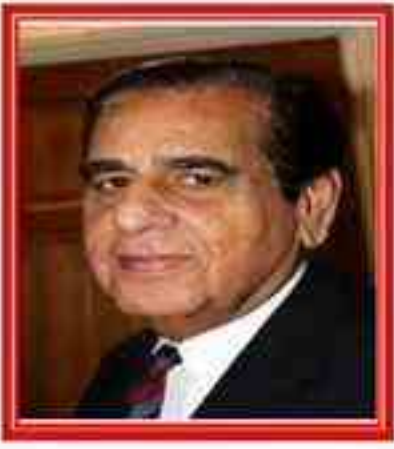
خورشید پرویز

Mr.Khurshid Perwiz,

19,Glencoe Avenue,Newbury Park,

ILFORD IG2 7AL

Tel: 0208 599 5203

E.Mail: kperwiz@hotmail.com

خورشید پرویز دسمبر 1961 میں برطانیہ آئے، شہرِ اقبال سیالکوٹ سے تعلق ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور کافی مدت اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے بعد ریٹائیرڈ زندگی کا لطف لے رہے ہیں مگر قلمکار کبھی فارغ نہیں بیٹھتا۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں نثر اور نظم لکھتے ہیں، میرے پنجابی رسالے کے باقاعدہ لکھنے والوں میں شمار تھا اور کئی برس تک نہایت عمدہ نثر اور شاعری لکھتے رہے۔ پنجابی ان کی مادری زبان ہے مگر اردو بولتے وقت کوئی نہیں پہچان سکتا کہ خورشید صاحب لکھنؤ سے آئے ہیں یا سیالکوٹ سے۔ لب و لہجے کی مٹھاس کے ساتھ نہایت منکسر المزاجی اور عاجزی کی چاشنی مخاطب کو سحر زدہ کر دیتی ہے۔

وہ اپنی ادبی تنظیم ''ریڈ برج لٹیریری سوسائٹی'' کے تحت سال میں ایک یا دو مشاعرے کراتے ہیں جن کے بارے میں میں اکثر کہتا ہوں کہ سو سنار کی ایک لوہار کی کے مصداق ان کے مشاعرے میں ہمیشہ لندن اور گرد و نواح کے ممتاز ترین شعرا و شاعرات شامل ہوتے ہیں اور ہال لوگوں سے کچھا کچھ بھرا ہوا ہوتا ہے ان کے مشاعرے کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ ادبی حلقے کے اعلیٰ اور نامور شعرا کو ہی دعوت کلام دیتے ہیں۔ میرے نہایت مخلص دوست ہیں اور میرے مشاعروں میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں اور اپنے خاص دھیمے اور شستہ و رُفتہ لہجے میں اپنا کلام پڑھ کر خوب داد سمیٹتے ہیں۔

گو ابھی ان کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا مگر مجھے امید ہے کہ وہ اپنا تمام کلام ضرور ترتیب دے رہے ہیں۔ ایک زمانے میں انہوں نے ادبی تنظیم بھی بنائی تھی جس کے تحت انہوں نے بے شمار مصنفین کی

کتابوں کو ملک کی مختلف لائبریریوں اور ادب کے شائقین تک پہنچایا۔

دوسرے شعرا اور منتظمین کی طرح اپنی انا اور ''میں'' سے بیگانہ، ادب کی خدمت میں بے حد مخلص، اپنے کام سے کام رکھنے والے خورشید پرویز ایک طویل مدت سے لندن میں ادب کی خدمت میں کوشاں ہیں مگر اپنے مشاعرے کی طرح جس میں وہ ہمیشہ اعلیٰ معیار کا خیال رکھتے ہیں اسی طرح کے اعلیٰ معیاری مشاعروں ہی میں شرکت کرتے ہیں۔ اپنے وطن سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور دوسرے تارکین وطن کی مانند اپنے وطن کی محبت میں سرشار اپنے اشعار کی زبانی اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

مرا دل بیٹھتا ہی جا رہا ہے ‏ ‏ اندھیرا پھیلتا ہی جا رہا ہے

چراغ راہ بجھتا ہی جا رہا ہے ‏ ‏ یہ تاریکی ہے کس کا پیش خیمہ

خورشید پرویز اپنی آواز کی انفرادیت، لہجہ کی پختگی اور عصری حسیت کی کامیاب پیش کش کی وجہ سے لندن کے شعرا میں اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔ ان کی حقیقت پسندانہ فکر عملی زندگی کے طویل تجربے سے آئی ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے اور سامعین کے دلوں تک پہنچ کر اپنا مقام بناتی ہے۔ غزل کے ساتھ انہوں نے طویل نظمیں بھی لکھی ہیں جو سناتے وقت ہال میں یکسر خاموشی چھا جاتی ہے اور سامعین پوری توجہ سے سن کر داد دیتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق نظم ''آؤ اک بستی بسائیں'' میں ایک ایسا پیغام ہے جو جن قوموں نے اپنایا وہ آج خود کفیل ہو کر دنیا میں عزت پا گئی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری قوم ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتی ہے۔ اس طویل نظم کا ایک بند ہے۔

''اے محنت کشو اے تنگ دستو/ اونچی اونچی عمارتوں کے بنانے والو/ نیلی چھت کے بے در و دیوار کے گوشہ نشینو/ آؤ مل کر ہم بسائیں ایک بستی/ اپنی نوع میں مثالی بستی/ وسط ہو جو چاہتوں کا/ سکون سب کے دلوں کا ہو جو/ کنجِ مہر و خلوص ہو جو۔''

خورشید پرویز محض دردِ ذات ہی نہیں رکھتے بلکہ دردِ کائنات کو اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتے ہیں اور اپنے اشعار کے وسیلے سے اس کے اظہار کا یارا بھی رکھتے ہے۔ ان کی غزلوں نظموں میں ہجر و وصال کے قصے نہیں بلکہ زندگی کی ترش و تلخ حقیقتوں سے آگاہی ہے وہ اپنے اشعار میں بے رحم سچائیوں کے پر

خار رستوں سے آگاہ کرتے ہیں انہیں ایک خوشگوار انقلاب کی آمد کا یقین ہے اور اپنے خلوص و عزم پر بھروسہ بھی جس کا وہ کھل کر اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

ہم تیرے ظلم کی تشہیر نہ ہونے دیں گے
کوئی چاہے بھی تو تحقیر نہ ہونے دیں گے
انقلاب آئے کوئی چرخِ کہن ٹوٹ پڑے
ہم کسی اور کی توقیر نہ ہونے دیں گے

زبان و بیان کے معاملے میں خورشید پرویز کی زبان سلیس اور عام فہم ہے مگر اس کا مطلب قطعی یہ نہیں کہ وہ سہل پسندی کے شکار ہیں ان کی غزلوں میں قافیوں اور ردیف کا نظام ثابت کرتا ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور وہ کلاسیکی شاعری اور جدید شاعری کی تاریخ کا تسلسل کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

میرے وہ بہت ہی قریبی اور نہایت مخلص دوستوں میں سے ہیں جن کی رفاقت و دوستی پر مجھے ہمیشہ فخر رہا ہے مگر واللہ میں نے کسی کے بارے میں لکھتے وقت دوستی یا تعلق کو کبھی فوقیت نہیں دی۔ میں نے جوان میں ادبی لگاؤ اور زبان سے محبت دیکھی تب ہی میرے قلم سے ان کی تعریف میں الفاظ نے جنم لیا۔ ہاں میں ان جیسے مخلص دوستوں کی دوستی اور پیار پر جتنا فخر کروں کم ہے جنہوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور ادبی سفر پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے۔ ان کا کچھ کلام سامنے کے صفحات پر موجود ہے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کا شعری معیار کیا ہے۔ وہ کوالٹی پر یقین رکھتے ہیں نہ کہ تعداد پر۔۔ جب کہ ہمارے ہاں ایسے شعرا بھی ہیں جو اپنے دیوانوں کی تعداد بتا کر اپنے آپ کو منوانے کی ناکام کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر تاریخ نے ہمیشہ ایسے میاں مٹھوؤں کو محفوظ نہیں رکھا اور نہ رکھے گی۔۔۔!!

میں دعا کرتا ہوں کہ جناب خورشید پرویز اسی طرح لکھتے رہیں چاہے کم مگر اعلیٰ و ارفع۔۔۔!!

✿

غزل سرا ہے کوئی آج بزمِ ہستی میں
یہ کون محوِ تغزل ہے آج بستی میں
کسی غزال کے پہلو میں کیسی ہوک اُٹھے
یہ تشنہ کام ازل سے ہے اپنی بستی میں
ہے کیسا سوزِ دروں اس کی سوز خوانی میں
یہ کیسی آہ و فغاں ہے بلند بستی میں
پھرے ہے چاک گریباں لئے وہ ہاتھوں میں
رفو گری کا سلیقہ کہاں ہے بستی میں
یہ کیسا پاسِ محبت ہے لب پہ مُہرِ سکوت
وہ کس ادا سے ہے محوِ خرام مستی میں
یہ امتیازِ من و تُو بشر کی فطرت ہے
سکونِ قلب ملے کیسے تیرہ بختی میں
یہ کیسی نظرِ کرم ہے کہ سر تا پا ہے شرار
بھڑک اُٹھے نہ کہیں آگ خستہ بستی میں
یہ کیسی آتی ہے کانوں میں باز گشت صدا
یہ کون مجھ کو پکارے ہے آج بستی میں

قطعہ

زندگی کے ہزار پہلو ہیں
سب کو اک ایک کرکے دیکھ لیا
غمِ فراق ملا حاصلِ حیات مجھے
اپنا پھوٹا نصیب دیکھ لیا

✿

ہم تیرے ظلم کی تشہیر نہ ہونے دیں گے
کوئی چاہے بھی تو تحقیر نہ ہونے دیں گے
انقلاب آئے کوئی چرخِ کہن ٹوٹ پڑے
ہم کسی اور کی توقیر نہ ہونے دیں گے
کہیں دیکھے نہ کوئی دل کے تڑپنے کا سماں
ہم اس بات کی تدبیر نہ ہونے دیں گے
گلستاں مہک اُٹھے ابرِ بہاراں جھومے
ہم تو جذبات کی تفسیر نہ ہونے دیں گے
ہم نے چاہا تھا بہت دل میں بسایا تھا تجھے
ہم تری چاہ کو دل گیر نہ ہونے دیں گے
یوں تو شاید ترے پہلو میں کوئی یاد نہ ہو
یادِ گم گشتہ کو تسخیر نہ ہونے دیں گے
اے مرے چاکِ گریباں ہو تری عمر دراز
ہم کسی خواب کی تعبیر نہ ہونے دیں گے

❁

اسیرِ گردشِ دوراں ہوں اک زمانے سے
ہجوم محوِ تماشہ ہے اک زمانے سے
مری خطائیں مرے ہمرکاب ہیں دن رات
بھٹک رہا ہوں خلاؤں میں اک زمانے سے
کریں تو اُن کے تغافل کی بات کیسے کریں
نجانے کیوں ہیں گریزاں وہ اک زمانے سے
صنم کدے میں کہاں درد کا مداوا ہو !
نیاز مند رہا ہوں میں اک زمانے سے
نفس نفس میں شرارے دہکنے لگتے ہیں
تپِ فراق سے لرزاں ہوں اک زمانے سے
کسے خبر ہے کہ اہلِ قفس اداس ہیں کیوں
چمن سے دُور بسیرا ہے اک زمانے سے
مجھے نہ منزلِ مقصود مل سکی پرویزؔ
غمِ حیات سے رغبت ہے اک زمانے سے

قطعہ

کیسا مختار ہے انسان یہ سزا دیتا ہے
کیسا مجبور ہے انسان کہ سزا لیتا ہے
اپنے ہاتھوں سے سجاتا ہے یہ دنیا انسان
انہی ہاتھوں سے اسے ویرانہ بنا دیتا ہے

آبِ جو

آبِ جُو فراز سے سُوئے نشیب بہتا ہے
عمل برعکس ہو اس سے یہ ہو نہیں سکتا
وہ لوٹ آئے گا اک روز میرے پہلو میں
سُوئے فراز وہ جائے یہ ہو نہیں سکتا
میں جانتا ہوں سبب اس کی بدگمانی کا
کہ ہو نہ پاسِ محبت یہ ہو نہیں سکتا
وہ جانتا ہے کہ اس کے پیروں تلے
فلک کے تارے بچھا دوں یہ ہو نہیں سکتا
میں کوہ کن نہیں تلاشِ جُوئے شیر کروں
اٹھالوں دوش پہ تیشہ یہ ہو نہیں سکتا
نکل کے دشت میں صحرا نورد ہو جاؤں
میں ایسا قیس نہیں ہوں یہ ہو نہیں سکتا
دیئے جلا کے سپردِ آبجو نہ کروں
مری سرشت میں ایسا یہ ہو نہیں سکتا
مرے وجود میں پنہاں ہے حدتِ خورشیدؔ
وہ اس تپش کا ہو منکر یہ ہو نہیں سکتا

❁

شبِ ہجراں ہے پریشاں کہ سحر کب ہوگی
درِ زنداں پہ خدا جانے نظر کب ہوگی
منتشر ہوگا یہ کب شب کے اندھیروں کا ہجوم
حسنِ خوباں کے اُجالوں کی خبر کب ہوگی
دلِ مضطر پہ جواک خوف سا طاری ہے ہنوز
ہُو کے عالم میں یہ اک رات بسر کب ہوگی
جانے کب ہوں گی ہویدا یہ سنہری کرنیں
اس کے آنے سے میری آس امر کب ہوگی
رخِ زیبا سے سجے گا تو کبھی تختِ جہاں
کب وہ آئے گا نظر اُس کی اِدھر کب ہوگی
مری آشفتہ سری ہے کہ فقط سوزِ دروں
چشم خوابیدہ کی تعبیر مگر کب ہوگی
کسی مشرق سے تو نکلے گا وہ خورشیدِ جہاں
منتشر نغموں کی تکمیلِ امر کب ہوگی

قطعہ

رند اور شیخ کا تقابل کیا
رند تو بادہ خوار ہوتا ہے
بحضورِ یزداں یا شیخ!
قطرہ قطرہ شمار ہوتا ہے

قطعہ

حدیثِ دیگراں کیا پوچھتے ہو
رودادِ چمن کچھ کم نہیں ہے
نشیمن جل رہا ہے لحظہ لحظہ
شب دیجور ہی کچھ کم نہیں ہے

راہِ عمل

شریکِ غم نہیں کوئی بھی غمگسار نہیں
کوئی مُحب نہیں کوئی بھی دِل فگار نہیں
بشر ہے محوِ سفر درمیانِ ہست و ممات
جہاں میں کوئی کسی کا بھی یارِ غار نہیں
بھٹک رہا ہے خلاؤں میں ہر نفس تنہا
مگر وہ راہِ عمل میں شریکِ کار نہیں
بدل رہے ہیں تقاضائے نوعِ انسانی
بشر تو دستِ گریباں ہے بردبار نہیں
عبث ہے دعوۂ جبروت حکمراں کے لئے
ثبات سے کہیں مشروط خلفشار نہیں
قدم قدم سے ملاؤ کہ منزلیں ہیں قریب
ہماری راہ میں ایستادہ کوہسار نہیں
سکوت توڑے گا اک روز وہ بشر تنہا
جو باعمل ہے جسے زُعمِ اقتدار نہیں

ڈاکٹر رحیم اللہ شاد (مرحوم)

Dr. Raeem ualla Shad,

Mob: 0795 279 150

E.Mail: rahimullah1@hotmail.co.uk

ڈاکٹر رحیم اللہ شاد کراچی سے تعلق رکھتے ہیں اور 1974 میں برطانیہ آئے۔ پاکستان میں ہومیو پیتھی طریقِ علاج کے ڈاکٹر بھی رہے مگر پیشے کے لحاظ سے اکاؤنٹنٹ ہیں اور آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ مترنم شاعر ہیں۔ مشاعروں میں بڑے شوق سے جاتے ہیں اور لندن کا شاید ہی کوئی مشاعرہ ایسا ہو جس میں انہوں نے اپنی شاعری اور ترنم کا جادو نہ جگایا ہو۔ اکثر شیروانی۔ سفید پاجامہ اور جناح کیپ میں چرمی بیگ بغل میں لیئے مسکراتے سلام کرتے ملتے ملاتے آتے ہیں۔ نہایت مخلص سادہ مزاج، لگائی بجھائی سے دور سب کو پیار کا درس دینے والے ہر کسی کے من پسند انسان ہیں۔ چند سال پیشتر ان کا پہلا اردو کا شعری مجموعہ ''خواب وخیال'' آچکا ہے۔ حالات حاضرہ پر اکثر قطعات سنا کر پھر اپنی غزل کو بڑے مخصوص ترنم میں لہک لہک کر سناتے ہیں۔ کچھ نثر بھی لکھی ہے مگر شاعری پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ 1970 میں باقاعدگی سے لکھنا شروع کیا۔ ابھی اپنے نئے مجموعہ کلام پر کام کر رہے ہیں جو امید ہے اگلے سال تک منصۂ شہود پر آئے گا۔ اپنی اولاد کی بڑی اعلی پرورش کی ہے جو میڈیکل کے شعبے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔

رحیم اللہ شاد ہندوستان کے ایک ایسے تاریخی قصبہ سکندر میں پیدا ہوئے جہاں کیوڑے گلاب اور چمبیلی کی کاشت ہوتی تھی جہاں سے عرق اور عطر کشید کیا جاتا تھا۔ پھول عطر اور خوشبو کی سرزمین میں پیدا ہونے والے شخص نے جب ادب وسخن کی کانٹے دار وادی میں قدم رکھا تو اپنے اخلاص، محبت انکساری اور علم وفن سے اسے بھی پھلواری کی طرح مہکا دیا۔ آج پورے لندن ہی نہیں ہندو پاک میں بھی ان کی

شائستہ شاعری کے چرچے عام ہیں۔ بے شمار جرائد میں باقاعدہ چھپتے ہیں اور شاید ہی لندن اور اسکے قریب جوار میں کوئی ایسا ادبی جلسہ یا مشاعرہ ہو جہاں ڈاکٹر رحیم اللہ شاؔد کی غزلوں کے ترنم کی مدھم سریلی لے نہ سنائی دیتی ہو۔۔ سردی گرمی بارش یا برف ہوانہیں ادب کی محبت چین نہیں لینے دیتی اور یہ دعوت پر کھچے چلے جاتے ہیں۔ مجھے اعزاز ہے کہ میں نے ان کی رفاقت میں لندن ہی نہیں لندن سے کئی کئی میل دور مشاعرے پڑھے۔اوران کی علمی، ادبی اور مخلصانہ گفتگو سے بہت کچھ سیکھا اور مستفید ہوا۔۔

ڈاکٹر رحیم اللہ شاد آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے یعنی تیرہ چودہ برس کی عمر میں تو انہیں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔اتنی کم عمری میں بھی انہوں نے جو اشعار کہے ان کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر سخن کا سمندر موجزن تھا جو باہر آنے کے لئے بیقرار تھا۔ ؎

گزرتا ہوں میں جب گزرنے کی خاطر وہ گلیوں میں ملتے ہیں ملنے کی خاطر
تباہ کر رہا ہوں جو میں زندگانی صرف اُن کو اپنا بنانے کی خاطر

اس طرح کی سادہ اور تک بندی پر ان کے استاد محترم جناب افتخار اعظمی اور ان کے ماموں نے ہمت بڑھائی اور مزید لکھنے کی تاکید کی۔اور اس طرح دھیرے دھیرے ان کے اندر سے وہ شاعر باہر نکل آیا ایک عرصہ دراز سے ان پر رحمت خداوندی سے نزول کی بارش جاری ہے جو آج ہمارے ساتھ اپنے خوبصورت مجموعہ کلام کی شکل میں موجود ہے۔ آج آپ نے لندن ہی نہیں پورے برطانیہ میں اپنی شاعری کا لوہا منوالیا۔اور اپنے مخصوص ترنم سے کئی مشاعرے لوٹے ہیں۔

انہوں نے اپنی کتاب کے ابتدائیے میں اپنے علاقے کے ممتاز شعراء اور بزرگوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کر کے یہ ثبوت دیا ہے کہ انہیں اردو اور شاعری کے عشق کے ساتھ ساتھ اپنے دیس کے بزرگوں اساتذہ سے انتہائی محبت وعقیدت ہے جو ایک ادب دوست، حساس لکھاری اور اچھے انسان کی خوبی ہے۔

میٹرک کے بعد رحیم اللہ ڈھاکہ چلے گئے اور وہاں کی ادبی محفلوں کی شرکت نے انہیں مزید نکھارا وہ وہاں اس زمانے کے پائے کے شعراء کا کلام سنتے اور ان کی محفلوں میں جاتے۔ پھر وہاں سے ملازمت کے سلسلے میں وہ کراچی گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔کراچی میں انہوں نے بینک میں ملازمت کی اور

ملازمت کے دوران بی کام کی ڈگری لی۔وہ ایک مدت تک اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں جوائنٹ اکاؤنٹنٹ کے عہدے پر کام کرتے رہے علم کی جستجو اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں انہوں نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے مزید آراستہ کیا۔ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگری لینے کے بعد انہوں نے باقاعدہ دو سال تک ہومیو پیتھی کا کورس کیا اور باقاعدہ رجسٹر ہوئے مگر ہومیو پیتھک ڈاکٹر بننے کے بعد بھی انہوں نے بینک کی نوکری نہ چھوڑی کہ اس میں ترقی کے مواقع زیادہ تھے۔مگر ان کی جولانی طبیعت کو چین نہ آیا اور وہ مزید تعلیم کے لئے برطانیہ آن پہنچے اور یہاں سے چارٹرڈ اکاؤنٹنسی کی ڈگری حاصل کر کے ایک مدت تک مختلف فرموں میں کام کیا۔اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری بھی پروان چڑھتی رہی اور یہ لندن اور اس کے گردنواح کے مشاعروں میں اپنے ترنم کے ساتھ سخن کے پھول کھلاتے رہے ۔اس دوران انہوں اپنی ازدواجی زندگی کی ابتدا کی۔انہی کی طرح ان کی شریک حیات بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا انہوں نے مل کر اپنے بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔

میرے نہایت مخلص دوست ہیں اور دہائی سے اوپر ہماری اس محبت بھری دوستی میں کبھی کوئی دراڑ نہیں پڑی جس میں رحیم بھائی کی سادہ مزاجی ،اور منکسرلمزاجی کا بہت بڑا دخل ہے۔کوئی کچھ بھی کہہ جائے وہ اپنی ایک مسکراہٹ سے اسے سہہ جاتے ہیں اور مخاطب اپنے پانی میں ڈوب جاتا ہے۔

اللہ کرے وہ ایسی ہی محبتیں بانٹتے رہیں اور اپنی میٹھی آواز میں لندن کے مشاعروں کو زندہ رکھیں۔آمین

ہم مصلحتِ وقت کے قائل نہیں اے شاؔد
یاروں کے ہر اک حال میں ہم یار رہیں گے

۞ ۞ ۞ ۞

(تاریخ وفات 19 اگست 2023)

میں رہ روانِ شوق سے شکوہ کروں تو کیا
''منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے''
کیا کیا کرم ہیں اہلِ سیاست کے دوستو
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے
کچھ اس طرح سے گلشنِ ہستی اجڑ گئی
جیسے زمیں پہ کوئی بھی دیوار و در نہ تھے
آنکھوں سے جب عیاں تھی مرے دل کی کیفیت
تیری نگاہِ ناز میں کیوں معتبر نہ تھے
کیا کیا فریب تابش خورشید نے دیئے
بکھرے تھے اشکِ شوق و لعل و گہر نہ تھے
تیرا ہی سایہ ہر طرف جلوہ پذیر تھا
اس وقت جب وجود میں شمس و قمر نہ تھے
پہلے کی بات اور تھی ، ہے اب کی بات اور
پہلے تو لوگ ایسے وسیع النظر نہ تھے
اب شاؔد مفت میں یہ ہنر بیچ رہا ہوں
حالات میرے ایسے کبھی بیشتر نہ تھے

رات کے شہر میں پھرتے ہوئے لرزاں سائے
کتنے مجبور ہیں گلیوں میں پریشاں سائے
تم اگر چاہو تو پتھر کو خدا کہہ ڈالو
ایک ہی مشکل کے کتنے ہیں نمایاں سائے
مشعلیں علم کی کیا لوگ لئے پھرتے ہیں
یہ اُجالے ہیں کہ ہیں درپۂ ایماں سائے
معتبر ہو بھی زمانے میں تو کوئی کیسے
جبکہ رہتے ہیں زمانے سے گریزاں سائے
میں بھی تنہائی میں آواز سنا کرتا ہوں
ورنہ کرنے کو تو کرتے ہیں پریشاں سائے
ابھی کچھ لوگ ہیں اس شہر میں مانندِ گوہر
بحرِ بے آب میں خود اپنے نگہباں سائے
پرتوِ حسن سے دنیا میری خالی ہے شاؔد
دیکھ کر جلوئے رخ ہو گئے حیراں سائے

ہر اک درد دیوار کے سائے نہیں ہوتے
ڈھلتے ہوئے سورج کے اشارے نہیں ہوتے
جس بزم میں قرآں کے سپارے نہیں ہوتے
ایسی جگہ اللہ کے پیارے نہیں ہوتے
لوگوں کے پاس اتنے خزانے نہیں ہوتے
دنیا میں ایسے ویسے تماشے نہیں ہوتے
جب تک کے محبت کے سہارے نہیں ہوتے
دل کے کسی گوشے میں اُجالے نہیں ہوتے
جب بھی کسی کے پختہ ارادے نہیں ہوتے
منزل پہ پہنچنے کے بہانے نہیں ہوتے
ہم شاؔد محبت کے دیوانے نہیں ہوتے
محفل میں اگر یار ہمارے نہیں ہوتے

خوشی کے دور میں ہم مسکرا نہیں سکتے
فراقِ یار کا صدمہ اُٹھا نہیں سکتے
جنونِ عشق میں کیا کیا گزر گئی ہم پر
یہ بات دل کی ہے لیکن بتا نہیں سکتے
مآل خوب سمجھتے ہیں ٹوٹے تاروں کا
ستارے چاند کو ہرگز چھپا نہیں سکتے
بلا سے زندگی برباد ہو تو ہو جائے
مگر جبیں ترے در پہ جھکا نہیں سکتے
متاعِ زندگی ملتی ہے ان کو مشکل سے
دل و دماغ پہ قابو جو پا نہیں سکتے
ہر ایک دور میں ہم شاؔد مسکراتے رہے
کرم ہے تیرا الٰہی کہ ہم بتا نہیں سکتے

❁

جب ہم اہلِ نظر کے درمیاں تھے
ہمارے ساتھ بھی کچھ نکتہ داں تھے

ہمیں معلوم ہے وہ اب کہاں ہے
وہیں ہیں اب بھی وہ پہلے جہاں تھے

نہ دیکھی غیریت ہم نے کسی میں
وہاں پر سب ہی مثلِ دوستاں تھے

ہماری رہنمائی کو ہیں کافی
وہاں جتنے نشانِ رفتگاں تھے

جوابِ لن ترانی کے اثر سے
کہاں تھے پہلے پھر موسیٰ کہاں تھے

جو فن کا آسماں سمجھے ہیں خود کو
کبھی وہ بھی تو زیرِ آسماں تھے

ملا جب شاؔد ان کا فیضِ محبت
زباں ہوتے ہوئے ہم بے زباں تھے

❁

ہر ایک خواب پریشان ہے کیا کیا جائے
زمانہ حشر بداماں ہے کیا کیا جائے

اداس اداس ہیں چہرے بجھی بجھی نظریں
خوشی دلوں سے گریزاں ہے کیا کیا جائے

زباں پر ذکرِ خدا دل میں مردم آزاری
یہی تو شیخ کا ایماں ہے کیا کیا جائے

تمام عمر کٹی جس کی بت فروشی میں
وہ اب حرم کا نگہباں ہے کیا کیا جائے

چمن کو دے کے لہو ہم چمن بنا نہ سکے
چمن بہ شکلِ بیاباں ہے کیا کیا جائے

کھلے جو پھول وہ گلچیں کی نذر ہو جائے
یہی نظامِ گلستاں ہے کیا کیا جائے

ہوا کا رُخ تو ہمیں شاؔد یہ بتاتا ہے
کہ آمد آمدِ طوفاں ہے کیا کیا جائے

رخسانہ رخشی

Mrs. Rukhsana Rakhshi,

130, Abbotts Drive, Harrow HA0 3SJ

Tell: 0208908 5188

E.Mail: r.rakhshi@hotmail.co.uk

رخسانہ رخشی کے ادبی سفر کو کئی برس ہو گئے ہیں ان سے پہلی ملاقات لندن کے ایک مشاعرے میں ہوئی تھی جب وہ نئی نئی سکینڈے نیویا سے لندن آئی تھیں جہاں انہوں نے غزل سنا کر خوب داد حاصل کی، نہایت حسین و جمیل شخصیت، خوبصورت نقش و نگار، خوش لباسی اور خوش گفتاری نے انہیں ہمیشہ ادبی محفلوں میں اجاگر رکھا۔شاعری کے علاوہ انہوں نے حالاتِ حاضرہ پر کالم نویسی شروع کی تو ان کے قارئین میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔کچھ مدت معروف ہفتہ وار نیشن لندن میں لکھنے کے بعد آج کل روزنامہ جنگ لندن میں لکھتی ہیں۔

رخسانہ رخشی پردیس میں بیٹھ کر اپنے وطن کے روزمرہ حالات پر کڑی نظر رکھتی ہیں ان کے کالموں میں بڑی کاٹ ہے اور وہ کبھی لگائی بجھائی سے کام نہیں لیتیں بلکہ انہوں نے اپنے کالموں میں بڑے بڑے سیاسی ریچھوں کی کھال اتاری ہے جو ایک سچے صحافی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سچ لکھے اور سچ کے سوا کچھ نہ لکھے۔۔اور یہی طریقہ رخشی نے ہمیشہ قائم رکھا۔۔سچ کا۔۔!

میں نے انہیں عام زندگی میں بھی بڑی سچائی کے ساتھ باتیں کرتا سنا ہے وہ منافقت سے بہت دور رہتی ہیں انہیں اپنی طرح سچے کھرے لوگ اچھے لگتے ہیں۔لندن میں وہ اکثر مشاعروں میں نظر آتی ہیں بلکہ اپنے گھر میں بھی پاکستان سے آئے ہوئے معروف شعرا و شاعرات کے لئے محفل کا اہتمام کرتی ہیں جس میں لندن کے چیدہ چیدہ معروف شعرا و ادباء کو دعوت دی جاتی ہے۔جن کے لئے وہ خود اپنے ہاتھوں پکوان تیار کر کے ان کی ضیافت کا اعلیٰ انتظام کرتی ہیں۔

رخسانہ اپنے کالموں میں معاشرے کے بدعنوان سیاسی لیڈروں، نام نہاد مذہبی و سیاسی لیڈران، جعلی پیر، آئے دن کے بم دھماکے، قتل و غارت، اجتماعی بے آبروریزیاں۔ کرپٹ پولیس، عوامی عدم تحفظ اور قانون شکنی اور دیگر برائیوں کے بارے میں نہایت تفصیل اور بہادری کے ساتھ لکھتی ہیں جنہیں ہر قاری پورے شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہے۔ انہوں نے لندن کے ادباء و شعراء پر مضامین بھی لکھے خاکے بھی اور انشائیے بھی تحریر کئے۔ وہ اچھی شاعرہ کے ساتھ ساتھ اچھی نثر نگار بھی ہیں۔

مجھے ان کے ساتھ ٹی وی اور ادبی محفلوں میں کئی مشاعرے پڑھنے کا اتفاق ہوا جہاں ان کی خوب پذیرائی ہوتی ہے۔ گو ان کا ابھی تک کوئی مجموعہ منصۂ شہود پر نہیں آیا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اس کی تیاری کر رہی ہیں اور جلد ہی ان کا شعری مجموعہ دنیائے ادب میں خوبصورت اضافے کا موجب بنے گا۔

اچھے شاعر کی شاعری بذاتِ خود اس کی تمہید و تعارف اور شاعری کے خدوخال کی طرزِ حیات پر مبنی ہونی چاہیے۔ شاعری ایک بوقلمونیت اور جاذبیت ہے اس میں تخیل کی ندرت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے شاعر اپنا پیغام ملک ملک پہنچاتا ہے ان کے لئے لطف و نشاط کا سامان فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی روحِ شاعری کو بقائے دوام بھی دیتا ہے اور یہ تمام خوبیاں رخسانہ رخشی میں پائی جاتی ہیں۔

ان کی شاعری محبت کی شاعری ہے جو جاندار زندگی کی علامت ہے۔ بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات و احساسات کے نئے نئے مظاہر بھی ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔

دل محبت کی رفاقت کی زمیں ہے رخشیؔ
نفرتیں ساری بس اب دفن یہیں تم کر دو

اس محبت میں اکثر وطن کی محبت کا ذکر بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ رخسانہ ایک اچھی کالم نگار بھی ہے اور ان کا یہ لازمی پہلو ان کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ جہاں وہ یہ کہتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ،

میری خوش فہمی کی رخشیؔ انتہا بھی ہے کوئی
میں سمجھتی ہوں کہ ہے سارا جہاں میرے لئے

وہاں وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ،

خوبصورت اور بھی ہیں ملک دنیا میں مگر

ارضِ پاکستان ہے جنت نشاں میرے لئے

رخسانہ رخشی کے اس اجمالی مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ایک حقیقت شناس شاعرہ ہیں وہ زندگی کی معنویت اور اپنے عہد کے تقاضوں کو سمجھنے والی ایک دیدہ فنکارہ ہیں ان کی شاعری قارئین کا دامن تھامنے کا ہنر جانتی ہے اور وہ حقیقت کے اظہار کے لئے ماضی کے واقعات سے بھی بھرپور قوت حاصل کرتی ہیں اور تلخیوں کو اپنا کر اپنا مدعا بیان کرنے کی قدرت رکھتی ہیں۔

ہے بہت صبر آزما کارِ جہاں میرے لئے

زندگی ہے سر بسر اک امتحاں میرے لئے

مگر زندگی کے اس مسئلے کا حل وہ اس طرح نکالتی ہیں۔

جاں نثاری ہے ازل سے شیوۂ اہلِ جنوں

کیوں ہو ایسے میں غمِ سود و زیاں میرے لئے

رخسانہ رخشی ایک ادبی وسماجی تنظیم کی بانی وصدر ہیں جس کے تحت وہ اکثر اپنی رہائش گاہ میں پاکستان سے آئے ہوئے شعرا کی اعزاز میں ادبی محفل کا اہتمام کرتی ہیں اس کے علاوہ انہوں نے اچھے پیمانے پر موسیقی کے پروگرام بھی کرائے۔

دعا کرتا ہوں کہ ان کا یہ خوبصورت ادبی سفر جاری وساری رہے اور وہ اسی طرح اپنے اشعار اور نثری کالموں سے ادب کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملک وملت کی خدمت بھی کرتی رہیں۔ آمین

نہ تھا اشارہ کوئی غیب سے تو رخسانہ

یہ شعر کہنے کو تجھ کو کمال کس نے دیا؟
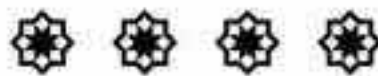
نظر میں آگئی ندرت کہاں کی؟
کہ لگتی ہے مجھے ہر چیز بانکی
قفس راس آ گیا آنکھوں کو لیکن
رہی تصویر دل میں آشیاں کی
محبت میں کچھ ایسے کھو گئے تھے
خبر ہم کو نہ تھی دل کے زیاں کی
نہ ملتے ہو نہ خط لکھتے ہو مجھ کو
بتاؤ دوستی ہے یہ کہاں کی ؟
میرے گھر سے تمہارے گھر کا رستہ
مسافت ہے زمیں سے آسماں کی
ہمیں معلوم ہے ، دنیا ہماری
ہے بس اِک بوند بحرِ بیکراں کی
جو گزرا ہے بہت پہلے ادھر سے
خبر ملتی نہیں اس کارواں کی
محبت پر نہ آئے حرف یارب
نہ ہو تشہیر میری داستاں کی
جو رشتہ دل کا ہے سانسوں سے رخشی
ہے ایسی ہی رفاقت جسم و جاں کی

ہے بہت صبر آزما کارِ جہاں میرے لئے
زندگی ہے سر بسر اِک امتحاں میرے لئے
کس طرح سمجھوں میں اسرارِ جہاں رنگ و بُو
اِک معمہ ہے زمین و آسماں میرے لئے
جاں نثاری ہے ازل سے شیوۂ اہلِ جنوں
کیوں ہوا ایسے میں غمِ سُود و زیاں میرے لئے
میں کسی کے سنگِ در پر سر جھکاؤں کس لئے
زینتِ سجدہ ہے اس کا آستاں میرے لئے
بھر دیئے یہ رنگ کیسے مجھ میں اس کے پیار نے
ہر طرف ہے اِک دھنک اِک کہکشاں میرے لئے
خوبصورت اور بھی ہیں ملک دنیا میں مگر
ارضِ پاکستان ہے جنت نشاں میرے لئے
میری خوش فہمی کہ رخشی انتہا بھی ہے کوئی
میں سمجھتی ہوں کہ ہے سارا جہاں میرے لئے

❁

بچا کے رکھ لو میرا غم شگفتگی کی طرح
گزر نہ جائے یہ موسم بھی زندگی کی طرح

جو لوگ شہر کے ماتھے پہ جگمگاتے تھے
بھٹک رہے ہیں سرِ دشت چاندنی کی طرح

اگر تو اپنے دکھوں سے نواز دے مجھ کو
قبول ہے یہ عنایت بھی زندگی کی طرح

کسی سے ٹوٹ کے ملنا تو خیر کیا ہوگا
ہم اپنے آپ سے ملتے ہیں اجنبی کی طرح

ہزار مشعلِ رخسار کو اُٹھائے ہوئے
گزر گیا وہ اندھیروں سے روشنی کی طرح

زمانہ ساز نظر کی سلیقگی رخشی
کبھی کسی کی طرح ہے کبھی کسی کی طرح

❁

اس کی چاہت میں میری ہستی بکھر کر رہ گئی
اور کچھ کر بھی نہ سکتی تھی تو مر کر رہ گئی

چاند تھا وہ خود فلک سے تو اتر سکتا نہ تھا
برق تھی میں چاندنی میں بس بکھر کر رہ گئی

اتنی شدت سے اُسے چاہا کہ وہ گھبرا گیا
میں اکیلی چاہ کی حد سے گزر کر رہ گئی

مجھ کو دل کے سائباں میں وہ کہاں دیتا جگہ
اس کے رُخ کی روشنی سے میں نکھر کر رہ گئی

زندگی بھر دستکیں دیں کوئی دروازہ کھلے
ہوتے ہوتے اپنے اندر خود اتر کر رہ گئی

کاروانِ وقت اس کے ساتھ چلتا ہی رہا
میں نہ جانے کس گھڑی خود سے ٹھہر کر رہ گئی

اس نے کتنی بار وعدہ مجھ کو آنے کا کیا
اس کے ہر وعدے پہ رخشی میں سنور کر رہ گئی

ہوتے ہوتے جب وہ مجھ سے آشنا ہو جائے گا
کیا خبر پھر راستہ اس سے جدا ہو جائے گا

روشنی میں ہر کسی سے رابطہ ہو جائے گا
تیرگی میں آشنا ناآشنا ہو جائے گا

تو اسے اپنی محبت کی حرارت بخش دے
ورنہ وہ تو اک نہ اک دن برف سا ہو جائے گا

کس لئے اسے اپنا کہنے کی میں خواہش کروں
وہ جو مجھ سے روٹھ کر اک دن جدا ہو جائے گا

اس قدر تو اُس کو اپنی ذات کا حصہ نہ کر
ایک دن مشکل اسے پہچانا ہو جائے گا

اس طرح دن رات مجھ کو ٹوٹ کر چاہا نہ کر
کیا خبر کس روز حائل فاصلہ ہو جائے گا

دیکھ دنیا سے نہ کر رخسانہ اتنی دوستی
آسماں سے دشمنی کا سلسلہ ہو جائے گا

یہ میری فکر و نظر کو اُجال کس نے دیا
نئی اک نگاہ ، نیا اک خیال کس نے دیا

رُخِ حیات کس حسن و جمال کس نے دیا
یہ شوق و ذوق ، یہ فکر و خیال کس نے دیا

میں سوچتی ہوں ہر اک سمت انتشار ہے کیوں
تم ہی کہو کہ مجھے یہ سوال کس نے دیا

تلاشِ آب میں صحرا کی خاک چھانتے ہیں
مسافروں کو سرابوں کا جال کس نے دیا

یہ رنگِ نو کے دریا بہا دیئے کس نے ؟
کلی زمین کو فلک کو ہلال کس نے دیا

کوئی تو ہوگا پسِ پردۂ جہاں ورنہ
ہر اک شے کو عروج و زوال کس نے دیا

اگر خوشی سے عبارت تھی زندگی میری
تو پھر آئینۂ دل کو بال کس نے دیا

نہ جانے رہتی ہیں پُر آب کیوں میری آنکھیں
نہ جانے دل کو یہ رنج و ملال کس نے دیا

ہوں ماہتاب صفت میں اور آفتاب ہو تم
مجھے جمال تو تم کو جلال کس نے دیا

نہ تھا اشارہ کوئی غیب سے تو رخسانہ
یہ شعر کہنے کا تجھ کو کمال کس نے دیا !!

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل

Dr. Razia Ismaeel,

10,Augusta Ed.Acocks Green.

Birmingham B27 6LA

Tel:0121 5745148

E.Mail:aaghee@hotmail.com

خاندانی نام رضیہ خالدہ سلطانہ ہے جبکہ اپنے قلمی نام رضیہ سلطانہ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ جھروکہ چیمہ پاکستان سے تعلق ہے برطانیہ دسمبر 1973 میں آئیں۔ بی اے پنجاب یونیورسٹی سے، ایم اے انگلش کراچی یونیورسٹی سے کیا جبکہ برطانیہ آکر آکسفورڈ یونیورسٹی سے پبلک ایڈمنسٹریشن ڈپلومہ کیا اس کے علاوہ آپ نے مانیٹسوری ٹیچنگ ڈپلومہ، سوشل ورک ڈپلومہ، ایم اے سوشل ورک (وارِک یونیورسٹی) کے بعد ''خانگی تشدد کے بچوں پر اثرات'' کے موضوع پر لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور ہر امتحان امتیازی نمبروں اور اسکالرشپ کے ساتھ پاس کیا۔

پیشہ ورانہ خدمات کے سلسلے میں برٹش سول سروس، بی سی سی آئی بینک، ایوننگ میل نیوز سروس، ایجوکیشن ویلفیئر سروس، سوشل سروس اور کمیونٹی والنٹری سروس ایڈوائیزر کے طور پر کام کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے فلاحی اداروں سے بھی وابستگی رکھی جن میں پاکستانی خواتین کی ادبی اور ثقافتی تنظیم ''آگہی'' کی بانی اور تاحیات صدر ہیں جس کی بنیاد 1997 میں رکھی گئی جو آج بھی اسی طرح فعال ہے۔ ریڈیو ایکس ایل بطور نیوز ریڈر، ریڈیو شاہین بطور براڈ کاسٹر، ویمن ایڈ، بلیک ویمن فورم، سمال ہیتھ کمیونٹی فورم، اقبال اکیڈیمی، نیشنل اکیڈیمی آف برٹش رائٹرز، سردار میموریل ویلفیئر ٹرسٹ، برطانیہ میں بہترین کمیونٹی خدمات پر ''ملینیئم کمشن کی تاحیات فیلوشپ حاصل ہے۔

ان کی پہلی شعری کاوش 1971 میں سنٹرل گورنمنٹ گرلز کالج اسلام آباد کے انٹر کالجیٹ

مشاعرے میں طرحی مصرع پر غزل لکھی جو بعد میں کلاج کے میگزین میں بھی شائع ہوئی اسی طرح ان کی پہلی نثری کاوش گورنمنٹ گرلز کالج گجرات میں افسانہ نویسی کے مقابلے میں افسانہ لکھا جس پر انعام حاصل کیا۔

ادبی تخلیقات کی طویل فہرست ہے 2000 میں ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ''گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو'' تھا جبکہ اس کے بعد ''سب آنکھیں میری آنکھیں ہیں'' (2001) ''میں عورت ہوں'' یہ نثری نظموں اور انگریزی ترجمہ جو جون 2000 میں شائع ہوا۔ ''پیپل کی چھاؤں میں'' رنگ رنگ کے ماہیے ہیں جو 2001 میں منصۂ شہود پر آیا۔ ''ہوا کے سنگ'' جس میں غزلیں، نظمیں اور دوہے جو 2011 میں شائع ہوا۔ پھر آپ نے اپنے پانچوں مجموعوں کو ملا کر ''خوشبو، گلاب کانٹے'' کے نام سے بڑی ضخیم کلیات جو 2012 میں شائع ہوئی۔ ''تتلیاں اداس ہیں'' کے نام سے شعری مجموعہ زیر ترتیب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نثری کتابیں بھی چار ہیں جن میں ''چاند میں چڑیلیں'' (طنز و مزاح 2000) ''کہانی بول پڑتی ہے'' (پوپ کہانیاں 2012 ''کاغذی ہے پیرہن'' افسانے جو ابھی زیر تصنیف ہیں اور ایک منفرد سفرنامہ جو ابھی زیر تحقیق ہے بنام ''ہم روحِ سفر ہیں''، تالیفات میں ''نذرانۂ عقیدت''۔ مجموعہ درود شریف 1997ء ''نیشنل ویمن ڈایئریکٹری 1999ء ''رائٹ ٹریک'' 2000ء ''پوئٹری ٹائم'' 2000ء ''قرض وفا'' (شہناز مزمل کی شاعری کا انتخاب 2002ء اور اپنی تنظیم ''آگہی'' کے زیر اہتمام برطانیہ میں ینگ ایشین رائٹرز کا شاعری کا مقابلہ اور انعامات حاصل کرنے والی تخلیقات کتابی شکل میں شائع کی گئی، اسی طرح ''آگہی'' کے زیر اہتمام برطانیہ میں نوجوان ایشین ویمن رائٹرز کی نثری اور شعری تخلیقات کا خاص نمبر اردو اور انگریزی میں شائع کیا گیا۔

میری معلومات کے مطابق آج تک کسی خاتون کی اس قدر ادبی خدمات کا طویل فہرست نہ سنی نہ پڑھی۔ یہ درست ہے کہ خدا ہی اپنے خاص بندوں کو خاص خاص کاموں کے لئے چنتا ہے مگر ان تمام کاموں میں اس بندے کی محنت اور لگن بھی تو شامل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل صاحبہ کی اکثر تخلیقات ہندو پاک کے ادبی جرائد کے علاوہ برطانیہ کے ادبی رسالوں

میں بھی تواتر سے شائع ہوتی ہیں ۔ ماہنامہ ''پرواز'' نے ان کا گوشہ بھی شائع کیا تھا۔جس میں ادبی ناقدوں نے ان کی طویل ادبی خدمات کو سراہا۔ان کے ہاں جو خاص بات دیکھی ہے وہ کسی موضوع پر جب کچھ لکھنے لگتی ہیں تو وہ مضمون سے کتابی شکل اختیار کر لیتی ہے کیونکہ وہ درجنوں کتابوں اور حوالوں سے اسے ثابت کرتی ہیں جس کی مثال ان کی کتاب جو''پوپ کہانیوں'' کے موضوع ''کہانی بولتی ہے'' ہے۔ برطانوی نثری دنیا میں جب ''پوپ کہانی'' کی وبا نے جنم لیا تو بے شمار ادبا نے اس پر مضامین لکھے جس میں راقم الحروف بھی شامل ہے مگر۔۔جب ڈاکٹر رضیہ نے قلم سنبھالا تو انہوں نے امریکہ تک کی نثری تاریخ کو الٹ پلٹ کر کے پوری کتاب شائع کر دی اور ثابت کیا کہ ''پوپ کہانی'' بہت پہلے امریکہ میں لکھی جا چکی ہے یہ کوئی برطانیہ کے کسی کہانی کار کی ایجاد نہیں ہے۔۔۔!!

ڈاکٹر صاحبہ کو ادب سے پیار نہیں عشق ہے جس کے لئے وہ دن رات بیقرار رہتی ہیں اور انہوں نے نثر کے ساتھ شاعری کی تمام اصناف کو بڑی ہنر مندی و مہارت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔یہی جذبہ عشق انسانی فطرت کا اٹوٹ جز ہے جس کی حقیقت دل پر آشکارہ ہو جانے کے بعد انسانی ذات وسعتِ بے پایاں و بے کراں سے ہمکنار ہوتی ہے۔دل کی نرم مٹی سے جب یہ پودا نشو ونما پاتا ہے تو اس کی شاخوں پر صفاتِ احسن کے پھول کھل اُٹھتے ہیں اور کردار سر چشمۂ سوز و گداز ہو کر سلامتی اور امن کی علامت بن جاتا ہے۔اسی سوتے سے الفت کے ترانے پھوٹتے ہیں اور اخوت ،انسان دوستی ،رواداری ،خاکساری کی لے پر موجزن اطوارِ پاکیزہ کے نغموں سے ماحول عطر بیر ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل صاحب نے جہاں شاعری میں دنیائے ادب کو بے پناہ خزانہ عطا کیا وہاں انہوں نے نثر میں بھی افسانے ،مضامین ،خاکے اور انشائیہ لکھ کر اپنے آپ کو منوایا ہے۔

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ جل شانہ انہیں صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے اور وہ اسی طرح دن رات کمیونٹی کی خدمات کے ساتھ ساتھ ادب کی آبیاری بھی کرتی رہیں۔۔آمین

❀ ❀ ❀

اے کاش سرِ صحرا اک پھول کھلا ہوتا
اس پھول کے پہلو میں اک دیپ جلا ہوتا

کچھ غم تو اندھیرے کا جھونکوں پہ کھلا ہوتا
اے کاش ہواؤں کے ہاتھوں میں دیا ہوتا

راتوں کا اندھیرا ہے، تنہائی ہے اور میں ہوں
ایسے میں کوئی جگنو پہلو سے لگا ہوتا

گھر ڈھونڈنے نکلے تھے، ویرانے میں آ پہنچے
اے کاش کہ رستوں میں ترا نام لکھا ہوتا

ہے جال اندھیروں کا، جاؤں تو کدھر جاؤں
رستے میں ترے گھر کے اک دیپ جلا ہوتا

تو اور کہیں پر ہے، میں اور کہیں پر ہوں
میں تجھ کو ملی ہوتی، تو مجھ کو ملا ہوتا

بارود

بدبودار۔۔تاریک۔۔سیال مادہ
میری روح کی نرم نازک زمین پر
رینگ رہا ہے۔۔
میری چھاتیوں سے۔۔
دودھ کی دھاریں نہیں
نوکیلی گولیاں ٹپک رہی ہیں
میرے شیر خوار بچے کی پاکیزہ سانسوں میں
بارود کی بو رچی بسی ہے
دنیا کے تمام پھولوں سے
کشید کی ہوئی خوشبوئیں لاؤ
اور۔۔۔
میرے بچے کی پاکیزہ سانسوں کو بحال کرو۔۔۔!

٭

غموں پہ ہاتھ ملنا آ گیا ہے
کھلونوں سے بہلنا آ گیا ہے

بہت پتھر کیا تھا خود کو میں نے
تو بچھڑا تو پگھلنا آ گیا ہے

محبت ہے کہ نفرت ہے، جو ہے
تِرے سانچے میں ڈھلنا آ گیا ہے

یہ کیسی درد کی سوغات دی ہے
بنا شعلوں کے جلنا آ گیا ہے

تجھے یہ سُن کے دُکھ ہو یا خوشی ہو
مجھے گر کر سنبھلنا آ گیا ہے

گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو
مجھے کانٹوں پہ چلنا آ گیا ہے

٭

دیواروں پر نقش بناتی رہتی ہوں
خود کو لکھتی اور مٹاتی رہتی ہوں

بند گلی میں رستے ڈھونڈتی رہتی ہوں
رستوں کا پھر سوگ مناتی رہتی ہوں

پلکوں پر خوابوں کی تہیں جم جاتی ہیں
پلکوں سے پھر گرد اُڑاتی رہتی ہوں

یادیں جب بھی باہیں کھول کے آتی ہیں
یادوں سے میں ہاتھ چھڑاتی رہتی ہوں

روز کا رونا آنکھ کہاں تک دیکھے گی
اشکوں سے اب آنکھ چراتی رہتی ہوں

کہنے کی سو باتیں ہیں پر کیسے کہوں
سوچتی ہوں اور ہونٹ چباتی رہتی ہوں

❁

لفظوں کی جھنکار کو مرنے مت دینا
اندر کے فن کار کو مرنے مت دینا

کوثر اور تسنیم سے دھو لو ہونٹوں کو
ناطق ہو، گفتار کو مرنے مت دینا

پتی پتی چُن کر پھول بنا لینا
خوشبو کے سنسار کو مرنے مت دینا

منزل دُور بہت اور پاؤں زخمی ہیں
چلتے رہو، رفتار کو مرنے مت دینا

سجدوں اور دعاؤں کی سوغاتوں سے
تم اپنے بیمار کو مرنے مت دینا

مرنا پڑے سو بار اگر تو مر جاؤ
پر اپنے کردار کو مرنے مت دینا

❁

ٹوٹا ہوا خوابوں کا نگر دیکھ رہی ہوں
اب دید کی خواہش نہیں، پر دیکھ رہی ہوں

چھپتی نہیں آنکھوں کی نمی لاکھ چھپائیں
ہر چہرے پہ میں دیدۂ تر دیکھ رہی ہوں

پنچھی ہے، قفس ہے، کہیں پرواز کی خواہش
میں پنجرے میں ٹوٹے ہوئے پر دیکھ رہی ہوں

اینٹوں سے مکاں بنتے ہیں، گھر پیار وفا سے
بازار میں بکتے ہوئے گھر دیکھ رہی ہوں

نالے مرے جا پہنچے ہیں اب عرشِ بریں تک
میں اپنی دعاؤں کا اثر دیکھ رہی ہوں

سید ریاست عباس رضوی (مرحوم)

Mr.Sayyad Ryasat Rizvi,

55,Thornton Road, London

SW12 0JY Tel: 0208 674 2730

سید ریاست عباس رضوی دہلوی برطانیہ میں 1957 میں آئے۔ دہلی سے ہجرت کی اور لاہور آ گئے وہیں گورنمنٹ کالج میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کر کے حبیب بینک کراچی میں ملازمت کر لی۔ جب لندن آئے تو یہاں کچھ مدت نیشنل بینک آف پاکستان میں کام کیا اور اس کے بعد پاکستان ہائی کمیشن میں اکاؤنٹ کے شعبے میں ملازمت مل گئی۔ دراز قد گورا چٹا رنگ نہایت خوبصورت دلکش نوجوان تھے اور اپنے کام کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ 1958 سے 1974 تک اپنے فرائض کی ادائیگی کی اس دوران انہوں نے پاکستان سے آئے ہوئے ان گنت لوگوں کی امداد کی انہیں ملازمت اور رہائش دلوانے کے علاوہ دیگر ضروریات پورا کرنا اپنا اخلاقی، دینی اور قومی فرض سمجھتے۔ اس دوران انہوں نے کمپیوٹر پروگرامنگ کا کورس بھی کامیابی کے ساتھ پاس کیا تو نوکری چھوڑ کر ڈیپارمنٹ ٹریڈ انڈسٹریز میں ایڈمن افیسر کے عہدے پر فائز ہوئے مگر 1993 میں دل کا دورہ پڑا، آپریشن ہوا اور تین سال تک بیمار رہے۔ آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ طبیعتاً نہایت علیم، دھیمے لہجے میں مسکرا کر بات کرنا ہر کسی کو محبت کا درس دینا، کسی قسم کے جھگڑے، بحث اور سیاست سے دور رہنا، ہر کسی کو تعاون کی پیشکش کرنا خاص کر لندن کی ادبی تنظیموں کے ساتھ مالی اخلاقی تعاون کرنا ریاست بھائی نے اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ کئی ایک تنظیمیں ان کے مالی تعاون سے چلتی ہیں۔ مذہبی رجحان کے مالک ہیں ادارہ جعفریہ بھی چلاتے ہیں، ان کی بیگم جو اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں اپنے گھر میں ہر بدھ کو خواتین کی مذہبی محفل کا انعقاد کرتی ہیں جس میں درود شریف کا ورد ہوتا ہے تلاوت کی جاتی ہے اور اپنے مذہبی درس کا انتظام ہوتا ہے جس میں یہ دونوں میاں بیوی مل کر مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ انہوں نے 1974 میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ

جب عظمت باجوہ اور پروین لاشاری نے ریڈیو سروس شروع کی تو مجھے اس میں شرکت کا شوق پیدا ہوا اور میں نے انگریزی میں شاعری شروع کی جس میں انہیں دی انٹرنیشنل لائبریری آف پوئٹری'' کی طرف سے ایوارڈ بھی ملا۔ان کے تین بچے ہیں ایک ڈاکٹر دوسرا آئی ٹی سپیشلسٹ اور بیٹی اعلی عہدے پر فائز ہے۔گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ریاست رضوی لندن کے مشاعروں میں باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں محبت کی شاعری کرنے والے حق کی بات کہنے والے ریاست بھائی یہ پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

ایک شاعر بے باک ریاستؔ ہے جہاں میں حق بات کے کہنے میں وہ مشہور رہا ہے

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ریاستِ محوِ قمر'' انہی دنوں منصۂ شہود پر آیا ہے جس کی رسمِ اجراء انہوں نے بڑے عالیشان طریقے سے کی اور بے شمار سخن وروں نے شرکت کی اور ان کے بارے میں مضامین پڑھے میں ریاست بھائی کو چودہ پندرہ برس سے جانتا ہوں۔مشاعروں میں بھی اپنے کلام سے وہ اپنے قد کی مانند بلند و بالا نظر آتے ہیں۔ان کی شاعری ان کی اپنی شاعری ہے جو انہوں نے ایک طویل مدت سے زندگی کی کڑی آزمائشوں سے گزر کر بڑی محنت کے ساتھ مکمل کی۔وہ مترنم شاعر ہیں اور اکثر اپنا کلام اپنے بڑے ہی مخصوص انداز میں پڑھتے ہیں۔اس زمانے میں جب اطہر راز، معین الدین شاہ، بلبل کاشمیری جیسے شاعر مشاعروں کی جان سمجھے جاتے تھے ان کی مجلس میں بیٹھ کر انہوں نے بہت کچھ سیکھا اور پایا۔

ریاست رضوی کی شاعری محبت کی شاعری ہے انہوں نے زندگی میں صرف اور صرف محبت کرنا ہی سیکھا ہے، شاید ہی ان کی کسی کے ساتھ دشمنی ہو۔وہ کسی کو کھو کر بھی بھلا نہیں پاتے اور اپنی الفت کو سدا قائم رکھتے ہیں۔

مانا کہ ریاستؔ ہار گیا پا کر بھی تم کو کھو بیٹھا
الفت کو تمہاری ختم کروں صدمہ یہ سہوں ممکن ہی نہیں

ان کا تخلیقی عمل اعتراف خود شناسی کا عمل ہے جو ان کے اشعار کے نزول کا باعث بنتا ہے اور وہی ان کے اور قاری کے درمیان ایک ذہنی اور قلبی رشتہ استوار کر دیتا ہے۔ان کا پیغام محبت سب کے لئے یکساں ہے

جل جاؤ شمع کی طرح پروانے کی خاطر
اپنے کو مٹا دو کسی دیوانے کی خاطر

وہ کہتے ہیں جب پیار کرو تو اسے نبھانے کی خاطر کرو اگر ہار بھی جاؤ تو اس سے کنارہ کش نہ ہو جاؤ کسی بیگانے کی طرح بیگانے نہ ہو جاؤ۔ محبت کا یہ پیغام ان کی زندگی کا حاصل ہے کہ انہوں نے ہمیشہ پیار ہی سے دوسروں کے دل جیتے ہیں۔ اسی خوبصورت غزل کے مقطع میں کہتے ہیں۔

ریاست کو گوارہ نہیں رسوائی اُٹھانا ———— مر جاؤ اپنی چاہ کو چھپانے کی خاطر

ریاست بھائی نے غزل کا اپنا مخصوص لہجہ اور طریقہ اظہار اپنایا ہے انہوں نے قطعات و رباعی میں اپنا مخصوص طریقہ وضع کیا اور عمل پیرا رہے۔ لیکن ان کی غزل کا جادو سر چڑھ کر بولا، انہوں نے محبت و پیار کی چاشنی میں غزل کو لپیٹ کر پیش کیا ہے جو ان کا اپنا انداز ہے۔ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر ان کا انوکھا انداز ملاحظہ ہو۔

خوشبو تیرے آنے سے پھیلے جو فضاؤں میں ———— چپکے سے تجھے چھو لے پھر بادِ سحر آئے

میں محترم بھائی ریاست رضوی کو دلی مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی برسوں کی محنت کا ثمر ''ریاست محوِ قمر'' کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی پاکیزہ محبتوں کے اظہار میں غزل کو ایک نیا رنگ دیا ہے، انہوں نے اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے حالات کو بھی اپنی قلم سے جدا نہیں رکھا اسی طرح مذہب سے لگن اپنے حبیب پاکؐ کی محبت میں بے شمار اشعار کہے۔ وہ ایک باعمل مذہبی انسان ہیں جو اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں کی نہ صرف تعلیم دیتے ہیں بلکہ خود اس کا پیکر نظر آتے ہیں۔

میری گفتگو محمدؐ، میری جستجو مدینہ ———— میری انتہا خدا ہے میری ابتدا مدینہ

اللہ کرے ہو زورِ قلم اور زیادہ۔۔۔۔

✻

اُلفت کا نقش دل سے مٹایا نہیں ابھی
اُس بے وفا کو میں نے بھلایا نہیں ابھی

چھپ چھپ کے اُس کی یاد میں روتا رہا مگر
داغِ جگر کسی کو دکھایا نہیں ابھی

راہِ وفا میں یاد کی دہلیز کے سوا
میں نے سرِ نیاز جھکایا نہیں ابھی

وہ تو چلا گیا ہے مجھے چھوڑ کے مگر
اس دل میں پھر کسی کو بسایا نہیں ابھی

دولت سے غرض ہے نہ ستائش کی آرزو
دستِ طلب کہیں پہ بڑھایا نہیں ابھی

شاید ادھر سے گذرے کبھی وہ پری جمال
میں نے چراغِ شام بجھایا نہیں ابھی

جس نے مرے جگر کو ریاستؔ جلا دیا
اُس کے خطوں کو میں نے جلایا نہیں ابھی

✻

ہنگامہ عجب وقتِ سحر دیکھ رہا ہوں
دیکھا تو نہیں جاتا مگر دیکھ رہا ہوں

اِک روز مرے ساتھ وہ گذرا تھا جہاں سے
مُڑ مُڑ کے وہی راہِ گذر دیکھ رہا ہوں

زُلفوں کو تیری بادِ صبا چھیڑ رہی ہے
بکھرے ہوئے بالوں میں قمر دیکھ رہا ہوں

شب کو مرے خوابوں میں وہ آجاتا ہے اکثر
میں اپنی محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں

آئے مری محفل میں زُلفوں کو سنوارے
میں اپنی دعاؤں کا ثمر دیکھ رہا ہوں

پھولوں کی تمنا نہ مجھے چاند سے رغبت
اِک چاہنے والے کی نظر دیکھ رہا ہوں

ریاستؔ کسی طائر پہ کوئی ظلم ہوا ہے
گلزار میں ٹوٹے ہوئے پر دیکھ رہا ہوں

جس کو فکرِ زیاں نہیں ہوتا
وہ کبھی مہربان نہیں ہوتا

میری اُلفت کا ہے یقیں اُس کو
مجھ سے وہ بدگماں نہیں ہوتا

جس کے دل میں کوئی خباثت ہو
وہ کبھی کامراں نہیں ہوتا

ساری دنیا عجیب لگتی ہے
وہ اگر درمیاں نہیں ہوتا

سوچتا ہوں یہی کہ شاہیں کا
کیوں کوئی آشیاں نہیں ہوتا

کیوں ریاستؔ تمہارے چہرے سے
دردِ اُلفت عیاں نہیں ہوتا

شعلہ ہوں بھڑکنے کی جسارت نہیں کرتا
میں آگ لگانے کی شرارت نہیں کرتا

خوابوں میں چلا آتا ہے تصویر کی صورت
وہ مجھ کو جگانے کی جرأت نہیں کرتا

گر جاتا ہے اِک روز زمانے کی نظر میں
جو ظلم تو کرتا ہے محبت نہیں کرتا

کانٹوں کو بھی سینے سے لگاتا ہوں چمن میں
میں تو کسی دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتا

ہر محفلِ زردار سے رہتا ہوں گریزاں
میں جھوٹے خداؤں کی زیارت نہیں کرتا

جس کام سے آنچ آئے کبھی میرے وطن کو
وہ کام مرے دوست ریاستؔ نہیں کرتا

یاد میں تیری دیئے دل کے جلائے میں نے
درد کے کتنے در و بام سجائے میں نے

حرف آنے نہ دیا تیری محبت پہ کبھی
جتنے غم تھے وہ تبسم میں چھپائے میں نے

میں نے تو تیری محبت کو فقط یاد رکھا
جو زمانے نے کئے ظلم بھلائے میں نے

ہم سفر تُو تھا تو آسان تھا ہر جادۂ عشق
تُو نے چھوڑا تو نشاں تک بھی نہ پائے میں نے

روشنی کوئی میرے پاس نہ تھی ہجر کی شب
بس امیدوں کے دیئے گھر میں جلائے میں نے

سچ تو یہ ہے کہ وہی تھے میرے سرمایۂ جاں
ہائے وہ راز جو دنیا سے چھپائے میں نے

بخش دی مجھ کو محبت کی ریاستؔ اُس نے
اُس کو اشعار نئے جب بھی سنائے میں نے

یادیں

زندگی سب کی یادوں میں بسر ہوتی ہے
شام سے رات خیالوں میں سحر ہوتی ہے
ملک تقسیم ہوا لوگ بھی تقسیم ہوئے
اپنے بچھڑے تو گذر جانے کدھر ہوتی ہے
چھوٹے ماں باپ بہن بھائی اقارب سارے
اب تو غیروں میں صبح شام ادھر ہوتی ہے
خوش نصیبی کہ مرے ساتھ مرے اپنے ہیں
ورنہ پردیس میں غیروں سی بسر ہوتی ہے !!
بے لباسی پہ ریاستؔ نہیں کوئی قدغن
شیروانی پہ مری سب کی نظر ہوتی ہے

زاہد عظمت

Mr. Zahid Azmat

Tel: 07790192633

E.Mail:zahid_azmat@hotmail.com

زاہد عظمت برطانیہ 2004 میں آئے اور سکاٹ لینڈ کے شہر گلاسگو میں رہائش رکھی۔ برطانیہ آنے سے پہلے یو ای اے عجمان میں اسکول ٹیچر رہے، شروع سے ہی درس و تدریس سے وابستگی رہی۔ پاکستان میں بہاولپور سے تعلق ہے ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت فوج میں خدمت سر انجام دیں اور ملٹری تمغات حاصل کئے۔ 1978 سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا، بقول ان کے ان کا پہلا شعری مجموعہ دوستی کی نظر ہو گیا شائع کرنے کے لئے دیا گیا مگر غائب کر دیا گیا۔ اسلامیات میں ماسٹرز کرنے کے بعد انہوں نے پھر لکھنا شروع کیا مگر اور ''جنبش'' کے نام سے مجموعہ زیر ترتیب ہے۔ اردو پنجابی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں، پنجابی کا مجموعہ بھی زیر ترتیب ہے جس کا نام انہوں نے ''سولاں'' رکھا ہے۔ دیکھئے کب تک اردو پنجابی ادب کی زینت بنتے ہیں۔!

زاہد عظمت ایک بار لندن میرے مشاعرے میں تشریف لا چکے ہیں جہاں وہ مہمان خصوصی تھے ان کا کلام سن کے انہیں بے حد داد ملی۔

زاہد عظمت دورِ حاضر کے وہ قلمکار ہیں جو اپنی شاعری اور نثر میں اپنا تخلیقی جواز اپنی فکری قوت سے اس طرح فراہم کرتے ہیں کہ نہ تو ان کا ماضی سے رشتہ منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی حال اور مستقبل سے۔ ان کی تحریر پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ان کی ذات کی جڑیں انسانیت کے احساسات کے عمیق گہرائیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی سے عشق کی حد تک پیار ہے جس کا ثبوت ان کے تحریر کردہ ہر لفظ کی خوشبو سے محسوس ہوتا ہے وہ دونوں زبانوں اردو اور پنجابی میں یکساں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا کلام لندن کے معروف ماہنامہ ساحل او ہفت وار اخبار کے گوشہ ادب میں تواتر سے شائع ہوتا ہے۔ گلاسگو میں وہ ادبی تنظیم سے بھی وابستہ ہیں اور ادب کی آب یاری میں کوشاں رہتے ہیں۔

ان کی غزلیں اکثر طویل ہوتی ہیں اور گیارہ بارہ اشعار تک چلی جاتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں تو لکھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں اکثر ادبی دنیا میں ایک دوسرے پر طنزاً رمزاً اشارتاً کنایتاً پھول برسائے جاتے ہیں اور پرانے شعراء یا شاعرات نئے لکھنے والوں کو جلدی جلدی قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں جو اچھی بات نہیں بلکہ جو لوگ اس میدان میں نئے وارد ہوتے ہیں انہیں سینئرز کی حوصلہ افزائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے جو ان کے فن کی بقا اور پرورش کے لئے ناگزیر ہے مگر تعصب کس دور میں نہیں ہوا۔

ہمارے زاہد عظمت بھی اس ''پھول بارش'' میں کافی بھیگے ہیں مگر ان کا اعتماد ثابت قدم رہا اور قلم پر گرفت مضبوط رہی وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنے قلم کی رفاقت میں اپنے ادبی سفر پر قدم بڑھاتے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ بقول ان کے،

تو ڑا کریں جو دل کو گراتے ہیں بجلیاں

رو رو کے وہی چنتے اٹھاتے ہیں کرچیاں

زاہد عظمت کو مجھے جانے ہوئے دو سال سے زائد مدت ہوگئی وہ نہایت دوست نواز، مخلص طبیعت ،وضعہ دار اور کھلے دل کے ساتھ صاف کھری اور سچی بات کہنے اور سننے کے عادی ہیں۔ خدا نے انہیں جس طرح دراز قد خوبصورت شکل وصورت کھلا ہوا رنگ مسکراتی باتیں کرتی روشن آنکھوں سے نوازا ہے اسی طرح وہ کشادہ دل اور کھلے ذہن کے مالک ہیں دوسروں کے طنز اور کڑوی کسیلی باتیں سن کر وہ اس طرح مسکرا دیتے ہیں کے چاند پر تھوکا ہوا مخاطب کے منہ پر جا پڑتا ہے۔ وہ مذہبی ذہن کے مالک ہیں اور نماز کے پابند لہذا انہیں یہ یقین کامل ہے کہ منافق دوستوں کا روّیہ، حاسد اور بغض رکھنے والوں کا سلوک ان کو کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسی لئے وہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ،

پل بھر میں تعلق کو جو کرتے ہیں منقطع

باقی تمام عمر پھر مٹاتے ہیں دوریاں

زاہد عظمت یقیناً غزل کے شاعر ہیں اور کامیاب شاعر ہیں۔ ان کی شاعری آج کی شاعری ہے ۔ان کی غزل نئے انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان کا سخن آج کا، سچے اور پکے سخن ہونے کا امتیاز اور

انفرادیت رکھتا ہے۔ ان کا کلام کلاسیکی رنگ و آہنگ کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہونے کے اعتبار سے متغزل و مترنم ساز میں رچا بسا، شعری و فکری لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جادو لئے معنی تناظر میں مضمون آفرینی، پہلو و تہہ داری نیز ہمہ گیریت سے معمول ہے۔ اس لحاظ سے ان کے سخن میں وہ تمام محاسن و عوامل پائے جاتے ہیں جو سننے سنانے کی کشش اور سرور و کیف آفرینی نیز افہام و تفہیم کی بات صلائے عام دینے اور قبول عام ہونے کے شرف سے نوازتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ زاہد عظمت اسی طرح اپنے ادبی کام میں منہمک رہیں گے اور اپنے دونوں شعری مجموعوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔ ہمیں ان کے مجموعات کا بے تابی سے انتظار ہے جو انشاء اللہ اردو اور پنجابی ادب میں ایک اعلی اضافہ ہوگا۔۔ سنا ہے آج کل وہ پاکستان جا کر سیٹل ہو گئے ہیں۔ میری دعائیں ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گی میرے بہت اچھے مخلص دوستوں میں سے تھے۔۔

۞

چاہا جسے وہ تھا کہیں انجم کے درمیاں
حائل خلا رہے مرے و محرم کے درمیاں
دل سے اٹھیں شعلے گریں اشک بن کے شبنم
میں جل گیا ہوں شعلہ و شبنم کے درمیاں
ملتا ہے تبسم سے مگر رکھتا ہے کدورت
الجھا پڑا ہوں دشمن و ہمدم کے درمیاں
حیراں ہوں تذبذب میں ہوں روؤں کہ یا ہنسوں
پائی حیات فرحت و ماتم کے درمیاں
اے حسن یوں غرور سے اتنا بھی نہ اترا
دیکھا ہے تجھے یوسف و درہم کے درمیاں
ایسی لگن درکار ہے صحرائے امکاں میں
جیسی لگن تھی تشنۂ و زمزم کے درمیاں
عظمتؔ ہوا ہے اچھا یہی کہ دنیا تو گول ہے
بچھڑا ملے وہ شاید کسی سنگھم کے درمیاں

۞

توڑتے ہیں جو بھی دل کو اور گراتے ہیں بجلیاں
رو رو کے وہی چنتے ہیں اُٹھاتے ہیں کرچیاں
اوروں کو تو دکھا دیں وہ مسکا کے بھی بھلے
خود سے وہ لہو آلود چھپاتے ہیں انگلیاں
چھوٹی انا سے جذبوں کے ہی جب گھٹ گئے گلے
کس کام کی ہیں پھر جب بھلاتے ہیں تلخیاں
پل بھر میں تعلق کو جو کرتے ہیں منقطع
باقی تمام عمر پھر مٹاتے ہیں دوریاں
مشکل ہیں جنہیں چھوڑ کے جاتے ہیں انہی کی لوگ
ہونے پہ کامیاب پھر بجاتے ہیں تالیاں
کوئی گلہ نہ ہو پائے پھر تشنہ لب کبھی
ساری انہی کو آج ہم پلاتے ہیں ترشیاں
انگلی پکڑ کے جینا سکھایا گیا جنہیں
ہاتھوں سے وہی بوڑھوں کے چھڑاتے ہیں انگلیاں
ہوتی ہے تنگ عظمتؔ شعراء پہ زندگی
مرنے پہ کھلے دل سے مناتے ہیں برسیاں

✹

شعلے نگر گیا ہے پھر سے دل مرا
وعدوں سے پھر گیا ہے پھر سے دل مرا
پھر کشتیٔ نوح کوئی کر لے جہاں تلاش
کہ چھالوں سے بھر گیا ہے پھر سے دل مرا
ڈوبا تو تھا ترے گہرے بھنور میں یہ
دیکھو کہ تر گیا ہے پھر سے دل مرا
پاگل اسے کہوں نہ میں تو کیا کہوں
یہ کس پہ مر گیا ہے پھر سے دل مرا
گرچہ دغا رہا ہے اکثر مرا نصیب
الفت نگر گیا ہے پھر سے دل مرا
کوچے سے اب کے بھی اے چارہ گر ترے
بے بال و پر گیا ہے پھر سے دل مرا
کس کا خیال گزرا ہے دلِ یاس بُرد سے
کہ بن سنور گیا ہے پھر سے دل مرا
عظمت تجھے تو چاند بھی نہ ہ سکوں ترے
چھپنے سے ڈر گیا ہوں پھر سے دل مرا

✹

سمجھو نہ شمسِ شام میں پھر لوٹوں گا
پھر دو گے سلامی جو کل صبح ابھروں گا
پتھر ترے مجھ کو دبا نہ پائیں گے
میں اُس پہاڑ کو لاوا بنا کے پھوٹوں گا
عاجز ہوں میں اس بندگی سے بندوں کی
اس قید سے رب ہی جانے میں کب چھوٹوں گا
آزاد ہو تم آج ہم بھی ہوئے آزاد
یکسمت وفا کو میں کب تلک کھینچوں گا
باہر بھی شیاطین ہیں اور شیاطین ہی اندر
سب سرحدوں پہ کس طرح میں نمٹوں گا
لاکھوں خدا ہیں عظمت مگر میں اِک تنہا
کس کو کروں گا ناراض کسے پوجوں گا

تیری طلب جواہر و مرمر کے سوا کیا
پتھر دلوں کا چاہیے ہی پتھر کے سوا کیا
جنگل میں ہے پھر بھی کچھ قانونیت مگر
انسانیت ہے بربریِ جابر کے سوا کیا
اچھا ہوا کہ چھوڑ گئے ہیں چارہ گراں مجھے
جن کا چلن تھا بس جفائے خاطر کے سوا کیا
شامل ہیں کیا وہ حلقۂ انسانیت میں لوگ
جن کی نظر میں آدمی ہے بندر کے سوا کیا
تھِرکیں بھی اگر نہ وہ قدم تو پھر کریں بھی کیا
جن کو عطا ہوئی فقط جھانجھر کے سوا کیا
دھرتی سی تپش بادلوں سی چھاؤں فلک سے بڑی
دنیا میں ہے تری چادر کے سوا کیا
کھاتے ہیں کھلی آنکھوں سے ہم سب سے بڑا فریب
پانی سُراب اک حسیں منظر کے سوا کیا
مانیں بھی تری آگہی کو عظمتؔ وہ بھلا کیوں
تم بھی تو ہو اک فلسفی شاعر کے سوا کیا

نالاں ہے مری مجھ سے یہ اب تو رسوائی بھی
دینے لگی ہے تھپکی سی اب تو تنہائی بھی
کچھ اس طرح سے چھا گیا ہے سناٹا حیات پر
چونکا گئی ہے اب تو کسی کی انگڑائی بھی
تشنہ ہوئی ہے ایسی طلب اپنائیت مری
نعمت لگے ہے اب تو مجھے یہ پسپائی بھی
اتنی طویل ہوگئی دعا کی بے اثری کہ اب
دکھنے لگی ہے کچھ بدگماں سی ہولائی بھی
ایسے بکھر گیا ہے شیرازہ حیات کا
سلجھی لگے ہے الجھی لٹ سودائی بھی
ہوا اس قدر بیزار ہوں خوشی سے میں عظمتؔ
ماتم لگے ہے بجتی ہوئی شہنائی بھی
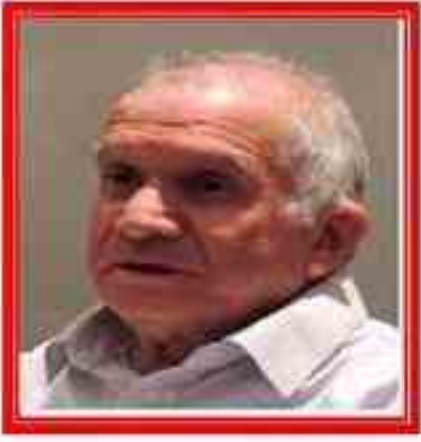
ڈاکٹر ساحر شیوی (مرحوم)

Dr. Sahir Shiwee,

47,Sutton Gardens,Sundon Park

Luton, Beds LU3 3AF.England

Tel: 01582704633

اصل نام عبداللہ ہے دسمبر 1936 میں ضلع رتنا گیری، کوکن مہاراشٹر بھارت کے ایک گاؤں شیوء میں پیدا ہوئے۔ادبی نام ساحر شیوی سے لکھتے ہیں۔ 18 مارچ 1954 کو نیروبی، کینیا افریقہ گئے۔دس برس کے بعد کراچی منتقل ہوئے مگر وہاں سے تین سال کے بعد دوبارہ نیروبی چلے گئے۔ٹرانسپورٹ کا ذاتی کام تھا نیروبی میں بھی ادبی محلفوں کا انعقاد اور ادبی رسالوں کی معاونت کرتے تھے۔جب وہاں آزادی کی مہم چلی تو ایشائی لوگوں کے ساتھ مقامی لوگوں کا روّیہ اس قدر سخت اور ظلم کی حد تک جا پہنچا کہ ساحر بھائی پر پانچ بار قاتلانہ حملے کیے گئے۔اپنے جوان بیٹے کی جہاز میں حادثاتی موت نے بھی انہیں دکھی کر دیا تو وہاں سے ہجرت کر کے جون 1994 میں برطانیہ کے چھوٹے سے شہر لوٹن میں آن آباد ہوئے اور تا حال وہیں پر مقیم ہیں۔

اپنی بے پناہ ادبی خدمات کے اعتراف میں امریکہ میں پرنس کرمٹ ولیم کی ایک انسٹیٹیوٹ نے انہیں ڈاکٹریٹ کے اعزاز سے نوازا۔اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے ان ادبی ایوارڈز اور اعزازات کی جوانہیں برطانیہ، امریکہ، ڈنمارک، انڈیا اور پاکستان سے ملے، جس کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔اسی طرح ان کی تصانیف کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔جس میں سب سے اعلیٰ وارفع کام برطانیہ کا ادبی مجلّہ ''ماہنامہ پرواز'' جو تا حال جاری ہے جو سابقہ کئی برسوں سے برطانیہ کا صفِ اول کا ادبی مجلّہ تسلیم کیا گیا اس کے علاوہ ان کی ادارت میں 2000 تک ماہنامہ صدا اور سہ ماہی سفیر، سہ ماہی ترسیل، ہائیکو ورلڈ کراچی، سہ ماہی ماہیا روپ کراچی اور ماہنامہ آئینہ برطانیہ تا حال جاری ہیں۔ان کی شعری تصانیف جو اب تک منصۂ شہود پر آ چکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

’’نیم شگفتہ، وقت کا سورج، صحرا کی دھوپ، پردیس ہمارا دیس، سلسلہ منتشر خیالوں کا، پانچواں آسمان، ابھی منزل نہیں آئی، وسیلۂ نجاب، وادی کوکن، کوکن کی خوشبو، خاکِ مدینہ، دوہے کوکن کے، دیواروں کے کان، کوکن میرا مہان، جگ بوڑھی کی لہریں، گیت میرے کوکن کے، بہارِ کوکن، صدائے کوکن۔‘‘ اسی طرح ان کی نثری تصانیف بھی لاتعداد ہیں جن میں، سات سمندر پار کا شاعر، متعلقات کالی داس گپتا، کالی داس گپتا رضا شخص اور شاعر، کیج برڈ (افسانے) مجلّہ ملینیم، متعلقات انور شیخ‘‘ اس کے علاوہ ان گنت مضامین ہیں جو شعر و ادب اور دیگر شعرا و شاعرات پر لکھے گئے اور شائع ہوئے۔ اسی طرح ساحر شیوی پر بھی ادبانے بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن میں ہاشم عبدالرزاق دھامسکر نے ’’ساحر شیوی حیات اور شاعری ممبئی یونیورسٹی سے ایم فل کا مقالہ لکھا، ڈاکٹر مظفر حسن عالی نے ’نغمۂ وحدت کا شاعر ساحر شیوی، ڈاکٹر فراز حامدی نے ’کوکن کی سیر جس میں ساحر شیوی کے ماہیے ہائیکو پر ناقدین کے تبصرے شامل ہیں، ڈاکٹر جمیلہ عرشی نے ’کوکن کا مسافر، عبداللہ ساجد نے ’کوکن کا سحر انگیز شاعر، ڈاکٹر سیف سرونجی نے ’ڈاکٹر ساحر شیوی اور ان کے ادبی کارنامے‘، ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے ’ساحر شیوی کا تخلیقی منظر نامہ‘ ڈاکٹر عبید حاصل نے ’کوکن کا روپ‘ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار ناقدین نے ان کی شاعری پر مضامین لکھے جن کو اگر کتابی شکل دی جائے تو مزید درجن بھر کتابیں بنتی ہیں۔

ساحر شیوی نے اپنی تمام زندگی کو ادب کے لئے ہی وقف کر رکھا ہے۔ وہ مقامی مسجد میں بھی اپنا مالی تعاون دے کر اسے تعمیر کر رہے ہیں۔ میری اس کتاب کے بارے میں جب ان سے ذکر ہوا تو انہوں نے سب سے زیادہ اپنا مالی تعاون پیش کیا جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ جہاں بھی کوئی ادبی محفل ہوتی ہے انہیں بڑے اعزاز سے بلایا جاتا ہے گو وہ اپنی بیماری اور پیری کی وجہ سے اب زیادہ ادبی محفلوں میں جانے سے پرہیز کرتے ہیں مگر ان کا گھر میں بیٹھ کر پورا وقت قلم کے ذریعے ادب کی خدمت میں ہی گزرتا ہے۔ ہمارے لئے ساحر بھائی ایک رہبر اور ادبی قائد کی حیثیت رکھتے ہیں مجھے فخر ہے کہ میرے ساتھ ان کا طویل محبت و پیار سے بھرپور برتاؤ رہا ہے۔

ساحر شیوی کی ادبی سرگرمیاں بھی قابل ذکر اور تقلید ہیں۔ وہ کوکن اردو رائٹرس گلڈ کے صدر ہیں۔ اسی

طرح کینیا اردو سینٹر نیروبی کے نائب صدر رہے، یورپین اردو رائیٹرز سوسائٹی کے تا حال صدر ہیں۔ اردو ٹرسٹ برطانیہ اور کوئی مسلم کمیونٹی لیوٹن کے ٹرسٹیز ہیں۔ اور کوکن مسلم ورلڈ فاؤنڈیشن کے بھی صدر رہے، بہادر شاہ ظفر کی میت کو رنگون سے دہلی لانا اور ان کی تدفین کرنے کے لئے جوانٹرنیشل کمیٹی بنی وہ اس کے نائب صدر ہیں۔ اسی طرح ان کو بے شمار ایوارڈ ان کی طویل ادبی خدمات پر ملے، مہاراشٹر اردو اکیڈیمی نے 1988 میں 'صحرا کی دھوپ' فیض احمد فیض نے 'صحرائے افریقہ کا نقیب' کا اعزاز دیا ڈنمارک میں 1998 میں جشن ساحر شیوی منایا گیا، ڈنمارک میں ہی 'بیسٹ پوئٹ آف یورپ' کا خطاب ملا، خطابات اور ایوارڈز کی اتنی طویل لسٹ ہے جس کیلیے مزید دو صفحات درکار ہیں۔ انڈیا کے مختلف شہروں میں جشن ساحر شیوی منائے گئے اور ہمیشہ ان کے اعزاز میں ادبی محفلوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ساحر شیوی نے اپنی تمام زندگی اردو ادب کی خدمت میں گزاری ہے جس کیلیے خاص کر برطانیہ میں مقیم ادبی مشاہیر ان کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں اور اردو ادب پر ان کا بہت بڑا احسان مانتے ہیں۔ اللہ پاک ان کو صحت تندرستی والی زندگی عطا فرمائے تا کہ وہ اسی طرح ادب کی آب یاری کرتے رہیں۔ آمین

❁

دل میں جتنے بھی ہیں ارماں لے کر آ
میرے چمن میں فصلِ بہاراں لے کر آ
ہم بھی تیرے نقشِ قدم پر چلتے رہیں
آنا ہے تو سیرتِ انساں لے کر آ
تجھ سے وابستہ ہیں امیدیں لوگوں کی
ہر محفل میں پیار کا ساماں لے کر آ
ذرہ ذرہ تاریکی میں ڈوبا ہے
روشنیوں سے بھر کر داماں لے کر آ
بات نہ کر ایسی جس کا سر پیر نہ ہو
جو پورے ہو عہد و پیماں لے کر آ
قسمت پر تکیہ کرنے کی بات نہ کر
تدبیریں بھی ساتھ میں ناداں لے کر آ
انسانوں کی ہستی میں شیطاں بھی ہیں
ان کیلئے پیغامِ یزداں لے کر آ
بجھے بجھے دل ہیں سب سے اس محفل میں
ساحؔر اپنی فکر فروزاں لے کر

رباعیات

کس جرم کے آخر یہ سزا پائی ہے
ایک عمر ہوئی نیند نہیں آئی ہے
میں نے نہ کسر چھوڑی سجانے میں اسے
پھر زندگی کیوں مجھ سے ہی ہرجائی ہے

☆

دیوانہ بنایا ہے تیری آنکھوں نے
دنیا کو بھلایا ہے تیری آنکھوں نے
دل سے میری جاتی نہیں تیری یادیں
کیا مجھ کو پلایا ہے تیری آنکھوں نے

☆

میں بزمِ سخن میں جب چلا جاتا ہوں
میں نام و نمود سے گھبراتا ہوں
جب داد نہیں ملتی سخن کی میرے
میں اپنے ہی اشعار پہ شرماتا ہوں

عشقِ اردو

اہلِ زرع ہوں نہ کوئی شاطر ہوں
جو بھی ہے پاس اس پہ شاکر ہوں
صرف اللہ کا بھروسہ ہے
ناستک ہوں نہ کوئی کافر ہوں
میں جادو گری نہیں دیکھی
میں فقط نام کا ہی ساحر ہوں
میں دعویٰ کبھی کیا ہی نہیں
میں اک اچھا ادیب شاعر ہوں
نہیں پیشہ سخن وری میرا
نہ ہی اردو زباں پہ قادر ہوں
پھر بھی اردو سے عشق ہے مجھ کو
جان دینے کو اس پہ حاضر ہوں
کیوں کہ دنیا میں گونج اس کی ہے
اتنی اردو زبان میٹھی ہے

ماہیے

کیوں نہ کروں میں ناز
دنیا تک ہوتی ہے رسا
میری ہر آواز

اے میرے دم ساز
دنیا سے میں ڈرتا ہوں
کھول نہ میرے راز

چلتی جائے ریل
خوش اسلوبی سے ساحر
بڑھتا جائے میل

✿

مہکا مہکا گلاب ہے پیارے
سرخ چہرہ کتاب ہے پیارے
وہ ہے ربط و خلوص کا محتاج
آدمی لاجواب ہے پیارے
غور سے پڑھ جمال زیست میرا
یہ مکمل کتاب ہے پیارے
نیک اعمال میں جو کٹ جائے
زندگانی ثواب ہے پیارے
زر سے دل بھی خرید سکتے ہیں
شہر میں دستیاب ہے پیارے
گاؤں کو شہر کر دکھاؤں
یہ بھی اک میرا خواب ہے پیارے
سینے پر بے کسوں کے بندوقیں
یہ کوئی انقلاب ہے پیارے
خوش سمجھتے ہو تم مجھے ساحرؔ
میرا جیون عذاب ہے پیارے

✿

اردو ہے کائنات تو ہے شاعری حیات
شفاف آئینے کی طرح ہیں مری صفات
اپنی زبان سے کیا کہوں کیسی ہے میری ذات
سورج کے شہر میں کبھی ہوتی نہیں ہے رات
اک خون کیا ہوا کہ پریشاں ہے سارا گاؤں
ہر لمحے ایسے ہوتے ہیں شہروں میں حادثات
سچ بول کر ملی ہے سزا اس کے شہر میں
منہ بند کردیا مرا، کٹوائے میرے ہاتھ
چلنا ہے، کانٹے راہ میں یا دھوپ سر پہ ہو
سمجھوتہ کر لیا ہے غمِ زندگی کے ساتھ
شاید اسی سبب مجھے ہونا پڑا ذلیل
آجاتی ہے زبان پہ جو ہوتی ہے دل میں بات
اک بے وفا سے آس لگانا فضول ہے
ہوتی ہے کب کسی کی یہ دنیائے بے ثبات
لوگ آکے خود ہی دیکھ لیں ملتا ہے کیا انہیں
خالی نہیں ہے پیار سے ساحرؔ کا کائنات

Mrs. Saira Batool,

8, Wigley Road, Hanworth TW13 5HW

E.Mail: sairabatoolj@hayoo.co.uk

Tel:02088941078 Mobile: 07828418612

سائرہ بتول فروری 2001ء میں برطانیہ آئیں ۔پاکستان میں لاہور سے تعلق ہے ۔ایم اے فارسی پنجابی یونیورسٹی لاہور سے کیا اور ایم بی اے کوئین مارگریٹ یونیورسٹی یو کے سے کیا۔درس وتدریس سے تعلق ہے ۔اسکول کے زمانے سے لکھنا شروع کیا گو نثر بھی لکھتی ہیں مگر شاعری میں نام پیدا کیا اور لندن کے اچھے مشاعروں میں شریک ہوکر اپنے کلام پر داد وصول کرتی ہیں۔مجموعہ کلام زیرِ طبع ہے۔

سائرہ بتول ایک اعلی تعلیم یافتہ ،مذہبی اور مہذب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔نہایت خوش اخلاق ،خوش گفتار اور خوش لباسی کے ساتھ ادبی محفلوں میں حجاب اور چادر میں ملبوس چہرے پر پاکیزگی ونور کی روشنی لئے ایک اعلی مقام کی حامل ہیں۔ادبی محفلوں میں ہمیشہ اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ آتی ہیں اور اپنی باری پر پڑھ کر اپنے گھریلو فرائض کی ادائیگی کو اولین قرار دیتے ہوئے وقت پر رخصت ہو جاتی ہیں۔

میری چھوٹی سی یہ بہن نے بہت کم مدت میں اپنے اعلی اخلاق وکردار کے ساتھ نہایت خوبصورت کلام سے اپنا ایک مقام حاصل کیا ہے۔

۔انہوں نے اپنی شاعری میں خواتین کے حقوق کو ابھارا ہے۔سائرہ بتول کی نظم ''عورت'' کو کافی پذیرائی ملی ۔جس میں انہوں نے عورت کو اس کے تمام روپ ،بیٹی سے لے کر ماں تک کے روپ میں دکھایا ۔اس کے علاوہ بھی انہوں نے بے شمار نظمیں اور غزلیں لکھیں جو لندن کے مشاعروں میں پڑھ کر خوب داد وصول کی ۔سائرہ کا لب ولہجہ عام شاعرات سے قطعی مختلف ہے وہ اپنے اشعار نہایت خوبصورتی سے ادا کرتی ہیں۔ ان کے لہجے میں بڑا دبدبہ اور جوش ہوتا ہے اور

اس کی اصل وجہ ان کا اسکول کے زمانے سے تقاریر میں اول آنا ہے وہ الفاظ کی ادائیگی کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتی ہیں۔

غزل کی روائتی شان وشوکت برقرار رکھتے ہوئے ان کی سوچ جدید حسیت کے منطقی بہاؤ میں تصوف اور دینیات کی لہروں کو ساتھ ساتھ رکھتی ہے اور اس طرح کلاسیکی لہجے میں جدت کا منفرد اسلوب الگ شناخت رکھتا ہے۔ ان کی شاعری کی سمجھ بوجھ، زبان کی سادگی اور روانی، چستی بندش، حسن تراکیب، پرواز تخیل اور احساس و جذبہ کی شدت ان کو اردو کی باشعور شاعرہ اور دورِ حاضر کی معصرانہ معاشرتی عکاسی کی مصورہ بناتی ہے۔

سائرہ کا تعلق ایک نہایت پڑھے لکھے خاندان سے ہے ان کے والد محترم رضا زیدی شاعر ادیب اور محقق ہیں اور ساری عمر کالجوں میں پڑھاتے رہے اب ریٹایئر ہو کر بھی لاہور کے پنجاب کامرس کالج میں نئی نسل کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہے ہیں۔

سائرہ بتول جب ساڑھے چار سال کی تھی تو ان کی والدہ نے انہیں اپنے والد صاحب کی ایک غزل یاد کرائی اور اسکول میں انہوں نے وہ پڑھی جہاں سے ادب وسخن کا ایک ننھا سا پودا لگا جو آج ایک چھتاور درخت بن گیا ہے۔ سائرہ بہت مقبول و معروف مقرر تھی انہوں نے تعلیم کے زمانے میں چھ گولڈ میڈل جیتے۔ وہی انداز بیان ان کی شاعری کو سنانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور وہ اپنے ہم عصروں سے مختلف نظر آتی ہیں۔ انہوں نے بزنس سٹڈی میں تعلیم حاصل کی اور بدستور اس شعبے میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں مگر ان کی اردو ادب میں دلچسپی دیکھ کر ان کے والد نے انہیں جب کہا کہ اگر تم اچھا شعر کہنا چاہتی ہو تو فارسی پڑھو تو انہوں نے اپنی شاعری کی پیاس بجھانے کے لئے فارسی میں ایم اے کیا۔ تاکہ شاعری کے ساتھ ساتھ زبان پر پوری دسترس قائم رہے۔

سائرہ بتول اپنی شاعری میں ہٹ کر نئی بات پیش کرتی ہے جب کہ اکثر شعرا و شاعرات اپنے آپ کو دہرانے میں مصروف ہیں۔ سائرہ بتول کے اسلوب میں تازگی و شگفتگی ہے۔ اور ان کی غزلیں پڑھ کر قاری چونک جاتا ہے۔ ان کا اسلوب خالص اپنا ہے جس میں قافیے کی تعمیر ردیف کی پابندی کے

ساتھ اٹھتی ہے۔

ان کی نظم ''عورت'' جوانہوں نے عالمی یوم خواتین کے حوالے سے لکھی جو ہر سال آٹھ مارچ کو منایا جاتا ہے بہت پسند کی گئی اور اکثر مشاعروں میں ان سے اس نظم کی درخواست کی جاتی ہے۔
سائرہ بتول کا ابھی کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا مگر وہ اس پر کام کر رہی ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی دنیائے ادب میں ایک خوبصورت مجموعہ کلام کا اضافہ ہوگا۔ وہ اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے بہت کم مشاعروں میں جاتی ہیں مگر انہیں ہر بڑے اور اچھے مشاعرے میں ضرور بلایا جاتا ہے۔ ان کا کلام بھی بہت کم پڑھنے کو ملتا ہے کیونکہ وہ ایک نہایت ذمہ دار حساس بیوی اور اپنے بچوں سے محبت کرنے والی ماں ہیں جن پر توجہ دینا وہ ہر دوسرے کام سے اول سمجھتی ہیں۔
میری دلی دعا ہے کہ سائرہ بتول کی قلم میں مزید برکت ہو اور وہ اپنے گھریلو فرائض کو پورا کرتے ہوئے ادب کے خدمت بھی جاری رکھے ۔ آخر میں ان کی غزل کے دو اشعار۔

موت کے خوف سے جینے کا ارادہ جو کیا
زیست کے رستۂ پُر خار سے ڈر جاتی ہوں
ڈر تو لگتا ہے مجھے صرف عزیزوں سے بتولؔ
کون کہتا ہے میں اغیار سے ڈر جاتی ہوں

❀ ❀ ❀ ❀

❁
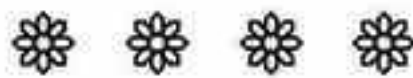
وحشتِ کوچہ و بازار سے ڈر جاتی ہوں
دھوپ میں سایۂ دیوار سے ڈر جاتی ہوں

موت کے خوف سے جینے کا ارادہ جو کیا
زیست کے رستہء پُر خار سے ڈر جاتی ہوں

اے شبِ ہجر نہیں تجھ سے گلہ اور کوئی
میں تری زلفِ طرحدار سے ڈر جاتی ہوں

کوئی طوفاں مرے قدموں کو ہلا دے کیسے
میں تو بس اپنے ہی پندار سے ڈر جاتی ہوں

بزمِ انجم میں کبھی اپنا ستارہ ڈھونڈیں
میں ترے طالعِ بیدار سے ڈر جاتی ہوں

کس طرح بزم میں دیتی ہوں تجھے اِذنِ کلام
میں تری جرأتِ اظہار سے ڈر جاتی ہوں

ڈر تو لگتا ہے مجھے صرف عزیزوں سے بتولؔ
کون کہتا ہے میں اغیار سے ڈر جاتی ہوں

❁

مجھے معلوم ہے سچ بولنا مہنگا پڑے گا
فصیلِ جسم کے در کھولنا مہنگا پڑے گا

یہ مانا راہِ اُلفت میں ہزاروں ٹھوکریں ہیں
مگر سود و زیاں کو تولنا مہنگا پڑے گا

امیر شہر کو بھاتی نہیں شعلہ بیانی
وہ کہتا ہے مجھے منہ کھولنا مہنگا پڑے گا

مرے دشمن کی سازش ہوگئی ناکام اس کو
وطن میں زہرِ نفرت گھولنا مہنگا پڑے گا

بتولؔ اب ہو گئیں بے نور آنکھیں
مگر ظالم کی ضد ہے، کھولنا مہنگا پڑے گا

عورت

وہ جو خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، معبود بھی ہے
وہ جو رازق بھی ہے، ہادی بھی ہے، مسجود بھی ہے
اپنے بندوں کو وہ جنت کی خبر دیتا ہے
شامِ ظلمات کی قسمت میں سحر دیتا ہے
اس نے ہر گھر میں بھی جنت کا وسیلہ بھیجا
اپنے بندوں کے لئے خلد کا نقشہ بھیجا
جس کی آغوش میں نبیوں نے بھی کھولیں آنکھیں
دیکھ کے جس کو ستاروں نے جھکا لی آنکھیں
وہ جو ماں ہے تو دعاؤں کی ردا ہو جیسے
وہ جو بیوی ہے تو ساون کی گھٹا ہے جیسے
وہ بہن ہے تو محبت کی صدا ہو جیسے
وہ جو بیٹی ہے تو جینے کی دعا ہو جیسے
نسلِ آدم کی امیں بھی تو یہی عورت ہے
روزِ فردا کا یقیں بھی تو یہی عورت ہے
اس نے قوموں کو زمانے میں بقا بخشی ہے
اس نے ہر دور کی عظمت کی ضیا بخشی ہے
اس کو اسلام نے عصمت کی ردا بخشی ہے
میرے معبود نے خود اس کو حیا بخشی ہے
اس کی توقیر زمانے کو بھی کرنی ہوگی
اس کو خود اپنی یہ تقدیر بدلنی ہوگی
زیورِ شرم و حیا سے بھی سنورنا ہوگا
اس کو خود وادیٔ ظلمت سے نکلنا ہوگا

❁

فریبِ زندگی کیوں کر بیاں ہو
یہ رازِ بے نشاں کیسے عیاں ہو
مجھے کیا آرزو جنت کی ہوگی
زمیں ہی جب مری جنت نشاں ہو
چلو دشتِ وفا میں پا برہنہ
یہ صحرا چاہے کتنا بے کراں ہو
ادا اُس کی کوئی ایسی نہیں ہے
مجھے جس پر محبت کا گماں ہو
بتولؔ اہلِ سخن ہیں تو بہت سے
کوئی تجھ سا کہاں شیریں زباں ہو

✿

دکھ مری آنکھوں میں اشکوں کو سجانے آئے
دل میں بھڑکی ہوئی آگ بجھانے آئے

مجھ کو حسرت ہے کبھی کوئی سہانا سپنا
میری آنکھوں سے میری نیند چرانے آئے

میں نے آواز اُٹھائی تو مرے سب ساتھی
مجھ کو دنیا کے رواجوں سے ڈرانے آئے

میرے دشمن سے کہو صبر ہے میراث مری
اب جو آئے تو نیا زخم لگانے آئے

وہ گھڑی خواب سی لگتی ہے کہ جب تیرے قدم
میری دہلیز کی قسمت جگانے آئے

مجھ کو کافی ہے بتولؔ اک یہی احساں اُس کا
وہ مری قبر پہ جو شمع جلانے آئے

✿

نفرتوں کی دھوپ ہے اور سائباں کوئی نہیں
کارواں گمراہ ، میرِ کارواں کوئی نہیں

کیا کہوں، کس سے کہوں میں تو عجب مشکل میں ہوں
چاہنے والے ہیں بہت پر رازداں کوئی نہیں

پھول سب کملا گئے ، کلیاں بھی سب مرجھا گئیں
ہے خزاں چھائی ہوئی اور باغباں کوئی نہیں

ہے بہت سی روشنی چاروں طرف میرے مگر
تیری آنکھوں کی طرح سے ضوفشاں کوئی نہیں

وقت کی گردش مجھے کس موڑ پر لائی بتولؔ
لوٹنے والوں نے گھیرا پاسباں کوئی نہیں

Mrs. Sabina Saher,

saher_sahir@yahoo.co.uk

سبینہ سحر کی ملاقات ایک شاعر دوست کی معرفت ہوئی جب وہ میرے مشاعرے میں تشریف لائیں اور اپنے خوبصورت کلام سے نوازا، مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے اس کتاب کا سن کر بڑی دلچسپی اور گرمجوشی سے تعاون کیا اور مجھے اعزاز دیا کہ میں ان کی شخصیت اور شاعری پر تعارفی مضمون لکھ سکوں۔

سبینہ سحر کو بچپن سے ہی ادب سے دلچسپی تھی اچھے اساتذہ کا کلام پڑھنا شروع کیا اور زمانہ طالب علمی سے ہی شعر کہنا شروع کئے۔

ان کی پیدائش لاہور میں ہوئی والدین تعلیم یافتہ اور درس وتدریس سے وابستہ تھے لہذا اچھے علمی ماحول میں پرورش ہوئی۔کوئین میری کالج سے گریجویشن کے بعد جب یونیورسٹی گئیں تو شاعری جنون کی حد تک پہنچ گئی پہلی غزل پاکستان ریڈیو کے مشاعرے میں پڑھی جس کا مطلع تھا۔

پتھر کے صنم سے میں دعا مانگ رہی ہوں

چپ چاپ سمندر سے نوا مانگ رہی ہوں

اس غزل کی بے حد پذیرائی کے بعد جیسے شاعری کا ایک جھرنا پھوٹ پڑا جو آج تک جاری ہے۔ان کا ایک مجموعہ کلام بنام ''خوابِ سحر'' زیرطباعت ہے۔

سبینہ سحر 1993 میں برطانیہ آئیں وہ یہاں درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک ہیں۔ نئے ملک میں آنے اور یہاں پر سکونت اختیار کرنے ،ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجیسٹ کرنے میں کافی وقت درکار ہوتا ہے پھر گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ حصول روزگار بھی عورت کے لئے ایک بڑی ذمہ داری اور مصروفیت

بن جاتی ہے۔ کچھ مدت کے بعد سینہ نے ادب کی جانب دلچسپی لینی شروع کی اور انٹرنیٹ پر مشاعروں میں شرکت کرنی شروع کی۔ ہمارے مشاعرے میں بھی ان کو خوب داد ملی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ وہ اپنی شاعری میں اپنے جذبات و خیالات کو بڑے آسان و فہم الفاظ کے پیرہن میں پیش کرتی ہیں۔ان کی شاعری نسوانی رنگ میں محبت و پیار کی شاعری ہے۔

عاشقی جب سنوارتی ہے مجھے　　زندگی تب نکھارتی ہے مجھے

موت دلہن بن گئی میرے لئے　　دل کی دھڑکن پکارتی ہے مجھے

غمِ دوراں میں دن تو کٹ جائے　　ہجر کی رات مارتی ہے مجھے

شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ ایک فن ایک صناعی ہے۔شاعر الفاظ کی مدد سے اپنے حسیات و تخیلات جذبوں، ولولوں، امنگوں اور اپنے تجربات و مشاہداتِ زندگی کو تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

یوں دل کی بات کہنے میں ماہر بنا دیا

مجھ کو تمہارے عشق نے شاعر بنا دیا

مجھے سینہ نے اپنی دس غزلیں اور نظمیں بھیجی ہیں جن کی روشنی میں میں ان کی شاعری پر لکھ رہا ہوں۔ جب ان کا مجموعہ منصۂ شہود پر آئے گا جس میں ان کا ہر طرح کا کلام ہو گا تبھی بہتر فیصلہ ہو پائے گا مگر جہاں تک ان کی بھیجی ہوئی شاعری کا تعلق ہے اچھی لگی، گو انہوں نے ملک کے حالات یا عالمی حالات حاضرہ پر اپنا کوئی کلام نہیں بھیجا یا نہیں لکھا جبکہ قلمکار کے پاس ہزاروں موضوعات ہوتے ہیں جن پر وہ اپنے قلم کے جوہر ثابت کر سکتا ہے گو ان کی ارسال کردہ شاعری محض عشق و محبت اور ہجر کی شاعری ہی نہیں اس میں زندگی کا فلسفہ بھی پنہاں ہے۔

مجھے ابلیس تو الجھاتا ہے رنگین جالوں میں

مگر میرا خدا ہرگز، مجھے کھونے نہیں دیتا

اسی غزل کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو،

میں اپنوں کی تسلی سے غموں کو دھو تو لوں لیکن

خیالِ دشمناں ہے جو، مجھے دھونے نہیں دیتا

عشق اور زندگی دونوں سے انہیں لگاؤ جنون کی حد تک ہے۔ کسی کام سے لگن جنون کی حد تک نہ ہو تب تک انسان کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کارِ جنوں میں کامیابی اور کامرانی ذوقِ جنوں کی بدولت ملتی ہے۔لہذا ان کا یہی ذوقِ جنوں ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔

دردِ دنیا کا مرے دل میں سماتا ہی گیا

درد سہنے کی ریاضت نے مجھے مار دیا

سبینہ سحر کی غزلوں کو پڑھتے ہوئے کبھی زندگی کانٹوں کے بستر پر کروٹیں بدلتی نظر آتی ہے تو کبھی ماضی کی سیاہ راہوں میں خواب وخیال کے جگنو جھلملاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔وہ جو موضوع باندھتی ہیں اس میں نیا پن پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔

اسی غزل کے آخری شعر اور مقطع میں کہتی ہیں۔

اپنے دشمن سے میں کب ہارنے والی تھی مگر

دوستو میری مروّت نے مجھے مار دیا

سانس جاتی ہے، سحر پھر بھی نہیں آتی ہے

میرے احساس کی ظلمت نے مجھے مار دیا

مجھے پورا یقین ہے کہ سبینہ کا آنے والا پہلا مجموعہ اسے لندن کی صفِ اول کی شاعرات میں کھڑا کر دے گا اور ان کی اسی طرح مشقِ سخن جاری رہی اور وہ اپنے جذبات واحساسات کو شعری سانچے میں ڈھالتی رہیں تو وہ دن دور نہیں جب وہ اپنا ایک الگ مقام بنانے میں کامیاب ہوں گی۔میری دعا ہے کہ ان کا قلم اسی طرح ادب کی خدمت میں الفاظ کے موتی بکھیرتا رہے۔۔۔!!

پتھر کے صنم سے میں دعا مانگ رہی ہوں
چپ چاپ سمندر سے نوا مانگ رہی ہوں
بیکل ہوئی جاتی ہوں میں اب ضبط سے اتنا
پیکر سے وفا کے بھی جفا مانگ رہی ہوں
انجام ہے معلوم ، مجھے اپنی طلب کا
میں پھر بھی زمانے سے وفا مانگ رہی ہوں
وہ پلکیں فقط شرم و حیا سے نہیں اُٹھتیں
نادان ہوں اس پر کہ رضا مانگ رہی ہوں
سمٹی ہوئی رُخ پر ہے ، گلابوں کی گلابی
شوخی میری دیکھیں کہ دیا مانگ رہی ہوں
دیکھا مجھے اور ہنس کے مجھے چھوڑ گئے وہ
معصوم ہوں اس پر بھی ادا مانگ رہی ہوں
اس تیرگیِ شب میں بھی ، امید سحر ہے
اک عزم لئے دن کی دعا ، مانگ رہی ہوں

گرجتے بادلوں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
برستی بارشوں اب مجھے کچھ نہیں کہنا
مجھے بس ذات میں تیری سبھی موسم ملے جاناں
بدلتے موسموں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
سبھی داغوں کو دل کے آنسوؤں نے دھو دیا ایسے
بکھرتے آنسوؤں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
ملے جو نین نینوں سے تو بیتی رات آنکھوں میں
سہانے رت جگوں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
جو میرے ناخدا تم ہو تو کیوں ساحل کی ہو پرواہ
اُبھرتے ساحلوں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
یہ روشن آئینہ جو ہے تیرے چہرے کا جلوہ ہے
چمکتے آئینوں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا
سحؔر کے دوستوں میں تو فقط اجلے سویرے ہیں
سو اپنے دشمنوں سے اب مجھے کچھ نہیں کہنا

❁

کون سے درد کی شدت نے مجھے مار دیا
میرے ہی عشق کی عجلت نے مجھے مار دیا

کوئی اب آئے مرے غم کا مداوہ کرنے
بے وجہ ہنسنے کی عادت نے مجھے مار دیا

تیر لگنے کا نظارہ ہی کچھ ایسا تھا کہ بس
زخمی پنچھی کی اس حالت نے مجھے مار دیا

نیم لبمل ہی کیا جاں سے نہ مارا مجھ کو
ایسے دشمن کی عنایت نے مجھے مار دیا

درد دنیا کا میرے دل میں سماتا ہی گیا
درد سہنے کی ریاضت نے مجھے مار دیا

خونِ دل آنکھوں سے اشکوں کی جگہ بہنے لگا
روتے رہنے کی سہولت نے مجھے مار دیا

راز ہر ایک مرا سب پہ عیاں کرتی ہے
میری آنکھوں کی ندامت نے مجھے مار دیا

سارے الزام مجھے اپنے ہی سر لینے پڑے
خامشی تیری سہولت نے مجھے مار دیا

اپنے دشمن سے میں کب ہارنے والی تھی مگر
دوستو میری مروّت نے مجھے مار دیا

سانس جاتی ہے، سحرؔ پھر بھی نہیں آتی ہے
میرے احساس کی ظلمت نے مجھے مار دیا

❁

خوابوں میں بھی ہوتی نہیں تسکین ہماری
ہر رات گزر جاتی ہے غمگین ہماری

غیروں کو بھی کرتے ہو محبت سے اشارے
کیا اتنی ہی کافی نہیں توہین ہماری

بھولے سے بھی چھو جائے تیرے لمس کی خوشبو
بس اتنے سے ہو جاتی ہے تزئین ہماری

یہ دھوپ غموں کی ہے جو مدھم سی ہوئی ہے
رنگت جو نظر آتی ہے نمکین ہماری

اک ہم ہی فقط خاک ہوئے راہِ وفا میں
نظریں نہ چُرا دیکھ کے تدفین ہماری

اے رات ترے پاس سحرؔ آ تو گئی ہے
آنکھوں سے مگر روشنی مت چھین ہماری

❁

عاشقی جب سنوارتی ہے مجھے
زندگی تب نکھارتی ہے مجھے

موت دلہن بنی ہے میرے لئے
دل کی دھڑکن پکارتی ہے مجھے

غمِ دوراں میں دن تو کٹ جائے
ہجر کی رات مارتی ہے مجھے

حسن کا ہے مجھے غرور بہت
تیری چاہت سہارتی ہے مجھے

موت کے پہلو میں جو زندہ رہوں
زندگی ہی گزارتی ہے مجھے

صرف دیکھوں ہی تجھے چھو نہ سکوں
تیری سنگت یوں مارتی ہے مجھے

روشنی کا غرور ہوں میں سحرؔ
شب کی تنہائی ہارتی ہے مجھے

❁

آئے ہو زندگی میں ، جب مہربان بن کر
جانا نہ دور مجھ سے تم دل کا مان بن کر
دامن میں یوں بھرے تھے امید کے ستارے
دھرتی پہ دل کی چھائے تم آسمان بن کر
طوفان نے اب کے ہم سے کچھ ایسے کی ہے سازش
ساحل کو تک رہے ہیں بس بے زبان بن کر
برکھا میں پیار کی تو چٹکی ہیں دل کی کلیاں
خوش موسمِ بہاراں ہے رازدان بن کر
چاہت کی بارشیں جب برسی زمینِ دل پر
بنجر زمین مہکی اک گلستان بن کر
ہولے سے بولی ظلمت بادِ سحر کو چھو کے
رہتی ہے سب کے دل میں روشن جہان بن کر

آغا محمد سعید مرحوم)

Mr. Agha Mohammad Saeed,

45, Jersey Road, Ilford

IG1 2HH England.Tel: 02086770853

آغا محمد سعید 27 مارچ 1936 کو امرتسر میں پیدا ہوئے اور 1947 میں پاکستان آکر فیصل آباد میں سکونت رکھی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے کے بعد 1964 میں کلکتہ یونیورسٹی میں میوزیم سائنس میں پوسٹ گریجویشن کے لئے داخلہ لیا۔مگر ان دنوں سری نگر میں موئے شریف کی گمشدگی پر ہندو مسلم فساد شروع ہوگئے جس کی وجہ سے ان کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔پھر ایک سال تک اسلامیہ کالج فیصل آباد میں لیکچرار رہے اور 1965 میں برطانیہ آگئے۔یہاں بھی علمی پیاس سے مجبور مانچسٹر یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ لیا اور اولڈہم میں کمیونٹی آفیسر رہے۔ 1979 میں لندن آگئے اور یہاں سوشل سروس کے محکمہ سے منسلک رہ کر سوشل ورک سٹیڈیز ڈپلومہ بھی لیا۔بچپن میں ماں کی لوریاں بڑے ہوکر حالی کے اشعار اور اقبال کے ملی نغموں کی صدا کانوں میں گونجتی رہی۔اردو کے تمام نامور شعرا کا کلام بڑے شوق سے پڑھا اور میٹرک میں تھے جب پہلا شعر کہا

کتابیں نذرِ آتش چاہیں بادِ بہاری میں
یہاں نکہت گلوں کی خوب بہلاتی ہے دل میرا

1951 سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا اور نثر و شاعری دونوں اصناف میں لکھا۔"فکر گلستان اور فروغِ نمو نام کے شعری مجموعے شائع ہوئے جب کہ ڈھاکہ'نظم بھی کتابچہ کی صورت میں شائع ہوئی جو بہت پسند کی گئی" آغا سعید کے افسانے" کے نام سے افسانوں کا مجموعہ بھی منصۂ شہود پر آیا۔

پاکستان میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے ٹیٹوریل گروپ کے پریذیڈنٹ منتخب ہوئے اور 1956 میں رول آف آنر حاصل کیا،اسلامیہ کالج فیصل آباد میں باکسنگ ٹیم کے کیپٹن رہے اور پنجاب یونیورسٹی میں

باکسنگ کے چیمپئن کے علاوہ ڈسٹرکٹ فیصل آباد کی باکسنگ ٹیم کے بھی کیپٹن رہے آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔

آغا محمد سعید صاحب سے میری پرانی یاد اللہ ہے۔آغا صاحب نہایت ملنسار، مخلص اور دوست نواز ہی نہیں بڑے دھیمے لہجے کے میٹھی گفتگو کرنے والے ہر اچھے برے کے یکساں دوست ہیں۔یہ بھی خوبی کسی کسی میں ہوتی ہے ورنہ میرے جیسا آدمی کسی برے کو ایک منٹ برداشت نہیں کرتا۔۔مگر آغا سعید نہایت تحمل مزاج اور ٹھنڈے مزاج کے آدمی ہے۔اتنی مدت میں انہیں کبھی جذبات میں اونچے لہجے میں بات کرتے نہیں سنا۔

ان کے پاکستان کی تاریخ پر بڑے تحقیقی مضامین پڑھنے میں آئے۔وہ اپنے وطن اور اسکے مشاہیر سے بے حد محبت کرتے ہیں۔پچھلے دنوں انہوں نے پاکستان نام کے خالق چوہدری رحمت علی کی قبر جو کیمرج میں سیاسی لاپرواہی کی نذر ہو کر نہایت خستہ ہو کر ایک گڑھے کی شکل اختیار کر گئی۔آغا سعید صاحب کا ملی جذبہ اپنے وطن کے نام کے خالق کی آخری آرام گاہ کی یہ حالت برداشت نہ کرسکا تو انہوں نے ایک ایسی مہم کا آغاز کیا جس میں ماہنامہ ''ساحل'' کا کردار بھی قابل تعریف ہے اور پاکستان ایمبیسی کے منسٹر منظورالحق صاحب نے بھی تعاون کیا اور سال بھر کی محنت کے بعد چوہدری رحمت علی مرحوم کی قبر کے پتھر جو غائب ہو گئے تھے واپس لائے گئے اور قبر کو ایک مسلمان کی قبر کی طرح دوبارہ تعمیر کیا گیا۔اسی ملی جذبے کو سراہتے ہوئے برطانیہ کے معروف اردو مجلّے کے مدیر اعلی محترم تنویر اختر نے ماہنامہ ''ساحل'' کی جانب سے انہیں ایوارڈ سے نوازا۔

آغا سعید کی اکثر شاعری جو وہ مشاعرے میں پڑھتے ہیں حالاتِ حاضرہ پر بڑی ہی ولولہ انگیز ہوتی ہے جو بڑے جوشیلے انداز میں پڑھتے ہیں ان کی آواز اور لہجے میں بڑا دبدبہ اور وزن ہوتا ہے پڑھتے وقت ہال میں ایک دم سناٹا چھا جاتا ہے اور سامعین بڑے غور سے ان کا کلام سنتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔ان کو لندن اور گردونواح کے مشاعروں میں سینئر شعرا میں مقام حاصل ہے۔۔

آغا سعید کے شعری مجموعوں میں ادبی معیار کی ایک باوقار فضا ہر غزل میں محسوس کی جاسکتی ہے انہوں

نے انسانی دکھ و کرب اس خوبصورتی کے ساتھ اشعار کی مالا میں پروئے ہیں کہ قاری پر ایک سحر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اشعار میں فصل گل کی باتیں کرتے ہیں تو کبھی وصلِ یار کی، کبھی گیسو و رخسار کے قصے بیان کرتے ہیں تو کبھی حسن یوسف اور مصر کے بازار کے، وہ کاکلِ خم دار کی بات چھیڑ دیتے ہیں تو کبھی ان گلی کوچوں کی جہاں دل کی بازیاں لگتی تھیں اور پھر آخر میں فرماتے ہیں۔۔۔

بھول سب تلخئی دوراں کے قصے اے سعیدؔ

آج کی شب یار کی دلدار کی باتیں کریں

آغا سعید اپنے خوبصورت دھیمے میٹھے لہجے میں اپنے اشعار میں ایسی بہت سی باتیں کر جاتے ہیں جو سامع اور قاری کے دل و دماغ میں ایک منفرد ارتعاش پیدا کر دیتی ہیں۔ ان کا اسلوب خالص اپنا ہے اور یہی وہ خوبیاں ہیں جو آغا سعید کو لندن کے ممتاز شعرا میں ایک خاص مقام دیتی ہیں۔

آج کل وہ پیری اور بیماری کے ہاتھوں مجبور ہیں اور بہت کم مشاعروں میں نظر آتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی والی زندگی عطا فرمائے اور ان کا شفیق سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

ان کے تین شعری مجموعات سے چند خوبصورت غزلیں اگلے صفحات پر درج ہیں۔

مری کھوئی ہوئی یادوں کی دنیا
غمِ دل اور فریادوں کی دنیا
کہاں کہکن کہاں وہ جوئے شیریں
جنوں افروز فرہادوں کی دنیا
بسی عیش و طرب کی محفلیں ہیں
وہ میخواروں کی دلدادوں کی دنیا
یہی دنیا ہے سرمایہ کی دنیا
یہی دنیا ہے بہاروں کی دنیا
کہیں دم توڑتی فاقہ کشی ہے
کہیں زردار شدادوں کی دنیا
کہیں لٹتی ہوئی عصمت کے سودے
وہ لاچاروں کی ، بربادوں کی دنیا
ہوئی مدت بسیرا ہے ہمارا
جہاں آباد ناشادوں کی دنیا

داغِ جگر ہیں اب کے فروزاں کیے ہوئے
بیٹھے ہیں غم کدے میں چراغاں کیے ہوئے
جی میں ہے یہ کہ محملِ لیلیٰ کو ڈھونڈ لے
پھرتا ہے کوئی چاکِ گریباں کیے ہوئے
پھر کر رہا ہے حسن تقاضائے یک نگاہ
جلوے قدم قدم پہ پریشاں کیے ہوئے
کوئی بتاں کی سمت مجھے شوق لے چلا
دل میں ہزار دید کے ساماں کیے ہوئے
کس سے کریں نگاہِ ستم کا گلہ سعیدؔ
وہ جا رہے ہیں ہم کو پشیماں کیے ہوئے

✿

دلِ حزیں کو بہت اضطراب رہتا ہے
فراقِ یار میں کب صبر و تاب رہتا ہے
عجیب حال میں خانہ خراب رہتا ہے
سکوں تو ملتا نہیں اضطراب رہتا ہے
خراب و خستہ و بدحال و نحس و دیوانہ
اب اور کون سا میرا خطاب رہتا ہے
لگن سمائی ہو دل میں بلندیوں کی جسے
وہی یگانہ یہاں کامیاب رہتا ہے
زمانہ جس کی جھلک کو ترستا رہتا ہے
وہ بے نیاز حسیں محوِ خواب رہتا ہے
ہمیں سے اُن کو ہے ناز و غرور و حسن و بہار
ہمیں پہ سب سے زیادہ عتاب رہتا ہے
لبوں پہ ہلکا تبسم کبھی کبھی آہیں !
غمِ فراق میں یوں انقلاب رہتا ہے
دلِ حزیں کی یہ بے تابیاں نہ پوچھ سعیدؔ
خیال میں بھی انہیں سے خطاب رہتا ہے

✿

غمِ فراق کا عالم نہ پوچھ اے ہمدم
کہ ایک ہوک سی اُٹھتی ہے برملا دل سے

اسے فسانۂ غم میں سناؤں تو کیسے
وہ آشنا ہی نہیں ہے حقیقتِ دل سے

نہ نقشِ پا سے نہ بانگِ درا سے کام اس کو
بھٹکتا دور پھرے ہے جو اپنی منزل سے

چھپا سکا نہ سرِ بزم اپنی حیرت کو
کسی کے آتے ہی وہ اٹھ گیا مقابل سے

پہنچ کے حلقۂ گرداب میں سفینہ سعیدؔ
ہوا ہے اور بھی کچھ دور اپنے ساحل سے

❁

بھول کر ہم پیار کر بیٹھے
زندگی بے قرار کر بیٹھے

دل کو ہم سوگوار کر بیٹھے
نذرِ دامانِ یار کر بیٹھے

تھا مقدر ہی قیدِ تنہائی
خواہشِ نوبہار کر بیٹھے

تیرگی اور بڑھ گئی جب ہم
روشنی سے پیار کر بیٹھے

منزلیں دور ہو گئیں ہم سے
راہ کا اعتبار کر بیٹھے

ایک دل تھا ہمارے پاس سعیدؔ
وہ بھی ان پر نثار کر بیٹھے

❁

پھر رنگِ بہاراں میں تقدیر نظر آئی
زنداں جو نظر آیا زنجیر نظر آئی
بکھرے ہیں نشیمن کے تنکے جو گلستاں میں
تخریب کے پردے میں تعمیر نظر آئی
یوں محوِ تماشا ہوں اس حسن پری وش کا
جس سمت نظر اُٹھی تصویر نظر آئی
جب غور کیا میں نے تخلیقِ خدائی پر
ہر ذرّہ فطرت میں تفسیر نظر آئی
دن رات حوادث کے رازوں میں سعید ہم کو
خود اپنے خیالوں کی تعبیر نظر آئی

Mrs. Sultana Mahar,

2,Birchtrees Croft South Yardley

Birmingham B26 1FE

Mob:07438004627 Tel:01214483709

محترمہ سلطانہ مہر ہمارے برطانیہ کی بزرگ اور معزز ترین ادیبہ ہیں جن کی ادبی خدمات آدھی صدی پر محیط ہے۔میری جان پہچان بھی ان سے ادب کے حوالے سے ہی ہوئی جب انہوں نے اپنی نثر کی کتاب ''گفتنی دوم'' کے سلسلے میں مجھے اپنی تخلیقات اور تعارف بھیجنے کو کہا۔ جو دو سال کے بعد نہایت خوبصورت کتابی شکل میں شائع ہوئی جس میں دنیا کے ننانوے نثر نویس شامل تھے جس میں مجھ جیسے کمتر کا نام بھی شامل تھا مجھے انہوں نے صفحات دیئے جس میں میرا مکمل تعارف اور ایک کہانی ''آم کی پیٹی'' شامل تھی۔اس کے بعد لندن کے دو مشاعروں میں بھی ملاقات ہوئی۔ان کے شوہر جناب چوہدری جاوید اختر چونکہ میرے آبائی گاؤں سے چند میل دور کے رہنے والے ہیں لہذا ان سے ایک ایسا گھرا برادرانہ رشتہ استوار ہوا جو آج تک قائم ہے اور انشاءاللہ رہے گا کیونکہ یہ دونوں میاں بیوی نہایت پر خلوص اور وضع دار لوگ ہیں اور رشتے نبھانے والے ہیں۔

سلطانہ مہر تذکرہ نویسی میں ایک اعلی مقام رکھتی ہیں، 'سخنور' اور ''گفتنی'' کے نام سے جو انہوں نے دنیا بھر کے ہزاروں شعرا و شاعرات و ادبا کا ذکر کیا ان پر سیر حاصل مضامین لکھے یہ کام شاید کسی اور کے بس کی بات نہ تھا۔

آپ نے ایک طویل مدت امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں گزارا جہاں ان کی اولاد نے اعلی تعلیم حاصل کی اور اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔

سلطانہ مہر ممبئی کے ایک میمن گھرانے میں پیدا ہوئیں جہاں لڑکیوں کو تعلیم دینے کا کوئی رواج نہ تھا مگر

انہوں نے ان فرسودہ رواجات کے خلاف سر اٹھایا اور شادی ہو جانے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے جرنلزم میں ایم اے کیا اور روزنامہ 'انجام'، روزنامہ 'جنگ' سے وابستہ رہنے کے بعد اپنا ماہنامہ 'روپ' بھی نکالا۔

چار ناول چار افسانوں کے مجموعات 'حرفِ معتبر' کے نام سے شعری مجموعہ بھی شائع ہوا، مگر ادبی دنیا میں جو انمول کام ہے وہ 334 شعراء اور شاعرات کے تذکرے 'سخنور' کے نام سے پانچ جلدوں میں پیش کیے۔ اسی طرح 185 نثر نگاروں کے تذکرے 'گفتنی'' کے نام سے شائع ہوئے۔

آج کل ان کی تذکرہ نگاری پر بھوپال (انڈیا) یونیورسٹی میں پروفیسر آفاق احمد کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا جا رہا ہے۔ علامہ اقبال اور ساحر لدھیانوی پر بھی انہوں نے قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔

وہ آج کل اپنے شوہر محترم جاوید چودھری کے ساتھ برمنگھم میں رہائش پذیر ہیں۔

جون 2013 میں برمنگھم کی معروف ادیبہ، شاعرہ محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسماعیل نے اپنی ادبی تنظیم کے پلیٹ فارم سے سلطانہ مہر کے اعزاز میں نہایت خوبصورت اعزازی محفل کا اہتمام کیا جس میں ان پر مضامین پڑھے گئے جس میں سلطانہ مہر کے شریک حیات جناب جاوید اختر چوہدری کی کتاب '' ہم صورت گر کچھ خوابوں کے'' کی رسم اجرا کی جو انہوں نے اپنی شریک حیات سلطانہ مہر کی زندگی اور ان کے ادبی کارناموں پر لکھی اور انہیں تحفہ کے طور پر پیش کی۔ ایک ادبی خاوند کا اپنی ادیب بیوی کے لیے اس سے بڑا اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔

وہ آج کل برطانیہ میں مقیم ہیں۔ اپنا زیادہ وقت ٹیلیویژن دیکھنے اور کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ میں صرف کرتی ہیں۔۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اپنے حصے کا کام کر چکی ہوں اور مطمئن ہوں۔ اب بھی پاکستان، ہندوستان، یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک سے ادیب حضرات اپنی کتابیں تبصروں کے لئے بھیجتے رہتے ہیں۔ سلطانہ مہر کسی کو ٹالتی نہیں۔ نا صرف تبصرہ لکھتی ہیں بلکہ ہندو پاک اور برطانیہ کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے کے لئے روانہ کرتی ہیں۔ شائع ہونے کے بعد نقول اور تراشے متعلقہ افراد کو روانہ کرتی ہیں۔ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔

''سخنور چہارم'' میں ''قلم کے قرض'' کے عنوان سے محترم پیرزادہ قاسم صاحب نے اس مضمون

میں لکھا ہے،

''سلطانہ مہر ایک با ہمت' مستقل مزاج خاتون ہیں جو اپنی با مقصد' خوبصورت اور پر اثر تحریروں کے حوالے سے معروف ہیں۔ اور انہوں نے ادب و سماجیات کے منظر نامہ پر جو تحسین اور ستائش سمیٹی ہے وہ اس کی ہر طرح حقدار ہیں۔ ان کے کام کی ستائش ہمارے عہد کے اہم اور ارجمند ناقدین نے کی ہے۔ ان میں جناب احمد ندیم قاسمی' ڈاکٹر جمیل جالبی' ڈاکٹر حنیف فوق' پروفیسر ممتاز حسین' ڈاکٹر وحید قریشی' ڈاکٹر فرمان فتح پوری' جناب شان الحق حقی' ڈاکٹر محمد علی صدیقی' محترمہ عصمت چغتائی' جناب مشفق خواجہ' جناب حمایت علی شاعر' جناب ضمیر جعفری اور پروفیسر سحر انصاری نے سلطانہ مہر کی ادبی کاوشوں کو سراہا ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ سلطانہ مہر اپنے ہمعصروں میں اپنی ادبی خدمات کے حوالے سے ممتاز ہیں اور ان کی کارکردگی قابل رشک قرار دی جاسکتی ہے۔ ان کا کام یقیناً اتنا اور اس قابل ہے کہ ان کی شخصیت اور فن پر بھی کام ہونا چاہیے۔''

اس دعا کے ساتھ مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ میری بہت ہی محترم باجی سلطانہ مہر کو اللہ پاک صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے کہ آج کل وہ کافی بیمار رہتی ہیں۔ کہ وہ دنیائے ادب کو اپنے قلم سے آب یاری کرتی رہیں۔۔ آمین

❁ ❁ ❁ ❁

ماضی کو سینے سے لگائے مستقبل کا ساتھ دیا
یوں ہم نے ہر بزم نبھائی ، ہر محفل کا ساتھ دیا

خون ابھی باقی تھا رگوں میں اور یہ ظالم ڈوب گئی
نبض ہماری کہلاتی تھی اور قاتل کا ساتھ دیا

آتشِ دل آہوں میں ڈھلی اور اشک زمیں میں جذب ہوئے
آگ ہوا سے مل گئی جا کر ، آب نے گل کا ساتھ دیا

کر کے گریباں چاک گلوں نے بزم سجائی ماتم کی
آج شفق نے خوں برسا کر ، مجھ بسمل کا ساتھ دیا

پتا پتا کملایا ہے ، کیاری کیاری دھول رچی
سارے چمن نے جیسے مری ، بربادیٔ دل کا ساتھ دیا

تم سب کچھ پا کر بھی ناخوش ، ہم سب کچھ کھو کر بھی مگن
تم دولت کے پیچھے بھاگے ، ہم نے دل کا ساتھ دیا

مہؔر کسی کا جھوٹا وعدہ ، دل نے جان کے مان لیا
دل جو مرکزِ حق کہلائے اور باطل کا ساتھ دیا

ہجر میں جس دم روتے روتے آنکھیں جل ہو جائیں
پُتلی میں جو آپ بسے ہیں جل میں کنول ہو جائیں

پیار کے ساگر کی پیرا کی کھیل نہیں ہے کوئی
طوفانوں سے لڑتے لڑتے بازو شل ہو جائیں

تم جو ہو سیماب صفت تو ہم بھی ڈھلتی چھاؤں
تم جو رہو وعدے پر قائم ہم بھی اٹل ہو جائیں

پیار کی بازی ہارنا ہے تو پوری کرلیں ہار
دل تو ہارا جان بھی ہاریں راجہ نل ہو جائیں

اپنا نہ سمجھو غیر سمجھ کر کہہ دو یہ اک بار
تم نہ اگر اپناؤ تو ہم نذرِ اجل ہو جائیں

ان کی راہ میں اتنے سجدے مہؔر کئے ہم نے
نقشِ قدم اُن کے نہ کسی دن دل کا بدل ہو جائیں

۞

ہم قفس میں رہ کے جس کو آشیاں کہتے رہے
تھی فقط حدِّ نظر ، ہم آسماں کہتے رہے

اک سرابِ مستقل کو گلستاں کہتے رہے
اس بتِ نامہرباں کو مہرباں کہتے رہے

آندھیوں نے آشیانہ تو مٹا ڈالا مگر
چند تنکے آشیاں کی داستاں کہتے رہے

جب زباں نے ساتھ چھوڑا بن گئیں یہ ترجماں
ہم جن آنکھوں کو ہمیشہ بے زباں کہتے رہے

کارواں نظروں سے اوجھل تھا اور اوجھل ہی رہا
ہم غبارِ کارواں کو کارواں کہتے رہے

دل کے اک چھوٹے سے گوشے میں وہ جا کر گم ہوا
جس کو نادانی میں ہم سارا جہاں کہتے رہے

اس عقیدت کا برا ہو ہم بیاباں کو بھی مہرؔ
خونِ دل سے سینچتے اور گلستاں کہتے رہے

۞

کس نے ازراہِ لطف فرمائی
صحنِ گلشن میں آگ دہکائی

سہمی سہمی سی چل رہی ہے ہوا
خوف و دہشت کی گھٹا چھائی

تتلیوں کے جھلس گئے ہیں پر
بلبلیں وقفِ آبلہ پائی

زندگی منہ چھپائے پھرتی ہے
موت کی ہر طرف پذیرائی

آگ ہی آگ اور کومل جسم
موت کا راگ اور شہنائی

اہرمن نے حشیش کی زنجیر
پائے یزداں میں لا کے پہنائی

ہم غریبوں کے نام اب کے تو
درد کی لاٹری نکل آئی

۞

کتنی صدیاں ہیں مقسوم میں ہجر میں جلنے والوں کے
ہم نے حساب کہاں رکھے ہیں سارے مہینوں سالوں کے

من کا اندھیرا دور نہ ہوگا دیپک کی لَو تکنے سے
دل تک دھوپ تو کیا پہنچے گی دھوپ میں جلنے والوں کے

شہرِ وفا کی اونچی فصیلیں یلغاروں کی زد میں رہیں
بنیادوں پر اب بھی عیاں ہیں کتنے نشان کدالوں کے

پہلے پہل تو پاؤں کے چھالے سفر کے گونگے ساتھی تھے
کانٹوں نے تو زبانیں رکھ دیں جیسے منہ میں چھالوں کے

ان ناموں کے نام پہ کتنے دامن بھیگے اشکوں سے
جتنے نام کڑھے ملتے ہیں کونوں پر رومالوں کے

پہلے تو اک شخص کو سورج مان لیا اور اس کے بعد
ہم نے کئے تخلیق نظامِ شمسی کتنے مہرؔ خیالوں کے

۞

تخریب میں تعمیر کے پہلو ہیں نہاں اور
مِٹتا ہے جہاں ایک تو بنتا ہے جہاں اور

تھک جائیں گے اک روز تو خود ظلم کے بازو
جتنے بھی ستم ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہاں اور

دیکھیں گے کسے لکھتا ہے گلستاں کا مؤرخ
گلچیں کا بیاں اور ہے، بلبل کا بیاں اور

ہمت کے مطابق ہے منازل کا تعین
دیپک کا جہاں اور پتنگے کا جہاں اور

اے مہرؔ کہیں دل کی لگی رو کے بجھی ہے
چھینٹے جو دیئے جاتے ہیں اٹھتا ہے دھواں اور

سلطان صابری

Mr. Sultan Sabri,

E.Mail:sultansabri786@yahoo.com

Mob:07402 714859

سلطان صابری پیشے سے معروف وکیل ہیں اپنی ذاتی فرم ہے۔آپ کی پیدائش 1944 میں مظفر نگر (یوپی،انڈیا) میں ہوئی تقسیم ہند کے بعد ان کے دادا ابا جو کہ اپنے علاقے کے مشہور وکیل، میونسپل کمشنر اور تحریک آزادی کے پرجوش کارکن تھے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے خاندان کے ساتھ پنجاب کے خوبصورت شہر جہلم میں آ کر بس گئے۔انکے دادا ابا پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے بہت قریبی دوست اور سیاسی زندگی کے ساتھی تھے۔وکالت ان کے خاندان کا جدی پشتی پیشہ تھالہذا یہ بھی اپنی جبلت سے مجبور اسی پیشے سے منسلک ہوئے۔اسکول اور کالج کے زمانے سے ہی انہیں انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لینے، پرجوش تقاریر کرنے اور ملک وملت اور اسلام کے خلاف کسی بات کو سننا برداشت کرنا گوارا نہ تھا اور کبھی پرواہ نہ کرتے ہوئے احتجاجی جلوسوں میں شرکت کرنے اور اپنی حب الوطنی کے جذبے سے مجبور ہو کر ایسے طالب علموں کے گروپ میں شامل ہوئے جن کی وطن سے محبت کا اعتراف فیض احمد فیض اور حبیب جالب جیسے نامور شعرا نے کیا۔مزید اعلی تعلیم کے لئے کراچی گئے تو انہیں مزید تقویت ملی اور ''جنگ'' کراچی اور ''حریت'' میں با قاعدہ لکھتے رہے اس کے ساتھ ایک انگریزی ماہنامہ میگزین ''ٹریڈ اینڈ انڈسٹری'' میں بھی مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی۔کالج کے تقریری مقابلوں میں بے شمار ایوارڈ و انعامات حاصل کئے۔کراچی یونیورسٹی سے ایل ایل بی کے بعد کچھ مدت پی آئی اے کے ٹریفک ڈیپارٹمنٹ میں کام بھی کیا جہاں دنیا بھر کے مشہور و معروف لوگوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس میں ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، نوبیل پرائز ونر ڈاکٹر عبدالسلام، اے کے بروہی، منظور قادر، چواین لائی، شاہ فیصل، امریکی صدر آیزن ہاور اور مشہور انڈین اداکار پرتھوی راج شامل ہیں۔ 1966ء میں

برطانیہ میں مزید تعلیم حاصل کرنے آئے اور لندن یونیورسٹی سے ایل ایل بی اور بزنس لاء میں ایم اے کرنے کے بعد برٹش سول سروس میں شامل ہوگئے۔ پہلے پانچ سال بورڈ آف ٹریڈ میں دو سال ان لینڈ ریونیو اور اس کے بعد اکتیس سال کسٹمز اینڈ ایکسائز میں گزارے جہاں طویل مدت لندن کے 'گیٹ وِک ایئر پورٹ پر تقرری رہی۔ اپنی اس طویل سروس کے دوران مزید علم حاصل کرنیکا شوق ختم نہ ہوا اور انہوں نے بطور وکیل ٹریننگ لی اور لیگل پریکٹس میں پوسٹ گریجویشن ڈپلومہ'' گلڈ ہال یونیورسٹی سے حاصل کیا جس کی بدولت انہیں 2004 میں ریٹائرمنٹ کے بعد ایک سٹی فرم آف سالیسٹرز میں کام کرنے کا موقع ملا اور پھر اگلے سال ہی انہوں نے اپنی ذاتی فرم ''سرے سالیسٹرز'' قائم کرلی۔ سلطان صابری صاحب جہلم میں میرے بچپن کے دوست اور محلّہ دار بھی ہیں بچپن سے ہی وہ نہایت ذہین اور عام بچوں سے قطعی مختلف ہوا کرتے تھے کئی بار ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا جہاں یہ بہن بھائی کتابوں میں سر چھپائے بیٹھے ہوتے۔ نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتے ہیں۔ اسکول کے زمانے سے ہی جہلم کے ایک اخبار 'ہفت روزہ نسیم'' میں لکھا کرتے یہاں آکر بھی یہ جنگ لندن میں ''برطانیہ کے کسٹمز کے قواعد'' کے نام سے کالم لکھتے رہے۔ بعد میں ان کی کتاب ''وکیل کے بغیر جائداد کی خرید وفروخت'' کی قسطیں شائع ہوتی رہیں جن سے لاکھوں لوگوں نے استفادہ کیا۔ شاعری کا شوق بھی بچپن سے ہی تھا مگر عام شعرا سے ہٹ کر بجائے گل بلبل کی شاعری کے حالات حاضرہ کو اپنی نظموں میں پیش کرتے۔ ان کی شاعری بازگشت ہے عظیم افتاد کی، اخلاقی اقدار کی، اسلامی روایات، انسانی پیار کی اور قومی جذبات کی۔۔ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اخلاقی قدروں کی پامالی پر نہ صرف کڑھتے ہیں بلکہ صدائے احتجاج بھی بلند کرتے ہیں۔

برطانیہ میں مساوی حقوق کی جنگ میں نہ صرف تحریر وتقریر کے ذریعے لڑتے رہے بلکہ عدالتوں کے دروازے بھی کھٹکھٹائے اسلاموفوبیا کے خلاف جنگ آج بھی جاری ہے۔ 1980 کی دہائی میں نیلسن منڈیلا کی رہائی کی تحریک میں فعال کردار ادا کیا بعد میں بدنام زمانہ ''گونٹانومے بے' سے کئی بے گناہ لوگوں کو آزاد کروایا جس میں 'کرائیڈن' کے ایک نوجوان معظم بیگ بھی شام تھا۔ اب گزشتہ کئی برسوں سے

پاکستان کی بے گناہ بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کی مہم میں شامل ہیں اس سلسلے میں ان کی مختلف ’ریلز‘ میں کی گئی تقاریر انٹرنیٹ پر بھی دیکھی اور سنی جاسکتی ہیں۔

سلطان صابری کی تمام زندگی نہایت فعال گزری ہے وہ ایک نہایت سنجیدہ ، باوقار ، بااخلاق اور عملی شخصیت کے حامل ہیں۔ پچیس سال سے ان کا سیاسی تعلق لیبر پارٹی سے رہا تین بار وہ اپنے وارڈ کے چیئرمین اور نو سال تک کرائیڈن میں لیبر پارٹی کے ’’تھینک مائینوریٹیز‘ آفیسر رہے گو ایک زمانے میں جب گورڈن براؤن وزیر اعظم بنے تو ان کی حکومت نے دہشت گردی کے الزام میں بے گناہ لوگوں کو 28 دن سے زیادہ حراست میں رکھنے کا قانون پاس کرنے کی دو بار کوشش کی انکی اس سوچ کے خلاف بہت سے وکلاء نے استعفے پیش کئے جس میں سلطان صابری بھی شامل تھے اس کے بعد انہوں نے لیبر پارٹی چھوڑ کر ٹوری پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی مگر وہ ہمیشہ انسانی مساوات کے حامی رہے ہیں۔ انہیں کونسلرشپ کے لئے بھی بارہا دباؤ رہا مگر انہیں ایسے عہدوں سے کبھی دلچسپی نہ رہی تھی وہ ایک مخلص کارکن بن کر ہمیشہ اپنی کمیونٹی کی خدمت کرنے میں خوش رہے۔ اسکے علاوہ سلطان صابری سوا سال تک مشہور چیئریٹی ’’ایج کنسرن‘‘ کے ڈایئریکٹر بھی رہے۔اس تمام کمیونٹی خدمات کے اعتراف میں انہیں ’’ایم بی ای‘‘ کے ایوارڈ کے لئے بھی نامزد کرنا چاہا، فارم تک منگوائے گئے مگر انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ انکار کردیا۔

ان کی تصانیف ’’روح کی زندگی ، وکیل کے بغیر جائداد کی خرید وفروخت ، برطانیہ میں کسٹمز کے قواعد‘‘ ہیں جو زیر ترتیب واشاعت ہیں۔ کمیونٹی سروسز میں انہیں ایوارڈ بھی ملے مگر انہوں نے ہمیشہ بغیر کسی لالچ کے کمیونٹی کی خدمت کی۔ ان کی شاعری جو زیادہ تر نظموں پر مشتمل ہے اگلے صفحات پر ملاحظہ کریں جوان کی شخصیت اور جذبات وخیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ مجھے فخر ہے اپنے بچپن کے عزیز ترین دوست پر جنہوں نے اپنی زندگی کو ہمیشہ اعلیٰ اصول اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کئے رکھا۔۔ خدا عمر دراز کرے، اور ان کا یہ جذبہ سلامت رہے۔ آمین

رحمتِ عالم۔۔ایک التجا

اے رحمتِ عالم اے روشنی کے سفیر
بٹے ہوئے ہیں قبیلوں میں تیرگی کے اسیر
وہی ہے دورِ جہالت وہی ہیں لات و منات
وہی ہے رسم و ستم اور وہی کنارِ فرات
نقیبِ صبح تھے خود جن کو ڈھونڈتی تھی صبا
اڑا کے لے گئی شبنم کے آنسوؤں کو ہوا
نجانے کب سے فلسطیں میں خوں ہے محوِ سفر
الٰہی آئے گی کب اس طویل شب کی سحر
کہاں کا جشنِ بہاراں کہاں کی ایٹمی تسخیر
کفن میں آج بھی لپٹی ہے وادیِ کشمیر
حسین پھول کہ نازاں تھی جن پہ فصلِ بہار
بکھر گئے ہیں ہر اک سمت بن کے مشتِ غبار
وہ آہنی پیکر وہ زندگی کے نشاں
طویل شب کے مسافر ہیں بے خبر افغاں
نہ دن کو سکوں ہے نہ رات کٹتی ہے
خدا کے نام پہ کابل میں موت بٹتی ہے

نہ داغدار سحر سے نہ شب سے ڈرتا ہے
چراغِ بوسینا اب بھی آندھیوں سے لڑتا ہے
نظر ہے سوئے حرم ہاتھ میں لئے قرآں
زمیں کی گود میں سوئے ہیں چیچنیا کے جواں
ہوا کی زد میں ہے لیبیا خموش ہے ایراں
شکم کی آگ میں جلتا ہے آج بھی سوڈاں
حسین ارضِ مقدس سے دور ہے اب بھی
جبیں عراق کی زخموں سے چور ہے اب بھی
جو شب گزار تھے وہ زیبِ داستاں کیوں ہیں!
شیوخِ کعبہ اندھیروں کے پاسباں کیوں ہیں!
بتانِ غرب پہ رہتی ہے ان کی نظرِ کرم
تری زمیں کی محافظ ہے اب سپاہِ ستم
اے رحمتِ عالم اے آشتی کے سفیر
اب کہاں جائیں تیرے در سے فقیر
کڑی ہے دھوپ زمیں سخت راستے ویراں
کاش تھم جائے اب تو گردشِ دوراں

خدمتِ رسول ﷺ میں

بستیِ فکر و نظر مدت سے محوِ خواب تھی
روحِ انساں شعلۂ الہام سے بے تاب تھی
ڈھونڈتی پھرتی تھی خوشبو پھول کو شام و سحر
شب کے سناٹے میں خود بے راہ تھی راہِ سفر
ڈھلتے ڈھلتے ڈھل گئی تھی چاندنی بھی صبح دم
بجھتے بجھتے بجھ گئی تھی شمعِ طاقِ حرم
ہر طرف رقصاں تھی وحشت جہل کے ویرانے میں
نسلِ انسانی کا خوں تھا وقت کے پیمانے میں
یک بیک سوزِ نہاں سے جل اٹھی وادی تمام
خشک ہونٹوں کو قرآں نے بخش دی تابِ کلام
نغمہ گر ظلمت کدوں میں ظلم کے مارے ہوئے
تپتے صحرا میں محبت کے رواں دھارے ہوئے
سوئے کعبہ چل پڑی صدیوں سے ترسی چاندنی
برگ و گل کو چھوڑ کر صحرا پہ بکھری چاندنی

عکس جن کا بت کدوں کے آئینہ خانوں میں تھا
ان دیوں کے دل میں آہستہ سے اتری چاندنی
دھیرے دھیرے چھا گئی پھر نور برسانے لگی
ریت کے ٹیلوں سے آوازِ اذاں آنے لگی
وہ اذاں تھی اک پکارِ ہادیٔ حق و یقیں
اب اذاں ہے نالۂ محرومیٔ دنیا و دیں
گو سلاطینِ حرم سے خود زمیں شرمندہ ہے
روضۂ احمدؐ کی عظمت آج بھی تابندہ ہے
اب بھی ہوتی ہے وہاں نغمہ سرا بادِ صبا
اب بھی اس کی دھول ہے میرے لئے خاکِ شفا
گو تہی داماں ہے سلطاںؔ در پہ آ سکتا نہیں
نالۂ حرفِ شکایت لب پہ لا سکتا نہیں
آبِ زمزم بن کے بہتا ہے محمدؐ کا پیام
چاند کی کرنوں سے پہنچے روحِ احمدؐ کو سلام

قطعات

وطن

دشتِ غربت میں وطن سے جو ہوا آتی ہے
مہکی مٹی سے وہ خوشبو کو چرا لاتی ہے
ہر روش خوں سے تر ہے مرے گھر کی
دیکھیں کس راہ سے خوشبو کو صبا لاتی ہے

یادیں

کھلے شامِ زندگی میں جب یاد کے دریچے
کوئی آگیا ہو جیسے دبے پاؤں میرے پیچھے
جہاں چاندنی کھلی تھی وہاں گرد بھی بہت تھی
کوئی سائباں نہیں تھا کھلے آسماں کے نیچے

فلسطینی

غبارِ راہ بنے ہیں جو اک مکاں کے لئے
لہو لہو ہے قلم ان کی داستاں کے لئے
ملی ہے کس کو ستاروں کی آخری منزل
اندھیری رات ہے طوفاں ہے جسم و جاں کے لئے

عالمِ اسلام شعلوں کی زد میں

عالمِ اسلام ہے شعلوں کی زد میں اے امام المسلمیں
کس کے در پر جھک رہی ہے آج پھر تیری جبیں
رُوح کے زخموں سے رِستے خون کا یہ جام ہے
مستیِ شوقِ طلب سے تجھ کو ہر دم کام ہے
ریت کے ٹیلوں کی سلطانی کی تجھ کو آرزو
گو بہ گو لٹتی ہے خاکِ کربلا کی آبرو
جب حرم لرزے گا طیاروں سے اسرائیل کے
خواب سے جاگے گا مشرق صورِ اسرافیل سے
تُو یہی سوتا رہے گا ظلم کے سائے تلے
کلمہ گو پستا رہے گا ظلم کے پائے تلے
''خادمِ حرمین'' کی فکرِ نظر فرسودہ ہے
اُس کی دستارِ فضیلت خون سے آلودہ ہے
خدمتِ ملّت کا گر تیرا یہی انداز ہے
چھوڑ دے شہرِ صفا کو وقت کی آواز ہے
اب بھی لے آ اپنی پیشانی پہ عرقِ انفعال
عبرتِ عالم نہ بن جائے کہیں تیرا مآل
خادمِ اسلام کی مسند کے تُو قابل نہیں
ایسے گردابِ بلا کا دُور تک ساحل نہیں
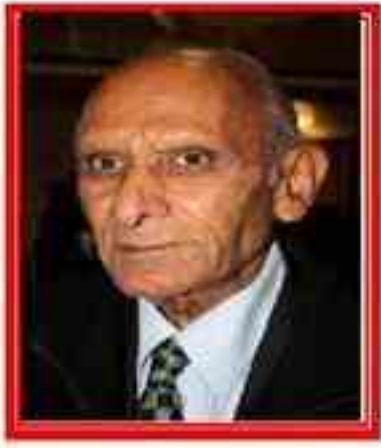
سوہن راہی (آنجہانی)

Mr. Sohan Rahi,

63,Hamilton avenue,Surbiton

(Surry) KT6 7PW

Tel: 02083970974 Mob: 07941399183.

E .Mail : sohanrahi@blueyonder.co.uk

اصل نام سوہن لال ہے مگر دنیائے ادب میں سوہن راہی سے جانے جاتے ہیں۔ پنجاب کے خوبصورت گاؤں لساڑہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم پھگواڑہ ضلع کپورتھلہ کی مرہون منت ہے ۔ 1950 میں ادبی سفر شروع ہوا جو ابھی تک جاری ہے سب سے پہلے ایک گیت لکھا ،1963 میں برطانیہ آئے اور یہیں مقیم ہوگئے۔ اٹھارہ برس تک بی بی سی میں سینئر آرکیٹیکچرل اسسٹنٹ کے عہدہ پر فائز رہے شعر کہنا شغل ہی نہیں ان کی زندگی کی عبادت رہی ،شاعری ان کی زندگی اور گیت ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔اب تک آٹھ اردو کے شعری مجموعے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں جن میں ''زخموں کے آنگن، گھونگھٹ کے پٹ، دھوپ کی تختی، زخم، گھونگھٹ دھوپ، کھڑکی بھرا آسمان، کاغذ کا آئینہ، گیت ہمارے اور تم کیسر ہم کیاری'' اردو میں اور ہندی میں ''سر ریکھا، آرتی بندن اور کچھ گیت اور غزلیں شائع ہو چکی ہیں جب کہ پانچ مزید مجموعے ''پیتاں، ساحل سیپ سمندر، اور کِکلی پنجابی کلام، حرف حرف تیرا ،پانی کی ہتھیلی'' زیر ترتیب اور زیر اشاعت ہیں۔1976 میں سوہن جی نے '' حلقہ اہل سخن'' کی بنیاد ڈالی، 1977 میں ''انجمن ترقی اردو'' کی تشکیل نو کی پھر 1978 میں ''ادارہ ادب'' کی بنیاد ڈال کر سہ ماہی ادب' کا اجراء کیا لیکن ان تمام ادبی سرگرمیوں سے پہلے غالباً 1952 میں ''نوجوان سبھا'' (نو یوک سبھا) اور 1953 میں ''بزم ادب'' پھگواڑہ میں بنیاد ڈالی۔1963 میں چینل فور ٹیلیویژن کے برطانیہ 'رائٹرز کمپٹیشن'، میں ان کی غزل ''بن گناہ' کی انٹری اول قرار دی گئی اور انعام و کرام سے نوازا گیا

۔1995 میں ایک 'میوزک کری ایشن' بھی قائم کی اور اپنا آڈیو کیسٹ 'بن گناہ' ریلیز کیا۔

سوہن راہی کی ادبی تاریخ خاصی طویل ہے انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ادب کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ ان کے انعامات وایوارڈ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ ''چینل فور غزل مقابلہ میں اول نمبر، ایشین آرٹسٹس ایسوسی ایشن گلاسگو، سنت کبیر ایوارڈ، ہندی سمتی، ساحر کلچرل ایوارڈ، یورپین اردو رائٹرز سوسائٹی یوکے، ساحر لدھیانوی ایوارڈ، انڈین اور کانگریس یوکے لندن کے میڈل شعری خدمات کے بھی لئے اور پدما نند ساہتیہ سمان کتھایو کے بھی۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

سوہن راہی اردو پنجابی اور ہندی میں یکساں لکھتے ہیں۔ اس وقت برطانیہ، بلکہ پورے یورپ میں ان کے مقابلہ میں کوئی گیت نگار نہیں ان کے گیتوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اور انڈیا کے جانے مانے گلوکاروں نے ان کے گیت گا کر نام پیدا کیا۔ ان کا نیا مجموعہ ''تم کیسر ہم کیاری'' گیتوں کا خوبصورت گلدستہ ہے جس میں انہوں نے نہایت پیارے گیت لکھے جن میں ہندی الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا مگر گیت کے آخر میں ان کے معانی بھی درج کئے گئے۔ نئے لکھنے والوں کے لئے سوہن راہی بڑے فراخدلی سے ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں۔ وہ اکثر اپنے گیت، غزل اپنے مخصوص ترنم کے ساتھ سنا کر داد وصول کرتے ہیں انہیں ہمیشہ مشاعروں میں عزت واحترام دیا جاتا ہے، سوہن راہی برطانیہ ویورپ کے اساتذہ شعرا میں اپنا اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور گیت ان کی خاص پہچان ہے۔

انسان تنہا ہوتے بھی تنہا نہیں ہوتا خیالات وتفکرات کا ایک ہجوم ہوتا ہے جو تنہائی میں بھی اس کے ذہن ودل میں رقصاں ہوتا ہے سوہن راہی بھی کبھی تنہا نہیں ہوتے انہوں نے اپنے آپ کو ادب کے لئے مختص کر رکھا ہے اور جس کی آتشِ فرقت میں وہ ہمیشہ سوزاں رہتے ہیں۔

ان کی غزلیں، نظمیں اور گیت اردو اور پنجابی ادب میں کسی خزانے سے کم نہیں، وہ اپنی تشہیر نہیں کرتے نہ ہی اپنے آپ کو منوانے کے لئے شور کرتے ہیں ان کی شاعری جو خدا کی طرف سے ایک انمول تحفہ ہے ایک ودیعت ہے جو انہیں غیب سے ملی ہے اسی شاعری کے بل بوتے پر وہ اپنے آپ کو منواتے ہیں، مشاعرہ ہو یا ان کا کوئی مجموعہ سامع ہو یا قاری سوہن راہی کی شاعری سے محظوظ ہوتا ہے جس کا اثر اس

کے دل و دماغ پر دیر تک ہاوی رہتا ہے۔ اگلے صفحات پر ان کے گیت اور غزلوں کے نمونے پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آج دیارِ غیر میں اردو ادب کس طرح پھل پھول رہا ہے اور ہمارے شعراو شاعرات کس طرح شب و روز محنت سے ایک خوبصورت کلام دنیائے ادب کو دے رہے ہیں۔

اکثر شعرا ریٹایئر زندگی گذار رہے ہیں اور اپنی محدود کمائی میں سے رقم جمع کر کے ادب کو اپنے شعری و نثری مجموعات دان کر رہے ہیں۔ جبکہ یہاں کتاب اپنی پوری قیمت بھی پوری نہیں کرتی اس کے باوجود ہر سال سینکڑوں کتابیں منصۂ شہود پر آ کر ادب کو زندہ کر رہی ہیں۔

سوہن راہی جیسے قلمکار ہر سال ایک مجموعہ دنیائے ادب کو پیش کرتے ہیں جس کے لئے انہیں پورا سال ذہنی، جسمانی اور مالی قربانی دینی پڑتی ہے مگر یہ ادب کے ساتھ ان کی بے پناہ محبت کا ثبوت ہے کہ وہ دن رات اس صحرا میں آبلہ پائی کے باوجود بھی مصروف عمل ہیں۔ ایسے مخلص قلمکاروں کے لئے دلی دعا ہے کہ خدا انہیں صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے اور وہ اسی طرح ادب کی خدمت کرتے رہیں۔۔۔آمین۔۔۔۔ اللہ کرے ہوزورِ قلم اور زیادہ۔۔۔!!

❁

مرا شعر کوئی تجارت نہیں
یہ دیوار و در کی عبارت نہیں

میں زندہ ہوں تیری محبت سے اب
مرا جسم میری شہادت نہیں

ترے حسن میں میرا کردار ہے
ترا حسن تیری مہارت نہیں

صلے کے لئے جو کرے بندگی
تجارت ہے وہ سب عبادت نہیں

مرا جینا مرنا وفا میں رہا
مری بے وفائی تو عادت نہیں

محبت میں جینا ہے انسانیت
یہ پوجا نہیں یہ تلاوت نہیں

❁

سمندر پار کر کے اب پرندے گھر نہیں آتے
اگر واپس بھی آتے ہیں تو لے کر پر نہیں آتے

مری آنکھوں کی دونوں کھڑکیاں خاموش رہتی ہیں
کہ اب ان سے سخن کرنے مرے منظر نہیں آتے

مری چاہت خلاؤں میں دھواں بن بن کے اُڑتی ہے
مگر اس خاک کے ذرے مرے در پر نہیں آتے

مرے آنگن کی چھتری کے کبوتر خوب ہیں لیکن
چلے جاتے ہیں تو واپس کبھی مڑ کر نہیں آتے

تمہارے شہر کے موسم ، ہمارے شہر میں راہیؔ
سنہری دھوپ کی لے کر کبھی چادر نہیں آتے

سالِ نو

دل و نظر کے دریچوں میں جو مہک سی اُڑے
وہ سوچ کے بھی سفر میں تو ساتھ چلتی ہے
دھڑک رہی ہے جو میرے قلم کے سینہ میں
وہ شمع بن کے مرے سانس سانس جلتی ہے
سمے کا ہنس ہے کل اور آج کا مالک
حسین کے موتی چنے آس کی ڈگر کے لئے
وہی جو آج کے ہونٹوں پہ سُر بجائے گا
وہی جو کل کی جوانی کے گیت گائے گا
یہ جانتا ہوں غموں کے گھنیرے سائے بھی
قدم قدم پہ ہمیں آزمانے آئیں گے
اداسیوں کے سیہ رنگ موسموں کے لئے
وہ اپنے ساتھ خزائیں بھی لے کے آئیں گے
مگر ہمیں تو ہے جینا بہارِ نو کے لئے
ہے تن بدن میں ہر اک سانس جیسے نیل کنول
ہر ایک حال میں جس کو کھلائے رکھنا ہے
یہ زندگی بھی تو جینا ہے زندگی کی طرح
محبتوں کے دیئے بھی جلائے رکھنا ہے
نئی امنگوں نئی چاہتوں کی کرنیں لئے
گماں کی حد پہ نئی صبح مسکراتی ہے
کھلاؤ نُور کی کلیاں اندھیری راہوں میں
نئے برس کی وہ دُلہن تمہیں بلاتی ہے

❁

تنہائیوں میں زخمِ وفا بولتا رہا
سچائیوں کا زہر مجھے سوچتا رہا
میں نے مٹا دیا تھا ہر اک نقش خاک سے
لیکن یہ وقت بھید میرے کھولتا رہا
پلکوں پہ جگنوؤں کی قطاریں سجی رہیں
شب بھر اندھیرا موتی مرے رولتا رہا
وہ کون سی وفا تھی جو میری سزا بنی
وہ کن ترازوؤں میں مجھے تولتا رہا
شبنم کے ہار بن چکا جب پات پات پر
وہ ڈال ڈال میرا پتہ پوچھتا رہا
دشتِ نگاہ میں سرمئی آنچل نچوڑ کر
وہ رنگ رنگ میں مجھے ہی کھوجتا رہا
منصور بھی کمال کا تھا، راہِ عشق میں
ہر اِک قدم پہ سچ کی زباں بولتا رہا

گیت

آنسو سے کہو وہ پیت لکھے

آنسوں سے کہو وہ پیت لکھے، کچھ ہار لکھے، کچھ جیت لکھے
سانسوں کے جھر جھر جھرنے سے، کوئی رنگ اڑاتا گیت لکھے

وہ پیت جو ساون کا گجرا، وہ پیت جو لٹ الجھا گجرا
وہ پیت جو بھور کا تارا ہے، رہ پیت جو مستی کا بدرا
آنسو سے کہو وہ پیت لکھے
کہہ دو کچھ کومل ہونٹوں کی، کہہ دو کچھ گال سے پھولوں کی
کہہ دو چندا سے مکھڑے کی، کہہ دو باہنوں کے جھولوں کی
آنسو سے کہو وہ پیت لکھے
کچھ بات کہو اس آنچل کی، اس رنگ بدلتے بادل کی
ماتھے پہ دمکتی لالی کی، نینوں میں چھلکتے چھل بل کی
آنسو سے کہو وہ پیت لکھے
کیا بات ہوئی تنہائی میں، کیا شور تھا من انگنائی میں
کیوں گجرا بدرا ایک ہوئے، کیوں آگ لگی پروائی میں
آنسو سے کہو وہ پیت لکھے
کیوں رنگ بھرے تھے موسم میں، کیوں درد جگے تھے سرگم میں
کیوں سمے کی تتلی مچلی تھی، کیا کچھ تھا، پیار کے سنگم میں
آنسو سے کہو وہ پیت لکھے

گیت بن کے مرے لہلاتی رہو

گیت بن کے مرے لہلاتی رہو
میں تمہیں تم مجھے گنگناتی رہو

بن کے پروا چلو
پھول بن کے کھلو
سُونے سپنوں کی انجان راہوں میں تم
جیوتی بن کے اجالے لٹاتی رہو

دھوپ میں چھاؤں میں
روپ کے گاؤں میں
چوڑیوں کی چھما چھم نا روکو پر یہ
نت نئی دھن میں سرگم سناتی رہو

میگھ ملہار تم
رُت کا سنگار تم
میں ہوں برہا اگن، تم ہو برکھا کا دھن
تم مری پیاس پل چھن بجھاتی رہو

سہیل احمد لون

Mr. Sohail ahmed Loun

98,Princes Avenue, Surbiton

KT6 7JW. Mob: 07701095849

E.Mail:lounsohail@gmail.com

سہیل احمد لون 2008ء میں جرمنی سے برطانیہ آئے، پیشے سے انجینئر ہیں۔لاہور پاکستان سے تعلق ہے،نہایت سادہ مزاج مخلص اور دھیمے لہجے کے انسان ہیں۔ان کے پہلے شعری مجموعہ ''خواب آنکھوں میں ٹوٹ جاتے ہیں'' کی رسمِ اجرا لندن میں اس دھوم دھام سے ہوئی کہ آج تک کسی شاعر نے اس پیمانے پر نہ کی۔انہوں نے پاکستان سے ممتاز شاعر انور مسعود صاحب کو بلوایا۔ٹی وی پر کئی ہفتے اشتہار آتے رہے۔ایسٹ لندن میں بڑا سا ہال بک کیا گیا اور سینکڑوں مہمانوں کے ضیافت کا پر تکلف انتظام بھی کیا گیا۔سہیل احمد لون نے لندن آتے ہی اپنے پیار محبت اور عزت واحترام سے سب کے دل جیت کر دنوں میں کئی برسوں کی مسافت طے کر ڈالی۔

سہیل لون جو بھی کوئی کام کرتے ہیں اسے بڑے اہتمام اور شان سے کرتے ہیں۔ادب کے ساتھ ان کا گہرا لگاؤ ہے گو انہوں نے 1986 سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا مگر مطالعہ کا شوق بچپن سے تھا۔

شاعری کے علاوہ ان کی پہچان ان کے وہ کالم ہیں جو لندن کے معروف اخبار 'نیشن'' میں 'جلاوطن' کے نام سے شائع ہوتے ہیں اس کے علاوہ پاکستان کے ممتاز اخبارات میں بھی تواتر سے شائع ہوتے ہیں،انہی کالموں کا ایک مجموعہ بنام ''جلاوطن'' نے بھی منصۂ شہود پر آکر ادبی دنیا میں پذیرائی حاصل کی۔اس کی رسم اجرا پر پاکستان کے معروف شاعر جناب فرحت عباس شاہ کو خصوصی دعوت دی گئی اور بڑے اہتمام سے کی گئی۔انہیں عالمی سیاست کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کے اتار چڑھاؤ اور سیاست کے آئے دن بدلتے رنگوں کی بھی خوب پہچان ہے اور وہ بڑی سچائی اور کھرے پن سے ان موضوعات کو

اپنے قلم کی نوک پر رکھتے ہیں۔اچھے کالم نگار کی پہچان ہی اپنے وطن سے سچی اور خالص محبت ہے کہ وہ کسی سیاسی جماعت یا کسی دھڑے بازی کا شکار نہ ہو اور یہ خوبی میں نے سہیل لون کے کالموں میں محسوس کی ہے۔وہ اپنے قلبی اور ذہنی جذبات کا اظہار بڑے سلیقے اور فنی مہارت سے کرتے ہیں اپنے قلم کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے وطن کی محبت دل میں بسائے،کسی کی دل آزاری کئے بغیر بڑی بے باکی اور بے خوفی سے تجزیہ کرتے ہیں۔ان کے کالم لندن کے ممتاز اخبارات کی زینت بننے کے علاوہ پاکستان کے معروف اخبارات میں بھی شائع ہوتے ہیں۔وہ اپنی نجی زندگی میں مصروف شخص ہونے کے ساتھ اپنے وطن کی محبت میں سرشار ٹیوی،اخبارات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیسے اتنا وقت نکالتے ہیں ان کے مختلف موضوعات پر طویل کالم پڑھ کر میں حیران ہوتا ہوں۔مگر وہ اپنا یہ اہم اور مقدس فریضہ بڑی ذمہ داری کے ساتھ نبھائے جا رہے ہیں۔امید ہے کہ وہ اسی طرح سچے پن سے وطن کی محبت دل میں بسائے اپنے قلم کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے لکھتے رہیں گے۔

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے تو سہیل احمد لون سچے جذبوں کا شاعر ہے وہ جو محسوس کرتا ہے وہی لکھتا ہے۔انہوں نے اپنے مجموعہ کلام میں تین مختلف ادبی رنگ پیش کئے ہیں۔اردو غزل،نظمیں اور ساتھ ساتھ نہایت خوبصورت نثر میں زندگی کے مختلف موضوعات پر بڑے ہی فنکارانہ انداز میں مضمون جو کسی نثری نظم کی طرح قاری کو مسحور کر دیتے ہیں۔اور آخر میں انہوں نے اپنی ماں بولی کا بھی حق ادا کرتے ہوئے پنجابی کا کلام بھی شامل کیا ہے اس طرح یہ مجموعہِ کلام ادب کا ایک گلدستہ ہے۔جس میں کئی رنگ کے پھول شامل ہیں جو اسے مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں۔

سہیل لون کی غزلیں اکثر چھوٹی بحر میں ہیں جو نہایت عمدگی اور عمیق خیالات کے ساتھ مرصع ہیں۔انہوں نے آج کی مکر و فریب سے بھری جھوٹی دنیا کی نفی کی ہے اور اپنے اشعار میں یہ ثابت کیا ہے کہ انہیں اس منافقت سے بھری ہوئی دنیا اور جھوٹے رشتوں میں بندھے جکڑے ہوئے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔

میں نے مکر و ریا کی دنیا میں ساتھ چھوڑا نہیں حقیقت کا

سہیل لون نے اپنی ذاتی تجربات کو شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈھالا ہے کہ بات سننے والے کے دل میں اترتی جاتی ہے۔

زندگی بین کرنے لگتی ہے　　درد سینے میں مسکراتے ہیں

مگر پھر حالات کے مقابلے میں ڈٹ کر کہتے ہیں کہ

ہم ہیں وہ لوگ جو سرِ مقتل　　رقص کرتے ہیں، گیت گاتے ہیں

ان کی شاعری میں بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات واحساسات کے نئے مظاہر بھی ملتے ہیں جہاں وہ زندگی کی روشن مثبت قدروں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ یہ ان کی شاعری کا نشانِ امتیاز ہے کہ انہوں نے حاضر کے کرب کو اپنے دامن میں سمو کر اپنے تجربات کو شعری سانچے میں ڈھالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہیل لون کے یہاں زندگی کے گہرے رشتے کا پتہ ملتا ہے۔

ہم نے دیکھے ہیں کرب رستوں کے　　ہجرتوں کے عذاب دیکھے ہیں

دریا دریا سہیلؔ دشت ملے　　صحرا صحرا چناب دیکھے ہیں

انہوں نے پنجابی میں بھی شاعری کو اپنے مجموعہ میں جگہ دے کے اپنی ماں بولی سے اپنی بے پناہ محبت کا ثبوت دیا ہے۔ گو پنجابی شاعری میں ابھی وہ مہارت نہیں جو اردو میں محسوس ہوتی ہے مگر مشقِ سخن جاری رہی تو مزید نکھار پیدا ہوگا۔ لیکن سہیل احمد لون نے اپنے اس مجموعہ کلام میں قوس قزح کا رنگ پیدا کر کے دنیائے ادب میں ایک خوبصورت اضافہ پیش کیا ہے۔ جس کے لئے میں انہیں دلی مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کے قلم میں مزید برکت ہو۔ اور وہ اسی طرح اپنے اشعار سے گلستانِ ادب سجاتے رہیں۔ آخر میں ان کے ایک شعر کے ساتھ اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

یہ آسمان جب مرا دشمن ہوا سہیلؔ　　سر پر زمین اُٹھانی پڑی مجھے

۞

دل ہے پتھر نہ آنکھ پتھر کی
یہ ہیں سب سختیاں مقدر کی

کسی طوفاں کا پیشِ خیمہ ہے
مجھ میں یہ خامشی سمندر کی

ٹوٹنے سے جو بچ گیا ہوں میں
یہ عنایت ہے دیدۂ تر کی

ٹوٹ جانا تھا آئینہ اک روز
کیا ضرورت پڑی تھی ٹھوکر کی

ہم سزاوارِ زندگی ٹھہرے
بات پوری ہوئی ستم گر کی

جان دے کر سہیلؔ اُس کے لیے
آبرو عشق کی اُجاگر کی

۞

سلسلہ چل پڑا شکایت کا
طے ہوا مرحلہ محبت کا

میں نے مکر و ریا کی دُنیا میں
ساتھ چھوڑا نہیں حقیقت کا

جب بھی دیکھوں گماں گُزرتا ہے
چاند پر بھی تری شباہت کا

غمِ دُنیا پہ کر دیا قربان
وقت جتنا ملا تھا راحت کا

کر رہے ہیں سوال اہلِ ہنر
مجھ سے اک بے ہنر کی بیعت کا

کچھ نہ پوچھو سہیلؔ اُس کے بغیر
لمحہ لمحہ تھا کس اذّیت کا

❁

ہم اپنی ذات سے نکلے تو ایسے رستے ملے
کہیں لہو کی لکیریں کہیں پہ ڈھانچے ملے

عطیہ آنکھ کا اپنی کسی کو کیا دیتے
نظر نظر ہمیں بربادیوں کے میلے ملے

ہمیں جو درد ملا روح تک اُسے پایا
ہمیں جو زخم ملے انتہائی گہرے ملے

چراغِ ہستی جو سورج میں ڈھالنے نکلے
بُجھے بُجھے سبھی تقدیر کے ستارے ملے

تمام حرف سرِ لوحِ جاں مٹا کے سہیل
حیات و موت کے ہم کو عجب فسانے ملے

❁

تمام عمر شبِ درد میں گزاری گئی
دل و نگاہ سے جب روشنی اتاری گئی

وہ خار بن کے کھٹکتی رہی جگر میں سدا
جو بازی جیت کے تیری طلب میں ہاری گئی

ہمارے عزم نے اُس کو گرا دیا ہر بار
ہماری راہ میں دیوار جو اُساری گئی

بدل سکا نہ کسی طور حبس کا موسم
فضائے صحنِ چمن جس قدر سنواری گئی

ہزار بدلی ہے ترتیب وقت کی لیکن
نہ دن کا خوف، نہ راتوں کی بے قراری گئی

خلوص

خلوص اور محبت کے موتیوں کو جب کوئی دوستی کی مالا میں پرو کر پیش کرتا ہے تو یہ سونی سی مالا کتنی سندر لگتی ہے۔لفظوں کی لڑیاں...... الفاظ کے بنڈل...... لفظوں کے ہیر پھیر...... کبھی سیاہ راتوں میں...... ٹرین کی چھک چھک میں سفر کرتے ہوئے...... چاندنی رات میں بارش کے بعد...... شہر کی اُجلی اُجلی سڑکوں پر...... گم صم...... تنہا تنہا...... پیدل مارچ کرتے ہوئے...... کبھی بارش میں بھیگتے ہوئے...... نہ جانے کیوں باتیں...... کچھ یادیں...... ادھورے ساتھی...... اچانک...... یہی لوگ خوبصورت لمحوں کے بدلے میں تلخ اور کڑوی سی یادیں چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور ہمارے خوابوں سے اپنی خوشبو بھی چرا کے لے جاتے ہیں...... یہی پیار سکھانے والے...... خلوص کا سبق پڑھانے والے...... جب اپنے خلوص کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں...... تو ان کا خلوص واپس لوٹانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے...... جذبوں کے سوداگر...... ہم سے سب کچھ چھین کر ٹوٹے دلوں کو مزید توڑ دیتے ہیں...... یہ بھی نہیں سوچتے کہ اگر قانون بنانے والے قانون توڑنے والوں کو سزا دے سکتے ہیں تو دل بنانے والا بھی تو دل توڑنے والوں کو سزا دے سکتا ہے۔یہی لوگ بغیر اجازت دل میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن جب جاتے ہیں تو سارے چراغ گل کر جاتے ہیں اور دل کو اندھیرے میں چھوڑ دیتے ہیں۔

سُلگتی کہانی

وقت اور حالات ہم سے سب کچھ چھین لیتے ہیں مگر یادیں وہ عظیم سرمایہ ہیں جسے کوئی نہیں چھین سکتا۔یادوہ آئینہ ہے جس میں انسان ماضی کو دیکھ سکتا ہے۔دل کو چوٹ لگتی ہے تو اس کی کسک روح کی گہرائی تک محسوس ہوتی ہے جو شعور بن کر ذہن پہ اترتی ہے اور لاشعور بن کر حسین یادوں کا روپ دھار لیتی ہے۔یادیں بھی کتنی انمول ہیں جو آنسوؤں میں ڈھل کر روح کو سیراب کرتی ہیں۔یادیں اس وقت عذاب بن جاتی ہیں جب انھیں سانسوں میں بسالیا جاتا ہے،لیکن غم کے معنی ہیں اتھاہ تاریک سمندر میں خوشی کا مینار۔زندگی کی بے کیف اور انجان راہوں پر ہماری ساتھی،یادیں انسانی زندگی کو تپتا صحرا بنا دیتی ہیں۔جب دیدۂ گل سے شبنم ٹپکتی ہے اور زرد چاند سے برستی ہوئی ٹھنڈک ہولے ہولے روح کو سلگاتی ہے تو من کی جھیل میں یادوں کے چراغ کنول بن کر کھل جاتے ہیں۔جب دل میں یادوں کے دیے جلتے ہیں تو جلن کے ساتھ روشنی بھی ہوتی ہے۔آنسو اور روشنی مسکراہٹ کا روپ دھار لیتی ہے اور پھر تنہائی میں کسی کی یاد کا رس گھول کر پینا کتنا دلکش لگتا ہے۔یادوں کے قافلے کتنی تیزی سے آتے اور گزر جاتے ہیں۔لمحہ بھر کے لیے ہماری زندگی مچلتی ہے اور پھر اک سلگتی کہانی بن جاتی ہے اور ہم سوچتے ہی رہ جاتے ہیں۔

سیما جبار (مرحومہ)

Miss. Sima Jabbar,

8, Arcadian Gardens,

London N22 5AA

Tel: 0208 881 4057

محترمہ سیما جبار صاحبہ لندن میں ہی نہیں پورے برطانیہ کے ادبی حلقوں میں ایک اہم اور خاص مقام رکھتی ہیں۔ مدت دراز قبل وہ برطانیہ آئیں۔ شروع ہی سے ادبی لگاؤ تھا لہذا جہاں بھی رہیں وہیں ادبی محفلوں میں شریک ہوتی رہیں۔ انہوں نے سالہا سال پیشتر لندن میں ایک ادبی تنظیم ''بزم شعرو ادب'' کی داغ بیل ڈالی جس میں راقم الحروف کے علاوہ مرحوم خالد یوسف، ہارون رشید، رستوگی مرحوم ،مرحوم ڈاکٹر نوید حسن قابل ذکر فاؤنڈر ممبرز تھے۔ ہر ماہ کے پہلے سنیچر کو ادبی محفل ہوتی اور دور دور سے بے شمار لوگ شامل ہوتے۔ ''ووڈ گرین'' کی لائبریری نے مکمل تعاون کیا اور یہ ادبی محفلیں کئی سال تک بڑے زور وشور سے جاری رہیں۔ تمام مہمانوں کی نہایت پر تکلف خاطر تواضع کی جاتی اور ہمیشہ ہال شعرا اور سامعین سے بھرا رہتا پھر رستوگی عدم سدھار گئے کچھ ہی مدت کے بعد ڈاکٹر نوید حسن بھی انتقال کر گئے ان کے بعد اشفاق حسین اشفاق بھی اچانک داغ مفارقت دے گئے ان لوگوں کی وفات نے ادبی محفل کو سنسان کر دیا۔ خالد یوسف بھی کچھ معمولی اختلاف کی وجہ سے الگ ہو گئے۔ میں والتھم سٹو میں اپنی ادبی تنظیم بنا کر اس میں مصروف ہو گیا۔ سیما جبار بہت ہمت والی اور بہادر خاتون ہیں کئی سال تک انہوں نے اس تنظیم کو تنہا چلایا جواب بھی جاری ہے مگر آہستہ آہستہ پرانے ساتھی کچھ عدم سدھار گئے کچھ اپنی ذاتی زندگی میں مصروف ہو گئے جن کی وجہ سے ان پر کام کا بہت زیادہ بوجھ آن پڑا۔ ادھر کونسل نے گرانٹ بند کر دی جس کی وجہ سے مالی مشکلات نے بھی کمر توڑ دی۔ بڑھاپے اور بیماری نے الگ یلغار کر دی مگر اللہ زندگی اور صحت دے میری اس محترم بہن نے ہمت نہ ہاری اور مہینہ دو مہینہ کے بعد ایک

خوبصورت ادبی محفل کا اہتمام کرتی ہی رہتی ہیں۔۔اور تمام شعرا کو فون کر کے بلاتی ہیں اسی طرح ہر مہمان کی آؤ بھگت کرتی ہیں اور خیال رکھتی ہیں۔

خوش شکل بلکہ نہایت خوبصورت اور دلکش خاتون ہیں لہجے میں بلا کی انکساری اور کشش جو مخاطب کو اسیر کر کے رکھ دیتی ہے اور ایک بار ملنے کے بعد کہیں فرار کا راستہ نہیں ملتا۔نہایت مخلص ،مہمان نواز اور سب کی عزت کرنے والی محترمہ سیما جبار ہمیشہ خوبصورت ریشمی ساڑھی میں ملبوس اپنی ادبی محفلوں میں مہمانوں کی خاطر تواضع کرتی نظر آتی ہیں۔ پاکستان و ہندوستان سے آنے والے شعرا و شاعرات کے اعزاز میں سینکڑوں مشاعرے کئے۔اور ان کو ایوارڈز بھی دیئے۔

سیما جبار نے اپنے ادبی پلیٹ فارم سے بے شمار انٹرنیشنل سیمنار بھی کئے جن میں بیرون ملک سے معروف شعرا و شاعرات کو مدعو کیا جاتا رہا اور انہیں اعزازات سے بھی نوازا جاتا رہا۔

اسی طرح وہ مقامی شعراء و شاعرات کو بھی اکثر اپنی بزم کی جانب سے نہایت خوبصورت اور قیمتی شیلڈز بنوا کر انہیں اہم شخصیات کے ہاتھوں دلوا کر ان کی حوصلہ افزائی و عزت افزائی کرتی ہیں۔

سیما جبار غزل کی شاعرہ ہیں ان کی غزلوں میں بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات و احساسات کے نئے مظاہر ملتے ہیں انہوں نے حاضر کے کرب کو اپنے اندر سمو کر اپنے تجربات کو شعری سانچے میں ڈھالا ہے جو ان کا امتیازی نشان ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں زندگی کے گہرے رشتے کا پتا ملتا ہے۔

ان کی شاعری محبت کی شاعری ہے جو جاندار زندگی کی علامت ہے۔ بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات و احساسات کے نئے نئے مظاہر بھی ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔

گو ان کا مجموعہ کلام ابھی تک نہیں چھپا مگر لندن کے ادبی جرائد میں ان کی شاعری شائع ہوتی رہتی ہے۔ سچائی اور صدقت کی پیامبر، حساس اور انسانی اقدار کی حرمت کی امین محترمہ سیما جبار صاحبہ نے اپنی شاعری میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ اگلے پل کی جانب صرف سچائی ہی سچائی ہوتا کہ ہماری معاشرتی زندگی سچائی کے فیض سے نکھر جائے اور معاشرے میں سچائی کا بول بالا ہوتا کہ ہماری زندگیاں انصاف کے لئے بین نہ کرتی پھریں۔۔

سیما جبار گو آج کل کافی بیمار رہتی ہیں مگر وہ اپنی بیماری و کمزوری کے باوجود بھی ہر دم ادب کی ترقی و ترویج کے لئے بے قرار رہتی ہیں، سرد موسم کی شدت اور جسمانی بیماریوں کے باوجود بھی وہ تن تنہا ڈھیر سا سامان اٹھائے 'ووڈ گرین' لندن کی لائبریری میں برسوں سے ادبی محافل کا اہتمام کرنے میں مصروف ہیں ۔مہمانوں کے لئے خورد و نوش کا سامان خریدنا اسے لائبریری تک پہنچانا اسٹیج سجانا اور دیگر انتظامات اکیلے نپٹانا اور مشاعرے کے اختتام تک تمام مہمانوں اور شریک شعراء کا ہر طرح سے خیال رکھنا وہ صرف اور صرف اپنی ہی ذمہ داری سمجھتی ہیں یہ خلوص و پیار کی انتہا ہے جسے سیما جبار کئی برسوں سے پورے خلوص سے نبھا رہی ہیں۔

میں دلی دعا گو ہوں کہ اللہ پاک ان جیسے مخلص لوگوں کو صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے کہ برطانیہ میں ادب صرف انہی لوگوں کی وجہ سے زندہ ہے۔۔۔

٭

خوابوں کے جزیروں پہ بسیرا نہیں کرتے
تعبیر کی ہم ریت پہ تکیہ نہیں کرتے

اس دل کے مقابل تو ہے کم وسعتِ صحرا
ہم آبلہ پا حد کی تمنا نہیں کرتے

جس دل میں نہ احساس کا چشمہ ہو رواں ہی
پتھر سے کوئی آس لگایا نہیں کرتے

ہو قوت برداشت تو بن جاتی ہے پھر بات
بے وجہ ہر اک بات پہ الجھا نہیں کرتے

ہر چند کہ ہر روز اُبھرتے ہیں مسائل
لہجہ ہو اگر تلخ تو سلجھا نہیں کرتے

کیوں زخم یہ اپنوں کے ہیں غیروں کے نہیں وار
اپنوں سے تو ہم بات یہ پوچھا نہیں کرتے

ہاتھوں میں قلم رکھتے ہیں پھر مصلحتیں کیوں
ہو سچ نہ اگر بات تو لکھا نہیں کرتے

اسلاف کے ہم بھول گئے وصف یہاں تک
تاریخ کے اوراق بھی پلٹا نہیں کرتے

موتی کی طرح آنکھ کی ہیں سیپ میں آنسو
دولت ہے غموں کی یہ لٹایا نہیں کرتے

کھلتے ہیں کنول یاد کے اب جھیل میں دل کے
ہم پھر بھی غمِ دوست کا چرچا نہیں کرتے

جو چھین لے آئینہ دل کی ہی تب و تاب
ہم ایسی تمنا کوئی سیماؔ نہیں کرتے

٭

آپ کی بات کا کر لیتے یقیں ہم لیکن
آپ تو بات بدلتے رہے پیہم لیکن

کیوں دوا کرتے نہ ہم زخمِ جگر کی آخر
بے اثر اب ہیں مسیحائی کے مرہم لیکن

سوزشِ غم سے سُلگتا ہی رہا دل ہر دم
آنکھ سے گرتی رہی اشک کی شبنم لیکن

رات دن وقت کے دھاروں پہ سدا بہتے ہیں
چاند سورج کا ہوا پھر بھی نہ سنگم لیکن

وقت کے سازِ شکستہ کے ہیں نغمے مدھم
گونجتے اب بھی سماعت میں ہیں سرگم لیکن

آسماں آیا نہ آئی ہے زمیں راس اُسے
ربط دونوں سے ہیں انساں کے محکم لیکن

آج دنیا میں پڑی سب کو ہے اپنی اپنی
حرفِ اخلاص زبانوں پہ ہے مُبہم لیکن

خارزاروں سے کدورتوں کے گزرنے کے لیے
دل میں اُلفت کا رہے جذبۂ ریشم لیکن

ہوں گے ناکام ستمگر کے عزائم بے شک
اپنے ہاتھوں میں ہو یکجہتی کا پرچم لیکن

اپنے خوابوں کی کرو اب تمہی سیماؔ تعبیر
ملتی ہے خوابوں کی تعبیر ذرا کم لیکن

٭

کیا کہوں منظر ہیں وحشت کے نمایاں کس طرح
شہرِ دہشت کو کہوں شہرِ نگاراں کس طرح

ہو گئی دورِ ستم میں زندگی ظلمت نشاں
دل کے آنگن میں ہو پھر جشنِ بہاراں کس طرح

جذبۂ مہر و وفا ہے حاصلِ انسانیت
ہو گیا انساں محبت سے گریزاں کس طرح

جو نہ دیکھے خود کو گر احساس کے آئینے میں
اپنی وہ ہوگا جفاؤں پر پشیماں کس طرح

ہر طرح دل کو سنبھالا گردشوں میں وقت کی
تلخیٔ حالات سے ہوگا ہراساں کس طرح

ہر کلی ہر پھول گلشن میں ہے پیکر یاس کا
زرد رنگوں کو کہوں رنگِ بہاراں کس طرح

اب نگاہوں میں امیدِ صبح تازہ تو نہیں
ہاں مگر ہے دیکھئے ہر اک پریشاں کس طرح

جو کیا کرتے ہیں غیبت دوسروں کی
خود کو پھر وہ لوگ کہتے ہیں مسلماں کس طرح

وار تو بادِ مخالف نے کئے سیماؔ مگر
ہو گیا دیکھو خدا میرا نگہباں کس طرح

٭

دشتِ فرقت کا کنارا ہو ضروری تو نہیں
وحشتِ دل کا مداوا ہو ضروری تو نہیں

اس نے پیمانِ وفا کر تو لیا سوچ کے یہ
وہ نبھائے اسے ایسا ہو ضروری تو نہیں

اُڑ گئے دور فضا میں وہ پرندے سارے
گھر کے آنگن میں بسیرا ہو ضروری تو نہیں

جس سے منسوب ہوئیں دھڑکنیں دل کی ہر پل
یاد میں میری وہ رہتا ہو ضروری تو نہیں

شہر میں تیرے میسر ہو سکوں کا ساماں
میری خوش کام تمنا ہو ضروری تو نہیں

وقت تو روپ بدلتا ہے ہر اک پل لیکن
اس کا ہر روپ سنورتا ہو ضروری تو نہیں

زندگی کی تو بس اتنی ہے حقیقت سیماؔ
صرف اک خواب ہے سچا ہو ضروری تو نہیں

وہ جال بُنا کرتا تھا گفتارِ یقیں میں
آئینہ صفت تھے ہمی اقرارِ یقیں میں
معلوم نہ تھا خواب وہ ہو جائے گا ایسا
تعبیر نہیں جس کی کچھ آثارِ یقیں میں
بدلی ہے نظر اس نے تو یہ ظرف ہے اس کا
ہیں نقشِ وفا اک ہمی دیوار یقیں میں
اتنی نہ کرے مشقِ ستم باد مخالف
جیتے گا کوئی ہم سے نہ تکرارِ یقیں میں
ہر چند کہ عالم ہے بہت یاس کا لیکن
ہے آس کی لو بھی دل بیمار یقیں میں
دراصل حقیقت ہے یہی ہوتا ہے وہ خوار
جو شخص سدا رہتا ہے انکارِ یقیں میں
ظلمت میں تذبذب کی پنپتے نہیں جذبات
الفت کی ضیا رہتی ہے انوار یقیں میں
کہتے تھے نہ بیتے گا رفاقت کا یہ موسم
آیا تھا کبھی دور یہ ادوار یقیں میں
شکوہ نہ شکایت ہے ستم گر کوئی لیکن
جذبات کی تاثیر ہے اشعار یقیں میں
ہے اپنا تو سیماؔ یہی ایمان ملے گا
پھل دل کی شکیبائی کا اشجارِ یقیں میں

میں کیسا آج انوکھا یہ باب لکھتی ہوں
دیارِ تیرگی میں آفتاب لکھتی ہوں
شبِ الم میں کہیں روشنی نہیں تو کیا
چراغِ اشک ہی کو ماہتاب لکھتی ہوں
تری نظر بھی ہو مانوس حرفِ الفت سے
ترے ہی نام وفا کی کتاب لکھتی ہوں
چمن میں خار ہیں نفرت کے آج لیکن پھر
کھلیں گے مہر و وفا کا گلاب لکھتی ہوں
تری شکستہ دلی سے نہ بدلیں گے حالات
ترے سوال کا یہ میں جواب لکھتی ہوں
ستم شعار کو طرزِ فغاں سکھائے گا وقت
کچھ ایسا آئے گا اب انقلاب لکھتی ہوں
قفس میں بھی جسے ہوتی ہے جرأت پرواز
میں ایسے شخص کو عزت مآب لکھتی ہوں
حجاب وہ کہ شرم و حیا بھی ہو آنکھوں
اسی حجاب کو سیماؔ حجاب لکھتی ہوں

شاہین اختر شاہین

Mrs. Shaheen AKhtar Shaheen,

89, Cavendish Drive, London

E11 1DL Tel: 02085391990

E.Mail: rafique89@ntlword.com

شاہین اختر شاہین کا تعلق سرگودھا سے ہے پاکستان پنجاب یونیورسٹی سے بی اے بی ایڈ کیا اور گورنمنٹ گرلز اسکول میں ٹیچر تھیں شادی کے بعد اگست 1977 میں لندن آ گئیں، گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ مزید انہوں نے لندن میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کمپیوٹر اور بزنس کورسز کیے اور بزنس مینجمنٹ میں لندن پولیٹن یونیورسٹی سے ڈپلومہ حاصل کرنے کے علاوہ انہوں نے بیوٹیشن میں بھی ڈپلومہ حاصل کیا۔ ایون کاسٹیمٹک کمپنی میں ایریا مینجر رہیں۔ کافی مدت تک پاکستان پولیٹکل پارٹی مسلم لیگ کی سوشل سیکریٹری کے طور پر خدمات سرانجام دیتی رہیں۔ مقامی سیاست سے گہری دلچسپی تھی لہذا لیبر پارٹی لندن سے منسلک ہوگئیں اور طویل مدت تک سوشل آفیسر، وویمن آفیسر، فنڈز آفیسر، اور اقلیتی آفیسر کے طور پر کام کیا۔ لندن وانسٹڈ اور لیٹن سٹون میں وومین آفیسر کی حیثیت میں سیاسی خدمات سرانجام دیں جو آج تک جاری ہیں۔ اس کے علاوہ بارکلے اسکول کی گورنر بھی ہیں اس سے قبل نیو پورٹ اسکول کی بھی گورنر رہ چکی ہیں اور مقامی سماجی خدمات میں ہمیشہ آگے آگے رہتی ہیں۔

والتھم فاریسٹ بارو آف لندن میں مسلم کمیونٹی میں ایشین وومین گروپ، آرٹس اینڈ کلچر کی چیرپرسن اور 'فرسٹ سٹیپ ایسٹ' تنظیم کی بھی چیرپرسن رہیں اس تنظیم نے والتھم فاریسٹ میں بے شمار ادبی، سیاسی، سماجی اور مذہبی کامیاب پروگرام تشکیل دیئے۔

شاہین اختر شاہین نہایت متحرک اور انتھک محنت کرنے والی خاتون ہیں جنہوں نے لندن کی اس بارو (ضلع) میں ادبی، سماجی طور پر طویل خدمات سرانجام دیں جن کے اعتراف میں انہیں والتھم

فاریسٹ کے ہر میئر نے ہر سال ایوارڈ سے نوازا۔ وہ والتھم فاریسٹ میں بطور کونسلر اور ایم پی کی امیدوار بھی تھیں اس کے علاوہ وہ ٹی وی، ریڈیو کے شعری پروگرام میں بھی تواتر سے شامل ہوتی رہیں۔ لندن میں اکثر مشاعروں میں وہ اپنا کلام سنا کر داد وصول کرتی ہیں۔ اپنی انتھک محنت، کمیونٹی کی خدمات میں نہایت مخلص اور اپنی شریفانہ، ایماندارانہ صلاحیتیوں کے پیش نظر وہ مقامی کمیونٹی میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

ان کا تعلق مذہبی اور تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے ان کے والد، اور ماموں پاکستان کے معروف سیاست دان اور مصنف ہیں اسی طرح ان کے پھوپھا جان پاکستان کے مشہور ناول نگار شوکت صدیقی ہیں۔

انہیں اسکول کے زمانے سے ہی شاعری کا شوق تھا اور اسکول، کالج میں بھی اپنی شاعری اور تحریر پر انہیں انعامات سے نوازا جاتا رہا۔ اپنی گھریلو اور سیاسی مصروفیت کی بنا پر انہیں وقت نہیں ملا کہ وہ اپنے شعری مجموعے کو ترتیب دے سکتیں مگر این سے میرا اصرار بڑھتا جا رہا ہے کہ وہ اپنی شاعری کو کتاب میں محفوظ کریں اور امید ہے کہ جلد ہی انشاءاللہ ان کا شعری مجموعہ منصۂ شہود پر آ کر پذیرائی حاصل کرے گا۔

میں شاہین اختر صاحبہ کو دس بارہ سال سے جانتا ہوں۔ وہ خاموش سنجیدہ مزاج کی نہایت پروقار خاتون ہیں۔ نہایت خوش لباس بناؤ سنگار سے آراستہ ادبی محفلوں میں توجہ کا مرکز رہتی ہیں اور اپنے اشعار کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کر کے مشاعروں کو رونق بخشتی ہیں۔ میرے ٹی وی پروگرام میں بھی کئی بار آ کر پروگرام کو کامیاب کیا اور میرے منعقد کردہ مشاعروں میں پابندی کے ساتھ آ کر اپنی شاعری سے محظوظ کرتی ہیں۔

ان کی شاعری بے شمار موضوعات کو اپنے اندر لئے سامعین کی توجہ کا باعث ہوتی ہے۔ نعت، حمد کے علاوہ وہ حالات حاضرہ پر بھی اچھے اشعار لکھتی ہیں۔

شاہین اختر شاہین فکری اسلوبی اور عملی کے ساتھ ساتھ عصری اعتبار سے بھی خود کو تخلیقی سطح پر منفرد ثابت کرنے پر پوری طرح کمر بستہ اور فعال ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی تخلیقی قوت کو مزید مضبوط کر سکتی ہیں اگر مزید مطالعہ کریں اور کسی اچھے استاد جو بحر وزن میں ان کی رہبری کرے کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں

تو یقینی بات ہے کہ وہ لندن کی دوسری شاعرات میں اچھا مقام حاصل کرسکتی ہیں کیونکہ ان میں شاعری کے جوہر نمایاں ہیں۔ میرے خیال میں وہ اپنی سیاسی اور گھریلو زندگی میں اس قدر مصروف ہیں کہ شاعری کے لئے زیادہ وقت نہیں نکال پا رہیں۔

شاہین اختر نے ہمیشہ اپنی شاعری میں فکر و اظہار کی انفرادیت کو مقدم رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دوسروں سے الگ نظر آتی ہیں۔ ان کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو۔

کر کے عہد وفا نہ کرنا تیری پرانی عادت ہے
پھر بھی تجھ سے پیار نبھانا میری پرانی عادت ہے
لکھ دیا میری قسمت میں جب تجھے لکھنے والے نے
میرا اس پر شاکر رہنا میری پرانی عادت ہے

میری دلی دعا ہے کہ شاہین اختر شاہینؔ اسی طرح محنت کرتی رہے اسے اس کی منشا کے مطابق سیاسی کامیابی نصیب ہو اور ادبی طور پر بھی وہ کامیاب ہو۔ آمین

❁

تم سے کیسا یہ میں نے پیار کیا
دل کے دامن کو تار تار کیا

تیرے وعدے تمام جھوٹے تھے
جانے کیوں پھر بھی اعتبار کیا

زخم تم نے دیئے بہت لیکن
میں نے کم ہی انہیں شمار کیا

کب کرے گا وہ اب مسیحائی
جس نے خود ہی مجھے بیمار کیا

میں نے دل کی لگی بجھانے کو
اپنی آنکھوں کو اشک بار کیا

مسکرایا وہ سن کے شاہیںؔ جی
حالِ دل جب بھی آشکار کیا

❁

ان سے ہم دوستی کریں کیسے
ساتھ جو دو قدم نہیں چلتے

حالِ دل ان سے کہے جاتے ہیں
جو کوئی بات ہی نہیں سنتے

اپنی مشکل نہ کر سکے جو حل
دوسروں کے لئے وہ کیا کرتے

رازِ دل کس طرح کھلے اُن پر
کھل کے جو بات ہی نہیں کرتے

ہم اگر جان لیتے حالِ وفا
رُخ اُدھر کا نہ بھول کر کرتے

شعر کہنا سکھا دیا تم نے
ورنہ شاہیںؔ نہ جانے کیا کرتے

ہر بزم میں اقبالؔ کا پیغام سنا دو
اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

ہر شہر میں اب ظلم غریبوں پہ ہے جاری
تدبیر سے اے چارہ گرو ظلم مٹا دو

تہذیب کے اس دور نے جو زخم لگائے
ان زخموں پہ شاہیںؔ کے مرہم ہی لگا دو

آتے ہیں ابھی خواب نئے رنگ میں ہر شب
گر بن پڑے ان خوابوں کی تعبیر سجا دو

الفت سے سدا محفلیں کرتی ہیں ترقی
نفرت کا منادی ہے جو محفل سے اٹھا دو

منزل کو جو پانا ہے تو راہیں بھی ہوں ہموار
پتھر جو پڑے راہ میں اب اس کو ہٹا دو

کرتے ہیں جو شادابِ غزل مشقِ سخن سے
بہتر ہے کہ شاہیںؔ قدم ان سے ملا دو

مسکراتے ہوئے لمحوں پہ گذارہ نہ کرو
وقت کی تیز ہواؤں پہ بھروسہ نہ کرو

یورشِ گردشِ ایام سے فرصت ہے کہاں
دوستو! مجھ سے محبت کا تقاضا نہ کرو

تم کو معلوم نہیں مجھ پہ گذرتی کیا ہے
الجھے ذہنوں کو تصنع سے سنوارا نہ کرو

ٹھیس اُٹھے تو کلیجے کو دبا لو لیکن
اپنے زخموں کے چراغوں کو جلایا نہ کرو

اشک شوئی نہ تیری کوئی کرے گا شاہیںؔ
اشک ہر بات پہ تم ایسے بہایا نہ کرو

تم مل گئے مکمل میری ذات ہو گئی
تشنہ تھی دل کی کھیتی کہ برسات ہو گئی

پت جھڑ کے موسموں میں کھلے آرزو کے پھول
یہ زندگی عجیب تضادات ہو گئی

ذکرِ رخِ حبیب سے دن ہو گیا طلوع
جب بات زلف کی چلی تو رات ہو گئی

تیری جفا کے سامنے بے بس مری وفا
تجھ سے مقابلے میں مری مات ہو گئی

ہر اک زبان پہ میری محبت کی داستان
جس بات کا تھا ڈر مجھے وہ بات ہو گئی

پوچھیں گے اپنے گھر کا پتہ اُن سے ہم شاہینؔ
گر زندگی میں اُن سے ملاقات ہو گئی

جو ہے حال اپنا وہ کس کو سنائیں
جو گذری شبِ ہجر کس کو بتائیں

جو کہتے تھے کل ان کو الفت تھی ہم سے
وہ محفل میں آئیں تو آنکھیں چرائیں

کریں کس سے ان کی یہ جا کے شکایت
ہمیں نہ بلائیں نہ خود پاس آئیں

کلیجہ سدا اپنی منہ کو ہے آتا
ہمیں یاد آئیں جب ان کی جفائیں

انہیں روٹھے شاہیںؔ ہوئی ایک مدت
بہت سوچتی ہوں کہ کیسے منائیں

شاہدہ ناز حسین

Mrs. Shahida Naz Hussain,

116, Forth Street, Glasgow

G41 2TB Scotland.

Tel: 0141 433 9136

مسز شاہدہ ناز حسین قصور پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں اور اگست 1989ء میں برطانیہ آئیں اور گلاسگو (اسکاٹ لینڈ) میں رہائش رکھی جہاں ان کے خاوند کام کرتے تھے۔انہوں نے پاکستانی خواتین کی طرح اپنے گھریلو فرائض کے ساتھ ساتھ ادب کے ساتھ بھی گہرا تعلق رکھا۔ان کا اپنا ذاتی بوٹیک کا کاروبار بھی ہے۔میں اکثر ان خواتین کو دلی خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو اپنے گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ بچوں کی تعلیم کا خیال رکھتے ہوئے اپنے شریک حیات کے ساتھ قدم سے قدم ملاتے ہوئے کاروبار یا نوکریاں کر کے مالی تعاون بھی دیتی ہیں اور سونے پر سہاگہ کہ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے مشاعروں میں جانا اور شاعری یا نثر لکھ کر ادب کے فروغ میں بھی آگے آگے رہتی ہیں۔

شاہدہ ناز بھی انہی قابل قدر خواتین کے گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ان کا پہلا شعری مجموعہ ''بکھرے خواب'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا اور ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کی۔شاہدہ ناز کو میں گلاسگو کے معروف ریڈیو آواز میں بھی سنتا ہوں وہ گھر میں بیٹھ کر بذریعہ فون اپنے سخن کے پھولوں کی خوشبو سے آواز کی لہروں کے ساتھ پورے برطانیہ کو معطر کرتی ہیں۔وہ ابھی تک شاعری کی صنف تک ہی محدود ہیں مگر مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی نثر میں بھی اپنے آپ کو منوالیں گے۔انہیں اپنے وطن سے گہری محبت ہے اور پردیس میں اس کی یاد اور اپنوں سے دوری کا احساس ان کے شعری مجموعہ کے لفظ لفظ سے عیاں ہے۔

شاہدہ ناز کے اس مجموعہ کی تمام شاعری کرب و دکھ میں لپٹی ہوئی احساس محرومی اور نا مکمل خوابوں کی داستان ہے۔انہوں نے درد ہی کو جیون کا نام دیا ہے اور اسے ہی حاصل زندگی سمجھا ہے۔

کیسے دور کروں میں خود سے میری سانسوں میں شامل ہے
نازؔ یہی معلوم ہوا ہے درد ہی جینے کا حاصل ہے

زندگی کی ناکامی ،ناکام حسرتیں ،اپنوں کی دی ہوئی جفائیں ،غم میں ڈوبی ہوئی شامیں اور تاریکیاں جب سانپ بن کر زندگی کے پیرہن میں سرسرانے لگیں تو ایسے ہی شعر جنم لینے لگتے ہیں۔

زندگی پھر ترے انجام پہ رونا آیا اپنی ہر حسرت ناکام پہ رونا آیا
اتنی تاریکیاں دیکھی ہیں ہمیشہ میں نے غم میں ڈوبی ہوئی ہر شام پہ رونا آیا

ان کی تمام نظموں میں بلا کا درد و کرب پوشیدہ ہے۔ شاعرہ کی کوئی ایسی نظم نہیں جس میں دکھ کی پرچھائیاں نہ ہوں سوائے ایک نظم ''میرا پیا گھر آیا'' جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے دل کا سونا آنگن خوشبو سے مہکایا جب میرا پیا گھر آیا۔ میں تو ہجر کے صحرا میں کھڑی تھی جہاں کڑی دھوپ تھی لیکن اب یہ ساعت آئی ہے کہ دل نے ملن کے گیت گائے ہیں کہ میرا پیا گھر آیا ہے۔۔!!

ان کا ''بکھرے خواب'' ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں ہر تصویر کی آنکھوں میں درد و کرب سے آنسو بہتے نظر آتے ہیں ہر تصویر کے خدوخال سے ناکامیوں اور نامکمل حسرتوں کی جھریاں اپنے اندر غم کے عمیق سمندر لئے بیٹھی ہیں۔

انہوں نے زندگی اور جذبات واحساسات کے نئے مظاہر اپنی شاعری میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ہجر کے کرب کو اپنے دامن میں سمو کر تجربات کے سانچے میں ڈھالا ہے۔

نظم ''نصیب کے رشتے'' کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

''یہ جو میرے اپنے پیار کے رشتے
تھے جو کبھی معصوم فرشتے
چبھتے ہی رہتے ہیں دل میں
بن کے ببول''

شاہدہ ناز کے اندر ایک نہایت حساس منجھی ہوئی شاعرہ موجود ہے جس کو اپنے اندر سے نکل کر باہر

جھانکنا ہے۔ اپنے موضوعات میں کچھ تبدیلی لانی ہے۔ اپنے اشعار کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھنا بلکہ قلم کے کینوس کو مزید وسیع کرنا ہے۔ آج غزل بے شمار موضوعات کو اپنے اندر سموئے بڑی کامیابی کے ساتھ لکھی جارہی ہے۔ اساتذہ کے علاوہ دوسرے نئے شعرا کا کلام بھی زیرِ مطالعہ رکھنا ہوگا تاکہ جلا پیدا ہو۔ مجھے پوری امید ہے کہ مطالعہ سے مزید ذہنی و قلبی کشادگی پیدا ہوگی۔

''بکھرے خواب'' کی ابتدا میں بہزاد ٹائمز ساہیوال کے ایڈیٹر بہزاد جاذب کا خوبصورت مضمون ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ،

''اس شاعری میں معنوی سطح پر انسانی تعلق میں ہم آہنگی نہ ہونے کا دُکھ، جذبوں کا شکستہ پن اور روحانی وژن کی ایسی گہرائی پائی جاتی ہے جس میں ان کی شاعری کو قابلِ توجہ اور لائق مطالعہ بنا دیا ہے''۔

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے محمد فاروق تحریر کرتے ہیں کہ،

''اس کتاب کی شاعرہ ادب سے والہانہ لگاؤ رکھتی ہیں وطن سے دوری کا درد بھی ان کے ہمراہ ہے اور زندگی کی کٹھنائیوں سے بھی واقف ہیں۔ خواب تو ہر انسان دیکھتا ہے اور اکثر خواب بکھر بھی جاتے ہیں لیکن ان بکھرے خوابوں کو سمیٹنا اور سمیٹ کر کتابی شکل دینا ہر انسان کے بس میں نہیں ہوتا قدرت نے یہ خاصا شاعروں کو ہی عطا کیا ہوتا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری محترمہ شاعرہ نے اپنی زندگی کے تمام بکھرے خوابوں کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیئے۔۔ میری دعا ہے کہ شاہدہ ناز کے قلم سے اشعار کا جھرنا پھوٹتا رہے اور وہ ادب کی اسی طرح آبیاری کرتی رہیں۔۔

روٹھے ہوؤں کو یوں بھی منانا پڑا مجھے
خونِ جگر سے دیپ جلانا پڑا مجھے

اس کی خوشی تھی یاد میں کرتی رہوں اسے
پھر یوں ہوا کہ خود کو بھلانا پڑا مجھے

کیسا تھا وہ سفر مجھے اب تک نہیں خبر
کندھوں پہ اپنا لاشہ اٹھانا پڑا مجھے

اپنے ہی دل پہ مجھ کو جو قابو نہیں رہا
محفل میں تیری لوٹ کے آنا پڑا مجھے

لب جو نہ کہہ سکے مرے شعروں میں آ گیا
دنیا کو اپنا درد سنانا پڑا مجھے

اس زندگی پہ نازؔ ہے میرا بھی حق کوئی
لیکن یہ حق بھی سب کو بتانا پڑا مجھے

اُن سے آیا نہ گیا ہم سے بلایا نہ گیا
حالِ دل ہم سے کسی طرح سنایا نہ گیا

اس نے بخشا تھا تو سینے سے لگا کر رکھا
ہم سے تو درد کا تحفہ بھی گنوایا نہ گیا

دل میں خواہش تھی سویرے کی جو پوری نہ ہوئی
تیرگی بڑھتی رہی خود کو بچایا نہ گیا

ایک تعبیر نے تھا ایسے رلایا مجھ کو
خواب آنکھوں میں نیا کوئی سجایا نہ گیا

سوچ کر تجھ کو سدا میں نے اٹھایا ہے قلم
میرے شعروں سے تری یاد کا سایہ نہ گیا

نازؔ مجبور تھی میں رسمِ وفا کے ہاتھوں
اس لئے عہدِ وفا مجھ سے بھلایا نہ گیا

زندگی پھر ترے انجام پہ رونا آیا
اپنی ہر حسرتِ ناکام پہ رونا آیا

اتنی تاریکیاں دیکھی ہیں ہمیشہ میں نے
غم میں ڈوبی ہوئی ہر شام پہ رونا آیا

اس قدر اپنوں نے بخشیں ہیں جفائیں دیکھو
ہم کو تو پیار کے اب نام پہ رونا آیا

اتنا نفرت کا بسیرا ہے مرے چاروں طرف
تیرے الفت بھرے پیغام پہ رونا آیا

یہ زمیں ہے کہ تڑپتی ہی نہیں میرے لئے
آسماں کو مرے آلام پہ رونا آیا

اب وہ آباد محلے نہیں دِکھتے مجھ کو
نازؔ ویران در و بام پہ رونا آیا

ایسا ہوتا ہے کبھی دل کو جلا دیتے ہیں
یعنی وہ پیار کی اس طرح سزا دیتے ہیں

کیسے غیروں کی جفاؤں کا کریں ہم شکوہ
بول اپنوں کے سوئے زخم جگا دیتے ہیں

ہجر میں جن کو سدا یاد کیا ہے ہم نے
موسمِ وصل میں سولی پہ چڑھا دیتے ہیں

کیسے اپنے ہیں مرے غور سے دیکھو لوگو
ہر گھڑی دل پہ نیا زخم لگا دیتے ہیں

میں نے پھولوں کی سدا جن کو سلامی دی ہے
میری راہوں میں وہ بس خار بچھا دیتے ہیں

نازؔ ہر لحہ ستم جن کے سہے ہیں میں نے
مجھ کو وہ لوگ بھی جینے کی دعا دیتے ہیں

بکھرے خواب

لمبی کالی رات ہے سجنا
یادوں کی برسات ہے سجنا

روٹھتے ہو ہر بات پہ ہم سے
ایسی بھی کیا بات ہے سجنا

اتنے درد نہ سونپو مجھ کو
تنہا میری ذات ہے سجنا

جیت تمہارا حصہ ٹھہری
ہم کو تو بس مات ہے سجنا

پالوں تیرے قُرب کی دولت
کب میری اوقات ہے سجنا

آج یہ نازؔ بہت روئی ہے
اشکوں کی بہتات ہے سجنا

میں تو چاہا تھا اتنا
میرا جیون
دکھ سکھ کا ہر موسم دیکھے
دھوپ اور سایہ
سب کچھ دیکھوں
خواب بنوں تعبیر بھی پاؤں
جذبوں کی تاثیر بھی پاؤں
مٹی چھو کر
سونا کر دوں
تپتی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھوں
تو ٹھنڈک بھر دوں
لیکن دیکھو
جو سوچا، جو چاہا میں نے
لا حاصل ہے
اور یہ میرا سونا جیون
ایک سراب
میرے جذبے چھلنی چھلنی
میرے سارے بکھرے خواب

پروفیسر محمد شریف بقاء

Mr. Mohammad Sharif Baqa
4, Priory Road, Barking
(Essex) IG11 9XL England.
Tel: 0208507 1918

پروفیسر محمد شریف بقاء صاحب لاہور، پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ 1965 میں برطانیہ آئے درس وتدریس سے وابستہ رہے۔کالج کے زمانے سے لکھ رہے ہیں اور نثر، نظم دونوں میں لکھتے ہیں۔اردو کے علاوہ انہوں نے پنجابی زبان میں بھی شاعری لکھی ہے جو ان کی آنے والی ایک کتاب میں شامل ہے آپ برطانیہ کے صفِ اول کے ادیب شاعر اور دانش ور ہیں۔نہایت منکسر المزاج اور اسم بامسمہ، نیک سیرت انسان ہیں جن سے پہلی ملاقات میں آدمی اسیر ہو جاتا ہے۔ان کی تصانیف کی نہایت طویل لسٹ ہے جس کے یہ صفحات متحمل نہیں ہوسکتے۔انہوں نے اب تک 68 کتابیں تصنیف کی ہیں۔آپ ماہر اقبالیات ہیں اور علامہ اقبال کے کلام، افکار ان کی بے شمار نظموں کے ترجمے وتشریح، خطبات اور دیگر موضوعات پر اب تک ان کی 15 کتابیں جن میں کچھ کتب کے کئی ایڈیشن بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامیات کے موضوع پر، قرانی مضامین جو اردو میں ایک اور انگریزی میں دو جلدوں کے علاوہ سات کتب شائع ہو چکی ہیں۔قائداعظم کے افکار اور سیرت وکردار پر دو کتب لکھی ہیں۔علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام کو اردو میں منظوم کرنے کے علاوہ ان پر تفصیلی بحث اور آسان ترجمہ، قرآن کی بڑی بڑی صورتوں کی آسان زبان میں تشریح، پاکستان کے دیگر مشاہیر پر کتب، ایک شعری مجموعہ بنام ''سوز دل'' ، اس کے علاوہ آپنے انگریزی میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔''جدید اردو ڈائجسٹ، لندن کے پاکستانی تاجر اور تارکین کے مسائل پر کتب، پاکستانی قومی ترانہ ترجمہ وتشریح کے تین ایڈیشن چھپ چکے، چوہدری رحمت علی پر تین کتابیں بھی شائع ہوئیں، ان کی کئی کتابیں پاکستان میں کالجوں اور اسکولوں کے نصاب میں شامل ہیں۔اور اکیس مزید کتب کے مسودے طباعت کے لئے تیار ہیں۔میرے خیال میں برطانیہ

کیا یورپ امریکہ تک آج تک کسی نے اس قدر ادبی کام نہیں کیا۔ دراز قد سفید کھلتا ہوا رنگ چوڑی پیشانی سر پر ہمیشہ نمازی ٹوپی بغل میں چرمی بیگ چہرے پر پاکیزگی اور مسکراہٹ کے پھول کھلے ہوئے محمد شریف بقاء ہر ملنے والے کو اپنے خلوص و محبت کے سحر میں ایسے گرفتار کر لیتے ہیں کہ میری طرح پھر کوئی بھی ساری عمر اس خوبصورت سکون بخش اور بزرگانہ شفقت سے لبریز اسیری کو دل میں بسا لیتا ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی رہبری کرتے انہیں ادبی مشورے دیتے، نئے نئے موضوعات پر لکھنے کو اکساتے اور ساتھ اپنا تعاون پیش کرتے ہیں۔ اور آج جو میں یہ تاریخی کتاب لکھ رہا ہوں یہ بھی انہی کا قیمتی مشورہ تھا جس کے لئے میں ان کا زندگی بھر احسان نہ چکا پاؤں گا۔ افسوس کہ میرے مرشد میرے رہبر جناب پروفیسر محمد شریف بقاء جنہوں نے اپنی ساری زندگی علم حاصل کرنے اور علم بانٹنے میں گزار دی اور باقی ماندہ (اللہ وہ عمر خضر ہو) اسی نیک مقصد کے لئے مختص کر رکھی ہے ان کے ادبی مقام اور کام کے بارے میں یہ تین صفحات سمندر میں ایک ریت کے دانے سے بھی کم ہیں۔ ان کی شخصیت اور ادبی کام کو سمیٹنے کے لئے پانچ سو صفحات بھی کم ہیں۔ ان کی شائع شدہ اور زیرِ طباعت کتابوں کی لسٹ کو ہی پانچ صفحات درکار ہیں۔ بارکنگ کے علاقے میں وہ سال میں چار پانچ مشاعرے اور سیمنار کراتے ہیں جو ان کی تنظیم ''مجلسِ اقبال'' کے زیر اہتمام ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے جنم دن اور برسی پر اسی طرح قائد اعظم کی زندگی کے دونوں دنوں پر پاکستان کے قومی تہوار پر وہ اپنے سیمنار کے لئے اسی مناسبت سے مقررین کو مختلف موضوعات دیتے ہیں جن پر وہ تقاریر کرتے ہیں۔ لندن کی یہ پہلی تنظیم ہے جو اپنے قائدین پر سیمنار کر کے لوگوں کو ان کے بارے میں معلومات و آگاہی فراہم کرتی ہے۔

پروفیسر صاحب کے بارے میں یہ مثال صادق آتی ہے کہ کسی صاحب علم کے پاس چند گھنٹے بیٹھنا برسوں کی ریاضت سے بہتر ہوتے ہیں۔ شریف بقاء صاحب علم و ادب کے عمیق سمندر ہیں انہیں کوئی موضوع دے دیں جس پر بغیر کسی تیاری کے فی البدیہ گھنٹوں بولتے رہیں گے اور سامعین پوری توجہ و خاموشی کے ساتھ سنتے رہتے ہیں۔ انہیں لندن کے علاوہ امریکہ، سویڈن، پاکستان میں علامہ اقبالؒ ڈے پر یا ان سے متعلق سیمنار پر بلایا جاتا ہے اور ان کے علم سے مستفید ہوا جاتا ہے۔

ہم لندن والوں کی یہ بہت خوش نصیبی ہے کہ ہمارے درمیان پروفیسر محمد شریف بقاء جیسے علم وادب کے ہنر سے لیس، شفیق محبت کرنے والے، شفقت سے قیمتی مشورے دینے اور علم وادب کے متعلق رہبری کرنے والے بزرگ موجود ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں پڑھا جاتا ہے۔

میرے لئے یہ بہت بڑی سعادت ہے اور فخر ہے کہ ان کی بیشتر کتب پر میرے مضمون مقامی اخبارات میں شائع ہوئے اور انہیں آپ نے پسند کیا۔

علم کے بحر بیکراں پروفیسر محمد شریف بقاء جیسے کسی شخص کی علمیت وشخصیت کے مداح ہوں جائیں تو پھر ان کے بارے میں کچھ لکھنا یا کہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔۔ یہ عقیدت اور محبت صرف محسوس کی جاسکتی ہے بیان نہیں کی جاسکتی۔۔ ابتک ان پر سینکڑوں مضامین لکھے جا چکے ہیں جن کی ایک کتاب بھی مرتب ہو چکی ہے مگر جو ادبی وعلمی کام سابقہ آدھی صدی میں محمد شریف بقاء صاحب کے قلم نے کیا وہ شاید کسی اور کے نصیب میں نہیں ہے اور شاید اگلی کئی صدیوں میں نہ ہوگا۔

میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ محترم شریف بقا صاحب جیسے مہان قلم کار کو ہم وہ مقام نہ دے پائے جو ان کا حق تھا۔۔ واللہ اردو ادب میں جتنی محنت انہوں نے کی اور جتنا محققانہ کام ان کا ہے اگر ان کی جگہ کوئی انگریز قلم کار ہوتا تو نہ صرف وہ آج کروڑ پتی ہوتا بلکہ اسے حکومت کی جانب سے بھی درجنوں بار نوازا جاتا۔۔ مگر افسوس کہ لندن میں ہمارا سفارت خانہ یا تو آنے والے وزراء وامراء کی آؤ بھگت میں مصروف رہتا ہے یا پھر اپنے پسندیدہ سلامی کرنے والوں کی دعوتوں میں۔۔ انہیں نہ اتنا وقت ملتا ہے کہ پاکستانی کمیونٹی میں کون کون ایسے لوگ زبان وعلم کی خدمت میں کوشاں ہیں جن سے تاریخیں مرتب ہوتی ہیں اور نہ ہی وہ اس اہل ہیں کہ ایسی لوگوں کی پذیرائی کریں۔ اور نہ ہی ہماری حکومت کی آنکھوں میں اتنی بینائی ہے کہ وہ اپنی اہلیت کے بل بوتے پر کسی کو پہچان سکے اور نواز سکے۔۔ مگر مورخ اندھا نہیں ہوتا وہ ایسے لوگوں کے نام سنہری الفاظ میں لکھتا ہے۔ جو صدیوں زندہ رہتے ہیں۔۔

❀ ❀ ❀ ❀

روئے نگار مہرِ درخشاں سے کم نہیں
گیسوئے یار سنبل و ریحاں سے کم نہیں
ساقی ! پلا دے آج تو صہبائے لالہ رنگ
کوئے نگار ، روضۂ رضواں سے کم نہیں
جس میں سکون قلب کی دولت نہ ہو نصیب
وہ قصر شہ ، کلبۂ احزاں سے کم نہیں
واعظ ! شراب سے تجھے کیوں اجتناب ہے
آبِ نشاط چشمۂ حیواں سے کم نہیں
جس میں نہیں اجازتِ پروازِ یک نفس
وہ گلستاں بھی گوشۂ زنداں سے کم نہیں
قطراتِ اشک رک گئے مژگانِ یار پر
اللہ رے یہ جشن چراغاں سے کم نہیں
آساں نہیں ہے قطعِ بیابانِ عاشقی
ہر ذرہ اس میں خار مغیلاں سے کم نہیں
عکسِ جمالِ یار ہے گلشن کا حسن بھی
ہر برگِ گل بھی جلوۂ جاناں سے کم نہیں
شامِ فراق میں بقاؔ ! ہیں اشکبار ہم
اپنی یہ شام ،شامِ غریباں سے کم نہیں

رُخ پر تمہارے رقصِ شرر دیکھتے رہے
ہم اپنے دل پہ اس کا اثر دیکھتے رہے
اس پیکرِ حسین کا ہے حسن بے مثال
حیرت سے اس کو شمس و قمر دیکھتے رہے
اک بار دیکھنے سے ہوئی کم نہ تشنگی
رخسارِ یار بارِ دگر دیکھتے رہے
زخمی کیا تھا خنجرِ مژگانِ یار نے
ہم بار بار پھر بھی ادھر دیکھتے رہے
یزداں سے ہم کو عشق ہے اور اہرمن سے بھی
اس کشمکش کو اہلِ نظر دیکھتے رہے
کوئے بتاں میں جاتے رہے ہم سدا بقاؔ
ہم کو رقیب شام و سحر دیکھتے رہے

تیرے بغیر چین نہ آئے تو کیا کروں
سوزِ فراق مجھ کو جلائے تو کیا کروں
واعظ ! تجھے ہے واسطہ تلقینِ صبر سے
جب ان کی یاد مجھ کو ستائے تو کیا کروں
ممکن نہیں کہ بھول سکوں تیرے عشق کو
گر تو ہی مجھ کو دل سے بھلائے تو کیا کروں
گریہ سے روکتا ہوں میں ہر چند آنکھ کو
بے اختیار اشک بہائے تو کیا کروں
میں جانتا ہوں زہد و ورع کے ثواب کو
نینوں کے تیر کوئی چلائے تو کیا کروں
خواہش سدا یہی ہے کروں تجھ سے میں پریت
خود ہی تو مجھ سے آنکھ چرائے تو کیا کروں
تلخابۂ حیات کا دارو ممات ہے
گر یہ بھی مجھ کو راس نہ آئے تو کیا کروں
ممکن نہیں کہ دہر میں چرچا نہ ہو میرا
تو ہی جو رازِ عشق چھپائے تو کیا کروں
میں اشتیاقِ دید سے بیتاب ہوں بقاؔ !
دردِ فراق مجھ کو گھلائے تو کیا کروں

ہم کو سدا تلاش تیری کو بہ کو رہی
ہر سمت تیرے حسن کی ہی جستجو رہی
اپنی نظر میں غارتِ گلشن کے باوجود
تصویرِ فصلِ گل ہی سدا روبرو رہی
ہنگامۂ حیات کا باعث رہے ہیں وہ
جن کو دوامِ زندگی کی آرزو رہی
ہم جانتے ہیں چارۂ آلامِ روزگار
ہم کو بھی نہ حاجتِ جام و سبو رہی
حسرت سرائے دہر میں اے دوستو! سدا
ہم کو تلاشِ راحتِ دل سو بہ سو رہی
گلزارِ ہست و بود کی تزئین کے لئے
ہم کو مدام خوہشِ ذوقِ نمو رہی
اک دم ملی نہ فرصتِ ضبطِ فغاں ہمیں
ہر روز آنسوؤں کی رواں آب جو رہی
صبح و مسا تھی خونفشاں یہ چشمِ تر بقاؔ!
اک نازنیں کی یاد میں وہ باوضو رہی

پردیسیوں کی عید

سرورِ قلب و نظر کی ہے رازداں یہ عید
پیامِ عیش و مسرت ہے بے گماں یہ عید
دلِ حزیں کو بناتی ہے شادماں یہ عید
شکوہِ بندہِ مومن کا ہے نشاں یہ عید
ہر اک جبیں پہ ہویدہ ہوا نشانِ سرور
ہر ایک سمت چلی بادِ گلستانِ سرور

وطن کی یاد ستاتی ہے بار بار ہمیں
وطن کی دید کا رہتا ہے انتظار ہمیں
حلالِ عید بھی کرتا ہے اشکبار ہمیں
فراقِ دوست بھی کرتا ہے سوگوار ہمیں
اگرچہ اہلِ وطن ہم سے ہیں جدا سارے
نہیں ہیں دل سے مگر دور آشنا سارے

بجا کہ ہم کو مسرت ملی ہے آج کے دن
نشاط و عیش کی دولت ملی ہے آج کے دن
ہمیں بھی عید کی راحت ملی ہے آج کے دن
بجا کہ ہم کو یہ برکت ملی ہے آج کے دن
نشاطِ عید کی تکمیل اپنے دیس میں ہے
ہماری عید مگر اب پرائے دیس میں ہے

الٰہی ارضِ وطن کو تو آسماں کردے
درخشاں اس کو سدا مثلِ کہکشاں کردے
ہماری جوئے فرومایہ بے کراں کردے
ہمارے خارِ وطن کو تو گلفشاں کردے
سلامِ عید ہو تم کو سدا وطن والو
یہ ہے نشانِ خلوص و وفا وطن والو

قطعہ

عید کی خوشیاں منائیں کیوں نہ ہم اے دوستو
اپنا ہے تہوار یہ اور اس پہ ہم کو ناز ہے
ماہِ رمضاں کی بدولت ہم کو یہ نعمت ملی
اس میں اپنے دین کی شوکت کا پنہاں راز ہے

شہزادہ قمرالدین مبشر

Mr.Shahzada Qamauddin Mubasher,

(F: 0/2) , 26 Riccarton St.,

Glasgow G42 7 NX

Tel.01414238589

E.Mail:shahzadamubasher@hotmail.com

شہزادہ قمرالدین مبشر پورانام مگر ادبی نام مبشر شہزاد سے جانے جاتے ہیں۔ 1951 میں پاکستان کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی پھر تلاش روزگار میں لاہور کراچی میں مختلف محکموں میں کام کرتے رہے اور ساتھ ساتھ اخبارات میں پریس رپورٹنگ بھی کرتے رہے۔ لکھنے کا شوق بچپن سے تھا لہذا جب 1977 میں یورپ کے لئے روانگی ہوئی تو دنیا کے بیشتر ممالک کی سیاحت کا موقع ملا اور اپنی یاداشتیں بھی رقم کرتے رہے۔ افغانستان، ٹرکی، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ سے ہوتے ہوئے مشرقی جرمنی میں آئے یہاں ملازمت کے دوران ایک رسالہ 1985 میں ''فرینڈز انٹرنیشنل'' بھی جاری کیا مگر کچھ قانونی مجبوریوں کے باعث زیادہ دیر نہ جاری رہ سکا، پھر کچھ مدت کے بعد برطانیہ آکر اسکاٹ لینڈ کے شہر گلاسگو میں مقیم ہو گئے۔ یہاں آکر یونیورسٹی ٹیوٹریل کالج لندن سے بی اے آنرز کے بعد نارتھ ویسٹ لندن یونیورسٹی سے ڈپلومہ ان جرنلزم کا کورس بھی مکمل کیا اور لندن کے اخبارات میں کالم ،خبریں اور دیگر موضوعات پر مضامین لکھتے رہے جو تا حال جاری ہے۔

مبشر شہزاد کو ادب سے بے پناہ محبت ہے اور پاکستان میں انہیں پی ٹی وی کی ملازمت کے دوران احمد ندیم قاسمی اور ثاقب زیروی صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ لاہور کا ساتھ ملا جن سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ۔صحافت میں بھی دلچسپی پیدا کرنے میں ثاقب زیروی صاحب کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ کراچی میں رہائش کے دوران ان کے ہمسائے مشہور شاعر عبید اللہ علیم کی مترنم شاعری سے خوب محظوظ ہوئے اس طرح انہیں شاعری کا شوق پیدا ہوا تو نثر کے ساتھ شاعری بھی کرنی شروع کی اور ایک مجموعہ ''حرفِ مبشر'' زیر ترتیب

ہے۔ وہ اپنے عزیز ترین دوستوں ڈاکٹر منور احمد کنڈے، لئیق احمد عابد، جلیل الرحمٰن جمیل، سید خالد احمد شاہ اور ڈاکٹر عبد الکریم خالد سے متاثر ہیں جن سے انہیں لکھنے کا شعور و شوق پیدا ہوا اور ان کی معاونت بھی ساتھ رہی۔ ان کی ادبی مصروفیات کے اعتراف میں بے شمار ایوارڈ اور سرٹیفکیٹ حاصل ہوئے جن میں ایم کے اے ایسی ایشن پاکستان، ایک کے اے ایسی ایشن لندن، ادبی تنظیم ''بزم شعر و نغمہ اسکاٹ لینڈ، این ایچ ایس کے ذیلی ادارہ ''پروجیکٹ امپاور'' اور گلاسگو کے معروف ریڈیو آواز شامل ہیں جنہوں نے مبشر شہزاد کو تقاریر، نظموں اور شاعری پر ایوارڈز سے نوازا۔

آج کل وہ ریڈیو آواز گلاسگو سے ایک مقبول پروگرام ''علم و ادب'' ہر سوموار کی صبح کو پیش کرتے ہیں جسے پورے برطانیہ میں بہت شوق سے سنا جاتا ہے۔ لندن کے مقبول ہفت روزہ اخبار ''نیشن'' میں سماجی و دینی مسائل پر ان کے نہایت سیر حاصل مضامین کا سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے۔

وہ بزم علم و ادب کے چیئر پرسن بھی رہے گلاسگو سے شروع ہونے والے نئے اردو میگزین ''سہ ماہی علم و ادب'' کے ایڈیٹر بھی مقرر ہوئے غرضیکہ مبشر صاحب نے گلاسگو میں آ کر ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی شناخت کو قائم رکھا۔

مبشر شہزاد دورِ حاضر کے وہ قلمکار ہیں جو اپنی شاعری اور نثر میں اپنا تخلیقی جواز اپنی فکری قوت سے اس طرح فراہم کرتے ہیں کہ نہ تو ان کا ماضی سے رشتہ منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی حال اور مستقبل سے ان کی تحریر پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ان کی ذات کی جڑیں انسانیت کے احساسات کے عمیق گہرائیوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انہیں اپنے وطن کی مٹی سے عشق کی حد تک پیار ہے جس کا ثبوت ان کے تحریر کردہ ہر لفظ کی خوشبو سے محسوس ہوتا ہے۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ مبشر اسی طرح اپنی محنت، توجہ اور مطالعہ سے اپنے آپکو مزید نکھارے گا اور دیارِ غیر میں علم و ادب کی شمع جلائے رکھے گا۔۔

✿

ہے چراغِ ذہن کی جلوہ نمائی چند روز
عیش کیا کرتے ہو یہ دنیا ہے بھائی چند روز

پھر تو دینا ہے سبھی نے سامنے اس کے حساب
اور کر لو مال و دولت کی کمائی چند روز

قادرِ مطلق ہے وہ اتنی حقیقت جان لو
ہے زمانے کے خداؤں کی خدائی چند روز

کس لئے کرتے ہو اپنی بادشاہت پر غرور
قیصر و کسریٰ کی رہتی ہے بڑائی چند روز

خدمتِ مالک کا موقع پھر میسّر ہو نہ ہو
تم بھی کر کے دیکھ لو اس کی گدائی چند روز

مٹ نہیں سکتا مبشّر خیر کا دل سے نشاں
سب پہ کرتی ہے حکومت یاں برائی چند روز

✿

ہر اک قدم پہ رہا تیرا انتظار آخر
ملا نہ ایک بھی لمحے کو پھر قرار آخر

مرے وجود کو پہلے تو گرد اس نے کیا
لگا سمیٹنے پھر مجھ کو انتشار آخر

ابھی تو خواب کا نشّہ ہے ذہن پر حاوی
کھُلے گی آنکھ تو نکلے گا یہ خمار آخر

تمام خوشبو تو راہوں میں بانٹ دی اس نے!
گلوں پہ کرنا نہ تھا ہم کو اعتبار آخر

یہ زندگی ہے مبشّر تو ختم ہونا ہے
کسی بھی سانس پہ ہوگا نہ اعتبار آخر

چودہ اگست کی شب

دل نے مراد پائی چودہ اگست کی شب
مژدہ تھی لے کے آئی چودہ اگست کی شب
قیدوں میں پھر سے گونجے آزادیوں کے نغمے
سب نے صدا لگائی چودہ اگست کی شب
قصر و مکان چمکے بازار جگمگائے
دلہن ہے بن کے آئی چودہ اگست کی شب
کوئی مجاہدوں کی تاریخ پڑھ کے دیکھے
ہے نامہء رہائی چودہ اگست کی شب
لختِ جگر سے اپنے کوئی جدا ہوا تھا
بچھڑے تھے بھائی بھائی چودہ اگست کی شب
پردیس میں بھی ہم کو خوشبو وطن کی آئی
بھاتی نہیں جدائی، چودہ اگست کی شب
محرومیوں کا اپنی احساس ہے مبشرؔ
اللہ نے دکھائی چودہ اگست کی شب

❁

ترے جواب میں کیسا کمال ہوتا ہے
کہ ہر جواب میں کوئی سوال ہوتا ہے
مٹا رہا ہے برابر خیالِ مستقبل
گذرتا لمحہ ہر ایک پائمال ہوتا ہے
سبھی غریق یہاں فکرِ اقتدار میں ہیں
ہمارے شہر کا کیسے زوال ہوتا ہے
عجیب حبس سا طاری ہے آج گلشن میں
یہاں تو سانس بھی لینا محال ہوتا ہے
یہاں تو قحط کے موسم میں پھل نکل آئے
یہ کس کی نظرِ کرم سے کمال ہوتا ہے!
مبشرؔ آپ کا ایمان تو سلامت ہے
ہر ایک شہر میں اس کا بھی کال ہوتا ہے!

ہے زمانے سے مرا بیزار دل
عشق میں ہے کتنا پُختہ کار دل
اس سے زیادہ اور کیا وسعت ملے
ذہن تو گھر ہے مرا سنسار دل
اک ذرا آنکھوں سے غفلت کیا ہوئی
کھینچ لایا اس لمحہ تلوار دل
بند آنکھوں میں اجالا ہو گیا
یار کا ہونے کو ہے دیدار دل
دردِ دل سے دوسروں کو ہے خوشی
دوسرے کے غم میں ہے بیمار دل
بولنا مشکل تھا اس کے سامنے
پڑھتا رہتا تھا مگر اشعار دل
شور ویسے بھی جہاں میں کم نہیں
رات دن اس پر تری گفتار دل
یاد اس کی ساتھ میرے رات دن
اور پیہم ہے سمندر پار دل
ہوں مبشّر عمر کی سرحد کے پار
مضمحل اعصاب ہیں بیکار دل

لگتے ہیں سبھی مونس و غمخوار پرندے
ہم سب کو کریں نیند سے بیدار پرندے

پردیسی ہواؤں کا پیام آیا ہے پھر سے
پھر ہونے لگے کوچ کو تیار پرندے

سایہ یہ بتاتا ہے کہ اب شام ہوئی ہے
پھر لوٹ کے جانے لگے اس پار پرندے

کیسی ہے فضا شاخِ ثمردار کی جانب
ہونے لگے پرواز سے بیزار پرندے

اے دھوپ! جلاتی ہے اگر پَر تو جلا دے
کرتے ہیں ابھی مہر کا دیدار پرندے

یہ سوچ کے پڑھتا ہوں غزل آج مبشّر
کرتے ہیں صدا شوق کا اظہار پرندے

Mr. Shahzad Aslam,

47 A, Burfitts Road.,Oakes,

Huddersfield HD3 4YN England

Tel: 0044 7891247018

E.Mail: shahzad.aslam@hotmail.co.uk

محترم کا اصل نام محمد شہزاد ہے۔ادبی نام شہزاد اسلم سے لکھتے ہیں۔یارک شائر کے ایک قصبے ہڈرزفیلڈ میں مقیم ہیں فیصل آباد پاکستان سے تعلق ہے تاریخ پیدائش 5 دسمبر 1968ء۔ابتدائی تعلیم گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول گٹی فیصل آباد سے حاصل کی اور 1989ء میں گورنمنٹ میونسپل ڈگری کالج فیصل آباد، پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کی۔کالج میگزین منروا کی ادارت بھی کرتے رہے اس کے علاوہ پولیس نیوز میگزین، پنجاب پولیس فیصل آباد سے بھی متعلق رہے اور 15 مئی 1999ء میں برطانیہ آگئے جہاں 2009ء میں باادب انٹرنیشنل یو کے،انٹرنیٹ میگزین کا اجراء کیا اور 2010ء سے چنیدہ میگزین، بریڈفورڈ سے بھی وابستہ ہیں۔ 2006ء میں ان کا پہلا پنجابی شعری مجموعہ ''خواب سمندر پار دے'' شائع ہوا جو بہت پسند کیا گیا اور اُن کا طویل اردو ڈرامہ ''رشتے اور راستے'' زیرِ طبع ہے۔

شہزاد اسلم صاحب سے دوستی کو طویل عرصہ ہوا مگر ہنوز ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا البتہ فون پر گھنٹوں ادبی گفتگو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی جب تک کہ انہیں کسی اور کی کال نہ آجائے۔۔!! شہزاد اسلم نہایت مخلص اور دوست نواز شخصیت کے مالک ہیں۔ پنجابی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کرتے ہیں۔علمِ عروض میں ماہر ہیں۔مطالعہ بہت وسیع ہے۔ مجھے خوشی ہوتی ہے جب ان جیسے نوجوان ادب کی طرف مائل اپنے روزگار کے ساتھ ساتھ ادب کی بھی آبیاری کرتے ہیں۔وہ اپنے ادبی نقطۂ نظر کے بارے میں بہت عمدہ نظریات رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی دانشور نے کہا تھا کہ میں ہوں کیوں کہ میں سوچتا ہوں۔ میں کہتا ہوں ’’میں ہوں کیوں کہ میں سوچتا ہوں۔۔۔ اور لکھتا بھی ہوں۔ باقی تمام جانداروں کے مقابلے میں لفظ ہی انسان کا امتیازی وصف ہے۔ زندگی کی وہ تمام بنیادی اقدار جن میں انسان کے ساتھ دوسرے جاندار بھی شریک ہیں، کو زبان کی تہذیبی اور جمالیاتی سطح پر صرف انسان ہی دریافت کر پاتا ہے۔ میں انسانوں میں کسی ایسی تقسیم کا قائل نہیں ہوں جس کی بنیاد دوسروں کی نفی کے جذبے پر رکھی گئی ہو۔ میں تمام انسانوں کو ایک کل کی شکل میں دیکھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ دنیا کی تمام اخلاقی قدریں اسی لطیف سچائی پر قائم ہیں کہ انسان قابلِ احترام ہے۔ انسان کی نفی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ ہر مادی ضرورت اور شناخت جسے نت نئے رنگوں میں ملکوں، زبانوں، ثقافتوں اور عقیدوں کے نام پر پیش کیا جاتا ہے، اُس کے سچے ہونے کی ایک ہی دلیل ہے کہ۔۔۔ دوسروں کو اس میں سے اپنی مٹی کی خوشبو آئے۔‘‘

ان کے پنجابی شعری مجموعے ’’خواب سمندر پار دے‘‘ میں ظفر عجمی لکھتے ہیں کہ ’’شہزاد اسلم کی تخلیقی انا میں روشنی کا اِک ایسا سیل ہے کہ جو بھی لفظ اور خیال اُس کے قلم سے نکلتا ہے وہ تاریکیوں میں اِک روشن ستارے کی طرح دمکتا ہوا نکلتا ہے۔ وہ راستہ دکھانے کے لیے دھرتی کے سینے پر تیروں کے نشان نہیں بناتا بلکہ آسمان پر ستارے سجاتا ہے، جن کی روشنی سب آنکھوں تک پہنچتی ہے، یہ محبت کی وہ بیکرانی ہے جو کسی بھی شاعری کو آفاقی شاعری بناتی ہے اور اِس میں مشرق اور مغرب، آج اور کل کی ساری غیر انسانی حد بندیاں گم ہو جاتی ہیں‘‘

شہزاد اسلم بریڈفورڈ، لیڈز اور مانچسٹر کے مشاعروں میں اپنا کلام سنا کر داد وصول کر چکے ہیں۔ وہ ریڈیو سے ادبی پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔ اب مجھے انتظار ہے کہ وہ کب لندن آ کر یہاں کے مشاعرے لوٹتے ہیں۔ انور مسعود اُن کے بارے میں کہتے ہیں ’’شہزاد اسلم نے چھوٹی بحر دیاں غزلاں تے نِکیاں نِکیاں نظماں راہیں وڈیاں وڈیاں گلاں کیتیاں نیں تے اوس نے اپنے کلام دے ذریعے زندگی دیاں بڑیاں پکیاں تے پیڈیاں قدراں دا پرچار بڑی مَن کھچویں اُنگل نال کیتا اے۔‘‘

اسی طرح پنجابی کے ممتاز شاعر افضل احسن رندھاوا ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

''شہزاد اسلم کی شاعری جذبوں کی شاعری ہے جس میں جذبوں کی سچائی کی روشنی بھی ہے اور ان کے رنگوں کی خوشبو بھی''۔۔۔شہزاد اسلم کے کچھ اشعار دیکھئے۔

ساہمنے جے ترے سوا کوئی نئیں
دل دے اندر وی دوسرا کوئی نئیں

اِک سوچ سانجھ ہی نئیں دِسدی کسے نوں وی
منظر تے سبھ نیں ویکھدے کونجاں دی ڈاردا

ساڈی مٹی چ بغاوت سی بڑی
تیرا کجھ دوش نئیں سی کنکے

شہزاد اسلم لفظوں کے استعمال کا سلیقہ جانتے ہیں، وہ انہیں پھولوں کی طرح غزل کے دھاگے میں پروکر ایک خوبصورت ہار کی صورت ادب کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔۔۔اور قاری کو معطر کر دیتے ہیں۔

ست سمندر پار بھرے اوہ ہُوکا اودھر
ہنجوواں دے نال اَکھ مری بھر جاوے ایتھے

انہوں نے پنجابی اور اردو غزل لکھ کر غزل کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا ہے اور اس کو مزید نکھار دیا ہے۔شعر دیکھیے

خورے کس نُوں آس ہے کس دی
دیوا اِک بنیرے چمکے

شہزاد اسلم میرے بہت ہی عزیز دوست ہیں اور مجھے ان کی بے لوث دوستی پر ناز ہے اللہ ان کے علم، رزق اور قلم میں مزید برکت دے اور وہ اسی لگن سے ادب کی خدمت کرتے رہیں۔آمین

❁

ہم جو دل کا دِیا جلا رہے ہیں
کتنے طوفان سر اُٹھا رہے ہیں

اُن کی شمشیر گر چمکتی ہے
زخم اپنے بھی جگمگا رہے ہیں

صورتِ گرد، اَب جو ہیں برباد
سو اُٹھانیں نئی دکھا رہے ہیں

جن سے رخصت کبھی نہیں چاہی
ہاتھ وہ بھی کھڑے ہلا رہے ہیں

آسمانِ سخن سے آئے ہیں ہم
اور زمینیں نئی بسا رہے ہیں

جانے کس گلبدن کی آمد ہے
لوگ راہوں میں دل بچھا رہے ہیں

سچ تو کہنا ہے گرچہ سُن رہے ہیں
ہر طرف تیر سنسنا رہے ہیں

جان کے ساتھ زر بھی لیتے ہیں وہ
پھر بھی سب سے سوا کما رہے ہیں

سب کو زیروزبر کیے ہوئے ہیں
آپ لگتا ہے پیشوا رہے ہیں

آج مہماں ہوئے ہیں ہم شہزادؔ
آئینہ خانے جگمگا رہے ہیں

غزل

وہ نور ہو کہ چراغاں گلی گلی ہو جائے
جو چاہتے ہیں میاں ہم اگر وہی ہو جائے

یہ ایک لمحہ نہیں، ہے یہ ہجر کا اِک پل
گزارنے جو لگو صرف زندگی ہو جائے

تمھیں اندھیرے کا کیا ڈر، جو کھول دو گیسو
حسد سے جل اُٹھے شب اور روشنی ہو جائے

ملے بغیر تمھیں خوش ہوں کیسے ممکن ہے
کہ چاند بھی نہ نظر آئے عید بھی ہو جائے

بچھڑنا مِلنا تو صدیوں سے ہوتا آیا ہے
محبتوں میں کوئی بات اَب نئی ہو جائے

عجب نہیں کبھی ڈر جائیں گہرے پانیوں سے
اگر نگاہوں سے اوجھل وہ جل پری ہو جائے

کسی کی چیخیں سنائی نہ دیں کسی کو یہاں
کسی کے ہونٹ ہلیں اور اَن کہی ہو جائے

آپ تیروں کے تعاقب میں نشانے لگ جائیں
لوگ سہمے ہوئے جب بات اُٹھانے لگ جائیں

کیا عجب موسمِ بے رنگ سے اکتائے یہ لوگ
خون کے چھینٹوں سے اَب پھول بنانے لگ جائیں

ہم جو اِک عمر سے ہیں بادیہ پیمائی میں
اَب کسی طور محبت میں ٹھکانے لگ جائیں

راہ میں بیٹھے ہو تم جس کے لیے، کیا معلوم
اُس کی آمد کو ابھی کتنے زمانے لگ جائیں

اُن نگاہوں کا اشارہ جو ذرا سا ہو جائے
لوگ یہ روتے ہوئے، جھومنے گانے لگ جائیں

زخم پہلے ابھی بھر پاتے نہیں اور شہزادؔ
ڈھونڈ نے ہم وہی احباب پرانے لگ جائیں

پھر نہ کہنا، تمھیں بتاتے ہیں
ہم جو کہتے ہیں، کر دکھاتے ہیں
ساتھ گر چل سکو تو آؤ کہ ہم
روشنی سے قدم ملاتے ہیں

بھلیکھا

بندہ، جیہڑا نال خوشی دے
دِن اکھوایاں، بھارِ کسے داڈھو نئیں سکدا
او کھے ویلے موہڈے دے نال موہڈا لا کے
مجبوراں لاچاراں نال کھلو نئیں سکدا
وقتوں پہلے، کھِڑ نے لئی خوشبوواں بولدے
پھُلاں نُوں مارن لئی آئی
خزاں دے قاتل ہتّھاں اُتّے
اَپنیاں تِکھیاں نظراں دا
اِک کنڈا تک چبھو نئیں سکدا
بن مطلب، بن غرضوں جیہڑا
نال کِسے دے ہس نئیں سکدا
نال کِسے دے رو نئیں سکدا
ڈاکٹر صاب! تسیں کہندے او
اوہنوں دل داروگ اے
جیہدے اندر اُکّا دل ای ہے نئیں
--- ہو نئیں سکدا

کوئی سورج نواں، مدار نواں
اِس نویں لئی، کوئی دیار نواں
ٹھنڈ دِل وِچ پوے نِویں کوئی
وَیریاں نوں چڑھے بخار نواں
عشق دے اِس پُرانے جال لئی
حسن کوئی نواں، شکار نواں
کد تک ایہو بہار، ایہو خزاں
مالک! اِس وار کجھ اتار نواں
کون ہویا اے کول ہو کے پَرے
درد اُٹھیا اے پہلی وار نواں
جام وِچ عکس ہے اُہدے مُکھ دا
ایویں اکھیاں چ نئیں خمار نواں
ہجر اِچ نئیں رہیا مزا ہُن اوہ
تیر دِل چوں کوئی گزار نواں
اُٹھ رہے نیں قدم ستاریاں وَل
سیر لئی، ہے نا ایہ بزار نواں!

واہ شہزادؔ! جوڑ توڑ ترے
اوہو اُکھر نیں، پر نکھار نواں

سمے دا سچ

روز دیہاڑے پاڑ دا گلما
روز دیہاڑے سِیندا
تک لیندا سقراط جے تینوں
زہر کدے نہ پیندا

اِک ہارے ہوئے ہیرو دے ناں

سِر تے بھاویں رات کھڑی اے
دِل نوں فِر وی آس بڑی اے
کیہ ہویا جے ہر گئے آں تے
جنگ تے اَپنی آپ لڑی اے
سبھ نوں جانا پیندا اِک دن
کیہدی ایتھے توڑ چڑھی اے

پیار تے دُشمن داری دی گل

پیار تے دُشمن داری دی گل
ٹیلیفون تے چس نئیں دیندی
اَکھ نال اَکھ مِلا کے گل کر
ہمت کر۔۔۔ تے آہمنے ساہمنے آ کے گل کر

سمندر لئی اِک نظم

مینوں اِس دا پورا پک اے
لہر دا علم کنارے تک اے
اِس توں اَگے شک ای شک اے

عابدہ شیخ

Mrs. Abida Sheikh,

Mob:07974 888 585

محترمہ عابدہ شیخ پاکستان وزیرہ آباد سے تعلق رکھتی ہیں اور ستر کی دہائی میں برطانیہ آئیں۔انہوں نے کچھ مدت مانچسٹر میں بھی گزاری جہاں وہ مقامی مشاعروں میں کافی مقبول تھیں۔پھر زندگی نے کچھ پلٹا کھایا اور وہ 'سرے' کے مشہور علاقے 'ولنگٹن' میں آباد ہوگئیں۔ان کے خاوند محترم لعل بھائی وہاں کی جانی پہچانی شخصیت ہیں اور اس علاقے کے میئر بھی رہ چکے ہیں۔کمیونٹی کی طویل خدمات کے اعتراف میں انہیں ملکہ برطانیہ کی جانب سے OBE کا خطاب بھی ملا ہے۔دونوں میاں بیوی مل جل کر مقامی مسلمان کمیونٹی کی بہت خدمت کرتے ہیں،مقامی مسجد کے لئے انہوں نے کئی لاکھ پونڈ اکٹھے کئے،بچوں کی اسلامی تعلیم پر توجہ دی اور دن رات سماجی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔عابدہ شیخ کو ادب سے گہرا لگاؤ ہے۔نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتی ہیں۔میں ایسٹ لندن میں ہر ماہ کی پہلی اتوار کو مشاعرے کا انعقاد کرتا ہوں اور یہ دونوں میاں بیوی موسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمیشہ میرے مشاعرے میں شریک ہوتے ہیں اور کبھی کبھار اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لاتے ہیں۔

عابدہ شیخ نے وزیرہ آباد سے فسٹ پوزیشن سے میٹرک کیا۔بی اے گوجرانولہ سے (گولڈ میڈلسٹ) ایم ایس سی نفسیات نیو کیمپس لاہور سے۔برطانیہ آکر بھی انہیں مزید تعلیم کی پیاس رہی اور مانچسٹر یونیورسٹی سے فزیالوجی میں ڈپلومہ لیا۔گھریلو ذمہ داریاں سنبھالتے ہوئے عابدہ شیخ کمیونٹی کاموں میں بھی مصروف رہتی ہیں۔وہ بطور سوشل ورکر،تعلیمی ماہر نفسیات،لیکچرار اور مترجم کے علاوہ دیگر اداروں سے بھی رضاکارانہ منسلک ہیں۔

ادبی طور پر ان کی کئی کتابیں زیر ترتیب ہیں جن میں ''قافلے دل کے چلے''، ''گلستانِ حمد ونعت'' اور ''اک دل نے بھی اک دیا جلا کے رکھ دیا'' شامل ہیں۔اس کے علاوہ وہ انگریزی میں بھی نظمیں لکھتی ہیں۔جو مقامی انگریزی اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔

عابدہ شیخ نے کہانیاں افسانے بھی لکھے ہیں جو عنقریب ان کے مجموعہ میں منظر عام پر آرہے ہیں۔وہ اپنے اردگرد کے ماحول کے تناظر میں لکھتی ہیں اور ان کی کہانیوں میں سچائی اور ایک پیغام ہوتا ہے وہ چاہتی ہیں کہ ہمارا ماحول پاکیزہ رہے اور جو غیبت کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ بے معنی عداوت و رنجش پیدا ہو جاتی ہے اس کا خاتمہ ہونا چاہئے، چونکہ وہ ایک سماجی کارکن بھی ہیں اور اپنے علاقے میں ایشین کمیونٹی کے ساتھ طویل مدت سے کام کر رہی ہیں لہذا ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کے کام آئیں اور ان کے جاننے والوں کے درمیان ہمیشہ دوستی اخوات ومحبت کا ماحول بنا رہے۔

آپ ہمیشہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتی ہیں اور ہمیشہ ادبی محفلوں میں قلمکار احباب کو کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں ہر کوئی نہایت محبت وعزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

عابدہ شیخ کی شاعری میں زیادہ تر حالات حاضرہ کا ذکر بھی ہوتا ہے وہ نظم کی بہت اچھی شاعرہ ہیں۔ وہ محض دردِ ذات ہی نہیں رکھتیں بلکہ دردِ کائنات کو بھی اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتی ہیں اور اپنے اشعار کے وسیلے سے اس کے اظہار کا یارا بھی رکھتی ہیں۔ان کی غزلوں نظموں میں ہجر ووصال کے قصے نہیں بلکہ زندگی کی ترش و تلخ حقیقتوں سے آگاہی ہے وہ اپنے اشعار میں بے رحم سچائیوں کے پر خار رستوں سے آگاہ کرتی ہیں انہیں ایک خوشگوار انقلاب کی آمد کا یقین ہے اور اپنے خلوص وعزم پر بھروسہ بھی جس کا وہ کھل کر اظہار کرتی نظر آتی ہیں۔

مجھے ان کی آنے والی کتابوں کا بڑی شدت سے انتظار ہے اور امید کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف اردو ادب میں نہایت اہم اور خوبصورت اضافہ ہونگی۔

دعا ہے کہ ان دونوں بزرگ میاں بیوی محترمہ عابدہ شیخ اور لعل بھائی کو اللہ صحت تندرستی والی طویل عمر

عطا فرمائے تا کہ وہ کمیونٹی کی اسی طرح محبت و پیار اور سچے جذبوں کے ساتھ خدمت کرتے رہیں۔ آمین

عابدہ بہن اپنے علاقے میں بزرگ خواتین کے درمیان بہت معروف ہیں کہ وہ اکثر اپنے ہاں حمد و نعت کی مجلسیں منعقد کرتی ہیں اور بوڑھے ایشین افراد کو ورزش کرانے کا بھی اہتمام کراتی ہیں۔ گو وہ خود ایک بزرگ خاتون ہیں مگر ان کے اندر جو جوش ولولہ اور خدمتِ خلق کا جذبہ موجزن ہے وہ کسی جوان سے کم نہیں اور یہی جذبہ ہے جو انہیں زندہ و تابندہ رکھتا ہے۔۔۔!!

✿

جدا انسان ، انساں سے ہو گیا

آئینہ دیکھ کر مجھے حیراں ہو گیا

کبھی بم دھماکے کبھی زلزلہ و سیلاب

ہنستا بستا وطن ویراں ہو گیا

رشتے بھی ہوئے حاجتوں کی نذر

بارِ غم اُٹھا ناقدر آسماں ہو گیا

رشتۂ دردِ انسانیت جو جگایا

عمل سے دِل میں چراغاں ہو گیا

آنکھ ہے مشاہدۂ مناظر میں گرفتار

قلم مرا حقائق کا ترجماں ہو گیا

ہر سُو نظر آئے لاشوں کے انبار

دِل مرا بھی اس کا راز داں ہو گیا

کڑی ہے دھوپ ، اشجار بے پات

آدم کے ہوتے عنقا سائباں ہو گیا

انسان موسم کی طرح بدل جائے گا عابدہؔ

لعل پہ راز بالآخر عیاں ہو گیا

✿

اداسیوں کو ہم نے سجا کے رکھ دیا

ترا تصور دل میں بسا کے رکھ دیا

عرصہ سے ہوئی کوئی بات بھی نہیں

یہ کیا ! تو نے دل سے بھلا کے رکھ دیا

بدگماں ! ہے گر تو آزما کے دیکھ لے

ہم نے خواب اُس کا سجا کے رکھ دیا

چشمِ تر راہ میں بچھائی ہوئی تو ہے

دل نے بھی سرِ راہ دیا جلا کے رکھ دیا

رفتہ رفتہ زخم ترے ماند پڑ گئے

زمانے نے عابدہؔ سُلجھا کے رکھ دیا

❁

اِک شمع امید جلائے رکھنا
بادِ تند و تیز کو اپنائے رکھنا
غم و یاس سے نہ ہونا ملول کبھی
ظلمتِ شب نغمہ لب پہ گنگنائے رکھنا
ہیں ترے ضبطِ الم پہ ہے زُعم
بوقتِ فرصت تبسم سجائے رکھنا
شفا و بیماری ہے رضائے مولا
بندگی میں سر اپنا جھکائے رکھنا
غبار سے رہگزر اَٹ بھی جائیں
آئینہ دل مگر چمکائے رکھنا
جستجو ہے ابتلائے منزل ، شوق انتہا
دیدۂ شوق میں شمع جلائے رکھنا
شفا ہے اس کی شانِ کرم کا صدقہ
ہمت ضبط و صبر اپنائے رکھنا
آئے ہیں کرنے مزاج پرسی عابدہ لعل
پیہم امیدِ بہار لگائے رکھنا

❁

صبا کہو ! اُن سے ذرا ، سخت جاں رکھتے ہیں
کھا کے گالیاں ہم شیریں زباں رکھتے ہیں
لب پہ کیسے لائیں شکوہ بیداد گری کا
دل میں مگر ہزار داستاں رکھتے ہیں
مانا ! ہوں کمزور و ادنےٰ انسان میں بھی
صدافسوس! دوست ہمارے پیچاں کیا رکھتے ہیں
سرِ محفل بے ادب ہوئے جاتے ہیں اہلِ ادب
ہم کہ صنفِ نازک ، دلِ ناتواں رکھتے ہیں
بزمِ ادب میں روا نہ تھا یہ اندازِ تخاطب
کہ لغزش پہ بھی حدِ فاصل درمیاں رکھتے ہیں
قریۂ جان ! خستہ ہو کر نہ ہوئی دِلفگار
ہم دما دم شوق و لگن جواں رکھتے ہیں
مہر اُن کا قہر سے کم نہیں ، اور ہم
برگِ حنا پہ دردِ دل رواں رکھتے ہیں
لاریب ، یہ سب ہے خدا کا کرم عابدہ
ہم جدا اِک اپنا طرزِ بیاں رکھتے ہیں

اب کی بار جب وہ آئیں گے سرِ شام
عارض پہ اُن کے پھول بکھرائیں گے ہم
فلک سے آئے گی چاندنی چھن چھن کر
سرِ بام عکس ، اُن کو دکھلائیں گے ہم
نہ ہو ضو فشاں ، بعد انجم محشرستان
جشنِ بہار باہمدگر منائیں گے ہم
سازِ دل پہ مضراب بجائیں گے وہ
الفت کا نغمہ گنگنائیں گے ہم
کبھی کریں گے گریز و فرار اُن سے
کبھُو تماشۂ قربت رچائیں گے ہم
ہم سفر کی تلاش میں نگہ کیوں بھٹکے
نگاہوں میں اُن کی ڈوب جائیں گے ہم
بادِ صبا لائے ہے پیامِ لعل عابدہ
دم بدم فسانۂ غم دل سنائیں گے ہم

فضائے کراچی پھر سے دھندلائی ہوئی ہے
وطن میرے میں مرگ چھائی ہوئی ہے
نامرادئ سیاست ، اور آزمائش پہ پیہم آزمائش
بتا! عزرائیل سے کیوں تری شناسائی ہوئی ہے
خاکِ وطن ! تری زرخیزی کے کیا کہنے
پھر کس کس سے بے وفائی ہوئی ہے
گیس بجلی ، پانی نہیں ، ایٹم تو ہے
ساری دنیا میں کیوں جگ ہنسائی ہوئی ہے
عابدہ ! کیسے نہ ہو آزردہ و کبیدہ خاطر
بادِ صبا بھی خون سے نہائی ہوئی ہے
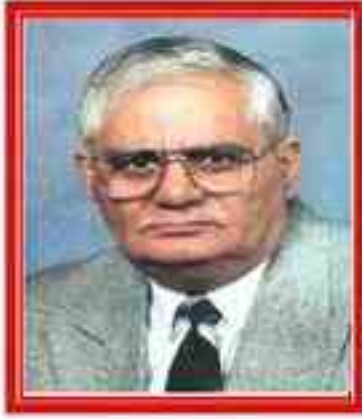
عاصی کاشمیری (مرحوم)

Mr. Asi Kashmiri ,

788, Wood Brough Road,

Nottingham NG3 5QJ

Tel: 0121 9523732

خاندانی نام جمیل اختر ہے مگر اپنے ادبی نام عاصی کاشمیری کے نام سے معروف ہیں۔ ستمبر 1936 میں میرپور میں پیدا ہوئے۔ بی اے کے بعد تجارت سے منسلک ہوئے اور فروری 1963 میں برطانیہ آئے۔ 1947 سے لکھنا شروع کیا، اب تک پانچ شعری مجموعات شائع ہو چکے ہیں۔ ''ہجرتوں کے کرب (غزلیات)، کاغذی پیراہن (غزلیں اور نظمیں)، موسم بھی اک جیسے (ماہیے)، چن ماہی (ماہیے) اور ستاروں سے آگے (غزلیات)'' ان کے منتخب کلام کے دو انگریزی ترجمے بھی شائع ہوئے۔ ان کے فکر وفن پر ڈاکٹر فراز حامدی نے ''عاصی کشمیری ہمہ گیر شاعر'' کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے اس میں معروف 32 قلمکاروں کے مقالات شامل ہیں جبکہ بیس افراد کے تاثرات شامل ہیں اسی طرح ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''عاصی کشمیری، تیسری بستی کا شاعر'' مرتب کی جس میں دیگر شعرا و ادبا نے ان کے فکر و فن پر مقالات لکھے۔ اور انڈیا کے ڈاکٹر سیفی سرونجی نے ''عاصی کاشمیری کی شاعری'' اور پاکستان کے ڈاکٹر وسیم انجم نے ''عاصی کاشمیری فن و شخصیت'' نام کی کتابیں بھی لکھیں۔

عاصی کاشمیری نوٹنگھم میں مقیم ہیں جہاں وہ ادبی تنظیم ''حلقۂ ارباب'' کے جنرل سیکریٹری ہیں جس کے تحت بے شمار مشاعرے اور ادبی محفلوں کا انعقاد ہوا جو 1983 سے جاری ہے۔

دنیائے ادب کے معروف دانشوروں کے مقالات کے علاوہ نامور ادبی رسائل نے ان کے نام پر ادبی گوشے بھی نکالے جن میں بھارت کے سہ ماہی ''کوہسار جنرل، سہ ماہی اسباق، سہ ماہی انتساب اور پاکستان کے سہ ماہی ابلاغ شامل ہیں۔

عاصی کاشمیری نہایت متحرک اور زود نویس شاعر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ 1995 میں آیا اور سات برسوں میں ان کے پانچ شعری مجموعوں نے منصۂ شہود پر آکر خوب پذیرائی حاصل کی۔ جبکہ ان کے آخری مجموعے ''ستاروں سے آگے'' کا دوسرا ایڈیشن 2002 میں شائع ہوا۔ ان کی شاعری ہندو پاک کے معروف ادبی جرائد میں تواتر سے شائع ہوتی ہے جس پر دونوں ممالک کے علاوہ یورپ اور امریکہ کے بے شمار دانشوروں نے ان کی شاعری پر مقالات لکھے جو بے شمار رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے اور بدستور رہو رہے ہیں۔

ظہیر غازی پوری لکھتے ہیں ''عاصی کاشمیری غزل کے نامور اور مقتدر شعراء میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے غزل کی اجتہادیت سے ہر دور میں گہری وابستگی رکھی ہے اور اس کے ہر چیلنج کو قبول کیا ہے۔'' اسی طرح پروفیسر مجاہد حسینی کہتے ہیں کہ ''عاصی کاشمیری نے اپنی زندگی کی کربلائے مہاجرت کو اس قدر اہمیت دی کہ ''مہاجرت'' ان کی شاعری کا مخصوص استعارہ اور ان کے منفرد کلام کی شناخت بن چکی ہے۔'' پھر لکھتے ہیں۔ ''ہجرتوں کے موضوع کو چھوڑ کر جناب عاصی کاشمیری نے انسانی زندگی کے مختلف شعبوں پر بھی نظر ڈالی ہے اور حقائق کی حیات پر ایسی چبھتی تنقید کی ہے کہ قاری اسے پڑھ کر تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ لیکن جب نارمل ہوتا ہے تو زیرلب یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاعر نے سچ کہا ہے۔!''

مشہور ناقد جناب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا خیال ہے کہ ''عاصی منفی اور غوغائی رویّہ اختیار نہیں کرتے بلکہ تازہ لب ولہجہ میں غزل کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور انفرادی تجربات کو سامنے لاتے ہیں۔''

دنیائے ادب کے مستند اساتذہ نے جو متفقہ رائے قائم کی ہے میں اسے اس مضمون میں نقل کر رہا ہوں تا کہ جو کام اردو ادب میں عاصی صاحب نے کیا ہے اس کے بارے میں ان عالمی ناقدوں کی رائے معلوم ہو جو لازمی پتھر پہ لکیر ہے۔ جبکہ اصل مقصد اس مضمون کا تعارف ہی کرانا ہے۔ کیونکہ عاصی صاحب خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ''میں نے اپنے مشاہدات اور اپنی روزمرہ زندگی میں ہونے والے واقعات کو شعروں کا روپ دیا ہے، بڑی آسان اور سادہ زبان میں۔'' اتنے بڑے شاعر کی اس سے زیادہ انکساری اور کیا ہوگی۔ سبحان اللہ۔۔!

پسند آئی نہ ان کو مری غزل عاصیؔ
کہ اس میں عشق کے چرچے تھے شاعری کم تھی

بھارت کے ہی شارق عدیل صاحب نے عاصی کاشمیری کی شاعری کے بارے میں بڑا خوبصورت تجزیہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''موصوف کے یہاں ہجرت کا کرب مختلف پہلوؤں کے قالب میں نظر آتا ہے اور یہ فطری تقاضہ ہے کیونکہ عاصی کاشمیری نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ہجرت کے کرب میں گزارا ہے اور آج بھی بے وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نقل مکانی کی اذیت کو نئے نئے پیکر عطا کر کے معنویت کو مزید گہرا کر دیا ہے۔''

میں اگلے چند صفحات میں عاصی کاشمیری کی چند منتخب غزلیں نقل کر رہا ہوں جس سے ان کے ذہنی کرب کا احساس ہوتا ہے۔شاعر اپنے علاوہ دوسروں کے جذبات کو بھی اپنے اندر محسوس کر کے صفحہ قرطاس پر پھیلاتا ہے اسے نئے نئے رنگ دیتا ہے۔عاصی صاحب کے تمام مجموعوں میں اسی کرب کی جھلکیاں اور درد میں ڈوبے رنگوں کی آمیزش نمایاں ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ برطانیہ میں جہاں لوگوں نے رزق کمانے میں پسینہ بہایا وہاں قلم کی حرمت کو بھی نبھایا اور اپنے جذبات کی ترجمانی کو خوبصورت الفاظ دے کر اشعار کے قالب میں ڈھال کر ادب کی ایک نئی دنیا بسا کر ایک ایسی تاریخ مرتب کی جو صدیوں زندہ رہے گی۔اسی لئے عاصی کاشمیری کہتے ہیں۔

ہے حرف حرف کو برتا ہنر وروں کی طرح
نکالے فکر سے مضموں شناوروں کی طرح

٭

کسی کے پاس جتنی بھی ہو دولت کون کرتا ہے
غریبوں کی مدد ، وقتِ ضرورت کون کرتا ہے

بدلتے موسموں کا بھی اثر ہوتا ہے ذہنوں پر
خزاں میں فصلِ گل جیسی محبت کون کرتا ہے

پرستار انا کا سر جھکا ہے وقت کے آگے
بس اب یہ دیکھنا ہوگا بغاوت کون کرتا ہے

بظاہر تو نظر آتے ہیں سارے دوست ہی اپنے
پسِ پردہ مگر میری عداوت کون کرتا ہے

سلگتا شہر ، جنگل ، بارشیں ، سیلاب اور آندھی
سمندر پار کرنے کی حماقت کون کرتا ہے

ستاروں کا تو شاید جاگنا ہی کام ہے عاصیؔ
وگرنہ رات بھر میری رفاقت کون کرتا ہے

٭

سنا کر داستانِ درد افشا ہو رہا ہوں میں
زمانے بھر کی نظروں میں تماشا ہو رہا ہوں میں

سمجھنے لگ گیا ہوں دیکھ کر نزدیک سے خود کو
اب اپنے آپ سے کچھ کچھ شناسا ہو رہا ہوں میں

مرا احساس مجھ کو چھوڑ کر جانے لگا شاید
مجھے محسوس ہوتا ہے اکیلا ہو رہا ہوں میں

یہ میرا حوصلہ ہی ہے کہ ٹوٹی کشتیاں لے کر
سمندر کے سفر پر پھر روانہ ہو رہا ہوں میں

مجھے ڈسنے لگی ہیں اب مری تنہائیاں عاصیؔ
زباں رکھتا ہوں لیکن پھر بھی گونگا ہو رہا ہوں میں

حسیں منظر ہوں جن میں وہ نگاہیں مانگ لیتا ہوں
تصور سے تری نازک ادائیں مانگ لیتا ہوں

گلوں سے رنگ، گلشن سے قبائیں مانگ لیتا ہوں
میں جینے کے لئے تازہ ہوائیں مانگ لیتا ہوں

سنبھالا دے نہیں سکتا جب اپنے آپ کو خود بھی
تو اپنے دشمنوں سے ان کی باہیں مانگ لیتا ہوں

سفر کرنے سے پہلے سر جھکا کے ماں کے قدموں پر
میں اپنی کامیابی کی دعائیں مانگ لیتا ہوں

بہت مصروف رہنا چاہتا ہے دستِ وحشت جب
میں سارے شہر والوں سے قبائیں مانگ لیتا ہوں

نہیں احسان لینا چاہتا میں چاند کا عاصؔی
مگر جگنو سے تھوڑی سی ضیائیں مانگ لیتا ہوں

وعدے پہ انتظار بڑی دیر تک رہا
کل تیرا انتظار بڑی دیر تک رہا

ایسے گناہ، مجھ سے جو سرزد نہیں ہوئے
میں اُن پہ شرمسار بڑی دیر تک رہا

وہ ایک پل کی بات تھی، پل میں گزر گئی
لوگوں میں انتشار بڑی دیر تک رہا

روتے رہے اداس رتوں میں جلے درخت
اب کے غمِ بہار بڑی دیر تک رہا

عاصؔی سرورِ مے تھا گھڑی دو گھڑی کی بات
اس آنکھ کا خمار بڑی دیر تک رہا

جو مسجدوں تلے مندر چھپے ہوئے دیکھے
کدورتوں کے سمندر چھپے ہوئے دیکھے

نہیں ہے کوئی بھی مجھ سے بڑا تماشائی
پسِ خیال بھی منظر چھپے ہوئے دیکھے

نہ جانے شہر پہ کس کا یہ خوف طاری ہے
کہ سارے لوگ ہی اندر چھپے ہوئے دیکھے

درندے نکلے ہیں شاید شکار کرنے کو
سب آستینوں میں خنجر چھپے ہوئے دیکھے

دلِ حزیں کو ٹٹولا ہے جس گھڑی عاصیؔ
تو آرزوں کے لشکر چھپے ہوئے دیکھے

سر جھکایا آستانِ یار پر
چوٹ کھائی عظمتِ پندار پر

حرف سارے ہو گئے ہیں بے زباں
لگ گئیں پابندیاں اظہار پر

جان کر کھایا ہے دھوکا یار سے
غصہ آیا ہے مگر اغیار پر

تیرگی گھر میں ہوئی ہے خیمہ زن
خوف چھایا ہے در و دیوار پر

جب بھی جذبوں کو نہ دے پائے زباں
لکھ دیئے نعرے کسی دیوار پر

عاشق جعفری

Mr. Ashiq Jahfri,

60, Elford Place,LEEDS,

W.Yorkshire LS8 5GD

Tel: 0113 2252089 Mob: 07814 759 708

عاشق جعفری اپریل 1964 میں برطانیہ آئے اور برطانیہ کے مشہور شہر بریڈفورڈ کے نزدیکی شہر لیڈز میں سکونت اختیار کی۔طویل مدت تک محنت مزدوری کر کے اپنے گھریلو فرائض ادا کئے بچوں کو پڑھایا لکھایا اس کے ساتھ ساتھ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے ریڈیو لیڈز، سن رائز اور بریڈفورڈ کے پرگرامز میں حصہ لیتے ہیں۔انہوں نے ایک ادبی تنظیم ’’بزمِ یاراں‘‘ بھی تشکیل دی ہے جس کے وہ صدر ہیں اور آئے دن پاکستان سے آئے ہوئے شعرا کے اعزاز میں پروگرام کرتے رہتے ہیں۔

گو مجھے عاشق جعفری صاحب سے ملنے کا شرف حاصل نہیں ہوا مگر ان کی شاعری نے مجھے ان کے اس طرح قریب کر دیا ہے جیسے میں انہیں برسوں سے جانتا ہوں۔شاعر کی شاعری اس کے اندر کا روپ ہوتی ہے۔وہ حمد لکھتے ہیں تو حرفوں کی ’’بکل‘‘ کے اندر رو رو کر اپنا حال سناتے ہیں نعت کہتے ہیں تو اس کے در پہ جا کے اپنے سارے دُکھ بھول جاتے ہیں۔جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے اپنے آقا و مولا کا ورد کرتے ہیں۔پاکستان سے ایسا عشق ہے کہ سات سمندر پار بھی جشن آزادی منانے میں اپنا گھر سجاتے ہیں۔کڑی دھوپ کی راہ چل کر بھی اپنے قائد کی یادوں کے سائے میں رہتے ہیں۔

عاشق جعفری یاروں کے یار ہیں اور ان کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اپنے دوستوں کے لئے وہ آنکھیں بچھائے رکھتے ہیں۔راولپنڈی پاکستان سے تعلق ہے اور آج وہ ریٹائرڈ زندگی گزارنے کے باوجود اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں۔اسی کی دہائی سے لکھنا شروع کیا اور آج ان کی چار کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں جن میں ’’راستے پرائے ہیں، پیارے چھوڑ آئے‘‘ یہ دونوں اردو شعری مجموعے ہیں

ایک پنجابی شعری مجموعہ ''رستے پھل وچھاون'' اور حال ہی میں ان کا نثری سفر نامہ بعنوان ''سفرنامہ بائیس دن پاکستان میں'' کے نام سے شائع ہوکر ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

شاعری میں ان کا اپنا خاص اسلوب ہے اردو پنجابی دونوں زبانوں میں یکساں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ چھوٹی بحر میں لکھنا اور تخیل کو کم سے کم الفاظ میں بیان کرنا اتنا آسان نہیں، مگر عاشق جعفری نے اس مجموعہ میں زیادہ غزلیں چھوٹی بحر میں لکھیں اور خوب لکھیں جنہیں پڑھ کر بے اختیار منہ سے واہ واہ نکل جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں بے شمار ادبی تنظیموں سے ایوارڈ بھی حاصل کیے جن میں ''پنجابی ساہت اکیڈیمی، سید عارف ادبی مجالس، نارووال، حرف وآواز آرگنائزیشن راولپنڈی، روزن ادبی ایوارڈ گجرات، ویلفیئر آرگنائزیشن اوورسیز پاکستان، انٹرنیشنل بزم علم وفن لیہ سے 'نسیم لیہ ایوارڈ' اور ادبی ثقافتی تنظیم راولپنڈی سے 'نشانِ پوٹھوہار۔ یہ تمام ایوارڈ ان کی انتھک ادبی محنت کے اعتراف میں ملے۔

عاشق جعفری ایک درویش منش، شعری روایت کا قلندر ہے یہ القاب ان کے بہت ہی قریبی دوست اور پنجابی کے ممتاز شاعر ممتاز اعوان نے دیا۔ جو خود پنجابی کے ممتاز شاعر ہیں۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ عاشق جعفری اپنے دوستوں کا عاشق ہے اور ادب سے بھی عشق کرتا ہے اور دونوں کو بھرم بخوبی نبھا رہا ہے۔

وہ صرف بائیس دن کے لئے پاکستان گئے اور پورے بائیس دن سفر میں گزارے اور پاکستان کے مختلف شہروں میں صوفی شعراء اور دینی بزرگوں کے مقبروں درگاہوں پر حاضری دی اور اپنے اس عقیدت بھرے سفر کی پوری داستاں بڑے خوبصورت انداز میں رقم کی جس کا نام انہوں نے 'سفر نامہ بائیس دن پاکستان میں'' رکھا۔ اس کتاب میں ان مقامات کی تصاویر بھی ہیں اور ایک خوبصورت تاریخی کتاب ہے جسے پڑھ کر روحانی تسکین ہوتی ہے اور عاشق جعفری کے سچے عشق کا ثبوت ملتا ہے۔

عاشق جعفری کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور وہ اپنا زیادہ وقت کتابوں کی ورق گردانی میں صرف کرتے

ہیں ،ان کے بارے میں بہت سے ممتاز شعرا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جس میں انہوں نے عاشق جعفری کی شاعری کو سراہا ہے ۔ممتاز شاعر محسن بھوپالی رقمطراز ہیں کہ ''عاشق جعفری کی غزلوں کی زبان سادہ ،رواں اور تصنع سے پاک ہے ۔انہوں نے جو کچھ محسوس کیا ہے اسے سادگی سے پیش کردیا ہے ۔طمانیت کی بات یہ ہے کہ ایسا کرتے ہوئے تاثر کو کسی طور کم نہیں ہونے دیا ہے ۔'' سید اختر امام رضوی لکھتے ہیں کہ ''عاشق جعفری کی غزل میں قدیم اور جدید رجحانات کا ایک سنگم ہے جو بحرِ امواج پر اتری ہوئی ہے بے بادبان کشتی کی طرح ہلکورے لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے ۔ انہوں نے کم وبیش اپنی ہر غزل میں بوقلمونیء موضوعات کو نہ صرف چھوا ہے بلکہ اس کے قلب میں اتر کو وجدان کی جولانیاں دکھائی ہیں ۔'' بریڈفورڈ کے نامور شاعر جنہوں نے سینکڑوں مشاعروں کا انعقاد کیا جناب حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ '' جعفری صاحب لیڈز میں شعری راویت کے ایسے قلندر ہیں جنہوں نے شعر کہنے کے باوجود خود کو کبھی بھی معروف معنوں میں نمایاں نہیں کیا ۔''

آخر میں ہمارے اس محبت کے گہرے سمندر جیسے پر خلوص ادب نواز اور ادب دوست جو یاروں کا یار اور پیاروں کا پیارا بھائی نما دوست ہے اور اپنے وطن سے بے پناہ محبت کرتا ہے کے ایک شعر کے اور اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ اس درویش قلندر کی قلم میں مزید برکت دے اور ہم ان کے خوبصورت اشعار سے محظوظ ہوتے رہیں ۔۔آمین

مرے ہونٹوں پہ بس اک ہی دعا ہے وطن کی خیر ہو یا رب ہمیشہ

❁

درد سے جو نڈھال ہوتے ہیں
لوگ وہ بے مثال ہوتے ہیں

جن میں آنے کی ہو خبر تیری
پَل تو ایسے کمال ہوتے ہیں

پوچھتا ہے دلِ حزیں میرا
آنکھ میں کیوں سوال ہوتے ہیں

کچھ تو ہوتے ہیں حُسن کے طالب
کچھ سراپا جمال ہوتے ہیں

لوگ ملتے ہیں بے حساب مگر
دوست تو خال خال ہوتے ہیں

قدر کرتے ہیں اس لئے عاشقؔ
حُسن ور لازوال ہوتے ہیں

❁

کسی طرح سے مرے دل کو ٹوٹ جانا تھا
تری جدائی تو اے دوست اک بہانہ تھا

وہ میرے شہر میں رکتا تو کب تلک رہتا
اُسے بھی لوٹ کے اپنے دیار جانا تھا

وہ چھوڑ جائے گا رستے میں لوگ کہتے تھے
میں ناسمجھ تھا کہ میں نے کہا نہ مانا تھا

علاج چارہ گروں نے بہت کیا اپنا
مگر جو زخم تھا دل پر بہت پرانا تھا

جو وہ نہیں تو سبھی راستے پرائے ہیں
وہ ساتھ تھا تو مرے ساتھ اک زمانہ تھا

ذرا سی بات پہ دامن چھڑا گئے عاشقؔ
وہ جن سے سلسلہ اپنا بہت پرانا تھا

کہیں تو آ کے رُکے بھی مسافری میری
کہ مجھ کو ڈھونڈتی رہتی ہے بے گھری میری

میں جس کے واسطے خود کو بھلائے بیٹھا ہوں
اسی کو بھول نہ جائے یہ سادگی میری

کبھی بھی کھل کے کسی سے کلام کر نہ سکا
تمام عمر فضا ہی تھی اجنبی میری

ہے روشنی کا حوالہ ، پرایا دیس مگر
ترس رہی ہے اجالوں کو زندگی میری

بس اک تمنا سی رہتی ہے جو ستاتی ہے
یہی کہ تجھ کو پسند آئے شاعری میری

وفا کی راہ کو اس طور سے کیا روشن
کہ یاد آئے گی دنیا کو عاشقی میری

پنجابی

پیریں زخم غلامی والے ، گل وچ پاٹیاں لیراں نیں
منظر منظر اکھاں اگے لہو رنگیاں تصویراں نیں

کیدوور گے ویری سارے ، ہاہواں سن سن کہندے سن
آزادی لئی بیلے اندر ، کیوں کرلاندیاں ہیراں نیں

سو سو واری صدقے جاون بھیناں اج وی اوہناں تے
دھرتی اُتوں جان اے واری جہڑے انکھی ویراں نیں

اسیں آں پُت کشمیر دے اک دن منزل اُتے اپڑاں گے
روشن سارے خواب نیں ساڈے اکھاں وچ تعبیراں نیں

کنے ویر کھوا کے اسی ظلم دی سُولی چڑھدے رہے
کنے لال گواچ اتھے ، کیو جیاں تقدیراں نیں

گھُپ ہنیرے چیر کے اک دن چھی پا کے ملن گیاں
ساڈے اُتے قسم خدا دی عاشق ایہہ تنویراں نیں

پنجابی غزل

تیرے پیار دی بیڑی اندر ڈکو ڈولے کھاواں
شوہ دریا وچ آ کے سجنا ویکھیں نہ ڈُب جاواں

میرے دیس دی مٹی مینوں اپنی جان تو پیاری اے
سوسوایہدے صدقے جاواں کراں میں واری ساہنواں

جتھے ہاسے رل کے ونڈے پینگاں آپ چڑھائیاں
رستہ تیرا تکن اج اوہ پھلاں بھریاں راہواں

انج لگدا اے اُڈی جاون میتھوں ست سمندر
انج لگدائے جویں ایتھے کونج وانگوں کرلاواں

میں تے سدھا سادا عاشقؔ تیرے روپ نگر دا
میں نہیں کہندا تیری خاطر تارے توڑ لیاواں

پنجابی غزل

دکھاں دی جاگیر وکھاواں
آ تینوں کشمیر وکھاواں

ڈل دا پانی پیون والی
سوہنی سسی ہیر وکھاواں

رنگاں دے لشکارے سارے
پھلاں دی تنویر وکھاواں

لہو وچ رنگی ہوئی چُنی
چولا، لیر و لیر وکھاواں

دھرتی ماں لئی جاگن جہڑے
سچے سوہنے ویر وکھاواں

رُسی ہوئی عاشقؔ تینوں
بختاں دی زنجیر وکھاواں

عامر مجید امیرؔ

Mr. Amir Majeed Ameer,

E.Mail:majeedamer20@yahoo.com

Mob: 07903126126

اصل نام عامر مجید تخلص امیر ہے جرمنی میں دس سال رہ کراب سات سال سے یو کے میں رہائش پذیر ہیں۔پاکستان میں رحیم یار خان سے تعلق ہے دس سال کی عمر میں پہلا شعر کہا مگر انیس سال کی عمر سے باقاعدہ شاعری شروع کی۔وہ کہتے ہیں میرا کوئی استاد نہیں مگر علامہ اقبال،فراز اور جالب پسندیدہ شاعر ہیں اس لئے لاشعوری طور پر انقلابی شاعری پسند ہے،ان کے اشعار میں عام طور پر عشق یا ناکام عشق کا تذکرہ جا بجا نظر نہیں آتا بلکہ سبق آموز یا تعمیری رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

کسی اُمت کسی ملت کی اونچائی حقیقت میں
معیاروں سے تو ہوتی ہے مناروں سے نہیں ہوتی

عامر مجید صاحب کو گرافک ڈیزائنگ کا جنون ہے فی زمانہ یہ ایک بہترین ہنر ہے جس میں انہوں نے بے شمار ڈپلومے حاصل کئے ہیں ان کی باقاعدہ ویب سائیٹ ہے amerameer.com جس پر جا کر ان کے بے شمار خوبصورت نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔اس کے علاوہ آپ کو مصوری سے بھی عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور وہ تیرہ تیرہ گھنٹے بغیر کچھ کھائے پیئے بلکہ ایک جگہ سے ہلے بغیر برش اور رنگوں کی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔اور کینوس پر رنگ خوبصورت اشکال میں قوس قزح کا منظر سجائے رکھتے ہیں۔

اپنی شاعری کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ،

’’شاعری کا شغف بھی بہت گہرا ہے۔افسوس کی بات کہ دیارِ غیر میں اردو زبان کا ماحول بنیادی طور پر کم ہونے کے باعث،اور فکر معاش کے جھمیلوں میں شاعری کو شائد کما حقہ وقت نہ مل پایا،مگر یقین ہے کہ اِن سب وجوہات کے باوجود آپ کو شاعری کے حوالے سے کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔‘‘

اس بات کی گواہی ان کے اشعار میں جگہ جگہ ملتی ہے۔

دارائوں، چنگیزوں، شدادوں کے بیچ
میں اکیلا بھاری تعدادوں کے بیچ
پوچھتے ہو حال اے حاکم مرا
میں بھی خوش ہوں اتنے ناشادوں کے بیچ

عامر مجید کا شعری اسلوب سب سے منفرد اور نرالا ہے۔ کیونکہ ان کی شاعری میں جو رنگِ جنوں ہے وہ دوسرے شعراء کے رنگ سخن سے مختلف ہے۔ عشق اور زندگی دونوں سے انہیں لگاؤ جنون کی حد تک ہے۔ کسی کام سے لگن جنون کی حد تک نہ ہو تب تک انسان کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ کارِ جنوں میں کامیابی اور کامرانی ذوقِ جنوں کی بدولت ملتی ہے۔ لہذا ان کا یہی ذوقِ جنوں ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور ان کے اندر ستاروں سے آگے جانے کی آرزو مچلتی نظر آتی ہے۔

جھوٹا ہو دھوکے باز ہوں، اچھا نہیں رہا
میں ہوگیا جوان اب بچہ نہیں رہا

اور شعر ملاحظہ ہو۔

سیلاب تجھ کو چاہیے کہ اپنی راہ لے
کوئی مکاں گاؤں میں کچا نہیں رہا

عامر مجید صاحب سے تعارف برمنگھم کے بزرگ مترنم شاعر جناب آدم چغتائی صاحب کی وساطت سے ہوا مگر عامر کی پرخلوص اور نہایت دوستانہ طبیعت نے چند بار کی فون پر بات چیت سے مجھے اس قدر گرویدہ اور متاثر کیا کہ لگتا ہے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ میں اکثر کہتا ہوں کہ اچھا شاعر ہونے سے پہلے اچھا انسان ہونا شرط ہے۔ وہ خود کہتے ہیں۔

جو خوبصورت ہو وہ تو سب کو دکھائی دے گا، سو اس میں کیا ہے
جو من کی خوبی کو جان لے تم نظر میں ایسا جمال رکھو

شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ ایک فن ایک صناعی ہے۔شاعر الفاظ کی مدد سے اپنے احساسات وتخیلات جذبوں ،ولولوں ،امنگوں اور اپنے تجربات ومشاہداتِ زندگی کوتعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔اسی طرح جیسے ایک بت تراش اپنے مجسمے کو بنانے میں مناسب موزونیت وتوازن کا خیال رکھتا ہے۔اور عامر ایک خوبصورت مصور بھی ہے وہ جب اپنی برش ہاتھ میں لیتا ہے تو اسے اپنی بھی خبرنہیں رہتی اور کینوس پر بھی رنگوں کی شاعری کرنے میں گھنٹے گزار دیتا ہے۔شاعری اور مصوری مل کر ایسی دوآتشہ شے بن جاتی ہے جس میں فنکار اپنی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کردیتا ہے اور یہ خوبی ہمارے اس نوجوان شاعر میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

رات یوں تیرے خواب سے گزرا
کہ بدن چور چور اپنا تھا
آئینے میں جمال تیرا تھا
کیوں کہ تجھ میں ظہور اپنا تھا

دیارِ غیر میں دن رات کی محنت سے رزقِ حلال کما کر اپنے فارغ وقت میں ادب کی خدمت اور فن مصوری میں ہمہ تن مصروف رہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس کے لئے لگن ،محنت ،عشق اور جذبہ چاہیے اور یہ تمام خوبیاں عامر میں خدا نے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں اپنے نیک مقاصد میں کامیاب کرے اور وہ اسی اسی طرح لگن محبت کے ساتھ اپنی منزل کی جانب گامزن رہیں ۔۔آمین

❁

تجھ میں اور مجھ میں وہ اب راز و نیاز آئے کہاں؟
اب میسر دھوپ میں ہیں زلف کے سائے کہاں؟

جانے والے سوچ کر جانا کہ بے حد شوخ ہے
کیا پتہ ہے ایسے دل کا کس پہ آ جائے کہاں؟

تیرے میرے گھر میں جو دیوار حائل ہوگئی
تیشہ پُرزور کو مشکل ہے کہ ڈھائے کہاں؟

تم انا کے پاسباں تھے، ہم بھی غیرت کے امیں
تم جو سُن پائے نہیں تو، ہم بھی کہہ پائے کہاں؟

تیرے پہلو سے جو ہجرت کر کے آیا تھا وہی
بے اماں، بے فیض، بے توقیر دل جائے کہاں؟

مے کدے سے بے اثر نکلے تو اُس کے گھر گئے
ہم کہاں سے پی کے آئے اور چکرائے کہاں؟

اُس کے گھر ہم چائے پہ مدعو تھے، سب اچھا رہا
واپسی پر یاد آیا، رہ گئی چائے کہاں؟

❁

قوانین محبت سے بغاوت ، میں نہیں کرتا
شکایت ہو بھی تو اس سے شکایت، میں نہیں کرتا

جہاں میری سند پاؤ وہیں ایمان لے آؤ
حدیث عشق اوروں سے روایت، میں نہیں کرتا

ہمارے پیار کی تم پیش کش منظور کر ڈالو
کہ ہر اک شخص پہ ایسی عنایت میں نہیں کرتا

تری یہ بزدلی، خوش قسمتی ہے اے مرے دشمن!
ہو دشمن بھی برابر تو رعایت میں نہیں کرتا

محبت تیرا اب میں کیا کروں گا؟ جا کسی کہ ہو
محبت باز آ، جا جا محبت میں نہیں کرتا

خرد ہو مدعی، آنکھیں گواہ، اور جرم تیرا ہو
تو پھر دل کی عدالت میں سماعت میں نہیں کرتا

✿

محبت برملا ہے یہ اشاروں سے نہیں ہوتی
سمندر کیا ہے؟ آگاہی کناروں سے نہیں ہوتی

مری قسمت ہے میرے ہاتھ میں، ہے کون جو بدلے؟
کہ یہ جرات تو خود میرے ستاروں سے نہیں ہوتی

کسی اُمت کسی ملت کی اونچائی حقیقت میں
معیاروں سے تو ہوتی ہے مِناروں سے نہیں ہوتی

مجھے اپنے پیاروں سے کوئی شکوہ نہیں کیونکہ
مجھے کوئی توقع اپنے پیاروں سے نہیں ہوتی

نباہے دیر تک جو دشمنی وہ سامنے آئے
ہماری دشمنی بے اعتباروں سے نہیں ہوتی

محبت کی، نباہی، اور دشمن کو عطا کر دی
وہ ہم نے بات کی جو آپ ساروں سے نہیں ہوتی

✿

چہرۂ یار کو پر نور بڑا دیکھا ہے
میں نے مہتاب کو دھرتی پہ کھڑا دیکھا ہے

تیرے سینے میں بڑے غم تھے مگر میرا غم
ایک خنجر کی طرح اُس میں گڑا دیکھا ہے

یار کے پیار میں دل جیت گیا عقل سے پھر
خوب ہشیار کو پاگل سے لڑا دیکھا ہے

میں بھی تو یار ترے ہجر میں تڑپا ہوں مگر
تو نے یہ وقت تو مجھ سے بھی کڑا دیکھا ہے

رات کے وقت تو سورج کو بھی اکثر میں نے
اپنے محبوب کے قدموں میں پڑا دیکھا ہے

حسن تیرا غرور اپنا تھا
سچ تو یہ ہے قصور اپنا تھا

آنکھ اور دل کی ہر زباں پہ بڑا
بولنے میں عبور اپنا تھا

رات یوں تیرے خواب سے گزرا
کہ بدن چور چور اپنا تھا

آئینے میں جمال تیرا تھا
کیونکہ تجھ میں ظہور اپنا تھا

اس کے شعروں میں نام میرا نہ تھا
ذکر بین السطور اپنا تھا

ایک ہی وقت میں جنون و خرد
لاشعور و شعور اپنا تھا

میری ہی بے اعتنائی تھی
ورنہ وہ تو ضرور اپنا تھا

جھوٹا ہو دھوکے باز ہوں اچھا نہیں رہا
میں ہو گیا جوان اب بچہ نہیں رہا

اب رو کہ عشق راس تو آتا ہے مگر کم
دیکھا میں بارہا تجھے کہتا نہیں رہا

یہ کہہ رہا تھا آئینہ جھوٹا نہیں ہوں میں
میں کہہ رہا تھا آئینہ سچا نہیں رہا

اے ماں! ترا بیٹا، ترے جانے کے بعد سے
خاموش ہو گیا اگر روتا نہیں رہا

سیلاب تجھ کو چاہیے کہ اپنی راہ لے
کوئی مکان گاؤں میں کچا نہیں رہا

قاضی عبدالقدوس (مرحوم)

Mr.Qazi Abdul Qadoos,

قاضی عبدالقدوس کا تعلق گوجر خان ضلع راولپنڈی سے ہے پیشے سے ایک کامیاب وکیل ہیں۔ 1994 میں برطانیہ آئے مگر اس دوران اپنی وکالت کے لئے اکثر پاکستان کے دوروں پر رہے کہ وہاں اپنے علاقے میں ان کا تعلق سیاست کے ساتھ بھی کافی گہرا تھا۔ زمانہ طالب علمی سے لکھنے کا شوق تھا اور مقامی اخبارات میں ان کے اکثر مضامین مختلف موضوعات پر شائع ہوا کرتے تھے۔ صرف نثر ہی میں لکھا اور لندن آکر جہاں بھی ہالی ڈیز پر گئے واپسی پر ایک خوبصورت سفرنامہ دنیائے ادب کو دیا۔

''دنیا حسین ہے''، ''کولمبس کے نقش قدم پر'' اور تیسرا سفرنامہ خودنوشت ''اپنی تلاش میں'' شائع ہوا۔

قاضی قدوس صاحب کے ساتھ دوستی پاکستان سے تھی مگر برطانیہ آکر ان سے ملاقات نہ ہوسکی مگر فون پر طویل ملاقاتیں اکثر رہتی ہیں۔ مجھے نہایت خوشی اور فخر ہے کہ قاضی صاحب نہایت خوبصورتی کے ساتھ نثر میں اپنے سفر کی داستاں یوں سناتے ہیں کہ قاری ان کے ساتھ جھومتا لہراتا گھر بیٹھے ان تمام شہروں کی سیر کر لیتا ہے جہاں جہاں قاضی صاحب گھومے پھرے ہوں۔

انہوں نے پہلا سفرنامہ ''دنیا بہت حسین ہے'' کے نام سے لکھا جس میں انہوں نے قرطبہ اور غرناطہ کے علاوہ یورپ کی سیر کا آنکھوں دیکھا حال قلم بند کیا۔ جس طرح کا نقشہ قاضی صاحب نے کھینچا اور ان تمام مقامات کا تاریخی حوالہ دے کر لکھا ہے وہ عام سیاح کے بس کی بات نہیں جب تک کہ تاریخ کا وسیع مطالعہ نہ ہو۔ ہر روز لوگ ایسے مقامات کی سیر کرتے ہیں مگر جس نگاہ سے قاضی صاحب ان مقامات کو دیکھ کر احاطہ تحریر میں لاتے ہیں یہ ان کا ہی کمال ہے۔

ان کا دوسرا سفرنامہ ''کولمس کے نقش قدم پر'' بھی اپنے اندر بے شمار معلومات کا خزانہ لئے ہوئے نہایت خوبصورت ادبی زبان کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ انہوں نے اسے اپنے صاحبزادے ابراہیم قدوس کے نام

معنون کیا جوان کے ساتھ سفر میں شامل تھا جس کا کئی بار کتاب میں ذکر شامل ہے۔ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ بھی شامل تھیں اور یہ بات نہایت خوشی کی ہے کہ قاضی فیملی کو نئے نئے مقامات دیکھنے اور سیاحت کا شوق ہے ہر سال چھٹیوں میں جا کر سیر بھی کرتے ہیں اور علمی معلومات کا خزانہ سے بھی جھولیاں بھر لاتے ہیں اور قلم کے ہاتھوں دوستوں میں بانٹتے ہیں۔112 صفحات کی اس کتاب میں انہوں نے برازیل اور اس کے بارشی جنگلوں کی سیر کرائی ،یورپ کے خوبصورت اور تاریخی شہر پیرس کی گلیوں میں لئے پھرے اور خاص کر آئفل ٹاور کی تمام تاریخی معلومات کے ساتھ سیر کرائی۔پھر یہ اپنے قارئین کو اپنی اہلیہ کی جنم بھومی سکاٹ لینڈ کے دور افتادہ گاؤں کے ایسے انوکھے علاقے میں لے جاتے ہیں جہاں کے میدان درختوں سے نا آشنا ہیں۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے بڑے افسانوی طوز پر ''پریوں کے دیس میں'' کی سیر کرائی اور گلگت ،ہنزہ اور سیف الملوک جھیل کے رومانی مناظر کو اس طرح قلم بند کیا کہ کتاب کے اوراق او جھل ہو جاتے ہیں اور قاری خود کو اس سحر آمیز مناظر میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ہم لوگ اکثر بد ذوق حد تک بور ہوتے ہیں اور اپنے چاروں اطراف کے حسن سے لاپرواہ ہو کر ساری ساری زندگی گزار دیتے ہیں مگر کبھی یہ نہ سوچا کہ چند دنوں کے لئے روزانہ کی روش سے ذرا ہٹ کر کہیں جائیں اور دنیا کو کھوجیں ۔۔دیکھیں کہ کیا کیا فطرت نے ہمارے لئے حسین نظارے اکٹھا کیے ہوئے ہیں۔مگر قابل تحسین ہیں قاضی عبدالقدوس اور ان کی فیملی کہ ان میں اعلیٰ ذوق کے ساتھ مہم جوئی کا جذبہ بھی ہے جو انہیں ہر بار دنیا کے ایسے ایسے کونوں میں لے جاتا ہے جہاں سے یہ علم و معلومات کے خزانے بھر لاتے ہیں اور پھر اعلیٰ ظرفی یہ کہ اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ دوسروں میں بھی بانٹتے ہیں۔۔ پیرس کے میوزم میں جا کر بھی قاضی صاحب نے عام وزیٹر کی طرح صرف تصویریں ہی نہیں دیکھیں بلکہ ان پر بھی پوری ریسرچ کی ہے۔خاص کر مونالیزا کی تصویر کے بارے میں ان کی دی ہوئی تفصیل نہایت کارآمد اور معلوماتی ہے۔اسی طرح دوسری تصاویر کے بارے میں بھی ان کی تحریر پڑھنے کے قابل ہے اور حوالہ جات کے لئے نہایت موثر۔خاص کر ان کا ''اسلامی آرٹ گیلری'' کا ذکر پڑھنے کے قابل ہے۔

اپنی ذہنی معلوماتی تشنگی کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں کہ:

''پیرس کے عجائب خانوں میں رکھے ہوئے مصوری کے شاہکار دیکھ کر ان سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا مگر

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں سمندر کے کنارے کنکریوں سے کھیل کھیل کے خوش ہوتا رہا اور ابھی سمندر کے مخفی خزانوں تک رسائی بھی نہیں ہوئی تھی کہ وقت گزر گیا۔۔"

اب ان کا تیسرا سفرنامہ "اپنی تلاش میں" بھی منصۂ شہود پر آ چکا ہے جس میں انہوں نے کمال ہنرمندی کے ساتھ اپنی زندگی کے سفر کی کہانی لکھی ہے جسے پڑھ کر قاری ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے فلسفۂ حیات پر نہات خوبصورت مضامین بھی لندن کے جرائد میں شائع ہوتے ہیں اور بہت پسند کیے جاتے ہیں۔۔ کچھ مضامین ان کی تیسری کتاب کے آخری حصے میں بھی شامل ہیں۔

اگلے تین صفحات میں ان کے تینوں سفرناموں میں سے دلچسپ ترین اور اہم ترین اقتباسات درج ہیں جنہیں پڑھ کر آپ ان کا طرز بیان اور اسلوب لازمی پسند کریں گے۔ اور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ساری زندگی وکالت جیسے خشک مضمون اور شعبے سے تعلق رکھنے والے قاضی عبد القدوس صاحب کس خوبصورت ذوق وشوق کے مالک ہیں۔

مجھے امید ہے کہ وہ نچلے گھر میں بیٹھنے والے قلمکار نہیں انہیں مہم جوئی اور کھوج ایک بار پھر دنیا کے کسی دلچسپ ملک ،شہر یا گاؤں میں ضرور لے جائے گی جہاں وہ اپنی دوررس اور دوربینی سے اپنی قارئین کو ایسے انکشافات سے دوچار کریں گے کہ ان کا چوتھا سفرنامہ پڑھ کر دل مٹھی سے باہر لپکے گا۔۔۔

دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی والی زندگی عطا فرمائے اور وہ دنیائے ادب کو اسی طرح کے ادبی شاہکار سے نوازتے رہیں۔۔ آمین

❂ ❂ ❂ ❂

سفر نامہ قاضی عبدالقدوس

’’دنیا بہت حسین ہے‘‘ میں وہ لندن کی سیر میں پکاڈلی کے بارے میں نہایت دلچسپ بیان درج کرتے ہیں
’’اٹھارویں عیسوی میں ایک ٹیلر رابرٹ بیکر کی اس علاقے میں ایک دوکان تھی جہاں وہ نہایت فیشن ایبل سخت کالر’’پکاڈلز‘‘ کے نام سے بیچا کرتا تھا۔ یہ کالر رنگین مزاج نوجوانوں میں بہت مقبول تھے۔رابرٹ ٹیلر نے اس کاروبار سے اتنی دولت کمائی کہ اسی سڑک پر جہاں اس کی دوکان تھی اپنی رہائش کے لئے ایک محل نما مکان بنا کر’’پکاڈلز‘‘ کی نسبت سے اس کا نام’’پکاڈلی ہاؤس‘‘ رکھ دیا، چنانچہ جس سڑک پہ مکان تھا اس کا نام پکاڈلی سٹریٹ مشہور ہوگیا اور اس کے گول چوک کو پکاڈلی سرکس کہا جانے لگا۔‘‘
لندن کے مشہور دریائے ٹیمز کے بارے میں لکھتے ہیں۔
’’دریائے ٹیمز کے ذکر کے بغیر لندن کا ذکر مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ دریا ایک سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا لندن سے گزرتا ہے۔ ٹیمز اور لندن کی عمر میں صدیوں کا فرق ہے۔لندن نے ٹیمز کے منارے جنم لیا، دریا کی موجوں نے اسے لوریاں دے دے کر پالا پوسا اور جوان کیا۔ ٹیمز نے شاعروں کو تخیل دیا اور مصوروں کو خواب دیئے اس کے پلوں نے فن تعمیر کے نئے باب رقم کیے۔اس نے لندن کی مصروف زندگی کو رومانی کیفیت سے آشنا کیا۔ اگر وہاں ٹیمز نہ ہوتا تو لندن نہ ہوتا۔‘‘
لندن سے نیویارک وہاں سے جرمنی گئے تو جرمنی کے حسن سے متاثر ہوکر تحریر فرماتے ہیں۔
’’دریائے’نیکر‘ کے کنارے درختوں سے ڈھکی ہوئی ڈھلوانوں پر’ہائیڈل برگ‘ آباد ہے۔اس کے دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔ ’فلاسفن ویگ‘ کے بل کھاتے ہوئے خوبصورت اور پر سکوت راستے پر پیدل چلتے ہوئے ہم ایک مقام پر جا کر رک گئے، نیچے دریا بہہ رہا تھا سامنے ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہائیڈل برگ کا تاریخی قلعہ دکھائی دے رہا تھا۔ درختوں میں گھرے ہوئے’ہائیڈل برگ‘ کا حسن پورے جوبن کے ساتھ جلوہ آرائی دے رہا تھا۔ مشہور جرمن فلاسفر’ہیگل اسی فلاسفن ویگ (فلاسفر پاتھ) پر کھڑے ہوکر خوبصورت مناظر سے وجدان

حاصل کرتا تھا۔علامہ اقبالؒ نے بھی انہی نظاروں کے خواب آلودہ سکوت سے متاثر ہوکر اپنی نظم ''دریائے نیکر کے کنارے ایک شام'' لکھی تھی۔وہ جگہ آج بھی ان کے نام سے موسوم ہے۔''

''کولمبس کے نقشِ قدم پر'' میں بھی قاضی عبدل القدوس پیرس،، فرنچ گیانہ، انگلستان اور اپنی اہلیہ ازابل کی جنم بھومی 'شیٹ لینڈ'' اور پھر پاکستان کے پریوں کے دیس وادی کاغان اور ہنزہ کی سیاحت کے بارے بڑی تفصیل اور مکمل فگر کے ساتھ معلومات لکھیں۔

'' پیرس کے ایفل ٹاور کے تین لیول ہیں پہلے لیول کیلیے 360 سیڑھیاں اور دوسرے لیول کے لئے 359 سیڑھیاں جبکہ تیسرے لیول کے لیے لفٹ ہے ویسے آخر تک لفٹ بھی استعمال کی جاتی ہے، اسکی اونچائی 234 میٹر (1063 فٹ) ہے سیڑھیوں کی کل تعداد 1665 ہے اسے جوڑنے کے لئے لوہے کے 2.5 ملین کیل استعمال کئے گئے اس کا وزن 10,100 ٹن ہے اسے ہر سات سال کے بعد رنگ کیا جاتا ہے جس پر 60 ٹن رنگ استعمال ہوتا ہے۔1889 میں جب یہ ٹاور یہ تعمیر ہوا تھا تو اس وقت اسے دنیا کی بلند ترین عمارت قرار دیا گیا تھا اسے یہ اعزاز 1931 میں امریکہ کی ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ کی تعمیر تک حاصل رہا۔''

اسی کتاب کے ''وائی کنگ کے تعاقب میں'' کے باب میں لکھتے ہیں۔

''شیٹ لینڈ برطانیہ کا دور افتادہ جزیرہ ہے جو اسکاٹ لینڈ اور ناروے کے درمیان واقع ہے۔وہاں کے لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ وہ برطانیہ کے شہری ہیں مگر یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ نسلاً انگلش ہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو وائی کنگز سمجھتے ہیں جو سکنڈے نیویا کے بحری قزاق تھے اسی لئے آج بھی ان کے رسم و رواج اور تہواروں میں وائی کنگز کا اثر نمایاں ہے۔۔بندرگاہ سے کار لاتے وقت میری بیوی ازابل نے کہا۔''یہ پہلی جگہ ہے جہاں کوئی پاکستانی نہیں ہے۔'' میں نے کہا'' جس جزیرے کی کل آبادی 22500 ہو جہاں کوئی صنعت نہیں بھلا وہاں پاکستانیوں کے لئے کیا کشش ہوگی''، ابھی ہم ٹیکسی سٹینڈ کے قریب پہنچے کہ دفعتاً میرے قدم رک گئے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کوئی پنجابی میں باتیں کر رہا تھا مڑ کر دیکھا تو دو پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔معلوم ہوا کہ دونوں پاکستانی اپنے اہل و عیال کے ساتھ شیٹ

لینڈ میں رہتے ہیں۔۔"

تیسری کتاب "اپنی تلاش میں" مصنف نے اپنی پاکستان کی بچپن، جوانی کی زندگی کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے جس میں زمانہ طالب علمی سے لے کراپنی وکالت اور سیاسی زندگی کے دلچسپ حالات ساتھ اپنی پہلی محبت اور خفیہ شادی کا ذکر بھی بڑے افسانوی انداز میں کیا ہے۔

اس کتاب کے آخری حصے میں ان کے فلسفۂ حیات پر مضامین بھی شامل ہیں جن کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

زندگی کا کھیل

"میرے اندر کا انسان مجھ سے اہم سوال کرتا ہے کہ زندگی کا جوہر کیا ہے۔ وہ نقوش کیا ہیں جن سے زندگی کی خوبی یا عمدگی ظاہر ہوتی ہے۔ ہر آدمی کا جواب اس کی اپنی سوچ کے مطابق دوسروں سے مختلف ہوسکتا ہے میرے نزدیک زندگی کا جوہر یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کسی اعلیٰ مقصد کی تلاش و تکمیل میں گزارے"

رشتے

میں نے غور کیا ہے تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کائنات کی ہر شے کا وجود کسی نہ کسی رشتے پر قائم ہے۔ درخت کا رشتہ زمین سے قائم ہے تو درخت خوب پھلتا پھولتا ہے یہ رشتہ کٹ جاتا ہے تو درخت کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ اینٹ کا رشتہ اینٹ کے ساتھ قائم ہوتا ہے تو دیواریں بنتی ہیں اور عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ رشتہ کٹ جائے تو عمارتیں مسمار ہوجاتی ہیں۔ روح کا رشتہ جسم کے ساتھ قائم ہوتا ہے تو زندگی وجود میں آتی ہے، یہ رشتہ قائم نہ رہے تو زندگی ختم ہوجاتی ہے۔"

تنہائی

یہ سوچنا حماقت ہے کہ تنہائی معاشرے سے بیزاری کی علامت ہے، ایک تخلیق کار سوسائٹی سے بیزار ہو کر خلوت گزینی اختیار نہیں کرتا بلکہ اپنے فن کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے تنہائی کے خاموش لمحات سے گزرتا ہے وہ اپنے آپ کو تلاش کرنے کے لیے دوسرے لوگوں سے الگ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا کھوج لگانے کے لیے حجرہ نشین ہوتا ہے۔ اس کی تنہائی بامقصد ہوتی ہے۔ بے مقصد تنہائی بانجھ ہوتی ہے اس کے بطن سے کوئی تخلیق جنم نہیں لیتی۔۔

Mr. Ata Ul Haque,

"Uk Time London"

Trident Business Centre,

89, Bickersteth Road,

London SW17 9SH Mob: 07850 742143 E.Mail: info@ukl.co.uk

عطاء الحق 2002ء میں برطانیہ آئے اور بڑے ہی کم عرصہ میں وہ صحافت اور ادبی دنیا میں چھا گئے۔ نہایت محنتی انسان ہیں دن رات کام کی لگن میں رہتے ہیں۔نوجوان ہیں نہایت ملنسار،خوش شکل بڑی بڑی روشن آنکھوں میں آگے بڑھنے کی چمک اور جذبہ انہیں دوسروں سے مختلف رکھتا ہے۔ وہ محنت کو مزدوری کا نام دیتے ہیں۔لندن آکر دوسرے سال ہی انہوں نے لکھنا ہی نہیں شروع کیا بلکہ ڈی ایم ڈیجیٹل ٹی وی پرلندن سے تین سو میل کی مسافت طے کر کے شاعری کا پروگرام دیتے رہے۔ جب ڈی ایم ڈیجٹیل نے لندن سے نشریات شروع کیں تو طویل مدت تک ''میں نے شعر کہا'' کے نام سے پروگرام نشر کیا اس کے بعد ان پر سیاست کا بھوت سوار ہوا اور ساتھ ہی ہفتہ وار اخبار ''یو کے ٹائم'' کی ابتدا کی۔تو یہ ٹی وی پروگرام میرے حوالے کر دیا جسے میں آٹھ ماہ تک کرتا رہا جب تک کہ ڈی ایم ڈیجٹل واپس مانچسٹر چلا گیا،عطاالحق جنہیں دوست پیار سے حق کہتے ہیں انہوں نے 'ونیس' ٹی وی سے سیاسی بات چیت کا پروگرام شروع کیا جو بہت مقبول ہوا اور پاکستان سے کئی وزراء اور سیاسی لیڈروں نے اس پروگرام میں شرکت کی،شاعری کا شوق پرانا تھا مگر غم روزگار نے پہلے مہلت نہ دی،اب اپنا اخبار تھا لہذا کالم بھی لکھنے لگے اور شاعری بھی شروع کر دی اور دو سال قبل ''صدائے حق'' کے نام سے شعری مجموعہ بھی منصۂ شہود پر آ گیا۔جس کی رسم اجرا پر پاکستان کے ممتاز،مذاحیہ شاعر محترم انور مسعود نے آ کر صدارت کی۔یہ مجموعہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور چھ ماہ کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔

اے حق پہلے نوجوان ہیں جنہوں نے کم عمری میں اپنی تیز رفتاری اور کام کی سچی لگن سے بے شمار ایوارڈ لئے 2009 میں فرینڈز آف پاکستان لندن سے ایکسیلنٹ سروس ایوارڈ، ٹرسٹ فاؤنڈیشن سے ہیومنٹیرین ایوارڈ، میئر آف والتھم فاریسٹ لیاقت علی سے گریٹ کمیونٹی سپورٹ ایوارڈ، کاروان فکر سے فاسٹس ایسٹیبلشڈ نیوز پیپر ایوارڈ، پاکستان اچیومنٹ ایوارڈ یو کے سے ہیومینٹرین آف دی ایئر ایوارڈ، سٹار نیوز سے سٹار آف دی ایشیا ایوارڈ، 2010 میں یو کے پاکستان چیمبر سے کمیونٹی نیوز پیپر کا ایوارڈ، ڈی ایم ڈیجیٹل سے بہترین کمیونٹی سروس کا ایوارڈ، 2011 میں میئر آف والتھم فاریسٹ مسعود احمد سے کمیونٹی سروس کا ایوارڈ، یو کے پاکستان چیمبر سے دوبارہ سٹار آف پاکستان، بزم سخن برطانیہ سے بہترین کمیونٹی سروس کا ایوارڈ، پاکستان ایسوسی ایشن برسٹل سے بہترین کمیونٹی سروس کا ایوارڈ، یونائیٹڈ انٹرنیشنل کمیونٹی فورم سے بہترین کمیونٹی سروس اور تھرڈ ورلڈ سیلڈیرٹی یو کے سے کمیونٹی پیپر آف دی ایئر کا ایوارڈ حاصل کر کے اپنے آپ کو منوایا۔

چند برسوں میں عطاالحق صاحب نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان نیک نیتی اور خلوص سے کام کرے تو خدا کی مدد اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔ آج ان کا اخبار یورپ کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اخبار ہے اور روز بروز اس کی تعداد اور ضخامت بڑھتی جاتی ہے۔ کسی اخبار کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ضخامت اس کی ترقی کی نشانی ہوتی ہے۔ عطاالحق جہاں ایک کامیاب و معروف صحافی ہیں بہترین کالم نگار ہیں وہاں وہ بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔ اور کبھی کبھی مشاعروں میں اپنی شاعری کا جادو جگاتے ہیں، ''صدائے حق'' ان کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس میں انہوں نے اپنی برسوں کی محنت کو یکجا کر کے دنیائے ادب کو پیش کیا ہے۔

انہیں اپنے وطن سے گہری محبت ہے جس کا ثبوت ان کے ہر ہفتے کا کالم بھی ہوتا ہے وہ موجودہ حکومتی سربراہوں سے مطمئن نہیں ہیں انہیں گلہ ہے کہ قائد اعظم نے جس پاکستان کی بنیاد رکھی تھی اور جو خواب اقبال نے دیکھا تھا اسے ہم نے پورا نہیں کیا۔ ان کی نظم ''اے قائد اعظم ۔۔ ہم شرمندہ ہیں'' ہر محبِ وطن کو شرمندہ کر دیتی ہے اور سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ جو افکار ہمیں ہمارے قائد نے دیئے وہ ہم نے بھلا کر نہ صرف یہ کہ اپنے قائد کے ساتھ بلکہ اپنے وطن کے ساتھ بھی بے وفائی کے مرتکب ہوئے

اُسلوب جو تھے تیرے اُن کو نہیں اپنایا گلشن کو ترے ہم نے پھولوں سے نہ مہکایا

افسوس ترے ہم نے اسباق بھلا ڈالے دامن میں محبت کے ہیں سانپ بہت پالے

عطاالحق محض دردِ ذات کا ہی خازن نہیں بلکہ دردِ کائنات کو اپنے دل میں سمونے کا ظرف بھی رکھتا ہے اور اپنے اشعار کے ذریعے اس کے اظہار و انعکاس کا وصف بھی رکھتا ہے۔ وہ اپنے قاری کو فرضی رومانی و رنگین گلیوں میں گھمانے کے بجائے حقیقی اور سنگین زندگی کی بے رحم سچائیوں کے تپتے ہوئے صحرا سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی شاعری کو آلہ کار بناتا ہے۔

روپ کے رس میں ہم ہی قلم ڈبوتے ہیں یہی سیاہی حق آخر دیوان بنے گی

وہ نہایت لطیف احساسات کے شاعر ہیں جن کے ارتعاشات نے زیرِ نظر مجموعے کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔ انہوں نے نہایت سادہ الفاظ اور سادہ پیرائے میں اپنے شعری سفر کو منفرد بنانے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا نظام تخلیق کیا ہے جو ان کا اپنا ہے۔ آج کے خودغرض اور سفاک دور میں وہ محبت کی شمعیں جلانا چاہتے ہیں اور کتنے سادہ الفاظ میں کہتے ہیں۔

خوشی کا اک بہانہ چاہتا ہوں خطوطِ غم مٹانا چاہتا ہوں

معطر جس سے ہوجائیں فضائیں میں اب وہ گیت گانا چاہتا ہوں

مجھے امید ہے کہ وہ اپنا ادبی سفر یونہی جاری رکھیں گے اور اس دیارِ غیر میں اردو کی شمع جلائے رکھیں گے۔
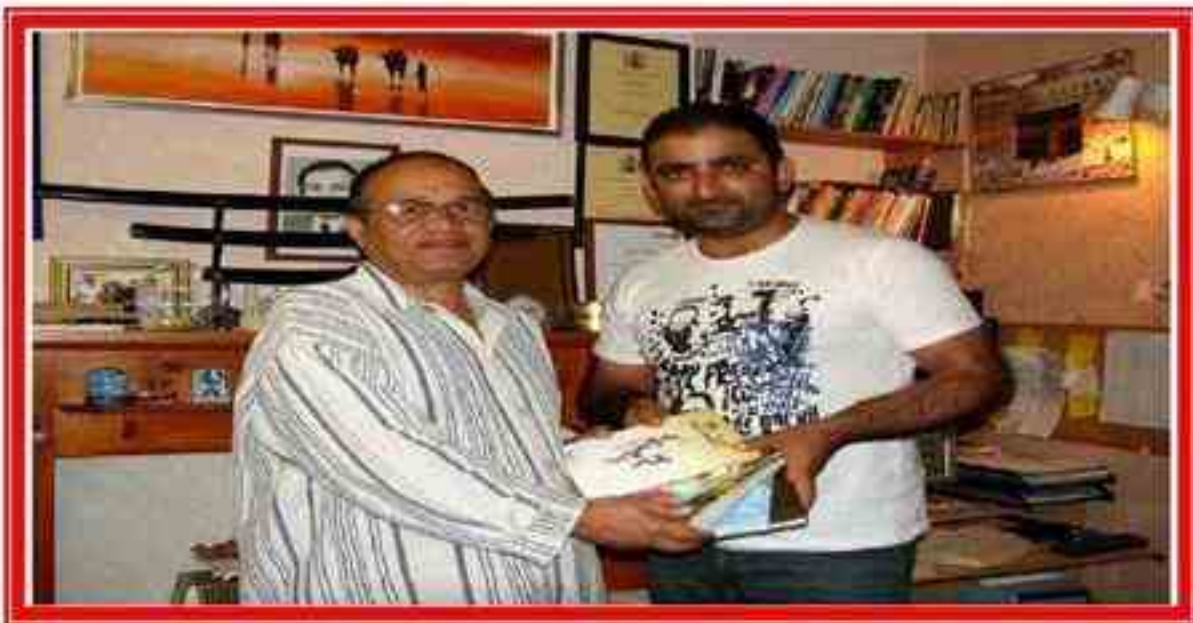
دہشت گردوں کے نام

دہشت پرستو، خوف کے، وحشت کے تاجرو
جو کر رہے ہو اُس پہ ذرا غور تو کرو
یہ خوں خرابہ کس لئے یہ قتلِ عام کیوں؟
بدنام کر رہے ہو مسلماں کا نام کیوں!
خود کش بموں سے جسم ہوا میں اڑاتے ہو
کیوں بستیوں میں آگ کے گولے گراتے ہو
کرتے ہو اُن کو قتل جو معصوم لوگ ہیں
ڈھاتے ہو ان پہ ظلم جو مغموم لوگ ہیں
لہرا رہے ہو کس لئے یہ پرچمِ ممات
کیوں ہم پہ تنگ کرتے ہو یہ عرصۂ حیات
دہشت گری سے ہوگا نہ حل مسئلہ کبھی
دے گا نہ کچھ بھی فائدہ یہ سلسلہ کبھی
دہشت گری کو دیتے ہو مذہب کا نام کیوں
اسلام کے خلاف ہے یہ وحشت و جنوں
اسلام الفتوں کا مساوات کا ہے نام
اسلام کو نہیں ہے شِقاوت سے کوئی کام
اِس خوں خرابے سے کوئی جنت نہ پائے گا
قرآں کی رو سے وہ تو جہنم میں جائے گا
اچھا نہیں ہے دہشت و وحشت کا یہ خمار
امت کو تم نے کر دیا دنیا میں شرمسار
لِللّٰہ ترک کر دو یہ ذِلت کے کام اب
رسوا کرو نہ دہر میں مسلم کا نام اب
حقؔ کی یہ التجائیں ہیں دل کے مقام سے
آ جاؤ باز خواری و ذلت کے کام سے

❁

ایک بے درد کو پانے کے لئے کیا نہ کیا
موم پتھر کو بنانے کے لئے کیا نہ کیا
دیکھا تھا خواب سہانا جو کبھی آنکھوں نے
اُس کی تعبیر کو لانے کے لئے کیا نہ کیا
کتنے اشعار لکھے کاغذ پہ مٹائے بھی گئے
ہم نے لفظوں کو سجانے کے لئے کیا نہ کیا
ہم کو معلوم تھا صحبت کا اثر ہوتا ہے
فاصلہ تجھ سے بڑھانے کے لئے کیا نہ کیا
جان کی بازی لگائی ہے کسی کی خاطر
ہم نے وعدوں کو نبھانے کے لئے کیا نہ کیا
دل کے اجڑے ہوئے ویران چمن میں ہم نے
خواب جنت کے سجانے کے لئے کیا نہ کیا
دشتِ دل میں جو ترے حسن سے آتش بھڑکی
اس کو اک شعلہ بنانے کے لئے کیا نہ کیا
رات تجھ پر مرا حقؔ تھا تجھے بھی میں نے
چاند تاروں سے سجانے کے لئے کیا نہ کیا

۞

وہ ہے سجاد مگر سر کو اٹھائے رکھے
اپنے واعِظ کی نصیحت کو چھپائے رکھے
تو وہ ہے بے درد، مجھے دل سے بھلائے رکھے
دل مرا پھر بھی ترے ناز اٹھائے رکھے
جب ترے خواب کی آغوش میں سو جاتا ہوں
اس کی تعبیر ہی امید جگائے رکھے
مجھ کو الفت ہے زمانے کی ادا سے لیکن
یہی اک اس کی ادا دل کو ستائے رکھے
ہم پہ اے رنگ محبت کے چڑھانے والو!
تم نے کیوں راز وفاؤں کے چھپائے رکھے!
تم نے تاریک کیا عشق کی راہوں کو مگر
ہم نے بھی دیپ سرِ بام جلائے رکھے
سات افلاک ترے سات ہی رنگ الفت کے
ہم نے ساتوں ہی محبت پہ چڑھائے رکھے
ہم اُسے کیسے محبت کا طرفدار کہیں!
حقؔ کو جو چھوڑ کے یادوں میں پرائے رکھے!!
ہے یہ سرکارؐ کا امت سے تقاضا اپنی!
سر پہ اِخلاص کی دستار سجائے رکھے!

۞

فلک پر رقص میں آیا دھواں ہے، جاگتے رہنا
کہ بستی میں یہ خطرے کا نشاں ہے جاگتے رہنا
ہوائیں چل پڑی ہیں گرم، جھلسانے کو یہ گلشن
پھر اس کی تاک میں دورِ خزاں ہے، جاگے رہنا
زمیں اب تنگ ہوتی جارہی ہے بسنے والوں پر
مسلسل قہر ڈھاتا آسماں ہے جاگتے رہنا
ہلاکت اور بربادی کا ساماں ساتھ ہی لے کر
یہ آندھی کس طرف کو اب رواں ہے، جاگتے رہنا!
بدلتے وقت میں اب لوگ بھی ہیں بدلے بدلے سے
وہ پہلا سا حسیں موسم کہاں ہے، جاگتے رہنا
لہو کے پیاسے وحشی آ نہ جائیں شب کو بستی میں
یہاں ہر ایک کی خطرے میں جاں ہے جاگتے رہنا
صدائیں سن رہے ہو حقؔ؟ یہ اُن کی ہی دہاڑیں ہیں
یہ خونی بھیڑیوں کا کارواں ہے جاگتے رہنا

٭

کہاں کی شاعری، کیسا سخن جب تم نہیں ہوتے
نہیں بھاتی ہے مجھ کو انجمن جب تم نہیں ہوتے
تمہارے حسن سے ہوتی ہے رونق غنچہ و گل میں
خزاں میں ڈوب جاتا ہے چمن جب تم نہیں ہوتے
تمہارے دم قدم سے ہے سکونِ زندگی میرا
مرے سانسوں میں ہوتی ہے گھٹن جب تم نہیں ہوتے
غموں کی آندھیاں چلتی ہیں میرے خانۂ دل میں
مسرت اوڑھ لیتی ہے کفن جب تم نہیں ہوتے
نہ جانے کتنے ہی زخموں کو اپنے ساتھ لاتی ہے
سحر کے نور کی پہلی کرن جب تم نہیں ہوتے
مجھے تنہا سمجھ کر ورغلانے روز آتا ہے
سنہرے رنگ کا کوئی ہرن جب تم نہیں ہوتے
پہنچتا ہی نہیں اوجِ ثریا پر کسی صورت
تمہارے حقؔ کا اندازِ سخن جب تم نہیں ہوتے

٭

ٹوٹ جاؤں تو پھر بکھر جاؤں
پھر ترے ہاتھ سے سنور جاؤں
صبح نکلوں میں پنچھیوں کی طرح
شام ہوتے ہی اپنے گھر جاؤں
جان سے بڑھ کے اور کیا لے گا
اس کے کوچے میں بے خطر جاؤں
اپنے افکار کی شرابوں سے
سارے پیاسوں کے جام بھر جاؤں
یاد رکھیں مجھے جہاں والے
حقؔ کوئی کام ایسا کر جاؤں

٭

درختوں پر نشانے لگ رہے ہیں
بہاروں نے ستم کیا کیا کیئے ہیں
لہو تنہائی میں رویا ہے دل بھی
یہ سمجھے لوگ کہ آنسو بہے ہیں
فقط سچ بولنا شیوہ تھا جن کا
صلیبوں پر وہی لٹکے ہوئے ہیں
ملی ہے ان کو دائم زندگانی
جو نغمے دل کے سازوں میں ڈھلے ہیں
خوشی کی اک تمنا دل میں لے کر
ارے حقؔ تم نے کیا کیا غم سہے ہیں

Mr.Ata Muhammad Amber`

126, Leaventhorpe Lane,

Bradford BD8 0EG

Tel: 01274 880 149

عطا محمد عنبرؔ پاکستان کے شہر فیصل آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ 1942 میں میر پور، تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور انڈیا میں پیدا ہوئے پاکستان ہجرت کے بعد 1961 میں برطانیہ آ گئے اور یہاں ایک مدت کاروبار سے منسلک رہے آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ 1955 سے لکھنا شروع کیا تھا اور اردو پنجابی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ عطا محمد عنبر زود نویس شاعر ہیں، انہوں نے زیادہ تر شاعری میں لکھا ہے اور نو کتابیں لکھیں ان کے ''گھ جوڑ، غنچۂ توحید، ادائے عطا، حاسد و ناقد، شمشیر و سناں، روشنی کے چراغ، پت جھڑ، ظلمِ عظیم، شعری مجموعے منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ''پت جھڑ'' پنجابی شعری مجموعہ ہے باقی تمام اردو میں۔ آسمانِ سخن' اردو شعری مجموعہ زیر طبع ہے۔

عطا محمد عنبر طویل مدت سے بریڈفورڈ میں مقیم ہیں اور کسی زمانے میں پیپلز پارٹی بریڈفورڈ کے صدر بھی رہے ہیں۔ جب آتش جوان تھا۔۔۔ اب وہ باریش بزرگ ہیں۔ عطا محمد عنبر نہایت پختہ اسلامی ذہن کے باعمل مسلمان ہیں اور کبھی بھی اپنے عقائد کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے اپنے اسلامی اصولوں پر کسی سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔ سچے اور کھرے انسان کے اندر بلا کی اخلاقی جرات ہوتی ہے جو اسے کسی سے مرعوب نہیں ہونے دیتی۔ انہوں نے اپنے تمام شعری مجموعوں میں اسلام کے صحیح عقائد کی روشنی میں شعر کہے ہیں۔ ان کی شاعری میں دنیائے اسلام کے لئے ایک پیغام ہے ایک سبق ہے۔

''روشنی کے چراغ'' ان کی 496 صفحات کی ضخیم کتاب ہے جو ہزاروں اشعار میں صرف دس موضوعات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ عام شعرا کی طرح ہجر و صال اور خیالی محبوبہ کے گل و رخسار کے قصوں سے کاغذ

کالے نہیں کرتے ان کے کلام میں ایک صوفیانہ پن ہے وہ اپنے اشعار میں درس دیتے نظر آتے ہیں۔ آج کے جہالت ،تو ہم پرستی اور مادہ پرستی کے دور میں خاص کر برطانیہ میں رہنے والے لوگوں کو جس طرح نقلی پیر اور عامل جھوٹے جنوں کے جھانسے دے کر اور اپنی مَن گھڑت کرامات سنا کر لوٹ رہے ہیں ،وہ ڈنکے کی چوٹ پر ان کو جھوٹا مکار کہہ کر سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے چنگل سے چھڑانا چاہتے ہیں۔

ان کے شعری مجموعہ ''ادائے عطا'' میں ایک ہی ردیف میں 3333 اشعار ہیں جو ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ''شمشیر وسناں'' بھی 466 صفحات میں پھیلی ہوئی سینکڑوں نظموں پر مشتمل کتاب ہے جس میں نظموں کی فہرست نہیں دی گئی مگر ان سب کا موضوع عطا محمد عنبر کی اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ سچی محبت کا روشن ثبوت ہے۔انہوں نے ایک تبلیغی انداز میں روزمرہ زندگی کے اصولوں کو شعری زبان دی ہے اپنی ان نظموں میں نعت کے اشعار کو پھولوں کی طرح پرو کر انہوں نے ان میں عجیب سا سرور بھر دیا ہے اس مجموعہ میں بے شمار نعتیں بھی شامل ہیں مگر عام نظموں میں بھی آپ ﷺ کی محبت جگہ جگہ خوشبو بکھیرتی نظر آتی ہے بلاشبہ یہ اللہ کی ہی دین ہے۔

خدا کی دین ہے اپنا تو اس میں کچھ نہیں عنبرؔ
خدا کا شکر کرتے ہیں خدا کی بات کرتے ہیں

بریڈفورڈ جیسے شہر میں رہ کر بھی جہاں ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی مقیم ہیں بلکہ اس شہر کو چھوٹا پاکستان کہا جاتا ہے مگر عطا محمد عنبر کو اکثر مشاعروں میں بلانے سے گریز کیا جاتا ہے۔جس کی اہم اور اصل وجہ ان کا اپنے سچے دین پر کاربند ہونا اور کبھی کسی منکرِ دین یا 'ترقی پسند' شاعروں کی اللہ اور رسول کے خلاف بات نہ سننا ہے بلکہ ایک مشاعرے میں تو لندن کے ایک بے دین شاعر نے یہ کہہ دیا کہ میں اللہ کے رسول کو تو مانتا ہوں مگر (نعوذ باللہ) اللہ کو نہیں مانتا تو وہاں عطا محمد عنبر نے اس شاعر کے وہ لتے لئے کہ پوری محفل ہی منتشر ہوگئی۔اب مسئلہ منافقت کا ہے کہ ہمارے اندر اتنی اخلاقی جرات نہیں ہے کہ کسی کی غلط بات کو اعلانیہ غلط کہیں اس کی نفی کریں۔بڑے بڑے علماء اور دانشور سر ہلا کر خاموش ہو جاتے ہیں مگر ہمارا سچا اور کھرا، باعمل مسلمان شاعر ایسی منافقانہ روش ہرگز برداشت نہیں کرتا۔کسی محفل بھی محفل

میں کسی نے دین کے خلاف کوئی بات کہہ دی تو پھر اس کا وہ آخری مشاعرہ ہوگا۔مگر انہیں ایسے مشاعروں اور ادبی محفلوں کی قطعی کوئی ضرورت نہیں نہ ہی وہ ان کے کبھی محتاج رہے ہیں وہ اپنا کام اپنے قلم سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔انہوں نے نو کتابیں لکھیں اور کبھی انہیں بیچنے اور قیمت پوری کرنے کا نہیں سوچا بلکہ پڑھنے والوں کو جیب سے ڈاک خرچ لگا کر بھیجتے ہیں کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سچے دین کی تبلیغ اپنے اشعار کی زبانی کرر ہا ہوں لہذا میں چاہتا ہوں کہ لوگ انہیں پڑھیں ان سے استفادہ کریں اپنے ایمان کو اور عقیدے کو درست کریں۔وہ لکھتے ہیں کہ،

نقلی پیروں نقلی ولیوں سے بچائے رب ہمیں ؎ گھیر بیٹھے ہیں یہ ٹھگ کیوں اصلی ولیوں کی جگہ

انتہا تک آ گئی ہیں ان کی بدعنوانیاں ؎ اُگ رہے ہیں کانٹے ہی کانٹے گلابوں کی جگہ

انہوں نے کمال محبت سے مجھے اپنی پانچ کتابیں پوسٹ کی ہیں جنہیں پڑھ کر میں ان کے جذبات کو سمجھتا ہوں ۔ میں محترم عطا محمد عنبر کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے عام شعرا کی طرح خیالی گھوڑے نہیں دوڑائے کسی کی بہن بیٹی کے جھوٹے عشق میں شعر نہیں کہے نہ کسی کے گل رخسار اور گیسوؤں پر نظمیں غزلیں لکھیں، بلکہ انہوں نے اپنے رب کے احکامات کو بیان کیا ہے،اپنے رسول پاک ﷺ کی شان میں نعتیں لکھ کر اپنے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔

جس جس کو بھی ہے قُربِ الٰہی کی تمنا ؎ احمدؐ کی طرف آئے وہ اوروں کو بھلا کر

اپنے رب کا قصیدہ لکھا اپنے رب کی بڑائی بیان کی اپنے رب کی حمد لکھی اور اپنے رب کے احکامات و پیغامات کو لوگوں تک اپنے اشعار کی زبانی پہنچایا۔دعا ہے کہ وہ اسی طرح لکھتے رہیں اور ان کے قلم میں مزید برکت ہو۔۔آمین

ندائے حق

وقت ہے اب بھی ندائے حق سنو لوگو
اپنے خدا کے غضب سے نت ڈرو لوگو

رک رہو باطل پرستی شرک ہے بھاری
عیب ہے شرک و ریا تو مت کرو لوگو

نفس تمنا پرستی پر جو ہے مائل
نفس کی پوری تمنا مت کرو لوگو

زندہ ہیں وہ جو کٹ گئے حق کی وفا میں
ڈٹ کے لڑو حق کی رہ میں کٹ مرو لوگو

مومنوں عنبرؔ کے ساتھ ساتھ چلو تم
میں سدا سچ کہتا ہوں نہ شک کرو لوگو

دل

دل ٹھیک ہو تو عقل کی قسمت سنوار دے
گندہ اگر ہو کر اسے وہ تار تار دے

دل کی لگی تو عقل کے روکے نہ رک سکے
ہر چند یہ دلیلیں اُسے بے شمار دے

عقلِ سلیم اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر
ایسا نہ ہو کہ دل اُسے دل سے اتار دے

دل کا معاملہ ہے ذرا ہوش چاہیے
عنبرؔ بگڑ گیا تو نہ پھر یہ قرار دے

❁

بتوں کو ماننے والا اَحد سے دور ہوتا ہے
اَحد کو ماننے والا بشر مبرور ہوتا ہے

ہے مُضمر لاالہٰ میں دو جہانوں کی بھلائی ہے
سکینت ہوتی ہے نازل تو دل مسرور ہوتا ہے

کہاں محروم رہتا ہے صمد سے مانگنے والا
گداگر کو وہ کیا دے گا جو خود مجبور ہوتا ہے

تہہ دل سے زباں سے لا الہٰ جو برملا کہہ دے
بھلے کتنا ہی گہرا ہو دلدّر دور ہوتا ہے

بتوں کی پاسداری کرنے والو حیف ہے تم پر
سہارا کذب کا واللہ بہت رنجور ہوتا ہے

جڑا ہے عرش سے اسمِ محمدؐ مرحبا عنبرؔ
جو جتنا اونچا جائے اتنا ہی مشہور ہوتا ہے

❁

ہے مکے مدینے کا رب ایک ہے
ہمارے سفینے کا رب ایک ہے

اُسی سے ہیں آباد سب بستیاں
اُسی کی ہیں اونچائیاں، پستیاں

سوالوں جوابوں کا مالک ہے وہ
کتابوں حسابوں کا مالک ہے وہ

وہ سورج کی کرنوں کا مالک ہے وہ
وہ پانی کے جھرنوں کا مالک ہے وہ

ازل کا ابد کا خدا ایک ہے
بلد نابلد کا خدا ایک ہے

ندی نالے سب کا خدا ایک ہے
اطے لالے سب کا خدا ایک ہے

قطعات

مرنا پڑے گا دوستو ہر اِک بشر کو
بالکل عیاں ہے بات یہ بالا فریب سے
یہ موت تو حیات کے سر پر سوار ہے
ہر زِندگانی موت کو دیکھے قریب سے

غم پہ غم میرے گناہوں کا نتیجہ ہی سہی
رحم تیرا بالا تر ہے اے خُدا عصیان سے
کر اندھیرا دُور یا رب ہُوں مُصیبت میں پڑا
خوار نہ کر دیں کہیں یہ وسوسے اِبلیس کے

تیری بھی کیا مجال تھی دُنیا میں اے عطاؔ
اِن حاسدوں کے بُغض نے کُندن بنا دیا
یہ شاعری بھی خُوب ہے عنبرؔ کی دوستو
کہ دُشمنوں پہ رُعب بھی رب نے بٹھا دیا

اِرتقا کی ساری راہیں بند کر کے ظالمو
پُوچھتے ہو اِرتقا کی منزلیں کیا ہو گئیں
منفعت کی ساری قِسمیں لاالہٰ کے زیر ہیں
تارکِ قُرآن قومیں ظُلمتوں میں کھو گئیں

قطعات

ترسِ بُتاں مُحال ہے عنبرؔ کے واسطے
ڈرنا خُدا کی ذات سے مومن کو راس ہے
ہم نے نبیؐ کی بات کو مانا ہے دوستو
مُنکر نبیؐ کا حشر سے بالکل نراس ہے

مرنا پڑے گا دوستو ہر اِک بشر کو
بالکل عیاں ہے بات یہ بالا فریب سے
یہ موت تو حیات کے سر پر سوار ہے
ہر زِندگانی موت کو دیکھے قریب سے

اپنے سروں پہ نُور کا سایہ ہے مومنو
دائم رسُولِؐ پاک سے پائی ہے روشنی
رُقعے ہمارے نام کے آتے ہیں خُلد سے
عنبرؔ خُدا سے خُوب نبھائی ہے دوستی

پروفیسر عقیل دانش

Mr. Aqil Danish,

63,Windermere Ave., Wembley

HA9 8QU

Tell: 02089041489

عقیل دانش کا کراچی سے تعلق ہے برطانیہ میں وہ آئے اور لندن ہی میں سکونت اختیار کی۔

عقیل دانش برطانیہ کے ہی نہیں پاکستان کے ممتاز شاعر و ادیب ہیں اور اپنے طویل ادبی سفر میں اتنے سارے کام کر چکے ہیں جن کی لسٹ کافی طویل ہے آپ شاعر، ادیب ناقد، براڈ کاسٹر اور استاد ہیں۔ آپ کے ہفت روزہ کالم جنگ کراچی، لندن اور اردو ٹائمز نیویارک اور اردو لنک لاس اینجلس میں ''رسائی دل تک'' اور ''جہان فکر کے عنوان سے شائع ہوتے رہے۔ اسی طرح جنگ لندن اور نیشن لندن میں کئی سال تک قطعہ لکھتے رہے۔ روزنامہ جنگ لندن میں ۱۰۰ اسباق کا ایک سلسلہ ''اردو پڑھئے اردو بولئے'' بہت مقبول ہوا۔ شعبہ اردو لندن یونیورسٹی میں اور ساؤتھ فیلڈز کالج میں اردو کے استاد ہیں۔ لندن یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی کے متعدد اردو امتحانات سے وابستہ ہیں۔ برینٹ کونسل میں کئی برس تک ایجوکیشن کمیٹی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ ادبی تنظیم ''انجمن'' اور حلقۂ فکرِ اقبال کے اعزازی معتمد ہیں اس کے علاوہ نعتوں کا آڈیو کیسٹ ''اجالا'' بہت مقبول ہوا۔ حال ہی میں ان کا پہلا شعری مجموعہ ''پیرائیہ اظہار'' منصۂ مشہود پر آ کر پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ لندن کے اکثر بڑے مشاعروں میں آپ کو نظامت کے فرائض سونپے جاتے ہیں، ان کی نظامت کا انداز بڑا انوکھا ہوتا ہے وہ اپنی نظامت کے دوران شعرا کو بلاتے ہوئے اپنے حافظے سے ایسے ایسے اعلیٰ اشعار سنا کر سامعین پر سحر طاری کر دیتے ہیں کہ آنے والا شاعر اپنی شاعری بھول جائے۔۔!!

غزل کو حاصلِ صدا اعتبار کرتے رہو　　　　جو ہو سکے تو زمانے سے پیار کرتے رہو

عقیل دانش نے ہمیشہ محبت کا پیغام دیا ہے اور محبتیں بانٹی ہیں۔ ان کا لہجہ، انداز اپنا ہے، چونکہ وہ ایک کامیاب کالم نگار ہیں اور حالات حاضرہ پر ان کی کڑی نظر رہتی ہے لہذا ان کی شاعری میں بھی حالات حاضرہ کا رنگ ہوتا ہے۔

وہ لوگ قوموں کا ہے خون جن کی گردن پر
نگاہِ خلق میں وہ آج بھی مہذب ہیں

ان کی تحریر میں شمشیر جیسی کاٹ ہے وہ بڑے سادہ الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ دیتے ہیں۔

تاریخ ہے شاہد کہ ہر اک حاکمِ خودسر
بدلا نہیں جب تک اسے مل کر نہیں بدلا

اپنی بے پناہ علمی مصروفیت کے باوجود عقیل دانش مشاعروں میں دور دور تک شرکت کرتے ہیں اور اپنے سچے کھرے اور خوبصورت اشعار سے سامعین کو اپنے اندازِ حصار کی گرفت میں رکھتے ہیں۔ ان کے ذہن میں اشعار کا بہت بڑا خزانہ موجود ہے جو اپنے نظامت کے دوران بڑے ہنر کے ساتھ اپنی باتوں کی مالا میں پرو کر اپنی نظامت کو سخن کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اسی لئے انہیں بڑے بڑے مشاعرے میں نظامت کے فرائض سونپے جاتے ہیں۔

وہ موجودہ دور کی نمائندگی کرتے ہیں انہوں نے جھوٹی روایات کے بجائے مثبت قدروں سے رشتہ جوڑا ہے اور جاندار روائتوں کی پاسداری کی ہے، شعری اور ادبی لب و لہجہ کے اعتبار سے عقیل بھائی ایک نمائندہ شاعر ہیں۔ گو مجھے ان کا مجموعہ کلام نہیں مل سکا مگر ان کے بھیجے ہوئے اشعار میں ان کے خیالات و احساسات کی نزاکتیں اور لطافتیں ان کے متخیلہ کا انداز ان کی فکر کی گہرائیوں اور وسعتوں میں یکجا ہو کر ایک کلیت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کا مجموعہ کلام دنیائے ادب میں پذیرائی حاصل کرے، آمین

لندن، پاکستان اور امریکہ کے اخبارات میں مسلسل کالم نگاری کے علاوہ جو ایک کل وقتی کام ہے کے علاوہ کالج، یونیورسٹی کے لیول تک پڑھانا، لندن اور کیمبرج یونیورسٹی کے اردو امتحانات جیسے ذمہ

دارانہ کام عقیل دانش جیسے ہی اعلیٰ قابلیت کے حامل اور ذمہ دار شخص کر سکتے ہیں جس پر ہم لندن والوں کو بہت بڑا ناز ہے۔اور جو ایک خاص بات میں نے محسوس کی کہ اتنی علمی قابلیت کے باوجود عقیل بھائی میں کوئی غرور ان کے لب ولہجہ میں ان کی باتوں میں کہیں بھی کسی گھمنڈ تکبر کا شائبہ تک نہیں ہوتا وہ نہایت میٹھے لہجے اور انکساری کے ساتھ بات کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر دل میں دھڑکتے ہیں اور ہر چھوٹا بڑا ان کی عزت کرتا ہے۔انہوں نے شعرا وادباء کی کتابوں پر بے شمار مضامین بھی لکھے ہیں اور ہمیشہ نئے شعرا وادباء کی حوصلہ افزائی کی ہے۔لندن میں ان کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے۔اکثر وہ اپنا کلام بڑے خوبصورت ترنم سے سناتے ہیں جسے سن کر ہال واہ واہ کے شور سے گونج اٹھتا ہے۔

انہیں ان کی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں تمغۂ بابائے اردو کراچی یونیورسٹی اور تمغۂ اقبال حکومت پاکستان کی طرف سے بھی دیا گیا۔

پاکستان میں اکثر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ برطانیہ میں صرف وہی پاکستانی آباد ہیں جو محض مزدوری کرتے ہیں اور ان کی اکثریت ناخواندہ ہے۔گو ابتدا میں ایسے لوگ ضرور آئے جو صرف مزدور ہی تھے مگر آج الحمدُ للہ بے شمار ایسے لوگ ہیں عقیل بھائی کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور یہاں بھی نئی نسل کو علم کے زیور سے آراستہ کر رہے ہیں۔آج ہسپتالوں ،کالجوں اور اسکولوں میں بلکہ یونیورسٹیوں تک میں اعلیٰ پیمانے پر اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہماری نئی نسل بھی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو کر مختلف شعبوں میں اونچے مقامات پر فائز اپنے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔

پروفیسر عقیل دانش کے بارے میں معروف شاعر منوّر احمد کنڈے کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

شعرائے اکیسویں صدی کے وہ سرتاج

کریں منوّر شان سے شعرستاں پہ راج

خوشی کے رنج کے آثار کم نہیں ہوں گے
یہ اور بات ہے دنیا میں ہم نہیں ہوں گے

ہمیں یقیں ہے کہ ہم پر ستم تمام ہوئے
ہمارے بعد کسی پر ستم نہیں ہوں گے

دلوں کا خون فراہم کرو چراغوں میں
کہ یوں اندھیرے کے آثار کم نہیں ہوں گے

جو مسئلے غمِ جاناں سے پرورش پائیں
وہ مسئلے غمِ دوراں میں ضم نہیں ہوں گے

یہ چار تنکے نشیمن کے چن رکھو دانشؔ
یہ چار تنکے بھی شاہد بہم نہیں ہوں گے

پھول میں جو سرخی ہے میرے دل کے خوں کی ہے
اور ہواؤں میں شورش سب مرے جنوں کی ہے

یہ نہ ہو تو بس انساں برف ہو کے رہ جائے
زندگی میں سب گرمی ذات کے فسوں کی ہے

ہم بھی وقت کا تیشہ جھیلتے رہے سر پر
دوستو! روایت یہ کوہ بے ستوں کی ہے

ہم جو زر کو چھو بھی دیں خاک ہو کے رہ جائے
اک جھلک یہ ہلکی سی بخت واژگوں کی ہے

حرف و صورت سے رشتہ زور و زر نہیں ہوتا
بات صرف یہ دانشؔ روح کے سکوں کی ہے

غزل کو حامل صد اعتبار کرتے رہو
جو ہو سکے تو زمانے سے پیار کرتے رہو

ستم کی رات کو تاریخ کے حوالے کرو
پھر اس کے بعد سے لمحے شمار کرتے رہو

زبانِ شعر کو تلوار کی صفت دے کر
لباسِ ظلم و ستم تار تار کرتے رہو

کبھی کبھی تو روایت بھی لطف دیتی ہے
غزل میں تذکرۂ گلفراز کرتے رہو

حصولِ دیدہ و دانش یہاں خطا ٹھہرا
یہی خطا ہے تو پھر بار بار کرتے رہو

مختلف اشعار

بچے بد بھی ہوں تو سینے سے لگا لیتی ہے
ماں کے انداز میں اندازِ خدا ملتا ہے

☆☆

اُن کے دامن کا واسطہ دے کر
آندھیوں میں چراغ رکھ دینا

☆☆

جانے کب ہوگی زمانے میں غزل کی پرسش
کوندتی پھرتی ہے آفاق میں تلوار ابھی

☆☆

شکستہ قلب ، شکستہ نظر سہی لیکن
کئی امیدیں اس آدمی سے آج بھی ہیں

☆☆

ستم کی رات کو تاریخ کے حوالے کرو
پھر اُس کے بعد سے لمحے شمار کرتے رہو

☆☆

شہر میں صرف مرا دل ہی کشادہ پایا
جتنے طوفان چلے میرے مکاں تک پہنچے

مختلف اشعار

مصلحت خاموشیوں کی بھی بتا سکتے نہیں
ہم ہیں گونگے خواب دیکھیں تو سنا سکتے نہیں

☆ ☆

جو خونِ دل کو جلاؤ تو میرے ساتھ چلو
کہ دور دور کہیں راہ میں چراغ نہیں

☆ ☆

پھول میں جو سرخی ہے میرے دل کے خوں کی ہے
اور ہواؤں میں شورش سب مرے جنوں کی ہے

☆ ☆

پھر لے لیا خوشبو نے مجھے اپنی اماں میں
پھر کُھل گئے یادوں کے دریچے دل و جاں میں

☆ ☆ ☆

اس دور میں اور عرضِ ہنر سوچو تو
کاندھے سے اُتر سکتا ہے سر سوچو تو

☆ ☆

تمہاری یاد ، غمِ روزگار ، دل کا لہو
میں شعر کہنے کو یہ اہتمام کرتا ہوں

مختلف اشعار

جنوں نے کتنے چراغوں کو روشنی بخشی
ہزار فتنے مگر آگہی سے آج بھی ہیں

☆ ☆

وہ کہ بیچا کیے ضمیر سدا
اور ہم قیدیِ ضمیر ہوئے

☆ ☆

زندگی ہم نے گزاری صرف اپنے واسطے
زندگی سے ہم بھی نظر نہیں ملا سکتے

☆ ☆

کتنے سوال سب کی نگاہوں میں رکھ دیئے
گھر کے چراغ ہم نے ہواؤں میں رکھ دیئے

☆ ☆

ہم روتے یہ سوچ کے پانی آگ بجھاتا ہے
اشکوں نے تو لیکن دل میں آگ لگائی ہے

☆ ☆

کہاں ہے گردشِ ایام دیکھ ہم ہیں وہ لوگ
کہ ٹوٹ جائیں مگر سر کو اپنے خم نہ کریں

ڈاکٹر عمران مشتاق

Dr. Imran Mushtaq,

3,Brocke Place,Cawston, Rugby

CV22 7GX England

Tel: 01788 816960 Mob: 07940520483

E.Mail: imranmushtaq@doctors.dvg.uk

ڈاکٹر عمران مشتاق صاحب 1997ء میں برطانیہ آئے وہ شعبہ طب سے وابستہ ہیں۔کنسلٹنٹ چائیلڈ سائیکاٹرسٹ ہیں اور یہاں مقامی ہسپتال میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جھنگ پاکستان سے تعلق ہے۔شاعری بھی لکھتے ہیں مگر اصل میدان نثر کا ہے جس میں بے شمار لکھا ہے۔پہلی کہانی بچوں کے رسالے میں 1973 میں شائع ہوئی ۔اپنی میڈیکل مصرفیات کے باوجود ادب کی آبیاری میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا پہلا افسانوں کا مجموعہ 2006 میں ''چہرہ در چہرہ'' کے نام سے آیا جس نے انہیں برطانیہ کے بہترین افسانوں نگاروں میں شمار کردیا ۔ ڈاکٹر صاحب برطانیہ کے ان چند افسانوں نگاروں میں شامل ہیں جونہایت خوبصورتی کے ساتھ مختصر افسانہ (افسانچہ) لکھتے ہیں جسے پڑھ کر قاری مکمل کہانی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر ان کا رجحان بچوں کی کہانیوں کی طرف ہوا۔وہ کہتے ہیں کہ ہماری نئی نسل کے لئے یہاں کوئی بھی اچھی کہانی نہیں لکھ رہا جو بچوں کی ذہنی نشو ونما کرے۔لہذا انہوں نے جب چند کہانیاں لکھ کر پاکستان کے معروف بچوں کے رسائل کو بھجیں تو بے حد پسند کی گئیں ۔لہذا نہوں نے 2007 میں ''دھنک کے رنگ'' کتاب شائع کی جس میں بچوں کی کہانیاں تھیں یہ کتاب پاکستان کے بچوں میں اس قدر پسند کی گئی کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ادبی توجہ اسی طرف مائل کردی اور 2010 میں ان کی دوسری کتاب'' آخری راز' اور اگلے برس ان کی تیسری کتاب 'پاکستان کہانی'' نے بچوں میں ہلچل مچادی انہیں سینکڑوں پسندیدگی کے خطوط ملے اور بچوں کے رسائل نے ان کی کہانیوں کو شائع کرنا شروع کردیا۔ ماہنامہ '' آنکھ مچولی نے 1993 میں انہیں بچوں کا بہترین کہانی کار کا ایوارڈ

دیا۔ دعویٰ اکیڈیمی نے 2007 میں ''دھنک کے رنگ'' کو بچوں کی بہترین کتاب کا ایوارڈ دیا اور بیس ہزار کے نقد انعام سے بھی نوازا۔ ان کی دوسری کتاب ''آخری راز'' کو بھی دعویٰ اکیڈیمی نے ایوارڈ سے نوازا اور ان کی تیسری کتاب ''پاکستان کہانی'' پر نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نے 2011.12 کی بہترین کتاب کا پہلا انعام مبلغ چالیس ہزار روپے دیئے۔ اس کے علاوہ آپکو القلم ایوارڈ (ماہنامہ کرن کرن روشنی ملتان 2011 میں دیا۔ ساتھی رائٹر ایوارڈ (ماہنامہ ساتھی کراچی 2011) تعمیر ادب تعریفی سند (ماہنامہ تعمیر ادب کراچی نے 2011۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے تعریفی سند 2005 میں دی تھی۔ ڈاکٹر عمران مشتاق کا برطانیہ میں رہ کر اپنے طبی پیشے کی بے حد مصروفیت کے باوجود بچوں کی اچھی نشو نما کے حصول کے لئے خوبصورت کہانیاں لکھنا جنہیں پاکستان میں اس قدر پذیرائی حاصل ہوئی یہ ہمارے لئے باعث فخر ہے، برطانیہ میں اردو ادب بہت تیزی کے ساتھ پھل پھول رہا ہے اور خاص کر نظم پر بہت کام ہوا ہے مگر نثر میں لکھنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جن میں ڈاکٹر عمران مشتاق صاحب واحد قلمکار ہیں جنہوں نے بچوں کی کہانیوں پر کام کیا اور خوب کیا۔ ان کا دوسرا افسانوں کا مجموعہ بھی زیر اشاعت ہے اور ادب اطفال میں ''انوکھا مقابلہ'' بھی متوقع ہے جو یقیناً ان کی پہلی کتابوں کی طرح انعام حاصل کرے گی۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی ہونہار بیٹی بھی مصوری کے ساتھ ساتھ لکھنے میں بھی انعام حاصل کر چکی ہے۔

2006 میں جو ان کا پہلا افسانوں کا مجموعہ منظر عام پر آیا تو ہندو پاک کے ساتھ برطانیہ و یورپ کے نثر نگاروں نے بہت پسند کیا۔ وہ بہترین کہانی کار ہیں اور ڈاکٹر عمران مشتاق کی تحریروں کی خصوصیت اختصار نویسی کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں حقیقت نگاری بھی ہے جو قاری کو کہانی کے اختتام تک اپنی جکڑ میں رکھتی ہے۔

ڈاکٹر عمران مشتاق چونکہ پیشے سے ایک ڈاکٹر ہیں اور بے حد مصروف زندگی گزارتے ہیں۔ وہ جب بھی گھر آتے ہیں اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر اسی دنیا میں جا پہنچتے ہیں جہاں وہ اپنی منشا کے مطابق اپنی اس کمی کو پورا کرتے ہیں جو عام عملی زندگی میں کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہوتی۔۔۔ وہ کردار تخلیق

کرتے ہیں اور معاشرے کی برائیوں اچھائیوں کو اپنے قلم کے ذریعے اپنے تجربے، مشاہدے اور قابلیت کے مطابق حل کرنے کی کوشش میں ایک قلمی دنیا آباد کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک خوبصورت ادب کی تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے جو آج ان کے پہلے مجموعے ''چہرہ در چہرہ'' کی شکل میں ادبی دنیا میں بے حد پسند کیا گیا اور اسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔۔

کوئی بھی کہانی لکھنے کے لئے کہانی کا لبادہ پہن کر کرداروں کے جذبات و احساسات سمجھنے ہی نہیں پڑتے بلکہ ان کے دکھ اپنا کر ان کے زخمی جسموں کے اندر داخل ہو کر درد سہہ کر لکھنا پڑتا ہے۔۔۔اور اسکے لئے بڑا حساس دل نازک جذبات قلم کی روانی الفاظ کا ذخیرہ وقت کی فراوانی گھر، بچوں، دوستوں اور زندگی کے بے شمار لوازمات کی قربانی ناگزیر ہے اور ہمارے ڈاکٹر صاحب ان تمام قربانیوں کے دے کر ہی ایک ایسا ادب تخلیق کر رہے ہیں جو نہ صرف بڑوں کے لئے بلکہ چھوٹوں کے لئے بھی کارآمد ہے اور وہ اس سے پوری طرح مستفید ہو رہے ہیں۔

یہاں اکثر لوگ ریٹائیرڈ ہو کر لکھنا شروع کرتے ہیں مگر ڈاکٹر عمران مشتاق کی بے حد مصروف زندگی بلکہ عین ''پیک ٹائم'' پر اس قدر لکھنا اور باقاعدگی سے لکھنا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ان کی ہمت ہے اور ادب وسخن سے عشق ہے۔۔ اور وہ جس طرح اپنے مقدس پیشے کے ساتھ مخلص ہیں اسی طرح ادب وسخن کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کرتے ہیں اب ان کا زیادہ رجحان ادب اطفال کی طرف ہے جو نہایت اہم اور وقت کی ضرورت کے مطابق ہے جس کی طرف بہت کم قلم کار متوجہ ہیں وہ مبارک باد کے مستحق ہیں میں دلی دعا کرتا ہوں۔اللہ کرے ہوز ورِ قلم اور زیادہ ۔۔۔آمین

(2013 اگست کو ڈاکٹر عمران مشتاق صاحب مع فیملی آسٹریلیا کے شہر میں منتقل ہو گئے ہیں جہاں وہ اپنے ڈاکٹر کے شعبے میں خدمت خلق میں مصروف ہیں۔گو ان کی کمی محسوس ہوتی ہے مگر دعا ہے کہ وہ جہاں رہیں سدا خیریت سے رہیں۔۔آمین۔۔چند سال آسٹریلیا رہ کر آپ واپس برطانیہ آ گئے اور اسی شہر میں رہائش رکھی جہاں سے گئے تھے)

''معجزہ''

میاں ہر دم طعنے دیتا رہتا کہ'' کنگلے خاندان کی پیداوار جب سے اُس کی زندگی میں آئی ہے بس نحوست ہی چھا گئی ہے۔''

جب اُس کی شادی ہوئی تھی تو کہنے والوں نے یہاں تک کہا تھا کہ یہ شادی سال بھر بھی چل گئی تو کوئی معجزہ ہی ہوگا۔ معجزہ ہو گیا تھا۔ اُس کی شادی کو اب تین سال ہو چکے تھے۔ اس میں سارا کریڈٹ تو خود اُسے جاتا تھا کہ وہ شوہر، ساس، سسر اور نندوں کی باتوں کا کبھی بھی پلٹ کر جواب نہ دیتی تھی۔ زبان کو تالا لگانا کسے کہتے ہیں، یہ تو کوئی اُس سے سیکھتا۔

جانتی تھی جس معاشرے سے اُس کا تعلق ہے وہاں پہ غریب گھر کی لڑکی ہونا بھی کسی بڑے جرم سے کم نہیں۔ جب وہ اس گھر میں آئی تھی تو جہیز کے نام پہ چند زیورات، کپڑے، بستر اور معمولی سا فرنیچر ہی اُس کا نصیب بنا تھا اور اُس کی بدنصیبی بن چکا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے اُسے طعنے اور کوسنے سُننے کو ملتے کہ فقیر بھی اپنی بیٹی کو اس سے زیادہ ہی دیتے ہیں۔

میاں کا کاروبار میں گھاٹا کیا ہوا کہ یہ بھی اُسی کا قصور سمجھا گیا۔ وہ لال پیلا ہوا اور مار مار کر اُسے بھی لال کر دیا اور ہلدی کی ٹکور نے اُس کے کمزور اور پیلے بدن کو ہلدی رنگ۔

میاں کو ایک آخری اُمید نظر آئی کہ کسی طرح سے مُلک سے باہر نکل کر قسمت آزمائی جائے۔ بیوی سے اُس کے زیورات مانگے تو وہ دینے سے انکاری۔ یقین نہ آیا کہ اللہ میاں کی گائے بھی بول سکتی ہے اور انکار بھی کر سکتی ہے۔ وہ رب کا واسطہ ہی دیتی رہی مگر وہ زیورات چھین کر لے گیا۔ وہ کہتی رہی۔'' ایسا نہ کیجئے۔ غضب ہو جائے گا۔ بڑا نقصان ہوگا۔''

نقصان تو ہوا مگر صرف اُس کا۔ تین سال تک چلنے والی شادی، یہ جان کر کہ سونے کے زیورات تو بس پیتل چڑھا پانی ہی تھا، تیں منٹ میں ٹوٹ گئی تھی۔

''جادوگری''

فقیرا نام کا ہی نہیں بلکہ دھندے کے اعتبار سے بھی فقیر ہی تھا۔ پر یہ بات ہے کہ اپنے دھندے میں اُس نے بڑا نام اور مال کمایا تھا۔ فقیر برادری میں اُس کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا تھا اور اُس کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ مائیں بچوں کو اُس کے کارنامے سُنا کر اُنہیں آنے والے وقت کے لیے تیار کرتی رہتیں۔ غرض کہ وہ کامیابی کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ اور اِس سے بڑی کامیابی کیا ہوگی کہ اُس نے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے شہر کا پڑھا لکھا لڑکا ڈھونڈا تھا۔ جس نے بھی یہ سُنا کہ فقیرے نے داماد کو بھی اپنے دھندے کے لیے تیار کرلیا ہے، وہ سُن کر حیران رہ گیا۔ یہ ''جادوگری'' نہیں تھی تو اور کیا تھا؟

وہ ایسا ہی جادوگر تھا۔ اب تو اُس کی عزت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ بیٹی کو وداع کرتے ہوئے اُس کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ بیٹی چاہے فقیر کی ہو یا بادشاہ کی، باپ کو آنسوؤں کا تحفہ وقتِ رُخصت ضرور دیتی ہے۔ اِن آنسوؤں میں فقیرے کی بے بسی بھی شامل تھی۔ اُسے اپنے داماد کو جہیز میں، گلبرگ مارکیٹ کا علاقہ دینا پڑا تھا اور اب خود اُس کی آمدنی میں نمایاں فرق پڑنے والا تھا۔ اُس کے پڑھے لکھے داماد کے ایک ہی ''منتر'' نے اُسے فقیر بنا دیا تھا۔ ''جادوگری'' بھی ایسی تھی کہ وہ اِس کا ذکر خود سے کرتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔۔۔۔

رپورٹ

''بھئی! مجھے تو یقین نہیں آرہا۔ ہمارے ہاتھوں میں پلی بڑھی اور ایسی حرکت۔''

''ہاں بھئی! اب تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے تو سکینہ صاحب کا سوچ سوچ کے گہرے دکھ کا احساس ہو رہا ہے۔''

''بیچارے سکینہ صاحب! یقیناً پچھاڑیں کھا رہے ہوں گے۔''

''کوئی ایسی ویسی۔۔بس ہارٹ اٹیک ہونے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔''

''ایسے حالات میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔غیرتمند مرد تو جان پہ کھیل جاتے ہیں۔۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ غیرت مند نہیں ہیں۔۔؟''

''ایک تو تمہاری بات پکڑنے کی عادت نہیں گئی۔میں نے تو ایک عام سی بات کی تھی۔ایسے حالات میں ایسی کوئی بھی با غیر معمولی نہیں ہوتی۔جس پہ بیت رہی ہو وہی جانتا ہے۔۔''

''گھر میں مہمان لڑکی کو دیکھنے کے لئے آئے ہوں اور لڑکی گھر سے بھاگ جائے،تو ایسے باپ کا کیا حال ہوگا۔''

سکینہ صاحب نے پولیس میں رپورٹ تو ضرور درج کروائی ہوگی۔''

''یار! تم عجیب باتیں کرتے ہو۔۔ایسی باتوں کی رپورٹ بھلا کون کرواتا ہے۔۔کیا وہ اس بات کی رپورٹ درج کروائیں گے کہ ان کی بیٹی اپنی''گرل فرینڈ''کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔۔!''

سید فاروق حیدر ناداںؔ (مرحوم)

Mr. Sayyad Farooq Haider NadaN,
40,Redcliff Road East,
Croydon CR0 5QF Surrey
Tell:0203509 3649

سید فاروق حیدر ۱۶ جون ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم سید حفاظت علی عدالت میں بحثیت پیش کار ملازم تھے، میٹرک کرنے کے بعد ٹائپنگ اور شارٹ ہنڈ سیکھا اور موجودہ حالات کے پیش نظر ایک سرکاری دفتر میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۷ء تقسیم ہند کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں وزارت داخلہ میں ملازمت مل گئی۔ ۱۹۶۹ء میں انہیں پاکستان ہائی کمیشن لندن میں بھیجا گیا چند سال کے بعد جب انہیں واپس پاکستان تبادلے کا آرڈر ملا تو انہوں نے یہیں لندن میں رہائش کو پسند کیا کیونکہ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ تھا اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ایک مقامی ادارے میں ملازمت کر لی۔ آخر میں اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ ان کی اہلیہ کا انتقال جنوری ۲۰۰۸ میں ہو گیا، ان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے جب وہ تعلیم سے فارغ ہوئے تو انہیں ریڈی میڈ گارمنٹس کے کاروبار میں شامل کیا جہاں انہوں نے اپنی محنت سے اسے کافی ترقی دی جو ماشاء اللہ بہت کامیاب رہا ۔۱۹۹۰ء میں انہوں نے کاروبار ان کے حوالے کیا اور خود ریٹائیرڈ ہو گئے۔ انہی دنوں ''پاکستان سروس ایسوسی ایشن'' کی بنیاد ڈالی گئی جس کے تحت کئی برس تک نہایت کامیاب مشاعرے، پاکستان ڈے، عید میلاد النبی اور دیگر سماجی پروگرام کئے گئے جس میں لندن اور گرد و نواح کے معروف شعراء و شاعرات حصہ لیتے رہے۔

کسی کے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول کھلا دینا، اداس لوگوں کو ہنسا دینا خاص کر آج کے دور میں جب کہ ہر کوئی اپنی مشکلات اور ذہنی دباؤ کی چکی میں پس رہا ہے اور ہنسنا مسکرانا تک بھول گیا ہے اسے اپنے

سادہ اور آسان زبان کے اشعار سنا کر سارے دکھ بھلا دینا اس کے چہرے پر مسکراہٹوں کے گلاب کھلا کر اس کے دکھ اور پریشانیوں بھلا دینا بہت بڑے ثواب کا ہی نہیں بڑے معرکے کی بات ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔ لندن میں سینکڑوں شعراء و شاعرات دن رات ادب کی آبیاری میں کوشاں ہیں اور بہت اچھا ادب تخلیق ہو رہا ہے مگر مزاح بہت ہی کم لکھا جا رہا ہے۔ میں کبھی کبھی حیران ہوتا ہوں کہ کیوں ہم اپنے اوپر سنجیدگی کا خول چڑھا لیتے ہیں جو سنجیدگی کم رنجیدگی زیادہ بن جاتی ہے۔ لندن میں ہمارے دو شاعر ہیں جو صرف اور صرف مزاح لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جمال سوری اور فاروق حیدر ناداں۔ میں نے بھی بے شمار غزلیں نظمیں اردو اور پنجابی میں مزاحیہ لکھی ہیں مگر اس طرح نہیں جیسے ان دونوں حضرات نے۔ ڈاکٹر جمال سوری نظمیں لکھتے ہیں جبکہ فاروق حیدر ناداں معروف اساتذہ کے کلام کو اپنی ہنرمندی سے مزاح کے رنگ میں رنگتے ہیں۔ اکثر غالبؔ و میرؔ کے کلام کو انہوں نے اپنے مزاح کے خول میں بند کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ کئی اصل مصرعے بھی کوٹ کیے۔

ٹوٹے ہوئے پلنگ پہ سو نہ سکا تھا جو ہار کے
''دیکھو وہ جا رہا ہے شبِ غم گزار کے''

اسی طرح انہوں نے اساتذہ کی معروف غزلوں کی بحر میں اپنے مزاح کو رنگ بھرا ہے جو ان کا اپنا خاص انداز ہے۔ ان کے اس مجموعہ میں جو خاصا مختصر ہے بے شمار ایسی غزلیں ہیں جنہیں مشاعرے میں سنا کر ہمیشہ خوب داد وصول کی اور انہیں بار بار سنانے کی فرمائش کی جاتی رہی حالانکہ ان کی شخصیت نہایت سنجیدہ اور مدبّر ہے اور وہ اپنی باتوں سے قطعی مزاحیہ نہیں لگتے۔ انہوں نے پاکستان سفارت خانے میں طویل مدت تک خدمات انجام دیں، بعد میں وہ اپنے ذاتی کاروبار میں نہایت کامیاب رہے اپنے دوستوں کے ساتھ ان کی گفتگو ہمیشہ سنجیدہ رہی ہے اور اکثر نئے سننے والوں کو تعجب ہوتا جب وہ اچانک اپنی مزاحیہ شاعری سنانے لگتے۔ ان کا نہایت میٹھا نرم اور شائستہ لہجہ ہوتا ہے اور وہ اپنی شاعری کے دوران قطعاً نہیں ہنستے بلکہ دوسروں کا ہنساتے ہیں۔ جو بہت بڑی خوبی ہے۔

انہوں نے اپنے ہم قلم شعراء پر بڑے پیارے انداز میں طنز کی ہے

بتاؤ تو سہی شعراء کے بنگلے کیوں نہیں ہوتے
پھرا کرتے ہیں دیواں لئے کہ پٹواری سے لگتے ہیں
ترنم کے حوالے سے وہ یکتائے زمانہ ہیں
وہ جب اشعار پڑھتے ہیں تو بس قاری سے لگتے ہیں

وہ اپنی شاعری میں میٹھے انداز میں ہلکے پھلکے طنز و مزاح میں ایک پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

مختصر سا لباس دیکھو تو عورت عورت نظر نہیں آتی
رات کاٹے مشاعروں میں جو ایسے شوہر کا آسرا کیا ہے
بے دوپٹہ برہنہ پھرتے ہیں جو نہیں جانتے حیا کیا ہے

میں نے فاروق بھائی کے اس خوبصورت مجموعہ کلام کو کمپوز کیا جسے وہ اپنی مرضی سے کب شائع کرائیں گے یہ وہی جانتے ہیں مگر مجھے پوری امید ہے کہ اس مجموعہ کو پڑھ کر قاری کے تمام دکھ پریشانیاں مسکراہٹوں میں بدل جائیں گی اور ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

☆ ❁ ☆ ❁ ☆

٭

رقیبوں کو بلاتے ہو انہیں جھولا جھلاتے ہو
کبھی مجھ کو بلا بھیجو رقابت یوں نہیں کرتے

انہیں گھر پہ بلایا تھا چکن تکہ کھلایا تھا
دمِ رخصت لگے کہنے کہ دعوت یوں نہیں کرتے

وہ ہم سے پیار کرتے ہیں مگر انکار کرتے ہیں
میں اُن سے صاف کہہ دوں گا حقارت یوں نہیں کرتے

محبت کا میں قائل ہوں کہا نا اُن پہ مائل ہوں
فدا میں جان و دل کر دوں محبت یوں نہیں کرتے

دَمِ آخر وہ آئے تھے مگر گھبرائے شرمائے
کہا جلدی کرو ہمدم کہ رحلت یوں نہیں کرتے

درِ جاناں پہ ہم جائیں گے زخمِ دل دکھائیں گے
بھلے کہنے کو ناداں ہیں حماقت یوں نہیں کرتے

٭

وہ ہم سے پوچھنے آئے ہیں کہ شوہر کہاں ہوگا
کہا کوٹھے پہ جا کے دیکھو یقیناً وہ وہاں ہوگا

سوالِ وصل پر خوش ہوں مگر میں ہوں تذبذب میں
اشارہ تو نہیں کا ہے مگر کہتے ہیں ناں ہوگا

کہو تو ساتھ لے چلتے ہیں ہم تم کو طیارے میں
نہ گردِ راہ ہوگی اور نہ شورِ کارواں ہوگا

یہ اُردو کی جو ہے تحریک صدقہ ہے یقیں جانو
یہ محفل پھر کہاں ہوگی یہ جلسہ پھر کہاں ہوگا

تمہارے چاہنے والوں میں دانا تو بہت ہوں گے
مگر فاروق سا اِن میں کوئی ناداں کہاں ہوگا

بہت ہی مختصر سے ہیں مگر بھاری سے لگتے ہیں
بمثلِ کار سے ہیں لیکن لاری سے لگتے ہیں
سب رفتار اور نازک بدن وہ گھر میں آتے ہیں
نجانے کیوں قدم ان کے ہمیں بھاری سے لگتے ہیں
گھڑی میں چھیل چھینکے ہیں گھڑی میں کاٹ ڈالے ہیں
نجانے کیوں انہیں عشاق ترکاری سے لگتے ہیں
ہمیں پھانسا گیا ہے اس طرح دامِ محبت میں
کہ ان کے روبرو ہم لوگ درباری سے لگتے ہیں
ترنّم کے حوالے سے وہ یکتائے زمانہ ہیں
وہ جب اشعار پڑھتے ہیں تو بس قاری سے لگتے ہیں
بتاؤ تو سہی شعراء کے بنگلے کیوں نہیں ہوتے
پھرا کرتے ہیں دیواں لے کے پٹواری سے لگتے ہیں
عجب بیہودہ فیشن ہے کہ یاں مردوں کے چوٹی ہے
اگرچہ مرد ہوتے ہیں مگر ناری سے لگتے ہیں
وہ جامہ زیب ہیں ان پر ہر اک پہناوہ سجتا ہے
ہمیں گر اچھے لگتے ہیں تو بس ساڑھی سے لگتے ہیں
انہیں ہم نے لباسِ فاخرہ پہنا کے دیکھا ہے
لباسِ فاخرہ پہنے بھی پنساری سے لگتے ہیں
تکلّم میں تحکّم میں وہ گردن ٹیڑھی رکھتے ہیں
ہمیں محبوب بھی ناداںؔ سرکاری سے لگتے ہیں

شرم و حیا کا اب تو زمانہ گزر گیا
بلّی نے رستہ کاٹا یا کانا گزر گیا

میت پہ میری آ کے وہ پوچھا کیئے حضور
نانی گزر گئی یا نانا گزر گیا

پی کر رپٹ لکھانے گے تھے مرے خلاف
آیا جو ہوش ان کو تو تھانہ گزر گیا

کالج میں داخلہ کے لئے فیس میں نے دی
بیٹا وہ پیسے لے کے طوائف کے گھر گیا

پوچھا تھا حال میرا مگر سوچ کر کہا
ناداںؔ تم کو دیکھے زمانہ گزر گیا

مجھے جس دم خیال نرگسِ مستانہ آتا ہے
صراحی چومتی ہے وجد میں پیمانہ آتا ہے

بڑی مشکل سے اُن کے ہاتھ میں دستانہ آتا ہے
بہت محبوب ہوتے ہیں انہیں شرمانہ آتا ہے

ہمارے پاس وہ آتے تو ان کو رام کر لیتے
ہمیں پھسلانا آتا ہے ہمیں بہلانا آتا ہے

ہماری داستانِ غم وہ اک ساعت نہیں سنتے
عدو کی بات سنتے ہیں اُسے بہلانا آتا ہے

بہت آراستہ ہو کر وہ اپنے گھر سے نکلتے ہیں
انہیں معلوم ہے کہ اب درِ جاناناں آتا ہے

بہت نادان ہیں ناداںؔ وہ تحت الفظ پڑھتے ہیں
ترنم سے نہیں پڑھتے نہ ان کو گانا آتا ہے

مری دسترس میں ہوتا تو میں پیشکار ہوتا
کہ میں خوب لیتا رشوت اور باوقار ہوتا

غلطی یہ کی تھی غالبؔ نے مرا یقین جانو
نہ وہ قرض لے کے پیتا نہ ذلیل و خوار ہوتا

وہ جو قرض لے کے دنیا ہی کو یارو بھول جائے
ایسے آدمی پہ مجھ کو بھی نہ اعتبار ہوتا

یہ بھی خوب ہے کہ دنیا میں نہیں ہے آج غالبؔ
وہ ہمیں لگام دیتا ہمیں پر سوار ہوتا

تری شاعری میں ہر جا جو ہے ذکر میکشی کا
”تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا“

فرح ملک

Mrs.Farah Malik,

(2/2), 55 Midlock Street,

Glasgow G51 1SE Scotland

Tel: 01414270009 Mob: 07947805277

E.Mail: malikfarrah@ymail.com

فرح ملک صاحبہ کا تعارف مجھے گلاسگو کے مشہور ریڈیو 'آواز' کی معرفت ہوا، آپ طویل مدت سے ریڈیو سے منسلک ہیں اور ہفتہ وار پروگرام نشر کرتی ہیں جو مختلف موضوعات پر ہوتا ہے جس میں وہ پاکستان کے تہذیب وتمدن، علاقائی رسوم، اور شہروں کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں اس کے علاوہ انہوں نے برطانیہ کے شعراو شاعرات اور ادباء کا تعارفی سلسلہ بھی شروع کیا ہوا ہے جو بہت مقبول ہوا۔آپ اسلام آباد، پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں 2000ء میں برطانیہ آئیں۔

فرح ملک ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں انہوں نے کالج، یونیورسٹی کے مراحل طے کر کے ملکی اداروں کے ساتھ بھی وابستگی رکھی، بین الاقوامی فلاحی تنظیموں کے ساتھ بھی کام کیا، اخبارات و رسائل میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھے۔ازدواجی زندگی کے فرائض پورے کرنے کے ساتھ ساتھ ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی نثر اور شاعری دونوں میں یکساں لکھتی ہیں جو زمانہ طالب علمی سے جاری ہے۔ انہوں نے پاکستان کے بارے میں بڑی ضخیم کتب جو 1077 صفحات پر مبنی ''یادوں کا سفر پاکستان'' لکھی جو نہایت مفید ریفرنس بک کے طور پر جانی جائے گی۔اس تاریخی کتاب کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ،

''اگرچہ میں اس کتاب کو لکھنا شروع کر چکی تھی مگر جب سترہ نومبر 2004 کو پہلا پروگرام ریڈیو پر ''یادوں کا سفر'' کے نام سے شروع ہوا جو چار سال تک جاری رہا جس کی تیاری میں بے شمار کتابوں کے

مطالعے، عالمی میڈیا کے جدید ذرائع ابلاغ دے مدد گلاسگو کی تمام لائبریریوں سے متعلقہ کتب کی تلاش مختلف رسائل و میگزین مختصر یہ کہ جہاں جہاں سے بھی پاکستان کی معلومات اکٹھی ہوسکتی تھی کی گئی۔اس کتاب میں علاقائی موسیقی کا بھی ساتھ ہے۔تھرپارکی مائی بھاگی کے نغمے، چولستان میں بابا فرید کی کافیاں، میانوالی میں عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کے سائیکی گیت، یا قصور کی نور جہاں کے نغموں کے ساتھ بابا بلھے شاہ کا کلام، سندھی بلوچی اور پشتو نغموں کی لے اور رنگ اس کتاب میں بھرا ہوا ہے۔اس کے علاوہ آثارقدیمہ تاریخی عمارات ،باغات، مزارات، حسین قدرتی مناظر، دانش گاہیں، تہذیبوں کے امین عجائب گھر، جنگلات، جانور اور پرندوں کے تفصیلات موجود ہیں۔''

اسی طرح ایک کتاب انڈیا کے بارے میں ''یادوں کا سفر انڈیا'' بھی تحریر کی۔''سماع (قوالیاں) اور شعری مجموعہ ''اک لمبی جدائی'' زیر اشاعت ہیں۔ریڈیا آواز گلاسگو سے ''بہترین پیشکار'' کا ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں، گلاسگو کی یخ بستہ فضا میں اپنی بے شمار اور مسلسل ادبی سرگرمیوں سے ادب وسخن کی حرارت پیدا کرتی رہتی ہیں اور ایک طویل مدت سے ان کا یہ ادبی سفر جاری ہے۔جیسا کہ انہوں نے کہا،

یوں حالِ دل سنانے میں تو تھوڑی دیر لگتی ہے
کسی کو مہرباں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

فرح ملک کی تحریر کا ایک خاص انداز ہے ان کا تخلیقی عمل ایک طرح کا اعترافِ خودشناسی ہے جو اشعار کے نہ صرف نزول کا باعث بنتا ہے بلکہ ان کے اور قاری کے درمیان ایک قریبی، ذہنی قلبی رشتہ بھی استوار کرتا ہے۔انہوں نے مجھے اپنی چھ غزلیں اس کتاب کیلئے ارسال کی ہیں جنہیں پڑھ کر مجھے بخوبی اندازہ ہوا کہ وہ نثر کے ساتھ ساتھ شعر کہنے کی قدرت بھی رکھتی ہیں مجھے ان کے شعری مجموعہ کا انتظار رہے گا تاکہ ان کی شاعری کا مفصل جائزہ لے کر لکھا جائے گو میں کسی قسم کے تبصرے یا تنقید سے پرہیز کرتا ہوں کہ میرا اصل مقصد برطانیہ کے قلمکاروں کا تعارف ہے۔تنقید کے لئے یہاں بہت سے خود ساختہ اساتذہ لوگوں کے گرتے الف اٹھانے میں مصروف ہیں۔مگر ضرورت ہے کہ دیارِ غیر میں مقیم قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ ہمارا ادب زندہ رہے اور لکھا جاتا رہے۔

فرح ملک کا سفرنامہ ''یادوں کا سفر پاکستان'' جوانہوں نے کئی برسوں کی شبانہ محنت سے لکھا اور وطن عزیز کے بے شمار شہروں قصبوں کا خود سفر کیا تصاویر لیں اور وہاں کے رسوم ،تہذیب ،رہن سہن کا بڑی باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کر کے اسے سپردِ قلم کیا جو برطانیہ جیسے مصروف ملک میں مقیم ایک گھریلو خاتون کے لئے کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ ان کی اپنے وطن سے بے پناہ محبت کا عملی ثبوت ہے۔ورنہ ہر روز ہزاروں لوگ یہاں سے جاتے ہیں اور اپنے عزیزواقارب کے ہاں پکوان کھا کر واپس آجاتے ہیں۔۔

فرح ملک نے وقت کی ہمیشہ قدر کی ہے اور اسے عام گھریلو خواتین کی طرح صرف گھریلو ذمہ داریوں تک محدود نہیں رکھا ،بچوں کی اعلی پرورش کے ساتھ ساتھ انہوں نے قلم کے ساتھ بھی انصاف کیا ،آواز کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا ،اور ریڈیو سے محض فلمی گانوں پر ہی اپنے سامعین کا دل نہیں بہلایا انہیں اپنے ملک کی کئی برسوں تک سیر بھی کرائی اور ادبی سرگرمیوں سے بھی روشناس کیا۔

وہ ایک نہایت محنتی خاتون ہیں۔ مجھے ان کے شعری مجموعہ کا بے تابی سے انتظار ہے امید ہے وہ بھی ان کی نثر کی طرح قارئین سے پذیرائی حاصل کرے گا۔انشاءاللہ۔۔!!

۞ ۞ ۞ ۞

٭

دل کو خیالِ یار سے بہلا کے رو پڑے
ہم اپنے دل کو آپ ہی سمجھا کے رو پڑے

جانے کو کوئے یار کو بے تاب تھے بہت
اُس بُت کدے کو سامنے ہم پا کے رو پڑے

جب تھے برہنہ پا تو یہ پتھر بھی گرم تھے
یکدم ملا جو سایہ تو گھبرا کے رو پڑے

شاید وہ میری یاد سے اس درجہ تھے اداس
دیکھا انہیں جو غم زدہ سمجھا کے رو پڑے

افسانہ ان کے ہجر کا تھا بس کہ پُر الم
ہم خود بھی اہلِ بزم کو تڑپا کے رو پڑے

اس نے پلایا پیار سے جب جامِ زندگی
ساقی ہو یا خدا ہو بتلا کے رو پڑے

ساری حیات الجھنوں سے ہے بھری ہوئی
ہم ایک دو ہی الجھنیں سلجھا کے رو پڑے

جب تشنگی تھی ساتھ تو ہمت بھی ساتھ تھی
منزل جو پائی سامنے اِترا کے رو پڑے

یوں فرحؔ دل اداس ہے طغیانِ ہجر سے
بے کیف اس نگر میں حق پا کے رو پڑے

٭

بیمارِ زیست کیسی دوا دے گیا ہمیں
بس خامشی سے ایسی دعا دے گیا ہمیں

ہم اس کو کیا کہیں گے مسیحا یا ناخدا
کانٹے ہٹا کے پھول سجا دے گیا ہمیں

وہ در پہ خالی ہاتھ جب آ کر کھڑا ہوا
کیسی طلب تھی اس کی سزا دے گیا ہمیں

وہ ہاتھ کی لکیروں میں ایسا اُلجھ گیا
لب کھولنے سے پہلے دغا دے گیا ہمیں

فرحؔ نے جب خلوص سے اس کو درس دیا
وہ آپ ، تم اور تُو کا پتا دے گیا ہمیں

مجھے جانم بھلا دینا اجازت تم کو دیتی ہوں
نئی دنیا بسا لینا اجازت تم کو دیتی ہوں
کٹھن رستے اگر روکیں تیرے ان بڑھتے قدموں کو
نہ گھبرانا نہ رُک جانا اجازت تم کو دیتی ہوں
اندھیروں میں مری یادوں سے گر گھبرائے دل تیرا
تو کچھ آنسو بہا لینا اجازت تم کو دیتی ہوں
اگر بھولے سے بچے پوچھ لیں حالت مری تم سے
لبوں کو اپنے سی لینا اجازت تم کو دیتی ہوں
مری یادوں کو تحفوں میں دبا دینا جلا دینا
فضا کی نغمگی سننا اجازت تم کو دیتی ہوں
اگر بیٹھے کسی محفل میں آئے ذکر میرا بھی
تو تم انجان بن جانا اجازت تم کو دیتی ہوں
اگر پھر بھی خیال آئے کسی لمحے میرا تجھ کو
جھٹک دینا بھلا دینا اجازت تم کو دیتی ہوں
میں اپنے خالی ان ہاتھوں سے گر چھوڑوں تیرا دامن
کھِلے پھولوں کو چُن لینا اجازت تم کو دیتی ہوں
مجھے معلوم ہے اس پر عمل پیرا نہ تم ہو گے
تم اپنے دل کی سن لینا اجازت تم کو دیتی ہوں
فرؔح کو ہے یقیں ایسا کرو گے تم نہیں ہرگز
مرا مت ماننا کہنا اجازت تم کو دیتی ہوں

یوں حالِ دل سنانے میں تو تھوڑی دیر لگتی ہے
کسی کو مہرباں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

وہ ہے تو دلربا لیکن ستمگر کیسے میں کہہ دوں
کہ زخموں کو عیاں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

وہی جس کے لئے دل میں ہوا اک حشر ہے برپا
اُسی کو راز داں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

بلندی پر کھڑے ہو کر نہ اِتراؤ مرے جاناں
زمیں کو آسماں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

کتابِ زندگی لکھنا نہیں آساں فرؔح کیونکہ
غموں کو بے نشاں کرنے میں تھوڑی دیر لگتی ہے

❁

کوچۂ یار میں جاؤں تو بھلا جاؤں کیسے
پاسِ آداب نہیں شعلۂ گفتار نہیں

گر پڑا در پہ تیرے ساقی نشے میں ورنہ
تُو ہے میخانہ کوئی کعبۂ دیوار نہیں

کس اذیت سے گزرتے ہیں میرے روز و شب
پیار اک جرم سہی قابلِ سنگسار نہیں

موجِ گوہر میں بھی پنہاں ہے تبسم اُس کا
وہ سخن دار تو ہے صاحبِ کردار نہیں

میں تو اس خواب سی دنیا میں مسیحا ڈھونڈوں
سنگ خاروں سے بھرا ہے کوئی گلزار نہیں

خلق کی دید سے چھپ نہ سکیں اہلِ صفا
فرؔح اپنے ہی تو ہیں غیرتِ اغیار نہیں

❁

سجائی تم نے محفل تھی ہم کیسے نہ مکاں کرتے
گرے بجلی سرِ محفل تو کیسے آشیاں کرتے

تیرا پردہ بھی لازم تھا مگر تھی بے کلی دل میں
بتا اے بے وفا کیسے کہو چھپ کر فغاں کرتے

میری موجودگی سے گر تجھے خفت سے ہوتی تھی
اشارہ تو کیا ہوتا ہم خود کو بے نشاں کرتے

ہوئے بے پردہ تم پردہ نشیں تو ہم سے کیا پردہ
نظر کو کیوں جھکاتے اور دل کا امتحاں کرتے

فرؔح اس آزمائش سے نکل کر ہم ابھی آئے
طوالت کا سفر تھا ہم تمہیں کیوں بدگماں کرتے

فرخندہ رضوی

Mrs. Farkhanda Rizvi,

94,Chiltern Crescent, Earley,

Reading RG6 1AM England

Mob: 0787 8248008

E.Mail: farkhandarazvi@hotmail.co.uk

فرخندہ رضوی گھریلو خاتون ہیں، پاکستان سیالکوٹ سے تعلق ہے اور برطانیہ 1983 میں آئیں۔ اسکول کے زمانے سے یعنی 1980 سے لکھ رہی ہیں اور دونوں اصناف میں لکھتی ہیں۔ 2000 میں ان کا پہلا شعری مجموعہ ''سنو خموشی کی داستاں'' آیا اور برطانیہ کے سخن وروں کی حوصلہ افزائی پر فرخندہ رضوی نے 2006 میں دوسرا شعری مجموعہ ''فاصلے ستا رہے ہیں'' شائع کیا، اس کے بعد افسانوی مجموعہ 2010 میں ''پھر وہ صبح کہاں'' آیا جس نے منوایا کہ فرخندہ اردو کی دونوں اصناف میں یکساں مقبول ہیں۔ 2013 میں ان کا مجموعہ کلام ''زیر لب خندہ'' آیا جس میں انہوں نے غزل کو ایک نیا رنگ دیا اور خوبصورت شاعری کی۔ آج کل وہ افسانوں کی دوسری کتاب پر کام کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ شاید خواتین میں ان کا اول نمبر ہے کہ وہ ہر ملنے والی کتاب پر اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں اور اپنا تبصرے مقامی اخبارات و رسائل میں شائع کرنے کیلئے بھی بھیجتی ہیں جو باقائدہ شائع ہوتے ہیں اور ہزاروں لوگ پڑھتے ہیں۔ انہیں مسلسل ادبی خدمات کے اعتراف میں بے شمار ایوارڈوں سے بھی نوازا گیا جن میں قابل ذکر 1981 میں ادب میگزین کی طرف سے، 2009 میں پاکستان کمیونٹی سنٹر کی جانب سے اور پھر 2010 میں ادبی خدمات کے اعزاز میں ایوارڈ دیا گیا۔

فرخندہ رضوی سے میری جان پہچان کئی برسوں پر محیط ہے۔ وہ کئی بار لندن کے مشاعروں میں شرکت کے لئے آئیں۔ ان کا اپنا مخصوص اسلوب و انداز ہے جو ان کی پہچان ہے۔ ہنستی مسکراتی، خوش لباس

،خوش اخلاق سب کی عزت کرنے والی میری یہ عزیز ترین بہن اپنی پہلی ملاقات میں مخاطب کا دل جیت لیتی ہے۔ہماری ہفتہ میں ایک آدھ بار فون پر بات چیت ضرور ہوتی ہے جس میں ہمیشہ موضوع ادب ہی رہا ہے۔ان کی کہانیاں افسانے زیادہ تر پردیس میں آئے ہوئے ان لوگوں کے بارے میں ہوتے ہیں جو روزی کمانے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے ، نئے معاشرے وتہذیب نے نئی نسل کو زنگ آلود کر دیا اور مشرقی طور طریقے پرانے اور بیکار لگنے لگے جس پر پہلے نسل کے لوگ آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور سوائے تنہائی میں بیٹھ رونے اور دعاؤں کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔۔ان کی کہانیاں افسردگی،غم اور سچائی پر مبنی ہوتی ہیں۔نسوانی چھاپ کا ہونا فطری بات ہے وہ خواتین میں بہت پسند کی جاتی ہیں۔فرخندہ کا اسلوب نہایت سادہ ہے آسان زبان میں لکھتی ہیں اور اکثر کہانیاں صیغہ واحد متکلم میں ہوتی ہیں۔یہ اکثر لکھاریوں کے لئے آسان سمجھا جاتا ہے کیونکہ جو کہانی کسی کی زبانی سنائی جائے وہی اگر آپ بیتی کی شکل اختیار کر لے تو وہ قاری پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

فرخندہ رضوی مبارکباد کی مستحق ہے کہ انہوں نے ہمیشہ مختصر کہانیاں لکھی ہیں جو آج کے دور کی اہم ضرورت ہیں۔اوران مختصر کہانیوں میں انہوں نے معاشرے کے بہت سارے زخم پرو دیئے ہیں۔

ان کی بے شمار کہانیاں افسانے اور آزاد نظمیں مقامی اخبارات رسائل میں تواتر سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔

ہر انسان کے اندر کچھ ایسی انمول خصوصیات ہوتی ہیں جو انہیں دوسروں سے عظمت کرتی ہیں فرخندہ رضوی پر اللہ کی رحمت کا خاص سایہ ہے کہ انہیں انگلینڈ جیسے مصروف اور اپنی ذات تک محدود رہنے والے ملک میں اپنی ماں کی طویل خدمت کرنے کا موقع ملا۔ابھی پچھلے دنوں ہی ان کی والدہ محترمہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئیں۔اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور فرخندہ کو صبر اور اجرِ عظیم سے نوازے۔۔فرخندہ نے کئی راتیں جاگ کر اپنی ماں کے بستر کے ساتھ گزاری ہیں اور ایک نیک فرمانبردار بیٹی کا فرض ادا کر کے اپنی ماں کے پاؤں کے نیچے کی جنت اپنے نام کرالی۔اللہ انہیں اس نیکی کا اجر عظیم دے گا کہاں اس مادی زمانے میں اپنے بچوں،گھر کی ڈھیر ساری ذمہ داریاں پورے کرنے کے بعد کس کے پاس اتنا وقت بچتا ہے مگر میری اس عظیم

بہن نے آنے والی نسلوں کیلئے ایک زریں مثال قائم کی۔ اسکے علاوہ فرخندہ نے اپنے گھریلو فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ ادب کی بھی نہایت خلوص سے خدمت کی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اس کا توازن قائم رکھا اور کسی طرف سے بھی کوئی کمی بیشی نہیں ہونے دی۔ یہ ان کے اعلیٰ کردار اور منظّم شخصیت کی ایک مثال ہے۔ وہ کبھی کسی ذاتی لالچ، خودنمائی، جھوٹی تشہیر کے بغیر اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کے بنا بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ کر ادب کی خدمت کر رہی ہیں۔ جو قابل تحسین ہے۔

فرخندہ رضوی کے بارے میں ممتاز شاعر، افسانہ نگار اور دانشور مرحوم خالد یوسف لکھتے ہیں کہ،

’’فرخندہ نے اپنی کہانیوں کو محض ایک خیالی اور موہوم جستِ گم گشتہ میں وقت برباد کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ایک بیدار ضمیر رکھنے والی فنکارہ کی طرح سماجی لعنتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے معاشرے کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے۔‘‘

وہ ایک اچھی افسانہ نویس اور پرخلوص انسانیت کا درددل رکھنے والی خاتون ہیں جو اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ ہر قلمکار کی شخصیت اور کردار کا عکس اس کی تخلیقات میں نمایاں نظر آتا ہے ۔فرخندہ کی کہانیوں میں معاشرے کے لئے ایک سبق ایک نصیحت پنہاں ہوتی ہے۔ میری ہمیشہ نیک خواہشات اور دلی دعائیں فرخندہ کے لئے رہی ہیں۔ اللہ کرے وہ اسی لگن سے لکھتی رہیں اور اپنے ہمعصر قلمکاروں کی کتابوں پر تعارفی تبصرے پیش کرتی رہیں۔ آمین

❁

آنکھوں کو جھوٹے خواب دکھانا فضول ہے
ان سے وفا کی آس لگانا فضول ہے

جو لکھ دیا سو لکھ دیا اس پر جمے رہو
اپنے لکھے کو خود ہی مٹانا فضول ہے

کرتے ہیں لوگ طنز و تمسخر سے گفتگو
پھر بھی بھڑک کے طیش میں آنا فضول ہے

پتھر، اچھل کے آئیں گے آنگن میں صبح وشام
پھل دار پیڑ گھر میں لگانا فضول ہے

نیکی جتا جتا کے کریں گے بہت ذلیل
احسان دوستوں کا اٹھانا فضول ہے

خندؔہ جو تم کو بھول گیا، غیر ہوگیا
آواز دے کے اس کو بلانا فضول ہے

❁

راکھ ہونے کی گھڑی ہو جیسے
آگ سینے میں لگی ہو جیسے

گھر کے آنگن میں دھواں ہے ایسا
میری دنیا ہی جلی ہو جیسے

بند مُٹھی کو ہیں تکتے ہر پل
اپنی قسمت میں یہی ہو جیسے

رات دن پھرتی ہوں تنہا تنہا
شکل وہ دور ہوئی ہو جیسے

ہوئی بے چین کچھ ایسی خندؔہ
اُس کے آنے کی خوشی ہو جیسے

❁

ہر اک داغ دھونے کو جی چاہتا ہے
میرا آج رونے کو جی چاہتا ہے

یہ کس نے دِیئے ہیں مجھے ایسے آنسو
کہ دامن بھگونے کو جی چاہتا ہے

مجھے چُھو رہا ہے دکھوں کا سمندر
یہیں غرق ہونے کو جی چاہتا ہے

مقدر میں فرقت کی ہے فصل پھر بھی
ترا قرب بونے کو جی چاہتا ہے

محبت میں ملتی ہیں کیا کیا سزائیں
غزل میں سمونے کو جی چاہتا ہے

سجاتی ہوں خندہ اندھیروں کی محفل
کہ خوابوں میں کھونے کو جی چاہتا ہے

❁

اپنے ہی شہر میں ہوں میں اِک اجنبی کے ساتھ
کیسا مذاق ہے یہ مری زندگی کے ساتھ

وہ پھر سے دے رہا ہے درِ دل پہ دستکیں
جو جُڑ گیا خوشی سے کسی دوسرے کے ساتھ

یہ بات حادثے سے نہیں کم مرے لئے
ملنے کو ملا تھا مگر بے حسی کے ساتھ

ہیں کھیل جیسے میرے لئے زندگی کے غم
رشتہ جُڑا ہے میرا غمِ آگہی کے ساتھ

ہوتے ہیں میرے ساتھ ہی کیوں ایسے حادثے
آنکھیں بھی چھین لیتے ہیں جو روشنی کے ساتھ

وہ غم کی لذتوں سے یقیناً ہے آشنا
ٹھکرا رہا ہے زیست کو جو بے دلی کے ساتھ

اے وطن

تیرے خوابوں تیری یادوں کو مٹا سکتے نہیں
اے وطن ہرگز بھی ہم تجھ کو بھلا سکتے نہیں

❁

ساری دنیا میں تری تعظیم کا کہرام ہے
تیرے گُن گانا مری تہذیب کا پیغام ہے

تیری تصویر میں میَں خود کو بدلتا دیکھوں
صُبح دم قالبِ خورشید میں ڈھلتا دیکھوں

تو زمانے بھر کی دولت سے بڑا انعام ہے
تُو ہے اجلی صبح اپنی تو ہی رنگیں شام ہے

ہر شگوفے میں کھِلے میری تمناؤں کا رنگ
ہر طرف پیار کا چشمہ ابلتا دیکھوں

تیرے ہوکر تجھ سے ہم نظریں چرا سکتے نہیں
اے وطن ہرگز بھی ہم تجھ کو بھلا سکتے نہیں

آسمانوں پہ دھنک بن کے ترے رنگ کھلیں
ماہ و انجم کو تری چال سے چلتا دیکھوں

ہم بھی تجھ سے پیار کرتے ہیں ترے سر کی قسم
ہیں ہمارے اپنے غم جو بھی ہیں سچ تیرے ہیں غم

چاند بن کے کبھی آغوش میں خندہ کی اُتر
میں تُجھے موم کی مانند پگھلتا دیکھوں

غمزدہ تُو ہو تو ہم خوشیاں منا سکتے نہیں
اے وطن ہرگز بھی ہم تجھ کو بھلا سکتے نہیں

فرزانہ نیناں

Mrs. Farzana nainaN,

56, Glendale Close,

Carlton, Nottingham

NG4 4FD Tel:0115 9615523

E.Mail:farzana@farzanaakhtar.com

اصل نام فرزانہ خان ہے تخلص نیناںؔ اور ادبی دنیا میں فرزانہ نیناں کے نام سے جانی جاتی ہیں۔آپ کئی برس پہلے برطانیہ میں تشریف لائیں۔اور نوٹنگھم میں رہائش پذیر ہوئیں۔سرسید کالج کراچی سے بی اے کرنے کے بعد جب برطانیہ آئیں تو علم کا ایک سمندر اکٹھا کرلیا، ٹیلی کمیونکیشن ڈپلومہ،ایس پی سی، جی پی ٹی بزنس ٹریننگ لی، کمپیوٹر اسٹڈیز کی، بیوٹی کنسلٹنسی، آئی ایچ ٹیک بی سی، بی ٹیک ،انٹرنیشنل ہیلتھ اینڈ بیوٹی کونسل سے ڈیپلیشن ڈپلومہ،ٹیچر ٹریننگ، براڈ کاسٹنگ اینڈ جرنلزم ڈپلومے لئے ،اس کے علاوہ ٹیلی کمنیوکیشن انسپکٹر، بیوٹی تھیراپی لیکچرر، ریڈیو فضا میں پروگرام کمپیئرنگ، رضا کارانہ سوشل ورکر، ٹیوی پیشکار ہونے کے علاوہ نہایت خوبصورت شاعرہ، کہانی کار،مضمون نگار، ناقد اور نوٹنگھم کی ممتاز ادبی تنظیم ''بزمِ علم وفن کی جنرل سیکریٹری کے فرائض بھی ادا کرتی ہیں۔ بے شمار اعزازات بھی حاصل کئے جن میں قابل ذکر، انوویشن ایوارڈ پلیسی کمیونیکیشن ، اپنا آرٹس اچیومنٹ ایوارڈ، ہریشن چیریٹی فاؤنڈیشن سے بیسٹ اچیومنٹ ایوارڈ اور ''پاکیزہ'' سے حسن کارکردگی ایوارڈ ،ریڈیو کرن سے حسن کارکردگی ایوارڈ حاصل کیا۔ بے شمار کتابوں کے دیباچے لکھے،مضامین اور تبصرے کئے۔آپ کا پہلا شعری مجموعہ ''درد کی نیلی رگیں'' جو نہایت خوبصورت انداز میں کتابی شکل میں دسمبر 2003ء کو شائع ہوا جو اپنی انمول ڈائری نما شکل کے ساتھ قیمتی کاغذ پر شائع ہوا اور دنیائے ادب میں خوب پذیرائی حاصل کی۔

خدا کئی لوگوں پر خاص مہربان ہوتا ہے انہیں جہاں خوبصورت و حسین شکل و چہرے سے نوازتا ہے وہاں انہیں خوش شکلی کے ساتھ خوش لباس ،خوش گفتار، خوش اخلاق اور اعلیٰ کردار کے ساتھ علم کے خزانے

بھی عطا کر دیتا ہے جہاں سے وہ ادب کے موتی چن چن کر اپنی تحریر میں سجاتے ہیں۔اسی طرح فرزانہ نیناں نے اپنے شعری مجموعہ میں جہاں غزلوں کے پھول کھلائے وہاں نظموں کے موتی بھی بکھیرے ہیں۔ان کا ایک ہی مجموعہ بیشتر شعراء وشاعرات کے درجنوں مجموعوں پر بھاری ہے۔

فرزانہ نیناں ان چند خوش قسمت شاعرات میں سے ہیں جن کے خاوند شاعری اور ادبی زندگی میں ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔فرزانہ کو اللہ نے بہت سی رحمتوں سے نوازا ہے۔فرزانہ نیناں کے ساتھ اس کے شریک حیات اختر خان جیسا مخلص محبت کرنے والا انسان ہے، نیناں ان چند خواتین میں سے خوش قسمت ترین خاتون ہے جس کو اپنے سائیں کی ڈھیر ساری محبتیں ملی ہیں اور وہ اس کی چھتر چھاؤں میں اپنے ادب کے گلستان کو سجا رہی ہیں۔اختر خاں عملی زندگی میں بھی بڑے کامیاب انسان ہیں میرے علم میں وہ برطانیہ میں وہ واحد پاکستانی شخص ہیں جنہیں رائیل فوٹو گرافک سوسائٹی کی ممبر شپ حاصل ہے۔ان کے کیمرے سے اتاری ہوئی تصویروں کی کئی کامیاب نمائشیں ہو چکی ہیں۔ قدرت کی صناعی، شاہکار اور فطرت کی خوبصورتی کو اپنے کیمرے میں وہ اس طرح محفوظ کر لیتے ہیں جیسے صدف ایک بوند کو اپنے سیپ میں محفوظ کر کے نایاب موتی بنا دیتی ہے۔

شاعر کی نگاہیں بہت دور رس ہوتی ہیں اس کا مشاہدہ عام انسان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے وہ اپنے تجربات کے ساتھ ساتھ دوسروں کے تجربات سے بھی مستفید ہو کر نتیجہ اخذ کرتا ہے اور اسے الفاظ کو پیرہن دے کر ایک ایسی تخلیق کا روپ دیتا ہے جو اسے امر بنا دیتی ہے۔اسی طرح نیناں نے اپنی نظموں میں کئی جنوں کو بوتل میں بند کیا ہے وہ مختصر الفاظ میں طویل طویل باتیں کہہ ڈالتی ہے۔اس کی نظمیں اندر سے بڑی طویل کہانیاں ہیں جنہیں وہ بڑی آسانی سے اس طرح کہہ ڈالتی ہے کہ سننے والا آنکھیں پھاڑے رہ جاتا ہے۔چند الفاظ۔۔۔پنے تلے با معنی اور خوبصورت لباس میں ملبوس۔۔۔ نیناؔں کی غزلوں میں بھی اس قدر سوز، درد، یادوں کی کسک، شیریں بیانی اور وجد آفرینی ہے کہ دل میں ایک خواہش بیدار ہو کر دعا کا روپ دھار کر لبوں پر نمودار ہوتی ہے۔

نیناؔں اپنی شاعری میں پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ نسوانیت کی علمبردار ہے اس کے اشعار

میں حسن نسوانیت چھلکتا ہے۔خوبصورت لفاظی کے ساتھ بچپن کی یادوں کے گھنگھروؤں کی جھنک اس کے اشعار میں قاری کو اپنے بچپن کی سیڑھیوں پر لا کھڑا کر دیتے ہیں۔نیناں کو خدا نے جتنی حسن و دلکشی سے نوازا ہے اس نے اپنی شاعری کو اسی طرح خوبصورتی سے سنوارا ہے اور یہ سب اوپر والے کی دین ہے۔۔ایک ودیعت ہے ایک انعام خداوندی ہے۔۔

درخت پر جتنا پھل لگتا ہے فطرت اسے اتنا ہی جھکاتی ہے یہی بات میں نے نیناںؔ میں پائی ہے۔اس میں اس قدر حسن و رعنائی ہے کہ جس قدر غرور کرے کم ہے۔اس میں سخن کا سمندر موجزن ہے وہ جتنا اترائے اسے زیبا ہے۔۔اس کے پاس دنیا کی آسائشوں کی کوئی کمی نہیں اس کی گردن جتنی اکڑے بھلی لگے گی۔وہ واحد شاعرہ ہے جس کا خاوند اس کی شاعری پر چھتر چھاؤں بنا ہوا اسے ہر حسد و بغض کی تیز گرم لو سے بچاتا ہے وہ جتنا ناز کرے کم ہے۔مگر میں نے اس میں موم کی نرمی ممتا کی محبت دوست کا ایثار بہنوں کی چاہت ،شہد کی مٹھاس، پھولوں کی مہک، دودھ جیسی تراوٹ موتیے جیسی خوشبو، بے لوث اپنائیت ،انکساری اور ملامیت دیکھی ہے، جو مخاطب کو مقناطیسی قوت کی طرح اکھیڑ کر رکھ دیتی ہے۔بات بات پر اپنے رب کی عنائتوں کا تشکر لئے ہماری اپنی نیناںؔ اپنے شعروں میں قوس قزح کے رنگوں کی طرح چاندنی کی ٹھنڈک، صبح کی فرحت، شبنم کا تقدس، گلاب کی پنکھڑی جیسی نرم و نازک یادوں کا دیپ جلاتی، میٹھے میٹھے لہجے میں اپنوں کی شکایتیں کرتی کبھی روٹھتے کبھی مناتے نظر آتی ہے۔ہ نہایت سادہ الفاظ میں صبح کے تازہ جھونکے کی طرح کان میں سرگوشی کر جاتی ہے اور کبھی شام کی ہلکی ہلکی خنکی کے ساتھ رات کی رانی کی مانند مدھ بھری خوشبو کے ساتھ سحر زدہ کر جاتی ہے۔کاغذ کا پیرہن اجازت نہیں دے رہا کہ مزید لکھوں۔۔۔آپ ان کا کلام پڑھیں اور خود اندازہ لگائیں۔۔۔!!

❁

ترے چھونے سے صندل ہوگئی ہوں
سلگنے سے مکمل ہو گئی ہوں

ذرا پیاسے لبوں کی اے اداسی
مجھے تو دیکھ چھاگل ہو گئی ہوں

بدن نے اوڑھ لی ہے شال اُس کی
ملائم، نرم، مخمل ہو گئی ہوں

دھنسی جاتی ہے مجھ میں زندگانی
میں اک چشمہ تھی دلدل ہوگئی ہوں

کسی کے عکس میں کھوئی ہوں ایسی
خود آئینے سے اوجھل ہوگئی ہوں

رکھا ہے چاند اونچائی پہ اتنا
تمناؤں سے پاگل ہوگئی ہوں

کرشمہ اک تعلق کا ہے نیناںؔ
کہ میں صحرا سے جل تھل ہوگئی ہوں

❁

مثالِ برگ میں خود کو اُڑانا چاہتی ہوں
ہوائے تند پہ مسکن بنانا چاہتی ہوں

وہ جن کی آنکھوں میں ہوتا ہے زندگی کا ملال
اسی قبیلے سے خود کو ملانا چاہتی ہوں

جہاں کے بند ہیں صدیوں سے مجھ پہ دروازے
میں ایک بار اسی گھر میں جانا چاہتی ہوں

ستم شعار کی چوکھٹ پہ عدل کی زنجیر
برائے داد رسی اب ہلانا چاہتی ہوں

نجانے کیسے گزاروں گی ہجر کی ساعت
گھڑی کو توڑ کے سب بھول جانا چاہتی ہوں

مسافتوں کو ملی منزلِ طلب نیناںؔ
مسافر ہوں وفا کی ، ٹھکانہ چاہتی ہوں

❁

درد کی نیلی رگیں تہہ سے اُبھر آتی ہیں
یاد کے زخم میں چنگاریاں در آتی ہیں

روز پرچھائیاں یادوں کی پرندے بن کر
گھر کے پچھواڑے کے پیپل پہ اتر آتی ہیں

صورتیں بنتی ہیں چاہت کی یہ کس مٹی سے
بارہا مٹ کے بھی یہ بار دگر آتی ہیں

اودے اودے سے صفورے کی گھنی ٹہنیوں سے
یاد کی سرمئی کرنیں سی گزر آتی ہیں

روز کھڑکی سے قریب آم کے اس پیڑ کے پاس
طوطیاں چونچ میں لے لے کے سحر آتی ہیں

اک وراثت کی طرح گاؤں کی گڑ سی باتیں
گٹھڑیاں باندھ کے اس دل کے نگر آتی ہیں

جتنا بھی چاہوں درِ یار سے بچ کر نکلوں
تہمتیں اتنی زیادہ مرے سر آتی ہیں

اتنی سی بات یہ اچھی نہیں شوریدہ سری
شام کو چڑیاں تو سب اپنے ہی گھر آتی ہیں

شرم سے الجھے دوپٹے کی جو کھولوں گرہیں
دل کی نیناںؔ رگیں سب کھلتی نظر آتی ہیں

❁

آدھی رات کے شاید سپنے جھوٹے تھے
یا پھر پہلی بار ستارے ٹوٹے تھے

جس دن گھر سے بھاگ کے شہر میں پہنچی تھی
بھاگ بھری کے بھاگ اسی دن پھوٹے تھے

مذہب کی بنیاد پہ کیا تقسیم ہوئی
ہمسایوں نے ہمسائے ہی لوٹے تھے

شوخ نظر کی چٹکی نے نقصان کیا
ہاتھوں سے چائے کے برتن چھوٹے تھے

اوڑھ کے پھرتی تھی جو نیناںؔ ساری رات
اُس ریشم کی شال پہ یاد کے بوٹے تھے

✽

ہے ذرا سا سفر ، گزارا کر
چند لمحے فقط گوارا کر

دھوپ میں نظم بادلوں پر لکھ
کوئی پرچھائیں استعارا کر

چھوئی موئی کی ایک پتی ہوں
دور ہی سے نظارا کر

آسمانوں سے روشنی جیسا
مجھ پہ الہام اک ستارا کر

پہلے دیکھا تھا جس محبت سے
اک نظر پھر وہی دوبارا کر

کھو نہ جائے غبار میں نیناںؔ
مجھ کو اے زندگی پکارا کر

✽

دھوپ گر نہ صحرا کے راز کہہ گئی ہوتی
میں تو بہتے دریا کے ساتھ بہہ گئی ہوتی

اس طرح نہ پانی کے، پاؤں تیز تیز اٹھتے
غرق ہونے کی افواہ تہہ میں رہ گئی ہوتی

چاند ٹوٹ جائے گا ، کانچ کے سمندر میں
کاش میں بھی پونم کی شب میں ، کہہ گئی ہوتی

دل سے کھیلنے والا ، کیوں پڑوس سے جاتا
چار دن سلوک اس کا اور سہہ گئی ہوتی

کوئی چہرہ نیناںؔ میں روشنی جلا دیتا
بات یہ ہماری تا مہر و مہ ، گئی ہوتی

فرزانہ فرحت

Miss. Farzana Farhat,

20,Gleb Gardens,New Malden

KT3 5RY England

Tel: 0203 581 0744

E.Mail : f.farhat@hotmail.co.uk

فرزانہ فرحت صاحبہ 1996 میں برطانیہ آئیں۔ وہ لاہور پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں۔ فرزانہ فرحت نے کبھی کھلی آنکھوں سے خواب دیکھے کبھی بند آنکھوں سے مگر ان خوابوں کی دنیا میں رہنے کے باوجود وہ عملی زندگی میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوئیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فار وویمن لاہور سے ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کر کے شعبہ تدریس سے منسلک رہیں۔ ازدواجی زندگی میں آکر جب برطانیہ تشریف لائیں تو بھی گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ہیومن اناٹومی، فزیالوجی، پروڈکٹ نالج اور دیگر اقسام کی الیکٹرانک ٹریٹ منٹ سیکھنے کے بعد پروفیشنل تھراپسٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے لگیں۔

شاعری ان پر یک دم نازل ہوئی تھی، بقول خود ان کے، ''جب دس دسمبر 2007 کو پہلی نظم عطا ہوئی تو شاعری کے آسماں پر میری سوچ کا پنچھی پرواز کرنے لگا۔'' پھر شاعری کا نزول جھرنے کی مانند ایسا بہا کہ تین سال کے بعد پہلا شعری مجموعہ ''شام ڈھلے'' 2010 میں آیا جواب ''ڈھلتی شام کے سائے'' کے نئے نام سے دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے اور دوسرا مجموعہ ایک سال کے بعد ہی ''خواب خواب زندگی'' کے نام سے 2011 میں منصۂ شہود پر طلوع ہوا ان دونوں مجموعوں نے پاکستان اور برطانیہ و جرمنی میں کافی مقبولیت حاصل کی۔ یہ بہت کم مشاعروں میں جاتی ہیں۔ طبیعتاً شرمیلی اور گوشہ نشین خاتون ہیں جو اپنا زیادہ وقت گھریلو ذمہ داریوں اور بچوں کی پرورش پر صرف کرنا اہم سمجھتی ہیں۔

ان سے مشاعروں میں ہی ملاقات ہوتی ہے مگر اکثر فون پر گھنٹوں ادب اور دیگر موضوعات پر بات

چیت ہوتی رہتی ہے۔ نہایت سلجھی اور سنجیدہ خاتون ہیں اور بڑے محتاط لہجے و انداز میں گفتگو کرتی ہیں۔ عام شاعرات یا خواتین کی مانند دوسروں کے گلے شکایات یا لگائی بجھائی کی قطعی عادت نہیں اور نہ ہی کسی کے بارے میں کوئی تنقیدی بات کرتی ہیں۔ان کی اس عادت نے مجھے بہت متاثر کیا اور میرے دل میں ان کے احترام مزید اضافہ ہوا۔

ان کے دونوں شعری مجموعوں کی رسم اجراءلندن کے علاوہ پاکستان میں بھی ہوئی اور دونوں مما لک کے اہل ادب نے ان کی شاعری پر مضامین پڑھے اور سراہا۔

ان کے اندر ایک شاعرہ چھپی ہوئی تھی جوان کے بھائی کی اچانک جدائی نے باہر نکال دی، ان سے بے پناہ محبت اور پھر اچانک ان کی شہادت اور طویل جدائی نے ان کی روح پر لگے زخموں کو الفاظ کی شکل دی اور یوں ایک خوبصورت شاعرہ کا جنم ہوا۔ دل کی اداس مٹی سے یہ سانحہ ہوا اور ایک مدت تک خوشی کا کوئی گلاب تک نہ کھلا۔اشعار تو ویسے بھی کرب کی زمین پر اگتے ہیں اور وہی اشعار قاری کے دل پر ضرب لگا کر اپنا آپ منواتے ہیں۔

اس کی کوشش سے ہنر مجھ کو ملا ہے فرحتؔ　　　میرے الفاظ میں اللہ نے دانائی دی

ان کے پہلے شعری مجموعہ جواب ''بدلتی شام کے سائے'' کے نام سے دوسرا ایڈیشن ہے اس میں ان کی شاعری میں درد کی کسک محسوس کی جاسکتی ہے۔فرزانہ فرحت نے اس مجموعہ میں نہ صرف اپنے دکھوں کا اظہار کیا ہے اپنے چاروں جانب بکھرے ہوئے کرب کو بھی سمیٹا ہے جوان کی نظموں میں ملتے ہیں۔''جب لڑکی پر سر بازار کوڑے برسائے گئے'' اس نظم میں انہوں نے معاشرے پر گہری طنز کی ہے۔''بنت حواہوں میں یہ مرا جرم ہے'' میں انہوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ عورت کے اصل مقام کی نشاندہی کی ہے اور گلہ کیا ہے،

وجودِ زن کے رنگوں سے یہ دنیا خوبصورت ہے
بہاروں کے مزے تم لو خزاں مجھ پر ہی ساری کیوں

فرزانہ فرحت غزل کی شاعرہ ہیں ان کی غزلوں میں بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات و احساسات کے نئے

مظاہر ملتے ہیں انہوں نے دورِ حاضر کے کرب کو اپنے اندر سمو کر اپنے تجربات کو شعری سانچے میں ڈھالا ہے جو ان کا امتیازی نشان ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں زندگی کے گہرے رشتے کا پتا ملتا ہے۔

فرزانہ کا یہ پہلا شعری مجموعہ تھا جو ان کے دل کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔اس میں جا بجا سسکیاں اور آہیں ہیں۔کیونکہ جب شاعرہ اپنے چاروں جانب کرب و دکھ کے کانٹے بکھرے ہوئے دیکھتی ہے تو اس کے قلم سے لہو رسنے لگتا ہے۔

میری قسمت میں تو کانٹے ہی لکھے ہیں فرحتؔ
ساتھ میرے انہی کانٹوں کا ثمر جائے گا

مگر ان کے دوسرے مجموعہ کلام میں خوابوں کی باتیں ہیں۔لکھتی ہیں کہ جب انہیں اپنا پہلا مجموعہ ملا تو ان کا سر سجدے میں جھک گیا اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے جو خواب کھلی اور بند آنکھوں سے دیکھے ان کو خدا نے حقیقت میں تبدیل کیا۔یہ وہ خواب ہیں جو یاسیت کے بادل چھٹنے کے بعد قوس قزح کے رنگوں میں بدل جاتے ہیں۔

خواب موسم کی طرح رنگ بدلتے ہیں دن سنورتے ہیں تو یہ خواب سنور جاتے ہیں

شاعر یا مصنف وہی لکھتا ہے جو اس کے دل پر گزرتی ہے یا اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، کئی لوگ دیکھنے میں وہ نہیں ہوتے جو تحریر میں نظر آتے ہیں۔یہ تو ان سے مل کر ہی علم ہوتا ہے کہ ان کی تحریر کا کتنا اثر ان کی شخصیت پر ہے۔!! مگر فرزانہ فرحت کی تحریر کا عکس ان کی شخصیت میں ملتا ہے اور ان کی شخصیت عین ان کی تحریروں کی نقل ہے۔۔!!

نہ فرحتؔ ہے کوئی نہ ہے کوئی راحت وہی ہے سمندر وہی ایک ہلچل

میری دعا ہے کہ وہ اسی طرح لکھتی رہیں اور اپنے اشعار سے ادب کی آبیاری کرتی رہیں۔آخر میں ان کے دو اشعار کے ساتھ مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

❁ ❁

❁

نہ گلزار رہتے تھے راہوں میں میری
نہ پھولوں کے کنگن تھے باہوں میں میری
بہاریں مری مجھ سے روٹھی ہوئی تھیں
مری کشتیاں آج ٹوٹی ہوئی تھیں
نہ گجرا تھا ہاتھوں نہ پیروں میں پائل
کہ کانٹوں سے میں ہوتی جاتی تھی گھائل
نہ پہنا ہوا تھا خوشی کا لبادہ
مرے دل کا موسم بھی رہتا تھا سادہ
نہ میں نے محبت کے گیتوں کو گایا
نہ جشنِ محبت تھا میں نے منایا
یکا یک عجب سانحہ سا ہوا ہے
کہ تو آ کے میرا مسیحا ہوا ہے
مجھے قطرہ قطرہ دوا دے رہا ہے
مسرت کی مجھ کو نوا دے رہا ہے
مجھے چاہتوں کا خدا دے رہا ہے
محبت کا موسم جُدا دے رہا ہے
مرے مسئلے کچھ سلجھنے لگے ہیں
مرے دن بھی آخر بدلنے لگے ہیں
یہ فرحتؔ مرے پاس آنے لگی ہے
محبت تری راس آنے لگی ہے

❁

اس طرح مجھ پہ کوئی خار نہ جڑ شام کے بعد
مجھ سے نہ روٹھ نہ اس طرح بگڑ شام کے بعد
شام کے بعد مجھے غم کے حوالے نہ کر
مرے سینے پہ نئی میخ نہ جڑ شام کے بعد
تو ہے گر چاند سحر ہوتے ہی ڈھل جائیگا
اس قدر جلد بلندی پہ نہ چڑھ شام کے بعد
شام کے بعد یہ رات بھی ناگن ہوگی
ایسے آسیب کی جانب تو نہ بڑھ شام کے بعد
مجھ کو ڈھلتے ہوئے سائے سے بھی خوف آتا ہے
چھوڑ کر مجھ کو نہ جا اب نہ بچھڑ شام کے بعد
میری ہستی پہ تو ویرانی سی چھا جائیگی
دل کا یہ شہر بھی جائیگا اجڑ شام کے بعد
تو ہے فرحتؔ کا لگایا ہوا پیارا پودا
اس طرح اس کی زمیں سے نہ اکھڑ شام کے بعد

❁

آنکھوں میں بس گیا ہے یہ منظر کوئی نیا
راضی صنم ہوا ہے تو راضی مرا خدا

شفاف آئینے پہ ہے تصویر سی بنی
مقبول ہو رہی ہے کوئی تو مری دعا

عزت مجھے ملی مجھے اونچا ملا مقام
پہنچی بلندیوں پہ ہے جاکر مری صدا

میں جانتی ہوں یا مرا ہے جانتا خدا
میرا رہا ہے کس قدر دشوار راستہ

مدت سے میرے ہاتھ میں یہ ہتھکڑی سی ہے
مدت سے تیری قید کا یہ در نہیں کھلا

تلوار ہاتھ میں نہیں پہنچی ہوں جنگ میں
بزدل نہیں ہوں تو مجھے اے وقت نہ ڈرا

فرحتؔ اداسیوں کا بسیرا سا ہے یہاں
کیسا عجیب درد ہے دل میں بسا ہوا

❁

سفر میں آبلہ پائی رہی تھی
دکھوں سے بھی شناسائی رہی تھی

یہ سچ ہے بے وفا وہ بھی نہیں تھا
نہ میں چاہت میں ہرجائی رہی تھی

بچھڑ جانے کا موسم بھی عجب تھا
گھٹا سی اک سدا چھائی رہی تھی

اکیلی میں رہی تھی رونقوں میں
مرے اندر بھی تنہائی رہی تھی

ایسے بھی آزمایا تھا دکھوں نے
غموں سے میں بھی گھبرائی رہی تھی

❁

دل تیری محبت سے نکلنے نہیں دیتا
یہ درد کا موسم بھی سنبھلنے نہیں دیتا

سوچا تھا مری راہ میں کچھ پھول کھلیں گے
کانٹوں بھرا رستہ مجھے چلنے نہیں دیتا

اب ہجر کے دریا سے نکلنے کی ہے خواہش
طوفان مجھے راہ بدلنے نہیں دیتا

فرحتؔ تری اب تیز ہواؤں میں گھری ہے
جو دل میں دِیا کوئی جلنے نہیں دیتا

انہی کانٹوں کو اب گلشن میں دامنگیر رہنے دو
کسی کی یاد میں مجھ کو یونہی دلگیر رہنے دو
مسیحائی کی حاجت ہے نہ مرہم کی ضرورت ہے
مرے زخموں کو رسنے دو جگر میں تیر رہنے دو
مری راتوں کی محفل تو سدا آباد رہتی ہے
مرے ہمراہ اپنی یاد کی زنجیر رہنے دو
کسی کی چاہتوں میں مجھ کو جینے اور مرنے دو
اسی کے خواب میں بن کر کسی کی ہیر رہنے دو
وفاؤں کے مکاں میں اک مکیں بن کر رہے کوئی
مرے دل میں کوئی جذبوں کا گھر تعمیر رہنے دو
صبا پھونکے مری ہستی میں جادو کوئی لفظوں کا
محبت کی مرے لہجے میں کچھ تاثیر رہنے دو
مرے سپنے میں فرحتؔ کوئی میرے ساتھ رہتا ہے
یہ میرا خواب ہے اس کی یہی تعبیر رہنے دو

اداسی سے نہ جانے کیوں یہ گھر آباد رہتا ہے
مرا دل شہر کی رونق میں بھی ناشاد رہتا ہے
دکھوں کا ایک عالم ہے جو ہٹتا ہی نہیں دل سے
بھری برسات کا موسم بھی ہوں برباد رہتا ہے
خوشی کے چند لمحے جھٹ اداسی میں بدل جائیں
مگر غم ہو تو مدت تک خوشی کے بعد رہتا ہے
مرے جذبات کیوں نوکِ زباں پر قید رہتے ہیں
مرے اندر کہیں شاید کوئی صیاد رہتا ہے
مجھے معلوم ہے سچ بات پر یہ سر قلم ہوگا
وطن کے ہر گلی کوچے میں اک جلاد رہتا ہے
یہ کیا احساس ہے فرحتؔ جسے ہم پیار کہتے ہیں
دلوں میں قید رہتا ہے مگر آزاد رہتا ہے

محمد فیاض عادل فاروقی (مرحوم)

Mr. Mohammad Fayaz Adil Farooqi,

عادل فاروقی صاحب 1971 میں برطانیہ آئے۔نہایت مذہبی اوراعلی ذوق کے حامل ہیں۔ ویکٹون ٹی وی پر مذہبی معلومات کے پروگرام بھی دیتے رہے۔درس تدریس سے تعلق ہے جو''فاروقیہ فاؤنڈیشن'' کے نام سے طویل مدت سے کام کررہی ہے۔آج کل ملازمت سے ریٹائیرڈ ہیں مگر کہتے ہیں کہ کام سے کوئی ریٹائیرڈ نہیں ہوتا۔

زندگی کام کرتے گزری ہے سوچتے اور لکھتے ہی عادلؔ

پاکستان کے مشہور شہر جھنگ سے تعلق رکھتے ہیں جو سلطان باہوؒ اور ہیر رانجھے کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اس کے علاوہ مولانا حق نواز جھنگوی اور مشہور سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کی وجہ سے بھی جانا جاتا ہے۔

لکھنے کا عمل جب سے قلم پکڑا،شروع ہے، پہلی غزل سولہ سال کی عمر میں لکھی جو اسکول کی الوداعی تقریب میں پڑھ کر داد وصول کی اور نثری مضامین پندرہ سال کی عمر سے لکھنا شروع کیے جو ہفت روزہ 'النقیب' فیصل آباد سے شائع ہوتا تھا، میں شائع ہوتے رہے۔ان سے لندن کے مشاعروں میں اکثر ملاقات ہوتی ہے، جہاں ہمیشہ ان کو صدارت یا مہمان خصوصی کے طور پر بٹھایا جاتا ہے۔استاد شعراء میں شمار ہے۔اپنا پہلا مجموعہ ''اشکِ گل'' خود ہی کمپوز کیا جو زیر طباعت ہے ایک مجموعہ نظم زیر ترتیب ہے اور نثری مجموعہ کی ترتیب بھی شروع کی ہوئی ہے۔لندن بارو آف برنٹ نے ان کی ادبی اور کمیونٹی خدمات کے اعتراف میں کونسل کا سب سے بڑا ایوارڈ جو ''سیوک ایوارڈ'' کے نام سے دیا اس کے علاوہ کئی ادبی تنظیموں نے انہیں ایوارڈز سے نوازا جن میں ''پاک پنجابی سنگت،جشن غالب،اقبال اکیڈیمی، پنجابی لکھاری فورم اور بزمِ شعروادب قابلِ ذکر ہیں۔ پنجابی اور اردو میں شاعری اور نثر لکھتے ہیں۔کئی کتابوں

پر تبصرے بھی لکھ چکے ہیں اور دیباچے بھی ۔ نہایت سادہ لباس ،سادہ طبیعت ،عالمانہ گفتگو،لبوں پہ مسکراہٹ لئے مخاطب کے دل میں جاگزیں ہوجاتے ہیں۔

اپنے زریں اصولوں کی سختی سے پابندی کرنے والے فیاض عادل فاروقی صاحب کئی ادبی تنظیموں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ان کی اپنی تنظیم ''عالمی انجمنِ مصنفین ،ہیرو'' بھی ہے۔جس کے تحت کئی ادبی پروگرام منعقد ہو چکے ہیں۔

عادل فاروقی کثرت سے لکھتے ہیں ہر موضوع پر لکھتے ہیں اور بہت عمدہ لکھتے ہیں۔ ہر مشاعرے میں ہمیشہ نیا کلام سناتے ہیں۔ان کے پاس الفاظ کا ایک لامتناہی ذخیرہ ہے کہ ان کی اکثر غزلیں نظمیں تیس چالیس اشعار سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں۔عربی، فارسی ،انگلش اردو اور پنجابی زبان پر مکمل عبور حاصل ہے۔

وہ اکثر گرجوں ،سینی گاگ اور گردواروں مندروں میں مناظرے کے لئے بھی جاتے ہیں اور اللہ کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کے آخری نبی ہونے کے علمی ثبوت دے کر انہیں لاجواب کردیتے ہیں۔فاروقیہ فاؤنڈیشن کی طرف سے باقاعدہ وڈیوٹیپ اور آیوڈیوٹیپ مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔علمی ادبی اور مذہبی سیمنار اور جلسے کئے جاتے ہیں۔نوجوان طبقے میں اس فاؤنڈیشن نے بہت کام کیا ہے۔فاروقی صاحب کے ہاتھوں بے شمار غیر مسلم دائرہ اسلام میں آکر فیض اٹھا چکے ہیں۔

علامہ عادل فاروقی صاحب کی شاعری میں ہر قسم کے موضوعات ملتے ہیں انہوں نے جہاں عارفانہ کلام،نعت ،حمد،غزل،نظم لکھی وہاں وہ طنزیہ مزاحیہ شاعری بھی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔ایک بار ''وطن'' کے موضوع پر ان کی ایک طویل نظم نے پاکستان کے ممتاز کالم نگار عبدالقادر حسن کو ان کی اس نظم پر کالم لکھنے پر مجبور کیا کہ کس طرح وطن سے دور ایک غریب الوطن نے وطن کا نقشہ کھینچا۔

مجھے امید ہے عنقریب ان کا پہلا شعری مجموعہ شائع ہوکر دنیائے ادب میں اپنا اعلیٰ مقام حاصل کرے گا کیونکہ عادل فاروقی صاحب تمام تر تغزل کی رعنائی برقرار رکھتے ہوئے زمانہ کے نشیب وفراز،غمِ

دوراں اور غمِ جاناں کو جس پیرایہ میں نظم کے قالب میں ڈھالتے ہیں وہ ان کی انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ان کے کلام میں ایک ایسا صوفیانہ پن بھی ہے جو قاری کی روح کی گہرائیوں تک اپنا اثر قائم رکھتا ہے۔چونکہ وہ ایک ممتاز مذہبی اسکالر بھی ہیں لہذا ان کے کلام میں ایمان کی تازگی بھی محسوس ہوتی ہے وہ حالاتِ حاضرہ پر بھی کھل کر لکھتے ہیں۔اردو پنجابی دونوں زبانوں کے علاوہ انہیں انگریزی اور عربی زبان پر بھی پوری دسترس ہے اسی لئے ان کے کلام میں عربی، فارسی کے بے شمار الفاظ ملتے ہیں جو بڑے سہل اور آسان ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں الفاظ کی کمی کا احساس نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان کی کئی نظمیں نہایت طویل اور چھوٹی بحر میں ہوتی ہیں جو قاری کو کبھی بوریت کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔

ہمیں فخر ہے کہ علامہ فیاض عادل فاروقی جیسے جید عالم جو نہایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع اپنے علم وفکر سے لندن کی ادبی فضاؤں کو معطر کرتے ہیں۔اللہ انہیں زندگی سلامتی دے اور اسی طرح مذہب کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی اس دیارِ غیر میں پھیلاتے رہیں اور زندہ رکھیں۔آمین

(افسوس کہ آج فاروقی صاحب بھی ہم میں موجود نہیں ہیں چند سال پہلے چند دن بیمار رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔آپکی کمی بہت محسوس ہوتی ہے آپ نہایت مخلص دوست تھے۔اللہ غریق رحمت کرے۔آمین)

✡ ✡ ✡ ✡

❁

جفا جُو سے بھی جو ہم نے وفا کی
نہ جانے کیا سزا ہو اِس خطا کی
چلے کب تک یہاں کشتی فنا کی
بہت زوروں پہ ہیں لہریں بقا کی
'محبت چاہتے ہو گر خدا کی
تو کر لو پیروی تم مصطفےٰؐ کی'
خدا کے بن گئے محبوب آخر
چلے تھے لے کے جو الفت خدا کی
عطا اس کی ہے اس سے مانگنا بھی
عطا ہے گر دعا اس نے عطا کی
وہ دے گا ہی، کوئی مانگے نہ مانگے
جزا دے گا مزید اس پہ دعا کی
بہت مضبوط ہاتھوں میں جہاں ہے
پکڑ ڈھیلی نہیں ہوتی خدا کی
ہمیں خود اپنی ہستی کا پتا کیا؟
خدا جانے، ہے جو ہستی خدا کی
ہے انساں اور حیواں میں تفاوت
اگرچہ اصل ہے دونوں کی خاکی
یہی عادلؔ خبر کی انتہا ہے
خبر کچھ بھی نہیں ہے انتہا کی

❁

خاکی ہیں یا ناری ہیں
طاقت کے پجاری ہیں
خدشاتِ گرفتاری
انصاف پہ طاری ہیں
انساں کے مظالم ہی
انسان پہ جاری ہیں
مقہور جہاں بھر میں
مزدور ہیں ہاری ہیں
اوصاف قیادت سے
قائد ہی تو عاری ہیں
دنیا کی چراگاہیں
میری نہ تمہاری ہیں
جینے کی تمنائیں
اک موت نے ماری ہیں
اللہ کی تدبیریں
تقدیر پہ بھاری ہیں
عادلؔ نے قلم سے کیا
تصویریں اتاری ہیں

❁

کوئی صورت بھلی نہیں ہوتی
آنکھ جس پر بُری نہیں ہوتی

جس میں اغیار کی غلامی ہو
اپنوں کی سروری نہیں ہوتی

تخت اور تاج جب ہوں مانگے کے
کوئی اپنی شہی نہیں ہوتی

ہوں انا اور ریا دعا کے ساتھ؟
ایسے تو بندگی نہیں ہوتی

دوستوں میں کوئی بھی اونچ اور نیچ
برتری، کمتری نہیں ہوتی

گھر نہیں بنتا اپنا دلہن کا
اس کی گر رخصتی نہیں ہوتی

چاند تو روز ہی نکلتا ہے
چاند کی چاندنی نہیں ہوتی

پیدا ہوتی ہے خود ہی تاریکی
جس جگہ روشنی نہیں ہوتی

شعر گوئی فقط ہے چیخ، پکار
اس میں گر نغمگی نہیں ہوتی

ایک بھنورے کے واسطے عادلؔ
باغ کی ہر کلی نہیں ہوتی

❁

جیون بھی لگے جیسے کہ اک کچا گھڑا ہو
یا تیز ہواؤں میں کوئی جلتا دیا ہو

مَیں عمر کی اس بھیڑ میں مُڑ مُڑ کے یہ دیکھوں
شاید کوئی بچپن سے مجھے ڈھونڈ رہا ہو

اب یاد وہ آتا ہے تو اعصاب ہیں جلتے
جیسے وہ انڈیل آگ سی اک دل میں گیا ہو

اک بول محبت کا اسے پل میں مٹا دے
مابین اگر فاصلۂ ارض و سما ہو

ممکن ہے مری آنکھوں میں وہ ڈال کے آنکھیں
خود اپنی ہی تصویر کھڑا دیکھ رہا ہو

اے عشق کبھی تم سے چھٹے گا نہ یہ دامن
تم ہی تو مسیحا ہو اگر تم ہی بلا ہو

دُوری کا کرشمہ ہے، نظر کا نہیں جادو
معکوس اگر آنکھ کی پُتلی میں سما ہو

کیوں ڈٹ کے وہ کھاتا ہے ہر اک وقت کی روٹی
جس شخص کا ہمسایہ ہی فاقے سے مرا ہو

افرنگ نے دنیا میں جو گرداب ہے ڈالا
ممکن ہے کہ اک روز وہ خود اس میں گھرا ہو

عادلؔ تری آواز زمانے میں سنے کون؟
نقاروں میں جیسے کوئی طوطی کی صدا ہو

اسے خلقت سے آخر کیوں خطر ہے؟
جسے خالق کا ہی حاصل نہ ڈر ہے
نہیں معلوم سب کو کیوں؟ مگر ہے
قوی ہے خیر اور کمزور شر ہے
ہزاروں سر بھی کرتے نذرِ حق ہم
مگر افسوس حاصل اک ہی سر ہے
جہانِ خَلق سے ہے باخبر خِضرؑ
تو موسیٰؑ اَمر سے ہی باخبر ہے
نبیؐ کو جس نے پایا، ہے وہ حیدرؓ
نبیؐ نے جس کو پایا، وہ عمرؓ ہے
وہ کیسے دل میں داخل ہو رہے ہیں
یقیناً دل کی دیواروں میں در ہے
وہ عرش و مہبطِ انوارِ یزداں
دلِ انساں، بنا شیطاں کا گھر ہے
بڑا طاقت کے بل پر ہو بشر جو
قوی تر ہو کے بھی کمزور تر ہے
سمجھ والے کو سمجھانا ہے زیبا
نصیحت ناسمجھ پر بے اثر ہے
نظر والا اسی کا دل ہے عادلؔ
ملی جس کو بھی دل والی نظر ہے

فضا میں، بحر و بر میں کس نے یوں پہرے بٹھائے ہیں؟
خلا میں کس کی آنکھیں ہیں، زمیں پر کس کے سائے ہیں؟
تبسم بھی نہیں میرا، ترنم بھی نہیں میرا
مِری خوشیاں نہیں اپنی، مِرے غم بھی پرائے ہیں
ستم کیا ہے؟ الم کیا ہے؟ بلا کیا شے ہے؟ غم کیا ہے؟
جسے کہتے جہنم ہیں، وہ کیا ہم دیکھ آئے ہیں؟
زماں گُم صُم، مکاں گُم صُم، زمین و آسماں گُم صُم
اسی کے ہم بھی گُن گائیں؟ ستم جس نے یہ ڈھائے ہیں
یہ افغانی، یہ شیشانی، یہ ایرانی، یہ لبنانی
سبھی کو ہے پریشانی، صنم دو کیا گرائے ہیں!
وہ صہیُونی، وہ میسُونی، وہ اِرغُونی، وہ دِیمُونی
ہر اک نے پنجۂ خونی پہ دستانے چڑھائے ہیں
سمجھنا کوئی گر چاہے تو عادلؔ اس کو سمجھائے
انہیں کے پیچھے ہیں خوشیاں، جو بادل غم کے چھائے ہیں

Mr.Maoammad Farooque Nasim,

59,Wardendhall Grove,

Birmingham.B8 2DN.Tel: 01217736785

E.Mail: m_farooque2001@yahoo.co.uk

محمد فارق نسیم جمشید پور (انڈیا) سے تعلق رکھتے ہیں تعلیم کے سلسلے میں پہلے جرمنی آئے پھر وہاں سے 1955 میں برطانیہ آ گئے۔ یہاں امپورٹ ایکسپورٹ کے شعبے سے منسلک تھے آج کل برمنگھم میں ٗ انجر ہ پبلک اسلامک لائبریری سے منسلک ہیں۔ شعروشاعری اصل میدان ہے مگر تعلیمی موضوعات اور سفرنامے بھی لکھے ہیں۔

تحریری سلسلہ زمانہ تعلیم سے جاری ہے 2009 میں ان کا پہلا شعری مجموعہ ''عکاسیاں'' منصۂ شہود پر آیا۔ دوسرا مجموعہ کلام ''تبدیلیاں'' زیر ترتیب ہے۔

ان کا تعارف مجھے برمنگھم کے معروف مترنم صاحب دیوان شاعر جناب آدم چغتائی صاحب نے کرایا جس کے لئے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

فاروق صاحب نے مجھے اپنا خوبصورت مجموعہ کلام بھیجا جو نہایت خوبصورت سرورق اور عمدہ کاغذ کے ساتھ کاکوری آفسٹ پریس لکھنؤ نے شائع کیا جس میں برمنگھم کے معروف شعراء ملک افضل حسین ،مرحوم ڈاکٹر خالد علوی، اعجاز رحمانی، خواجہ محمد عارف، جاوید اختر چوہدری۔ یو کے اسلامک مشن برمنگھم کے صدر مولانا محمد سرفراز مدنی، لندن کے ڈاکٹر صہیب حسن اور انڈیا جمشید پور کے پروفیسر سید احمد شمیم، اسلم بدر اور محمد جمیل فکری کے نہایت سیر حاصل مضامین شامل ہیں آخر میں مصنف شاعر نے اپنے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا کہ، انہیں اسکول کے زمانے سے ہی شعروسخن سے دلچسپی رہی اچھے اشعار ازبر کرنے اور ادبی محفلوں میں سننے سنانے کا شوق رہا۔ کالج کے زمانے میں جمشید پور اور کھڑگپور کی ادبی نشستوں

میں آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا جہاں طرحی وغیر طرحی مشاعرے ہوتے۔ 1977 میں انہوں نے اپنے علاقہ "ٹیلکو" میں بزم ادب کی بنیاد رکھی اور یادگار مشاعروں کا انعقاد کیا۔ ان کی جوانی کے بارے میں ان کے قریبی دوست اور پروفیسر بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جو چڑھتی عمر میں نوخیز لڑکے اپنی خودسری/جستجو کی خاطر کر بیٹھتے ہیں۔ ان کی معاشرتی، مذہبی، ثقافتی اور ادبی دلچسپیاں ہر زمانے میں قائم رہی ہیں اور ذہن وفکر کا رخ ہمیشہ مثبت سمتوں کی جانب رہا۔

ابھی سے تم کو تمنا ہے ارتقا کی نسیم

اک عمر چاہیے ایسا مقام آنے میں

انڈیا کے پے در پے مسلم کش فسادات نے انہیں کافی متاثر کیا جس کا ذکر ان کی نظموں اور غزلوں میں ملتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ذہن وفکر اور عملی طور پر پابند ہونے کی وجہ سے ان کے کلام پر اسلامی چھاپ کافی گہری ہے۔ ان کے دردمند دل میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی گہری تڑپ موجود ہے جو ان کی نظموں میں نمایاں ہے۔ وہ اپنے اشعار میں عالم اسلام ہی کو نہیں پوری دنیا کے انسانوں کو محبت کا درس دیتے ہیں اور نفرت وکدورت سے دور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔

افلاس سے غربت سے لڑنے کی ضرورت ہے

ظالم کو سبق دینے، مرنے کی ضرورت ہے

الفت ہو محبت ہو، انسانوں کی بستی میں

نفرت سے کدورت سے ڈرنے کی ضرورت ہے

ان کے مجموعہ کلام میں جن تمام صاحبان نے لکھا ان تمام کا متفقہ بیان ہے کہ فاروق نسیم نہایت مذہبی اور عملی مسلمان ہیں اور ان کی تمام زندگی اسلامی تبلیغ وعمل سے عبارت ہے۔ وہ نہ تو ایسے شاعر ہیں جو مشاعرہ لوٹنے کی تمنا رکھتے ہیں اور نہ ہی سامعین وقارئین کے سطحی جذبات سے کھیلتے ہیں۔ وہ اپنی دینی و تہذیبی قدروں کی بازیافت کے شاعر ہیں۔ ان کی فکر ایک مخصوص فکری نظام سے تعلق رکھتی ہے، ان کی شاعری کا فکری نظام بندگی خدا کی طرف مائل ہے ان کی شاعری کو نہ تو حدیث دلبری سے اور نہ ہی حدیث

زندگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے بلکہ ان کی شاعری حدیث بندگی سے تعلق رکھتی ہے۔

میری شاعری کو سنوار دے

مرا لفظ لفظ نکھار دے

وہ شعور دے وہ شعار دے

میں خزاں ہوں مجھ کو بہار دے

مجھے ایسا سجدۂ شوق دے

تیری بندگی کا جو ذوق دے

مجھے ابھی فاروق بھائی سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا مگر ان کی شکل شناسا لگی جو شاید اخبارات ورسائل میں کسی مشاعرے میں دیکھا ہو۔ انہوں نے شاعری کی بہت سی اصناف پر طبع آزمائی کی ہے ،نعت ،حمد ،غزل ،پابند و آزاد نظمیں، قطعات و اشعار اور نثر میں بھی مختلف موضوعات پر مضامین لکھے ۔ ادب سے گہری محبت کا ثبوت ہے کہ پہلے تعارف میں انہوں نے اپنے مالی وادبی تعاون کے ساتھ میری اس کتاب میں شرکت کی جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں اور دلی دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی قلم میں مزید برکت دے اور منتظر رہوں گا ان کے دوسرے مجموعہ کلام ''تبدیلیاں'' کا۔ آخر میں ان کی نہایت خوبصورت غزل کے چند اشعار۔۔

دنیا میں ترقی کی راہیں میراث نہیں ہوتی ہیں کبھی

اجداد سے ہم نے جو سیکھا بچوں کو سکھانا بھول گئے

ذہنوں کی غلامی سے اب تک آزاد کہاں ہم ہو پائے

غیروں کے ترانے اتنے پڑھے اپنا ہی ترانہ بھول گئے

امید تھی اپنے صحرا میں اک روز کھلیں گے پھول نسیم

ہم آس لگائے بیٹھے رہے اور باغ لگانا بھول گئے

۞ ۞ ۞

❁

تاریخ بھلا ہم کو نہ سکی ، ہم اپنا فسانہ بھول گئے
تھا اپنا زمانہ یاد ہمیں ، اپنا وہ زمانہ بھول گئے

صرف ایک ذرا سی لغزش سے ہم خاک ہوئے گھر خاک ہوا
ہم وقت کے ظالم شعلوں سے دامن کو بچانا بھول گئے

دنیا میں ترقی کی راہیں میراث نہیں ہوتی ہیں کبھی
اجداد سے ہم نے جو سیکھا بچوں کو سکھانا بھول گئے

ذہنوں کی غلامی سے اب تک آزاد کہاں ہم ہو پائے
غیروں کے ترانے اتنے پڑھے اپنا ہی ترانہ بھول گئے

اک آگ تھی دہشت گردی کی جو سارے چمن میں پھیل گئی
اس آگ کے جلنے کے لیکن اسباب بتانا بھول گئے

انصاف کی اعلیٰ قدروں پر منصف نے لگائے داغ ایسے
آئینِ عدالت بھی اب تو انصاف دکھانا بھول گئے

جس بزم میں ان کی آمد تھی وہ بزم سجائی یوں ہم نے
خوشبو کے ترانے تو گائے پر پھول ہی لانا بھول گئے

وعدے تو کئے تھے اس نے بہت ہر حال میں جینے مرنے کے
جب وقت نبھائے کا آیا ، وہ وعدے نبھانا بھول گئے

امید تھی اپنے صحرا میں اک روز کھلیں گے پھول نسیم
ہم آس لگائے بیٹھے رہے اور باغ لگانا بھول گئے

❁

راستے میں دیا نہیں ہوتا
اچھا ہوتا بُرا نہیں ہوتا

اہلِ دل تو سفر میں رہتے ہیں
منزلوں کا پتہ نہیں ہوتا

راستہ ، عشق ڈھونڈ لیتا ہے
جس جگہ نقشِ پا نہیں ہوتا

اپنے اعمال کی سزا ہو گی
بے سبب حادثہ نہیں ہوتا

جیسے چاہو تراش لو اس کو
وہ تو بُت ہے خفا نہیں ہوتا

گرد جب تک نہ دور ہو جائے
آئینہ آئینہ نہیں ہوتا

فکر کی وسعتوں کا کیا کہنا
سوچ میں فاصلہ نہیں ہوتا

موت آ کر ہمیں الگ کر دے
ورنہ کوئی جدا نہیں ہوتا

جب جہاں چاہو تم پکارو نسیم
کس جگہ پر خدا نہیں ہوتا

خرد پسند طبیعت کا اعتبار نہ کر
جنوں کے دَور میں جذبوں کو بے قرار نہ کر

غم و خوشی ہیں حقیقت میں زندگی کے چراغ
غمِ حیات میں آنکھوں کو اشکبار نہ کر

تمہارا دستِ مقدر میں پڑھ نہیں سکتا
یہ ہاتھ مجھ کو دکھا کر گناہ گار نہ کر

جہاں میں ایسی تجارت کا اب کہاں امکاں
بشر ہو جس سے پشیماں وہ کاروبار نہ کر

تُو عصمتوں کا امیں ہے جہانِ عالم میں
نبیؐ کے خلق کے دامن کو داغدار نہ کر

کسی کا راز تو سینے میں اک امانت ہے
ہر امتحاں سے گذر ، اس کو آشکار نہ کر

نسیم جس سے ندامت ملے زمانے میں
کبھی وہ کام زمانے میں بار بار نہ کر

فراست

فراست ہو جو مومن میں بصیرت آ ہی جاتی ہے
زمانے کے تقاضوں کا سفر خود ہی سکھاتی ہے
وسائل کی کمی سے کب رکا ہے کام دنیا کا
صداقت ہو جو نیت میں تو محنت رنگ لاتی ہے
خرد پر ناز ہے جن کو ، انہیں یہ بات بتلا دو
خرد کی بے لگامی سے نظر دھوکا بھی کھاتی ہے
مجازی رنگ دینے سے حقیقت چھپ نہیں سکتی
حقیقت روح میں رہتی ہے ، دل میں گھر بناتی ہے
ہمارے حکمراں بہلا رہے ہیں جھوٹے وعدوں سے
نفاذِ دین سے شاید کہ ان کی جان جاتی ہے
اگر صبر و تحمل ہو ، نظامت ہو ، شجاعت ہو
خبر پھر آسماں سے نصرتوں کی ، آ ہی جاتی ہے

قائدینِ اُمت

مسلکی جھگڑوں میں ہر وقت گرفتار ہو تم
فرقہ بندئی جماوت کے طلب گار ہو تم
ذاتی اغراض و مقاصد ہیں مقدم سب میں
اپنے منصب کے لئے برسرِ پیکار ہو تم
کوئی منصوبہ نہ تنظیم نہ ہے راہِ عمل
بس خرافات میں الجھے ہوئے کردار ہو تم
جوش و جذبات کے نشے میں ہیں اقدام سبھی
جس سے لشکر میں ہے بکھراؤ وہ سالار ہو تم
صاف و شفاف بھلا کیسے تمہارا ہو سفر
جو رکاوٹ ہے ترقی میں وہ دیوار ہو تم
پھول کھل جائیں تو باغوں میں بہار آتی ہے
برق کی زندہ علامت سرِ گلزار ہو تم
ہم نظر ہو کے بھی آپس کی رقابت کے طفیل
اپنے افرادِ جماعت سے بھی بیزار ہو تم
آج رفقاء میں ہے مفقود اخوات کا مزاج
ورنہ رکھ لیتے سبھی اپنی جماعت کی بھی لاج

قطعات

یاد اپنوں کی تھی کم اور غیر کا چرچا بہت
اپنی اس بیگانگی پر رات دن رویا بہت
یوں بھی گذرے ہیں دیارِ غیر میں شام و سحر
جستجو تو خوب کی پایا ہے کم کھویا بہت

☆☆

خودی کے نام پہ جو خود نمائی کرتے ہیں
جو خود کو چھوڑ کے سب کی برائی کرتے ہیں
خدا بچائے ہمیں ایسے رہنماؤں سے
جو راہ زن ہیں مگر رہنمائی کرتے ہیں

☆☆

میری آنکھوں میں مچلتے ہیں سمندر کتنے
اور سمندر میں نظر آتے ہیں منظر کتنے
میں تو شاعر ہوں سجا لیتا ہوں خوابوں کا جہاں
شعر میں ڈھل کے سنور جاتے ہیں پیکر کتنے

مسز کوثر علی (مرحومہ)

Mrs. Kosar Ali,

8,Grosvenor Ave, Carshalton

SM5 3EW. Tel: 0208647 3862

E.Mail:kausarali@yahoo.co.uk

مسز کوثر علی صاحبہ 1962 میں پاکستان کراچی سے برطانیہ تشریف لائیں۔لندن یونیورسٹی سے بچوں کی تعلیم کا ہائر ڈپلوما حاصل کیا۔۱۹۷۴ سے تعلیمی شعبے میں داخل ہوئیں،اور اب تک لندن کے کئی مین سٹریم سکولوں اور کالجوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔کچھ سال تک ایسیٹ لینگو یجز کیمبرج کے ساتھ بھی کام کیا۔ اے۔ایل۔ایل کی ممبر شپ کے علاوہ اب وہ انگی ورلڈ لینگو یجز کے سٹیرنگ گروپ کی ممبر بھی ہیں جس کا کام تمام زبانوں کی ترقی کیلیے جدو جہد کرنا ہے اور کسی اہم کمی کو درست کرنے کیلئے تعلیمی محکمے میں نمائندگی کرنا،تعلیمی پالیسیوں پر نظر رکھنا اور برطانیہ کی اقلیتی زبانوں کو جن میں اردو بھی شامل ہے ان کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی اداروں میں فروغ دینے کی کوشش کرنا،اور زبانوں کے اساتذہ کو ہر نئی اور کار آمد تعلیمی سکیم سے بہرہ ور کروانا،یہ کام جاری ہے۔

کوثر علی نے ساری زندگی درس و تدریس میں گزاری جو نہایت مقدس پیشہ ہے انہوں نے اردو تعلیم رضا کارانہ پڑھانے سے ابتدا کی اور پھر اپنی قابلیت اور محنت سے مین اسٹریم میں ایک کامیاب استاد کی حیثیت سے برطانیہ میں اپنے طویل تجربات سے اردو زبان کی آب یاری کی اور ایشین بچوں میں اردو زبان کو فروغ دیا۔۔ انہوں نے کمیونٹی کے لئے اور اردو زبان کی ترقی ترویج کا وہ وہ کام کیا جو کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔یہ ننھی سی جان جو اندر سے کسی پہاڑ سے کم نہیں بلا کی ہمت رکھتی ہے۔اور قابل تعریف ہیں ایسے لوگ جو بغیر کسی تعریف و توصیف کی طمع اور نمائش کے اپنی کمیونٹی کی خدمات میں مصروف ہیں وہ قابل احترام ہیں۔انہوں نے اپنے کام کے متعلق ابتدائیہ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے جسے پڑھ کر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایسے مخلص لوگ بہت کم دیکھے گئے ہیں جنھوں نے ایک گمنام ہیرو بن کر ایشین کمیونٹی کی خدمات کی۔کوثر علی پہلی خاتون ہیں جنھوں نے

میرے علم کے مطابق ڈرامے کی صنف میں اتنا کام کیا جسے انہوں نے کتابی شکل میں دنیائے اردو کو دیا جو قابل تعریف ہے۔گوان کے یہ ڈرامے ان کے اسکول کے لیول کے ہیں جوانہوں نے اپنی کلاس کے بچوں سے پلے کروائے۔مگران میں جن جن موضوعات پر لکھا گیا وہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔تمام کہانیاں مغربی اور مشرقی معاشرے کے تصادم کے تناظر میں لکھی گئیں ہیں اور تمام کی تمام کہانیاں کسی نہ کسی سچے واقعات کے خمیر سے اٹھی ہیں۔انہوں نے اردو کی ایک بے جان ہوتی ہوئی صنف میں نئی جان ڈال کر اردو کے قلمکاروں کو احساس دلایا ہے کہ اردو میں صرف شاعری،افسانہ ہی نہیں ڈرامہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔۔مجھے پورا یقین ہے کہ اردو ادب میں اس کتاب کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا اور پذیرائی ہوگی۔یقیناً ادبی دنیا میں یہ ایک بہترین اضافہ ہے۔۔

آٹھ ڈراموں کے اس مجموعہ کا نام ”آئینہ حیات“ ہے۔اس کے علاوہ برطانیہ میں تدریس کا نصابی گائیڈ (پہلی جماعت سے اے لیول تک) جوگولڈ سمتھ یونیورسٹی آف لندن کے زیرِ ہدایت بھی شائع ہوا۔

1978 سے مضامین اور کہانیاں لکھنا شروع کیں اور پھر اردو انگریزی میں شعروشاعری بھی کرنا شروع کی۔نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتی ہیں۔جیسا کہ وہ اس سال کے آخر میں اپنی نوکری سے ریٹائر ہو جائیں گی اور امید ہے کہ وہ ادب کی جانب پوری توجہ دے سکیں گی اور شاعری کے ساتھ ساتھ نثر پر کام کریں گی خاص کر ڈرامے پر کہ برطانیہ میں ڈرامہ نویسی بہت کم کی گئی ہے۔

کوثر علی ایک اچھی کہانی کار ہیں ان کے اظہار کی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعہ کو پس پردہ رکھ کر واقعہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کو بیان کرتی ہیں جس سے واقعہ مزید اجاگر ہو جاتا ہے اور طرزِ اظہار میں مزید تاثر در آتا ہے۔۔ امید ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اپنے قلم کی نوک سے معاشرے کے ان مسائل کو کریدتی رہیں گی اور اپنے خوبصورت بیانہ میں پیش کر کے قارئین کو مستفید کرنے کے ساتھ اردو ادب میں اضافہ کریں گی۔۔۔

پچھلے سال کے شروع میں ایک خیراتی ادارے کڈز آؤٹ نے ایک تعلیمی پروجیکٹ شروع کیا جس میں برطانیہ کی بیس مقبول زبانوں کے بولنے والوں (جنکی مادری زبان ہو) سے اپنے ملک کی تہذیب اور روایات کے بارے میں کہانیاں لکھنے کی درخواست کی،جو کہ انگریزی میں بھی ہوں اور جن میں اخلاقی پہلو نمایاں ہو۔انہوں نے ہر زبان کی

پانچ کہانیاں لکھنے کی درخواست کی، تاکہ وہ انہیں اپنے ویب سائٹ پر دے سکیں جو کہ سکولوں میں پڑھی جاسکیں۔ کوثر علی نے اردو زبان کی پانچ کہانیاں انہیں لکھ کر ہدیہ کے طور پر دیں جنہیں بی بی سی نے بھی ریکارڈ کیا ہے۔ یہ پروجیکٹ نہایت منفرد ہے۔ جس کی وجہ سے ۱۰۵ کہانیاں بیس زبانوں میں اور ہر کہانی انگریزی میں بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ اسوقت ہزاروں سکول ان سے مستفید ہورہے ہیں اور بیشمار بچے انہیں سن کر اور پڑھ کر دنیا کے مختلف ممالک کے تہذیب وتمدن اور وہاں کے حالات سے آگاہ ہورہے ہیں، دیگر یہ کہانیاں نیک سیرت واخلاق کی ترغیب دیتی ہیں۔ جس کی اسوقت بہت ضرورت ہے۔ یہ کہانیاں اس ویب سائٹ پر پڑھی جاسکتی ہیں۔

http://www.worldstories.org.uk/stories/stories?lang=urdu

مجھے امید ہے کہ کوثر علی اپنے اس اعلیٰ اور منفرد کام کو جاری رکھیں گی اور ادب کی خدمت میں کوشاں رہیں گی۔ ان جیسی اعلیٰ ذوق کی حامل خواتین کی ہمیں اپنی کمیونٹی اور نئی نسل کے بچوں کی خالص ایشیائی تہذیب کی روشنی میں پرورش کرنے کی مد میں اہم ضرورت ہے جو کوثر علی پوری کررہی ہیں۔۔۔ ۞ ۞ ۞

اردو ڈرامے کا سفر

پس منظر: ہندوستان میں سب سے پہلے شاید جنوبی ہند کی ادبی زبانوں کے چند اہم تخلیق کاروں اور ڈرامہ نگاروں نے مغرب کے جدید تجربات سے استفادہ کرکے اپنی زبان کے ڈراموں میں جدیدیت کا آغاز کیا۔ طویل ڈراموں کے ساتھ ساتھ یک بابی ڈرامے بھی نئے اسلوب اور موضوع کے اعتبار سے نئی طرز پر لکھے اور پیش کیے جانے لگے۔ بعد میں اردو ڈرامہ بھی جدید فکر سے متاثر ہوا اور کچھ ایسے ڈرامے منظر عام پر آئے کہ جن کا ۱۹۷۰ سے پہلے قیاس بھی کرنا دشوار تھا، اس طرح اردو ڈرامے کی ماہیت میں بھی جدید مغربی اور مقامی ڈراموں کے اثرات سے تبدیلیاں رونما ہوئیں نئے تجربات کے زیرِ اثر مقامی روایات کی گرفت بھی کمزور ہوئی، ناظرین اور اداکاروں کے درمیان خیالی فاصلہ بھی کم ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ سٹیج کے فرسودہ ساز وسامان اور روایتی بھاری بھرکم اور آرائشی سیٹ سے بھی گریز ہونے لگا۔ تاہم اردو یک بابی ڈرامہ مسلسل روائتی اسلوب پر ہی قائم نظر آتا رہا۔

یہ نہایت افسوسناک مقام ہے کہ اردو زبان میں ڈرامے کی صنف مسلسل بے اعتنائی کا شکار رہی ہے جبکہ اردو کی دیگر اصناف ادب مثلاً افسانہ، ناول، شاعری، تنقید، لسانیات وغیرہ پر خاطر خواہ کام ہوتا رہا ہے۔ ڈرامے کی تہی دستی کے اسباب وعلل سے سب واقف ہیں۔ میری نظر میں سب سے بڑی وجہ تو عوام کا ہندی فلموں سے لگاؤ میں اضافہ ہے، خاص طور پر فلموں میں موسیقی کی شمولیت ان کو ہر دلعزیز بنا دیتی ہے خواہ اس کی کہانی کا موضوع وہی گھسا پٹا سماجی ظلم وستم

ہی کا المیہ کیوں نہ ہو۔ اور آجکل تو سیٹلائٹ کے ذریعے گھر بیٹھے لوگوں کو بالی وڈ اور لالی وڈ سے مستفید ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ عام طور پر فلم کے ناظرین کی تعداد اس کی کامیابی کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ڈرامے کی تخلیق اور اسکو سٹیج کرنے میں بے پناہ جاں فشانی اور مالیت صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور فلم کے مقابلے میں ناظرین کی تعداد بھی صرف مقامی ہونے کے باعث بہت کم ہوتی ہے، اس لئے اگر ناظرین کی پذیرائی حاصل نہ ہو تو ڈرامہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اقتصادی حالات بھی ڈرامے کی نوعیت پر اثر انداز ہوتے ہیں اسکے علاوہ مذہبی تعصبات، مذہبی اور سماجی حدود سے تجاوز کرنے کے نتائج اور شعوری فقدان بھی فروغ ڈرامہ کی راہ میں حائل رہے ہیں۔

ان نامسائد حالات میں بھی اردو ڈرامے کی کچھ حد تک سرگرمیاں برِ صغیر پاک و ہند میں زیرِ عمل رہی ہیں۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں تمثیل نگاری اور اردو سٹیج کے فروغ کے سلسلے میں کچھ سرگرمیاں ضرور ہوئیں لیکن لسانی تعصب، نسلی منافرت، سرکاری بے اعتنائی اور بیشتر ادیبوں کی لاشعوری کے عناصر اس صنف کے فروغ میں حائل رہے۔ البتہ پاکستان میں اردو ڈرامے پر ٹیلیویژن کے ذریعے قابلِ قدر کام ہوا، اس کے علاوہ لاہور میں 'اجوکہ' تھیٹر ڈرامے پر اچھا کام کر رہا ہے۔ مگر دیکھا جائے تو اردو ڈرامے اپنے ابتدائی مراحل سے گذر کر اب تک جو بھی تحریر ہوئے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہیں کہ جن کو دنیا کے عظیم ڈراموں میں شامل کیا جاسکتا ہے، جن کے تخلیق کاروں کا ذکر کرنا لازمی سمجھتی ہوں مثلاً آغا حشر کاشمیری، امتیاز علی تاج، اور عصرِ جدید کے کچھ قلم کار مثلاً معین الدین حبیب تنویر، انیل ٹھاکر، وجاہت مرزا، مجیب، ظہیر انور وغیرہ نے اردو میں تمثیل نگاری کے میدان میں بلاشبہ قابلِ قدر کام کئے ہیں۔

ڈرامے کو سٹیج، ٹیلیویژن، فلم یا ریڈیو میں پیش کیا جاسکتا ہے اور اس میں نئے ٹیکنیکی انتظامات استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ دراصل ڈرامے کے لئے سٹیج ہی وہ واحد معیار ہے جس کے ذریعے ڈرامہ نگار اور ڈرامے کے تخلیقی محاسن کا صحیح ادراک کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ڈرامے 'ریہرسڈ ریڈنگ' کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مغرب کے چند معروف تخلیق کاروں نے بھی ترتیلی ڈرامے میں خامہ فرسائی کی ہے جو پڑھنے کے لئے موزوں ہیں مگر سٹیج کے لئے دشوار خیال کئے جاتے ہیں۔ اس طرح کے ڈراموں کا خاصا سرمایہ اردو ادب میں کم و بیش موجود ہے جو ہمارے مشہور و معروف ادیبوں کے فکر و قلم اور شعور کا مرہونِ منت ہے اس لئے ان چند مشاہیر کا ذکر کرنا بھی لازم ہے مثلاً عبدالحلیم شرر، عبدالماجد دریابادی، سیماب اکبر آبادی، آرزو لکھنوی، منشی نرائن نگم، نیاز فتح پوری وغیرہ جنھوں نے ترتیلی ڈرامے کی صنف میں اختراعِ طبع آزمائی کی، گو کہ ان کی تخلیقی کاوشیں سٹیج کے لئے ناموزوں ثابت ہوئیں مگر ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لندن میں اردو ڈرامے کا منظر: یہ موضوع لندن میں اردو ڈرامے کے فروغ اور سرگرمیوں سے متعلق ہے، چنانچہ میں لندن میں اردو ڈرامہ نویسی اور سٹیج پر اجمالی طور پر روشنی ڈالنا چاہوں گی۔ بی بی سی ریڈیو کی فارن سروس کے شعبے سے منسلک وہ قلمکار جن کو برِ صغیر پاک و ہند سے منسوب کیا جاتا ہے ان کی اردو تمثیلی تخلیقات البتہ ضرور لندن کے مقامی سٹیج

پر دیکھنے میں آئیں، لیکن با قاعدہ طور پر کوئی تنظیمی کام نمایاں نہیں ہوا۔ لہٰذا لندن میں اب تک ہونے والے اردو ڈراموں کی تاریخی نشان دہی نہایت دشوار ہے۔

بی بی سی ریڈیو کی اردو فارن سروسز سے منسلک جن حضرات نے اپنے تخلیق کردہ جو ڈرامے سٹیج کئے وہ صرف ایک ہی بار نمائش کی حد تک محدود رہے، کیونکہ جب ان کی ملازمت ختم ہوئی تو وہ لندن سے اپنا رختِ سفر باندھ گئے اور اس طرح اردو سٹیج کی کوئی مستقل خدمت کی صورت نمایاں نہیں ہوسکی۔ تاہم ان میں سے گنتی کے چند حضرات جو یہاں آباد ہو گئے انہوں نے حتی الامکان اردو ڈرامے سٹیج کرنے کی کوشش کی مگر اردو ناظرین کی پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اردو سٹیج سے کنارہ کشی کر لی۔ میں اس تناظر میں اتنا ضرور عرض کرنا چاہوں گی کہ بی بی سی ریڈیو کی اردو سروس سے وابستہ ان قلمکاروں کا بیشتر رجحان اور تجربہ تکنیکی لحاظ سے ریڈیائی تمثیل نگاری پر مرکوز رہا ہے، چنانچہ سٹیج کے تکنیکی لحاظ سے ان کی تخلیقات کوئی نمایاں رول ادا نہیں کر سکیں۔

کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ ہندو پاکستان کے چند اردو ڈرامہ نگار کچھ عرصے کے لئے یہاں تشریف لائے اور انہیں اپنے ڈرامے پیش کرنے کے مواقع میسر ہوئے۔ ۹۰ کی دہائی میں ساجدہ زیدی نے اپنے واقف کاروں کی مدد سے اپنا ڈرامہ 'دوسرا کمرہ' سٹیج کیا جس کی نمائش صرف ایک شو تک محدود رہی۔ پھر ۸۰ کی دہائی کے اوائل میں پاکستان کے سٹیج اور اور ٹیلیویژن کے ممتاز ادیب، فنکار اور قلمکار کمال احمد رضوی نے لندن میں اپنا تخلیق کردہ طویل ڈرامہ 'کس کی بیوی کس کا شوہر' سٹیج کیا۔ یہ ڈرامہ مولیر کے ایک مشہور ڈرامے سے ماخوذ کیا گیا تھا، جس کے صرف دو تین شوز ہوئے اور مالی اعتبار سے خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی عرصے کے درمیان ہندوستان کے مشہور و معروف تمثیل نگار مجیب نے اپنا تحریر کردہ طویل ڈرامہ با قاعدگی سے لندن کے مقامی سٹیج پر پیش کیا جو کہ ایک شو کی حد تک محدود رہا۔

۹۰ کی دہائی میں تھیٹر کی مشہور و معروف شخصیات زہرہ سہگل اور عذرا دونوں بہنیں برِصغیر ہندو پاکستان سے لندن تشریف لائیں اور ایک طویل ڈرامہ 'ایک تھی نانی' مدیحہ گوہر کی ہدایت کاری میں سٹیج کیا، جس کو اردو تھیٹر کے شائقین نے ناسٹلجیا کے تناظر میں بہت سراہا۔ اردو تھیٹر کے فنکار اور ہندوستان کے معروف اداکار نصیر الدین شاہ نے بھی ۹۰ کی دہائی میں لندن کے مقامی سٹیج پر 'عصمت آپا' کے نام سے ایک فکر انگیز تمثیل پیش کی، جس کی ناظرین کی طرف سے بے حد پذیرائی ہوئی۔

کچھ کلچرل تنظیموں کی جانب سے بھی گاہے بگاہے لندن میں جزوی طور پر اردو ڈرامے سٹیج ہوئے ہیں جن کی نمائش محض ایک یا دو شوز تک ہی محدود رہی ہے۔ اس نوع کی تنظیموں میں لندن میں عرصے سے قائم 'صوفی' نام سے ایک کلچرل ادارہ اکثر اردو کے یک بابی ڈراموں کی ریڈنگ پیش کرتا ہے۔ 'صوفی' کے روحِ رواں جناب مصطفیٰ شہاب ہیں جن کی اس نوع کی سرگرمیاں اردو ڈرامے کی بقا میں یقیناً ممد و معاون ہیں۔ مصطفیٰ صاحب نے کچھ سال پہلے لندن کے مشہور تھیٹر 'شا' میں ہندستان کے چند فنکاروں کو شامل کر کے کچھ اردو ڈرامے پروڈیوس کئے جن کے ایک سے زائد شوز سٹیج پر منعقد

ہوئے۔اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق چند لکھنے والوں نے لندن میں اردو ڈرامے سٹیج کیے،ان میں یاور عباس، پرویز عالم، چمن لال چمن، رفعت شمیم، آغا شمشو اور شاہدہ عزیز کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ میں یہاں پر لندن کی ایک ڈرامائی تنظیم کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گی جو کہ ۱۹۷۸ سے باقاعدگی کے ساتھ اردو سٹیج کی خدمت میں کوشاں ہے۔ یہ تنظیم 'اپٹا' یعنی انڈو پاک تھیٹر کے نام سے موسوم ہے، جس کی جانب سے لندن کے مختلف مقامی سٹیج پر یک بابی اور طویل ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں۔اس تنظیم کے روحِ رواں جناب رفعت شمیم صاحب ہیں جو لندن میں اردو ڈرامے کی صنف میں تن دہی سے کام کر رہے ہیں۔ رفعت شمیم صاحب کی ڈرامے سے نسبت بہت قدیم ہے۔یعنی کہ ۵۰ کی دہائی میں جبکہ وہ بمبئی میں زیرِ تعلیم تھے،اس دوران وہاں پر جدید فکری ڈراموں کا کلچر پروان چڑھ رہا تھا۔انہوں نے مہاراشٹر کی اسی سازگار فضا میں اپنے ڈراموں کی تخلیق کا آغاز کیا، پھر بمبئی میں تھیٹر کی چند دانشور ہستیوں جو کہ 'راڈا' یعنی رائیل اکیڈمی آف آرٹز لندن کی سند یافتہ تھیں، ان کے ساتھ کام کرنے سے فکر و قلم کی تربیت کا موقعہ ملا۔ انکی اشاعت 'یہ زندگی یہ تماشے' ان کی اسی فکر و تعلیم اور زندگی بھر کے تجربے کا نچوڑ ہے۔اس تناظر میں یہ کہنا نہایت موضوں ہے کہ جناب رفعت شمیم صاحب صحیح معنوں میں ڈرامے کے 'گرو' ہیں۔انہوں نے مئی ۲۰۱۱ میں 'اپٹا' کی جانب سے لندن کے 'واٹر مین تھیٹر' میں ایک ڈرامہ 'اس منجھدار میں' پیش کیا تھا۔ یہ سعادت حسن منٹو کا لکھا ہوا ڈرامہ جس میں رفعت شمیم صاحب نے خود اپنی موافقت سے تبدیلیاں کر کے تحریر کیا اور پھر خود ڈائیریکٹ کر کے سٹیج کیا۔اسے دیکھ کر ہی صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کام میں کس قدر جانفشانی کی ہوگی۔ ڈرامے کی اداکاری انتہائی اعلیٰ تھی خصوصاً نوکرانی اصغری کی۔ناظرین کی بے انتہا داد سے ان کی کامیابی کا خوب اندازہ ہو رہا تھا۔اس ڈرامے کے چار شوز ہوئے اور چاروں بہت کامیاب رہے۔لندن میں مقیم اردو ڈرامہ نویس خواتین میں سے شاہدہ عزیز صاحبہ نے دو ڈرامے سٹیج کئے جن میں 'صدائے کشمیر' کی ناظرین کی جانب سے بہت پذیرائی ہوئی۔انور نسرین صاحبہ نے بھی ڈرامہ تحریر کیا جو کہ ترتیلی ڈرامے میں شمار ہوتا ہے۔آخر میں راقم الحروف کی اردو ڈرامے کی خدمت میں ادنئے سی کوشش کو بیان کرنے کی جسارت میں مضائقہ نہیں سمجھتی، کہ جو آٹھ ڈراموں کے مجموعے پر مشتمل کتاب میں نے تحریر کی اس کی 'آئینۂ حیات' کے نام سے ۲۰۰۷ میں اشاعت ہوئی تھی۔ ان ڈراموں میں ہندو پاکستان سے ہجرت کر کے برطانیہ آ کر بسنے والے چند لوگوں کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ ہے۔خصوصاً مغربی اور مشرقی تہذیب کے باہمی تصادم اور روایتی معاشرے کی شکست و ریخت سے ڈراموں کے کرداروں کی نفسیاتی کشمکش ان کہانیوں کے عروج زوال میں منظر پذیر ہے۔ان میں بیشتر ڈرامے ترتیلی ڈراموں میں شمار ہوتے ہیں،مگر میں نے ان میں سے ایک ڈرامہ 'ارشد میاں کی کوٹھی' اپنے اے لیول کے طلبا سے سٹیج کروایا تھا جو کہ بے حد پسند کیا گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ریہرسڈ ریڈنگ کے علاوہ ان میں سے کئی ڈرامے ضروری تکنیکی لوازمات کی شمولیت کے ساتھ سٹیج کئے جا سکیں گے۔

❁ ❁ ❁

Mrs. Gulzeba Zeba,

E.Mail: gulzebzeba@gmail.com

گلزیب زیبا سے ملاقات اپنے ہی مشاعرے میں ہوئی جہاں وہ برنلے کے شاعر جناب ضمیر طالب سیال صاحب کی دعوت پر تشریف لائیں۔ کچھ لوگ یا تو اتنے خوبصورت ہوتے ہیں اور یا پھر اتنے مخلص طبیعت کہ پہلی ملاقات میں برسوں کے فاصلے طے کر جاتے ہیں اور یہ دونوں خوبیاں گلزیب زیبا کو نصیب ہیں۔انہوں نے پہلے ہی دن مجھے اپنی دو کتابیں عطا فرمائیں۔شعری مجموعہ ''گل ریگزار'' اور کہانیوں کا مجموعہ ''زندہ کہانیاں'' جنہیں پڑھ کر ان کی ذاتی صفات جو انہوں نے اپنے بارے میں لکھا سچ ثابت ہوئیں۔وہ جہاں اچھی شاعرہ ہیں وہاں بہترین کہانی کار بھی۔!

وہ اپنی 'سی وی' میں لکھتی ہیں۔دنیائے اردو کی شاعری کی سب سے زیادہ تیز رفتار زود گو فی البدیہہ طرحی مشاعروں کی شاعرہ ہیں جنہوں نے 5 سال کی عمر میں باقاعدہ اشعار کہنا شروع کیے۔جو ایک ہی مشاعرے کی نشست میں بیس سے اسی فی البدیہہ انتہائی معیاری شعر کہنے کا ریکارڈ رکھتی ہیں اور دنیائے ادب کی پہلی مزاح گو خاتون شاعرہ ہیں جنہوں نے 1991 سے مزاحیہ مشاعرے پڑھے اور درجنوں انٹرنیشنل مشاعرے پڑھنے کا اعزاز رکھتی ہیں۔اس کے علاوہ آپ 'فیس بک' پر ایک سال سے ہفتہ وار 'آن لائن' طرحی مشاعرے کروا رہی ہیں جن میں وہ نئے شعراء کی اصلاح و رہنمائی بھی کرتی ہیں۔

ان کی شاعری کے تین مجموعے ''گل ریگزار، کیکٹس اور عکس جہاں'' شائع ہو چکے ہیں اور ایک کہانیوں کا مجموعہ ''زندہ کہانیاں'' بھی شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

آپ کئی برس سے برطانیہ میں ہیں۔پاکستان میں کراچی سے تعلق ہے۔ایم اے ماس کمیونیکیشنز اور ماسٹر ان سوشل کیئر میں کیا اور لندن میں اچھے عہدے پر ملازمت کرتی ہیں۔

گلزیب زیبا ایک زمانے میں کافی متحرک تھیں ادبی دنیا میں مگر انہیں شکایت ہے کہ ادب کا ڈھنڈورا

پیٹنے والوں میں ادب نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی کتنی اچھی شاعری کرتی ہے بس جہاں خوبصورت شکل دیکھی وہیں مر مٹے اور اس پر غزلیں لکھنی شروع کر دیں انہی دل پھینک عمر رسیدہ اساتذہ سے تنگ ہو کر انہوں نے مشاعروں میں ہی جانا بند نہ کیا بلکہ کئی سال تک گوشہ نشین رہیں۔آج عمر کے اس حصے میں ہیں اور اتنی 'مچیوئر' ہو گئی ہیں کہ کوئی پریشان نہیں کر سکتا۔لہذا اب وہ پھر سے اچھے مشاعروں میں آنے لگی ہیں۔

شاعری ہو یا نثر۔۔قلمکار کو جب تک کسی تلخ تجربے سے نہ آشنائی ہو اس کی قلم میں وہ درد پیدا نہیں ہوتا جو قاری کو راغب کرے۔اپنے شعری مجموعہ میں وہ اپنے بارے میں لکھتی ہیں۔

''میری زندگی کی تمام تر کامیابی یا ناکامی صرف اور صرف میری سچائی اور سادہ گوئی پر منحصر ہے لہذا زندگی کی ان تینوں دہائیوں میں مجھے ہمیشہ پہلے سوچنے پھر بولنے اور چلنے کے انداز میں نزاکت اور دلکشی اختیار کرنے کے مشورے دیئے گئے۔بلکہ کڑی تنقید بھی کی گئی مگر صحرا میں شبنم کا بھی کچھ حصہ ضرور ہو سکتا ہے مگر میری زندگی میں ان عوامل کا اتنا بھی اثر نہ ہو سکا!۔'' آگے چل کر وہ کہتی ہیں کہ،

''میری زندگی میں بچھڑنے اور جدا ہونے کا سرمئی اور سیاہ رنگ ہی چھایا رہا، پیدائشی طور پر جدائیوں سے میرا گہرا رشتہ رہا ہے۔۔اور جیتے جی دنیا کے تقریباً ہر رشتے سے بچھڑنے کے بعد اب جبکہ میرے مزاج میں اپنے آپ سے ایک عجیب سی اپنائیت پیدا ہونے لگی تو ایک مضبوط دیوار میری کائنات کے گرد کھڑی ہو گئی ہے۔۔''

ان کے شعری مجموعہ میں محسن بھوپالی کے مضمون سے پتہ چلا کہ انہوں نے 1994 میں ایک ادبی ،ثقافتی اور سماجی گھریلو رسالہ ''زیبائش'' بھی نکالا تھا۔ان کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

''جس زیبا نے روائتی غزل گوئی سے اپنا شعری سفر شروع کیا تھا وہ اب مشقِ سخن کے نتیجے میں اپنا ایک خاص اور بیحد پر اثر انداز شعر گوئی بنا چکی ہے۔اور شعر میں اس کے نسوانی احساسات ،مشاہدات و تجربات اسطرح نکھر کے سامنے آتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی کرتا ہے۔''

کبھی غزل کبھی اشعار و نظم کی صورت میں اس کے ہونٹوں پہ مچلوں وہ گنگنائے مجھے

گلزیب زیبا کا ذہن حسن و عشق رنگ و روپ کے بارے میں فکر کرتا ہے اور اس فکر کی زمیں سے شعر اُگتے ہیں تو دنیا روشنی و نور، مسرت اور خوشبو سے لبریز ہو جاتی ہے۔ تہذیبی اور تمدنی سرچشموں سے آگہی ملتی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ۔۔۔۔

غزل سن کے میری وہ گلزیب زیبا سر بزم مجھ سے یہ فرما رہے ہیں
تمہاری غزل کی ہو تعریف کیونکر؟ یہ سلک و جواہر سے کم تو نہیں ہے

ان کی کہانیوں کی کتاب ''زندہ کہانیاں'' میں صرف پانچ کہانیاں ہیں جو کافی طویل ہیں بلکہ انہیں ناولٹ کا نام دیا جائے تو درست ہو گا۔ آپ ''اشارہ ڈائجسٹ'' میں باقاعدہ لکھتی رہیں۔ اور اسی ڈائجسٹ میں ان کی پہلی کہانی ''پاداش'' شائع ہوئی۔

گلزیب زیبا نے پچھلے دنوں میرے مشاعرے میں آ کر اپنی غزل پر خوب داد سمیٹی اور خوشی ہوئی کہ انہوں نے ہماری تنظیم کو پسند کیا جہاں لندن کے معروف شعرا و شاعرات باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ قائم رہے گا اور وہ اپنی شاعری سے ہمیں محظوظ کرتی رہیں گی۔

ان کے دو اشعار کے ساتھ مضمون کا اختتام کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ زیبا جی اپنی تخلیقات سے دنیائے ادب کی آبیاری کرتی رہیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کو اپنی خوبصورت تحریر سے مستفید کرتی رہیں گی۔ اللہ کرے ہوز ورِ قلم اور زیادہ۔۔۔۔

سکون دل کی خاطر ہاتھ اٹھ کر رہ گئے
دعا ہونٹوں پر آئی نارسائی کی دعا ہو کر
ہوا ترکِ تعلق سے یہ دل گلزیب افسردہ
کلی مرجھا گئی شاخِ تمنا سے جدا ہو کر

❁ ❁ ❁ ❁

❁
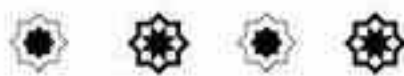
کاش آجائے کہیں سے وہ، سنبھالے مُجھکو
رات قاتِل ہے بڑی، مار نہ ڈالے مُجھکو!

جِسم کی فصل تراشو مری، آجاؤ ابھی!
اِس سے پہلے کوئی طوفان بہالے مُجھکو!

بیچ دے خود کو مرے ہاتھ، وفا کے عوض
اور چاہے تو محبت سے کما لے مُجھکو!

تُو مرے شانہ بشانہ ہو مرے سچ کے ساتھ
میں اگر جھوٹ بھی بولوں تو سنبھالے مُجھکو!

مُجھکو تسلیم کرے، میری رضا بن جائے
میں تُجھے وضع کروں، اور تو ڈھالے مُجھکو!

ذہن سے تیرے نکل آؤں گی خاموشی سے
اِس سے پہلے تو کبھی دِل سے نکالے مُجھکو!

میں اَزل سے تیرے اعصاب میں پیوستہ ہوں
میں وہ تصویر نہیں ہوں کہ ہٹالے مُجھکو !

❁

پہلے پہل سی جیسے عنایت نہیں رہی
لگتا ہے تم کو ہم سے محبت نہیں رہی

لفظوں میں چاشنی ، وہ حرارت نہیں رہی
وہ گنگناہٹوں کی لطافت نہیں رہی

دن رات سرگرداں ہوں تلاشِ جواز میں
آنکھوں میں تیری کیوں وہ مروت نہیں رہی

بخشش وفا کی دینے سے کترا رہے ہو تم
لو ہم کو اب وفا کی ضرورت نہیں رہی

دنیا میں کچھ ہوا ہی چلی ہے جفاؤں کی
اے دوست اب تو تجھ سے شکایت نہیں رہی

یوں اکھڑے اکھڑے لفظ غزل میں سمو دیئے
گلزیبؔ جیسے تجھ کو مہارت نہیں رہی

❁

بے زبانی ، بازباں ہونے کو ہے
آج پھر اک داستاں ہونے کو ہے

مجھ سے وہ پوچھے ہیں میرے روز و شب
اشک آنکھوں سے رواں ہونے کو ہے

قطرہ قطرہ میری ہستی کا نشاں
اک سمندر میں نہاں ہونے کو ہے

آپ کی جلوت میسر جو نہیں
میری خلوت لامکاں ہونے کو ہے

مجھ کو دھرتی ماں کی الفت راس ہے
آسماں نامہرباں ہونے کو ہے

آپ کے اس درجہ استفسار پر
داغِ دل سب پر عیاں ہونے کو ہے

پرسشِ نمکیں سے اب تو آپ کی
میرے زخموں کی زباں ہونے کو ہے

ابر برسے یا کہ سنگ ، میں زد میں ہوں
سر پہ میرے سائباں ہونے کو ہے

❁

دل ویراں میں کبھی پھول کھلانے آئے !
عہد گم گشتہ کی تصویر دکھانے آئے

اس کو ہرجائی کہو لاکھ ، نہ مانے مرا دل
اب وہ آئے تو مری بات نبھانے آئے

اپنی غزلوں میں جسے میں نے تراشا برسوں
مجھ کو میری ہی کوئی بات سنانے آئے

دل دکھانے کے سوا اور بہانے ہیں بہت
اب وہ آئے تو کسی اور بہانے آئے

میری ناکردہ گناہی کی سزا بن جائے
جب بھی آئے وہ مجھے زہر پلانے آئے

کس قدر دیدنی ہو جائیں گے لمحے زیبؔا
جب تری خاک پہ وہ تجھ کو منانے آئے

❁

یہ راستے بھی نہ جانے کہاں پہ لائے مجھے
میں کھو رہی ہوں کہیں کوئی ڈھونڈ لائے مجھے
بھری بہار میں لٹتا رہا ہے دل کا سکوں
بھری بہار کے سائے نہ راس آئے مجھے
مجھے تو روک دیا اس کا نام لینے سے
کوئی اسے بھی یہ کہہ دے کہ بھول جائے مجھے
کبھی گریز پہ آؤں تو یہ بھی صورت ہے
وہ ملنا چاہے بھی مجھ سے تو مل نہ پائے مجھے
مجھے یہ خوف کہ دنیا نہ ملنے دے گی ہمیں
اسے یہ ضد ہے کہ دنیا سے چھین لائے مجھے
میں اک گھروندے کی مانند اس کے پاس رہوں
کبھی وہ ڈھائے مجھے، ڈھا کے پھر بنائے مجھے
کبھی غزل کبھی اشعار و نظم کی صورت
میں اس کے ہونٹوں پہ مچلوں وہ گنگنائے مجھے
جو میرے دل میں ہے خواہش وہ اس کے دل میں بھی ہے
میں اس کے ضبط کو پرکھوں وہ آزمائے مجھے
نہ فاصلوں میں ہی زیبا وہ لمحے آ جائیں
میں اس کو یاد رکھوں اور وہ بھول جائے مجھے

❁

کانٹوں سے شکایت ہے نہ غیروں سے گلا ہے
ہر زخم یہاں جان کے پیاروں سے ملا ہے
دل توڑ کے کہتے ہیں وہ مت آہ و فغاں کر
چاہت کا مری جان یہ بھرپور صلا ہے
احساس کی شدت مرے اشعار میں پنہاں
ہر لفظ یہاں کرب کے سانچے میں ڈھلا ہے
لو آج مٹا دیتی ہوں ہستی کا نشاں تک
تم کو جو مری جاگتی سانسوں سے گلا ہے
جب بھولنا چاہا تمھیں تم آئے مقابل
ہر لمحہ نئی سوچ کے پیکر میں ڈھلا ہے
ہر کوئی تسلی دے، ہر کوئی بنے ناصح
کیا لطف و کرم اس کی جدائی میں ملا ہے
گلزیب تمھی ہو اک گلچیں کے جو من بھائے
ورنہ جو یہاں پھول ہے مٹی میں ملا ہے

گلشن کھنہ (آنجہانی)

Mr.Gulshan Khanna,

92, Grove Road, Hounslow TW3 3PT

Tel: 07554033958

اصل نام گورنام سنگھ کھنہ ہے جبکہ تخلص گلشن ہے لہذا ادبی نام گلشن کھنہ ہی سے جانے جاتے ہیں۔ پاکستان کے شہر گوجرانوالہ کی تحصیل حافظ آباد میں فروری 1934 کو ایک متمول کھتری ہندو خاندان میں پیدا ہوئے اور پھر لاکھوں کی جائیداد چھوڑ کر تقسیم ملک میں امرتسر آئے۔ پڑھاکو قسم کے تھے لہذا مالی حالات اچھے نہ ہونے کے باوجود ملازمت بھی کی اور انگلش ادب میں ایم اے کیا، برطانیہ مارچ 1964 میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ یہاں آ کر بھی ان کی علمی پیاس کم نہ ہوئی اور یہاں سے ٹیچرز ٹریننگ ڈگری حاصل کر کے درس و تدریس کا پیشہ اپنایا اور کافی مدت لندن کے اسکول کالجوں میں علم کی شمع روشن کئے رکھی ایک زمانے میں اردو کا پہلا قاعدہ بھی انہوں نے نکالا جسے نئی نسل میں کافی پسند کیا گیا۔

میں گلشن کھنہ کو سابقہ بارہ برسوں سے جانتا ہوں ان کی بڑی خوبی مذہب اور ملکی سرحدوں کی پرواہ کئے بغیر انسانیت سے پیار اور ہر کسی سے بلاتفریق ملنا ہے۔ ہندو پاکستان سے جب بھی کوئی معروف شاعر یا ادیب لندن آیا انہوں نے اپنی پوری کوشش کی کہ انہیں اپنے گھر بلا کر اس کے اعزاز میں ادبی محفل کریں ،ان کی اہلیہ محترمہ پرم جیت بھی انہی جیسی مخلص اور پیار کرنے والی خاتون ہیں اپنے مہمانوں کو اپنے ہاتھوں سے طرح طرح کے مزیدار پکوان بنا کر اصرار کر کے کھلاتی ہیں جاتے وقت قیمتی تحفوں سے بھی لاد دیتی ہیں۔ دنیائے ادب کی بڑی بڑی ہستیوں نے ان کی مہمان نوازی سے لطف اٹھایا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ ،موسیقار نوشاد، قتیل شفائی ،عطاالحق قاسمی ،کالی داس گپتا رضا، ڈاکٹر مختار شمیم ،سرفراز شاہد اور بے شمار دانش ور ادیب شاعران کے یہاں مدعو رہے اور انہوں نے ان کے اعزاز میں ادبی محفلوں کا

انعقاد کیا۔ ہنسلو کے علاقے میں بے شمار نوجوان لڑکے لڑکیاں جو ہندوستان، پاکستان سے یہاں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں ان کے لئے خاص کر کھنہ صاحب کا دسترخوان کھلا رہتا ہے، بھابھی پرم جیت انہیں میرا بیٹا میری بیٹی کہہ کر تعارف کرواتی ہے۔دونوں میاں بیوی قابل مثال دوست نواز، ادب نواز، مہمان نواز اور نہایت مخلص پیار کرنے والے ہیں جو پہلی ملاقات میں دل جیت لیتے ہیں۔اکثر ان کے ہاں چھوٹی موٹی ادبی محفلیں جمتی رہتی ہیں جن میں لندن کے اکثر شعرا و شاعرات شریک ہوتے ہیں اور ان کی مہمان نوازی اور محبت کو دل میں بسائے دعائیں دیتے رخصت ہوتے ہیں۔

گلشن کھنہ نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھتے ہیں بلکہ اردو کے علاوہ پنجابی میں بھی بہت اچھا لکھتے ہیں ان کے افسانوں کی چار کتابیں ''بارش میں ایک آدمی، درد جو آنکھوں سے بہا، کھوئی ہوئی جنت، اور انسان جاگ اٹھا، اور چار ہی شعری مجموعے، ''بکھرے بکھرے خواب، چراغِ آرزو، سوچ کی خوشبو، گلاب زخموں کے'' ایک سوانح حیات شائع ہو چکی ہیں اور ایک ناول ''نادان'' زیر ترتیب ہے۔اس کے علاوہ انگریزی میں بھی چھ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ان کی ادبی زندگی پر بھی انڈیا کے ڈاکٹر سیفی سرونجی نے ایک کتاب ''گلشن کھنہ'' لکھی ہے۔انڈیا اور برطانیہ کے ادبی رسائل میں اکثر ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔اپنے دوستوں پر جان لٹانے والے گلشن کھنہ کا لب و لہجہ نہایت شگفتہ ہوتا ہے اپنی باتوں میں چھوٹے چھوٹے لطیفے پرو کر اس طرح سناتے ہیں کہ گھنٹوں سنتے رہیں اور بور نہ ہوں۔۔۔

ہنسلو میں انہوں نے بے شمار ادبی پروگرام، مشاعرے، کتابوں کی رسم اجرا بھی کی جس میں ہندو پاک کے علاوہ یورپ امریکہ، افریقہ تک کے معروف شعراء نے شرکت کی۔

ان دنوں وہ کافی بیمار رہتے ہیں اور ٹانگوں کی کمزوری کی وجہ سے مشاعروں میں شرکت نہیں کر سکتے ورنہ وہ لندن کے اچھے مشاعروں میں جاتے جہاں انہیں ہمیشہ اسٹیج پر بٹھایا جاتا میرے ٹی وی پروگرام ''میں نے ایک شعر کہا'' میں بھی وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

گلشن کھنہ کی پہلی کاوش ''تتلیاں'' نام کا افسانہ دہلی کے مقبول فلمی رسالے ''چترا'' میں 1952 میں شائع ہوا۔دنیائے ادب کے معروف افسانہ نگاروں کو پڑھنا اور ادب سے لگاؤ نے انہیں ادب کی دنیا میں

افسانہ نگار بنا دیا اور ان کے افسانے معروف ادبی مجلوں میں شائع ہونے لگے۔ مگر جب ان کی دوستی امرتسر کے ایک شاعر سوز لائلپوری سے ہوئی تو انہیں شاعری کا شوق بھی پیدا ہوا جس کے نتیجے میں آج وہ چار شعری مجموعوں کے خالق ہیں مگر اصل ادبی میدان ان کا نثر ہے ان کے افسانوں میں مشرقی اور مغربی دونوں رنگ نظر آتے ہیں انہوں نے بے شمار کہانیاں ہجرت، برطانیہ کی زندگی، ہندو پاک کی خون میں ڈوبی ہوئی ہجرت کے تناظر میں لکھی ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری میں بھی ہجرت کا دکھ نمایاں نظر آتا ہے چونکہ انہوں نے زندگی کے ہر رنگ و روپ کا نہایت باریکی سے مشاہدہ کیا ہے، ان کی سراپا نگاری میں انفرادیت ہے اس میں محاکاتی انداز کے ساتھ مصوری بھی ہے۔ تخیل اور اظہار ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلتے نظر آتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اظہار و بیان پر کس قدر قدرت حاصل ہے۔

میرے مخلص اور بہت ہی پیارے دوست گلشن کھنہ کو میں مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی نہایت کامیاب اور علم حاصل کرنے اور اسے بانٹنے میں گزاری ہے اس کے ساتھ وہ دیگر کئی شعرا سے الگ اپنی پہچان رکھتے ہیں اور لندن کے ادبی حلقوں میں نہایت محبت و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

ان کے شعری مجموعہ کلام ''بکھرے بکھرے خواب'' پر ''اطہر راز ایوارڈ 2005 بزم شعور ادب جے پور راجستھان سے حاصل ہوا۔ بے شمار ادبی سیمناروں میں شرکت کی اور مقالے پڑھے۔۔

میری دلی دعائیں ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ہیں جنہوں نے جہاں ادب کی بھرپور خدمت کی ہے وہاں ہر کسی کو بے پناہ محبت سے بھی نوازا ہے۔۔۔ مجھے ہمیشہ ان کی دوستی پر فخر رہا ہے۔۔ خدا انہیں صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا کرے۔۔۔ آمین

❁ ❁ ❁ ❁

کچھ نہ کوئی کہہ سکا آنکھوں میں پانی دیکھ کر
سب ہی چپ ہیں دوستوں کی مہربانی دیکھ کر

پھول کیسے کھل سکیں گے زندگی کے باغ میں
خار زاروں کی یہاں پر حکمرانی دیکھ کر

پھر جگایا دردِ دل لمسِ صبا کے حسن نے
آنسو آنسو ہو گیا ہوں اک نشانی دیکھ کر

بھولی بسری کتنی باتیں یاد آتی ہیں نہ پوچھ
دل مچل جاتا ہے تصویریں پرانی دیکھ کر

عہدِ پیری میں گناہوں سے نہیں ملتی نجات
سرد آہیں بھرتا ہوں رنگِ جوانی دیکھ کر

پیار کے پھولوں کی خوشبو بس گئی ہے روح میں
گل بدن غنچہ دہن کی گلفشانی دیکھ کر

بھول بھی جا اب تو اے گلشن خزاں کے کرب کو
اُس کی آنکھوں میں سہانی اک کہانی دیکھ کر

مری اجڑی محبت کا نشاں باقی نہ رہ جائے
اب ان اشکوں کا یہ سیل رواں باقی نہ رہ جائے

لبوں پر نام ہو تیرا نہ دل میں یاد ہو تیری
یہاں کچھ بھی نصیبِ دشمناں باقی نہ رہ جائے

خدا سے یہ دعا ہے دہر میں اب میرے جیتے جی
مری ناکامیوں کی داستاں باقی نہ رہ جائے

مرے خوابوں میں آ کے بس گئی کالی اندھیری رات
تری یادوں کا اب کوئی نشاں باقی نہ رہ جائے

سنواریں اک نئے جذبے سے پھر سے سارے گلشن کو
کہیں بھی اب کوئی عکسِ خزاں باقی نہ رہ جائے

❁

میرے احساس کو کیسی یہ سزا دیتے ہیں
دل ہے جلتا تو اسے اور ہوا دیتے ہیں

ایسے ڈھاتے ہیں ستم میری وفا پر ہر دم
جینے مرنے کا قرینہ وہ سکھا دیتے ہیں

زندگی بھر کے لئے زہر پلانے والے
میرے آنسو تو تجھے اب بھی دعا دیتے ہیں

ایک اک کر کے ہم سے جدا ہوئے ایسے دوست
جیسے پت جھڑ میں شجر پات گرا دیتے ہیں

جب بھی میں ان کو سناتا ہوں کہانی دل کی
میری ہر بات ہنسی میں وہ اڑا دیتے ہیں

بھر کے دامن میں حسین پیار کی ہر اک سوغات
ہم خزاں میں بھی بہاروں کی صدا دیتے ہیں

وہ تو اکثر مری باہوں میں سمٹ کر گلشنؔ
میرے سوئے ارمان جگا دیتے ہیں

❁

آئینہ سا اجالا کوئی چہرہ نہیں ملتا
آنکھوں میں چمک دل میں اجالا نہیں ملتا

دعوے تو رفاقت کے سبھی کرتے ہیں لیکن
دیکھیں تو کوئی دوست بھی سچا نہیں ملتا

حق بات نہ سننے کے خطا وار بہت ہیں
مطلب کی نہ سن پائے وہ بہرا نہیں ملتا

قاتل ہے کہ ہاتھ میں اک خوں بھرا خنجر
منصف ہے کہ انصاف کا رستا نہیں ملتا

سینوں میں تو زخموں کے بہت پھول کھلے ہیں
گلشنؔ میں بہاروں کا اشارہ نہیں ملتا

❁

لہو اپنے دل کا پیئے جا رہا ہوں
میں جینے کی خاطر جیئے جا رہا ہوں

محبت کے سورج کو اپنا بنا کر
میں دنیا کو روشن کیئے جا رہا ہوں

کوئی حد تو ہوگی عقیدت کی میری
ترے در پہ سجدے کیئے جا رہا ہوں

جو سن کر بھی اب ان سنا کر رہے ہیں
میں آواز ان کو دیئے جا رہا ہوں

مری جان کا جو ہے دشمن جہاں میں
میں اُس کو دعائیں دیئے جا رہا ہوں

سجا کر لہو سے ہر اک پیڑ پودا
میں گلشن کو گلشن کیئے جا رہا ہوں

پنجابی غزل

دُکھ درداں دے مارے لوک
تھاں تھاں رُلن وچارے لوک

دوجے گھر اَگ لا کے ویکھن
بہہ کے وچ چوبارے لوک

اپنا جھوٹ چھپاون خاطر
کردے ڈاہڈے کارے لوک

یار نے ساڈی قدر نہ جانی
اُنج تے جانن سارے لوک

اپنا مطلب ساری جاندے
دے کے جھوٹے لارے لوک

غزلاں لکھ دے درداں بھریاں
گلشنؔ جئے دُکھیارے لوک
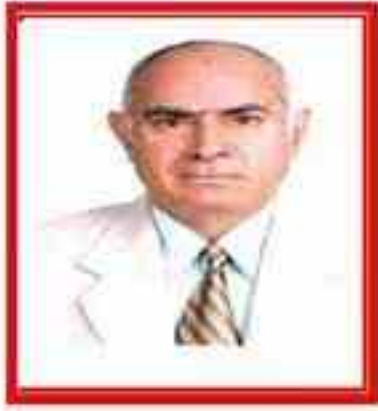
مبارک احمد مبارکؔ

Mr. Mubarik Ahmed Mubarik,

Flat 5, Dinkombay House,

Windisham Grove, London SW19 6AJ

Tel: 0208789 9490

مبارک احمد مبارک اپنے نام کے ساتھ انجینئر کا بھی اضافہ کرتے ہیں جبکہ انجینئرنگ ان کا پیشہ تھا۔ پاکستان میں ضلع چارسدہ ،پشاور سے تعلق ہے مادری زبان پشتو ہے جبکہ اردو سے بے پناہ محبت ہے اور شاعری پشتو میں بھی کرتے ہیں اور اردو میں بھی اپنا مقام پیدا کیا ہے۔انہوں نے پہلی نظم 1957 میں لکھی جو پشاور کے روزنامہ ''شہباز'' کے بچوں کے صفحہ میں شائع ہوئی۔نثر اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں ان کا پہلا اردو میں شعری مجموعہ ''دشتِ خیال'' 2005 میں کراچی سے شائع ہوا جس کی کاپیاں اب ناپید ہو چکی ہیں اور جلد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن مع اضافے کے شائع کرانے کا خیال ہے۔کراچی کے مشاعروں میں اپنی شاعری کا سکہ بٹھایا۔۔ ادبی جرگہ کراچی اور سراج اردو ادب تنظیموں سے ایوارڈ بھی حاصل کئے۔پاکستان میں واپڈا میں اعلیٰ مقام پر رہے اور بطور ڈائریکٹر 2000 میں ریٹائیر ہوئے اپنی ملازمت کے دوران پشاور، مردان، شبقدر، نوشہرہ، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد لاہور اور اسلام آباد میں بھی سپرنٹنڈنگ انجینئر کے فرائض انجام دیئے۔ترجمہ نگاری بھی کرتے رہے اور 2009 میں برطانیہ میں آئے اور یہیں مقیم ہوئے۔

مبارک احمد مبارکؔ لندن کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں اور اور بڑی اچھی اردو میں شاعری کر کے خوب داد وصول کرتے ہیں۔ان کی یہ خوبی اپنے وطن سے بے پناہ محبت کی اعلیٰ مثال ہے کہ ایک پرعزم پشتو دان اپنی قومی زبان اردو میں اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے اور اپنی خوبصورت شاعری پر ہال میں بھرپور تالیوں کی گونج میں داد وصول کرتا ہے۔لوگ انہیں سنتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ان کا یہ شعر ان ہی ترجمانی کرتا ہے

ے لوگ بیٹھے رہے اور گرمیِ محفل بھی رہی اور مبارکؔ بھی گئے رات نہ گھر تک پہنچا

پشاور اسلامیہ کالج میں تعلیم کے دوران انہیں معروف شاعر احمد فراز جو اس وقت اردو کے لکچرار تھے اور محسن خان جو انگریزی کے ان دونوں کی شاگردی ملی اور انہیں کی صحبتوں کا فیض تھا کہ مبارک کے اندر کا خوبصورت شاعر جاگ اٹھا۔ پشاور کے مشاعروں میں اپنے کلام سے مبارک احمد کا شمار بھی اچھے شعراء میں ہونے لگا اور وہاں کے معروف شعراء سے ذاتی مراسم استوار ہونے لگے جن میں فارغ بخاری،، رضا ہمدانی، سید میر مہدی شاہ مہدی، صاحبزادہ قلندر مومند، ولی محمد طوفان، مولانا عبدالقادر ڈائریکٹر پشتو اکادمی، اجمل خٹک، احمد فراز کے والد آغا سید محمد شاہ برق کوہاٹی اور دیگر مشہور ادباء شامل ہیں۔

آج پردیس میں بھی ان شعراء کی یاد دل میں زندہ لیے مبارک احمد کہتا ہے

ے جب پشاور یاد آتا ہے مبارکؔ اس گھڑی
پھرتے ہیں آنکھوں میں حمزؔہ اور قلندرؔ سامنے

مبارک احمد کہتے ہیں کہ میں شاعری میں غزل کی جانب راغب ہوا تو مجھے یہ صنفِ سخن اتنی پسند آئی اور طبیعت کو اتنی بھائی کہ میں اسی کا ہو کر رہ گیا۔

ے نہ جچی کوئی نظر اس کی نظر سے پہلے
کوئی بھایا نہیں اس رشکِ قمر سے پہلے

مبارک احمد مبارک غزل کے بنیادی طور پر مستند شاعر ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری فکری اور فنی اعتبار سے مشاقی اور بالیدگی کی ترجمان دکھائی دیتی ہے ان کی غزلوں میں موضوعات کی فراوانی ،شدتِ احساس اور انسانی قدروں کی خصوصیات شامل ہیں۔

اکثر شعرا کے شعری مجموعوں میں غزلوں کے ساتھ بے شمار نظمیں اور نثری نظموں کی بھرمار ہوتی ہے شاید میرے ساتھ کسی کا اتفاق نہ ہو مگر میں نثری نظم کو شاعری میں شمار نہیں کرتا۔اسی طرح محترم مبارک احمد مبارک بھی غزل کے شاعر ہیں۔ان کے مجموعہ میں تمام غزلیں ہی شامل ہیں۔

انہوں نے غزل کو کئی رنگ دیے ہیں اور فکر و فن کے خزانے لٹائے ہیں۔ان کی شاعری میں معنویت

اور نیا اسلوب بھی ملتا ہے، شعری تجربات اور زندگی کے تجربات کی ایک طویل داستان آپ کی غزلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اپنے وطن سے بے پناہ محبت ہے اور حالاتِ حاضرہ پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ بیرونِ ملک میں ہر بسنے والے کا دل اپنوں میں اٹکا رہتا ہے مگر ہم مہاجر لوگوں کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اپنے وطن واپس جائیں تو وہاں بھی بیگانوں جیسا سلوک ہوتا ہے۔

آخر میں مبارک احمد مبارکؔ کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

☆ گھر گیا ہوں کیسے انسانوں کے بیچ ایک بیگانہ ہوں بیگانوں کے بیچ
ہم تلاشِ رزق میں بے گھر ہوئے آ گئے پردیس انجانوں کے بیچ

☆ سر کٹا دُا اپنی دھرتی کے لئے گر ہے عمرِ جاوداں کی آرزو
اے مبارکؔ زندگی لائی کہاں ہم نے کی تھی کس جہاں کی آرزو

☆ دنیا بارود کی ڈھیری پہ مبارکؔ ہے کھڑی
آدمی خود ہی تباہی کے دہانے ڈھونڈے

آخر میں میں اپنے بہت ہی محترم مخلص دوست، بھائی جناب مبارک احمد مبارک کے لئے ان ہی کے شعر کی زبانی کہوں گا۔

بھول سکتے ہیں، گر لاکھ بھلانا چاہیں
کہ مبارکؔ سے تعلق بھی پرانا ٹھہرا

✿

طالب ہے شفا کا ترا بیمار محبت
اے یار محبت ، اے مرے یارِ محبت

تو کب مری دلداری کرے گا مرے دلدار
بن تیرے نہیں کوئی بھی دلدارِ محبت

یادوں کو لئے بیٹھا ہے حیران و پریشاں
چہرے سے نمایاں سبھی آثارِ محبت

آئے نہ سمجھ میں ترا دو رویہ رَویہ
اقرارِ محبت ہے نہ انکارِ محبت

سب منتظرِ حکم ہیں یاں اے شہرِ خوباں
عشاق جمع ہیں سرِ دربارِ محبت

حق بات کا انحصار تو ہے جرم بیاں پر
منصور کو لائے ہیں سرِ دار محبت

اس شہر کی خوبی میں کہیں بھی تو نہیں ہے
بازارِ محبت نہ خریدارِ محبت

سودے یہاں ہوتے ہیں دلوں کے اے مبارکؔ
گرمی پہ رہے گا سدا بازارِ محبت

✿

وہ خواب و خیال میں آنے لگے ہیں
مرے دل میں جگہ پانے لگے ہیں

وہی محفل اُجڑ جائے گی پل میں
جہاں سے اُٹھ کے وہ جانے لگے ہیں

جنہوں نے در تیرا چھوڑا ہے پیرہ !
وہ در در ٹھوکریں کھانے لگے ہیں

رقیب رُو سیاہ تیری گلی میں
اندیشے ذہن میں آنے لگے ہیں

نصیبوں والے ہیں وہ روز جن کے
بھرے ہاتھوں میں پیمانے لگے ہیں

ذرا سن لے تُو دیوانوں کی باتیں
یہ تو باتوں میں فرزانے لگے ہیں

سرِ محفل مبارکؔ صاحب ! کیا
غزل اک پھر تازہ فرمانے لگے ہیں

اور کیا کرتے بھلا اُس بے وفا کے سامنے
سر جھکانا ہی پڑا اس کی رضا کے سامنے
دل مچلتا ہے تری اک اک ادا کے سامنے
جان حاضر ہے تری تیغِ جفا کے سامنے
دارِ فانی سے تو اک دن کوچ کرنا ہے تجھے
زندگی کا بس نہیں چلتا قضا کے سامنے
جیسے اپنا عکس دیکھوں آئینے کے رو برو
آگیا اپنا سراپا آشنا کے سامنے
ٹھوکروں کی زد میں اک گرتی ہوئی دیوار ہوں
یا چراغِ آخرِ شب ہوں ہوا کے سامنے
کیا اثاثہ ہو گا تیرے نامۂ اعمال میں
حشر میں جب پیش ہو گا تو خدا کے سامنے
اُس کے دل سے پیار کے چشمے بھی پھوٹیں گے کبھی
نرم خو ہو جائے گا آہ و بکا کے سامنے
میں ستم کی آنچ میں تو اور بھی کندن بنوں
میں ڈٹا ہوں جبر اور کرب و بلا کے سامنے
سر کٹا دے گا مگر سر کو جھکا سکتا نہیں
جب مبارکؔ آئے گا اہلِ جفا کے سامنے

تصویر میرے سامنے اس آشنا کی ہے
آنکھوں میں بس شبیہہ اسی دلربا کی ہے
محفل میں شوخ کتنے ہی سج دھج سے آگئے
کیا شان ان کی خوبی وحسن و ادا کی ہے
نالے میں کتنا درد ہے تیرے چھپا ہوا
تاثیر کس قدر تری آہ و بکا کی ہے
خونِ حسینؓ میں وہی گرمی ہے آج تک
یوں تازہ داستاں مرے کرب و بلا کی ہے
خدشہ ہے کہیں دل سے یہ کافر تو نہیں ہے
ظاہر میں شکل دیکھو کسی پارسا کی ہے
جاہ و چشم پہ اتنا نہ اترائے کیوں وہ شوخ
شیوہ ، غرور شوخی جو اُس میں بلا کی ہے
محفل میں سرِ عام ترا نام لیا جو
تقصیر ایک میں نے یہی برملا کی ہے
آزمائش امتحان سے نہ گھبراؤ احمدؔ
منزل تمہارے سامنے صبر و رضا کی ہے

۞

حسن سارا سمٹ آیا ترے رخساروں میں
راکھ ہو جائیں گے ہم جل کے انگاروں میں

میں تو حیراں ہوں مجھے یاد رکھا ہے تو نے
کیا مرا نام بھی شامل ہے ترے پیاروں میں!!

چند سکے مرے یوسف کی جو قیمت ٹھہرے
شور ہونے لگا کیوں مصر کے بازاروں میں

پھول کو ہاتھ لگائے گا تو زخم آئے گا
یہ اذیت بھی ہے پھولوں سے لگے خاروں میں

عصرِ حاضر میں جو کرتے ہیں خطاؤں سے گریز
وہ بھی شامل کئے جاتے ہیں گنہگاروں میں

وہ مسیحا ہے ، خبر ہو گی تو آجائے گا
آخری آس ہے یہ ہجر کے بیماروں میں

سر پہ دستار تو ہر کوئی سجا لیتا ہے
پھر بھی گنتا نہیں کوئی اُسے سرداروں میں

پارساؤں کی طرح دن کو نظر آتے ہیں
وہی ہوتے ہیں سیہ شب کے سیہ کاروں میں

جانِ محفل ہے وہ اور جانِ مبارکؔ بھی ہے
نام آتا ہے مرا اُس کے پرستاروں میں

۞

غیروں سے مل رہے تھے خوشی سے بڑھا کے ہاتھ
دیکھا تو رک گئے مرے نزدیک لا کے ہاتھ

اے کاش پکے پھل کی طرح مجھ پہ آ گرے
میں تھام تھام لوں اُسے آگے بڑھا کے ہاتھ

قدرت کہیں نہ چھین لے تم سے تمام تر
حق چھینتے رہے ہو کسی پہ اٹھا کے ہاتھ

اس نے تو ہر طرح سے مجھے جیت ہی لیا
میدانِ عشق بھی رہا اُس آشنا کے ہاتھ

یارب ! سبھی دلوں میں محبت کی لَو جگا
ہر وقت مانگتا ہوں دعا یہ اُٹھا کے ہاتھ

وہ لاج میری رکھے رقیبوں کے سامنے
اب میری آبرو ہے اسی کج ادا کے ہاتھ

اُن پر کسی کے خون کا الزام لگ نہ جائے
سب سے چھپائے پھرتے ہیں مہندی لگا کے ہاتھ

دل تو لیا تھا ، جان کی بازی بھی لگ گئی
خوگر ستم کے کتنے ہیں اُس بے وفا کے ہاتھ

میری بھی مان لیں گے مبارکؔ وہ ایک دن
جوڑے ہیں میں نے سامنے اُن کے جو جا کے ہاتھ

مبارک صدیقی

Mr.Mubarik Sadique.

مبارک صدیقی صاحب لندن کے معروف شعرا میں سے ہیں جو بہت ہی کم مشاعروں میں نظر آتے ہیں۔ان کا پہلا شعری مجموعہ کلام بنام ''روشنی کا سفر'' ملنے پر ان کا تعارف ہوا۔ایک بار میری رہائش پر اور ایک بار پاکستان کے نامور شاعر فرحت عباس کے اعزاز میں ادبی محفل جو پارلیمنٹ ہاؤس میں لارڈ نذیر احمد کی صدارت میں کی گئی میں ہی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں انہوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ نظامت کی اور اپنے کلام سے متاثر کیا۔

مبارک صدیقی صاحب 1995 میں برطانیہ آئے شعبہ تدریس سے تعلق ہے اور لاہور یونیورسٹی سے گریجویشن کی اور ایم اے انگلش اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے کیا۔سروش تخلص رکھتے ہیں جو بہت ہی کم ان کی غزلوں میں نظر آتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں کسی نام ونمود یا اپنے آپ کو منوانے کا شوق نہیں جو اکثر شعرا میں ملتا ہے وہ صرف یہ چاہتے ہیں صدق و وفا کے گیت گاتے رہیں روتے ہوئے کو ہنساتے رہیں اور۔۔۔

یونہی جاری رہے زندگی کا سفر
آؤ کرتے رہیں روشنی کا سفر

معروف شاعر انور مسعود صاحب مبارک صدیقی صاحب کے بارے میں کہتے ہیں، ''مبارک صدیقی ایک خوبصورت اور بھرپور شاعر ہے جو غزل بھی خوب کہتا ہے اور نعت بھی بہت خوب کہتا ہے۔ مجھے لندن میں اس محبت کرنے والے نوجوان جذبوں کے شاعر سے مل کہ ازحد خوشی ہوئی ہے۔،،

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا تعارف خود ان کے اشعار کراتے ہیں۔۔۔

پوچھے جو کوئی اہلِ سخن اس کا تعارف
کہنا کہ وہ غزلوں کی کتابوں کی طرح ہے

معروف شاعر فرحت عباس شاہ لکھتے ہیں۔

''مبارک صدیقی ایک بہت ہی خوبصورت اور دلوں کو موہ لینا والا شاعر ہے۔ مجھے برطانیہ کے پارلیمنٹ ہاؤس میں منعقد ہونے والے ایک مشاعرے میں مبارک صدیقی کو سننے کا اتفاق ہوا اور یہ جان کے بہت خوشی ہوئی کہ برطانیہ جیسے سرد ملک میں بھی مبارک صدیقی جیسے شاداب اور روح کو گرما دینے والے شاعر آباد ہیں۔''

مانا سروشؔ، عشق میں ہر موڑ ہے کٹھن
ہم کیا کریں نبھانے کی عادت نہیں گئی

معروف شاعر رشید قیصرانی کہتے ہیں ''مبارک صدیقی صرف شاعر ہی نہیں بلکہ مجسم مشاعرہ ہے۔''

صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر اطہر راز لکھتے ہیں۔ ''مبارک صدیقی سرزمین جمالیات کا شاعر ہے۔''

مبارک صدیقی سینے میں محبت بھرا دل رکھتے ہیں اور اپنی اس محبت کو ہمیشہ لٹاتے نظر آئے۔۔۔

جانے وہ کون لوگ تھے جو بے وفا ہوئے
ہم نے تو جس سے پیار کی عمر بھی کیا

اس سے قبل میں ان کے پہلے شعری مجموعہ پر ایک تعارفی مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ۔۔

ان کا یہ شعری مجموعہ پڑھ کر میں یہ ضرور کہوں گا کہ مبارک صدیقی صاحب ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کی غزل فنی اور عصری تقاضوں سے آراستہ ہے جہاں ان کی غزل زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے وہاں غمِ جاناں کے ساتھ غمِ دوراں کی چھاپ زیادہ گہری نظر آتی ہے۔ روائتی غزل کے شیش محل میں جدید حسیت کی دھنک رنگ شمعیں جھلملاتی نظر آتی ہیں۔

ڈوب کے سورج مرے سینے میں پانی ہو گیا
زخم اس کی بے وفائی کا مگر جلتا رہا

عصرِ حاضر کے مسائل طبقاتی کش مکش فرقہ وارانہ منافرت، مادہ پرستی، افلاس، غربت اور ظلم وستم کی عکس ریزی کے ساتھ ساتھ بے انصافی اور معاشرتی ناہمواری کے خلاف پرعزم جدو جہد کا سراغ ملتا ہے۔

کاتب تقدیر تجھ سے اِک شکایت ہے مجھے
اُس بھری برسات میں کیوں میرا گھر جلتا رہا

انہوں نے اپنی غزلوں میں ایک پیغام دینے کی کوشش کی ہے اور عام شعرا کی طرح ہجر وصال کا رونا نہیں رویا۔

گو ظلمتوں کے شہر میں ہے روشنی حرام
اپنے دیئے جلانے کی عادت نہیں گئی

ہمارے شاعر کا رجحان مذہبی ہے اور ان کے اندر ایک ایسا سچا اور کھرا انسان بیٹھا ہوا اپنی باتیں منوانے پر مصر ہے وہ برملا کہہ اٹھتے ہیں کیونکہ وہ قنوطی شاعر نہیں بلکہ رجائی شاعر ہیں یہ انداز مایوس انسانوں میں زندہ رہنے اور مصائب ومسائل سے نبرد آزما رہنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

بات حق کی کریں گے سر، دار بھی
اُن کے قانون فرمان اپنی جگہ

انہوں نے مجھے اس کتاب کے لئے اپنی نئی لکھی ہوئی غزلیں ارسال کی ہیں جو اگلے تین صفحات پر آپ کے اعلی ذوق کو تسکین بخشیں گی مجھے امید ہے کہ محترم مبارک صدیقی صاحب اپنے دوسرے مجموعہ کلام کو بھی جلد ہی منظر عام پر لا کر اردو ادب میں قابل قدر اضافہ فرمائیں گے۔۔۔اللہ کرے ہو زورِ قلم اور زیادہ

❁

مانا کہ وہ بھی آج تک مانا تو ہے نہیں
ہم نے بھی اُسکے شہر سے جانا تو ہے نہیں
رکھی ہے کوئے یار کی مٹی سنبھال کے
اس سے بڑا زمیں پہ خزانہ تو ہے نہیں
کچھ لوگ تیرے شہر کے خنجر بدست ہیں
کچھ ہم نے باز عشق سے آنا تو ہے نہیں
کہتے ہیں لوگ اُن سے کہو جا کے حالِ دل
اب ہم نے اپنی جان سے جانا تو ہے نہیں
خانہ بدوش لوگ ہم دنیا کو کیا کریں
دنیا سے لے کے ساتھ کچھ جانا تو ہے نہیں
اک زخم زخم قوم سے درویش نے کہا
تم نے کسی کی بات کو مانا تو ہے نہیں
جرمِ وفا پہ لائے ہیں مقتل میں وہ ہمیں
اب اُن کے پاس اور بہانہ تو ہے نہیں
ملتے ہیں جس خلوص سے ہم ہر کسی کے ساتھ
ویسے یہ اس طرح کا زمانہ تو ہے نہیں
کچھ اس لئے بھی آج تک روٹھے نہیں ہیں ہم
آ کے ہمیں کسی نے منانا تو ہے نہیں
اپنا سنا کے حال اُسے کچھ نہ پوچھنا
اُس کم سخن نے کچھ بھی بتانا تو ہے نہیں

❁

اُس ذات کو پایا ہے وفاؤں میں سمندر
وہ ذات ، جو ہے اپنی عطاؤں میں سمندر
تم اُس سے کرامت کی توقع نہیں کرتے؟
وہ جس نے اُچھالے ہیں فضاؤں میں سمندر
اک اُس سے کرو ذکر کبھی تشنہ لبی کا
پڑ جائیں گے روتے ہوئے پاؤں میں سمندر
وہ نور ہے وہ نور کہ جگمگ ہوئے سورج
وہ پیڑ ہے، وہ پیڑ کہ چھاؤں میں سمندر
کہتے ہیں کہ ٹپکا تھا کسی آنکھ سے آنسو
آیا تھا جو بپھرا ہوا گاؤں میں سمندر
کس حال میں اک شخص مجھے چھوڑ گیا ہے
برسات ہے آنکھوں میں تو پاؤں میں سمندر
کچھ میں بھی طبیعت کا طلبگارِ وفا تھا
کچھ وہ بھی مزاجاً تھا جفاؤں میں سمندر
در پیش تھا دنیا میں مجھے درد کا صحرا
سو یاد رہا دل کو دعاؤں میں سمندر
کیا اُس کی محبت کا تصور ہو مبارک
رکھتا ہے محبت کے جو ماؤں میں سمندر

ہے رضائے یار ہے جب انتہاء تو غم کیا ہے
اگر جدائی تھی اُس کی رضا تو غم کیا ہے
یہ دل یہ جان یہ دیوان سب اُسی کا ہے
جو ایک زخم ہے اُس کی عطاء تو غم کیا ہے
ابھی ہیں لوگ کچھ سقراط کے قبیلے سے
چلی ہے شہر میں رسم جفا تو غم کیا ہے
پھر اس سے کیا کہ مقابل ہے کون صف آراء
ہے ساتھ ساتھ جب اپنے خدا تو غم کیا ہے
ہے ان کے ساتھ بھی لشکر جفا پرستوں کا
ہے اپنے ساتھ بھی تیری دعا تو غم کیا ہے
انہیں بھی زعم ہے کچھ دشمنی نبھانے کا
ہمیں بھی ناز ہم اہل وفا تو غم کیا ہے
وصال یار کا رستہ ہے قتل گاہوں سے
سو آگیا ہے اگر کربلا تو غم کیا
یہ اور بات ہے یہ لکھ کے ہم بہت روئے
وہ ہو گیا ہے اگر بے وفا تو غم کیا ہے

دل کسی کے پیار میں سرشار تھا ایسا کہ بس
اور پھر وہ بھی گل و گلزار تھا ایسا کہ بس
ایک تو دل ڈھونڈتا رہتا تھا کوئی غم شناس
دوسرے وہ شخص بھی غمخوار تھا ایسا کہ بس
ہم کہ آئے تھے خزاں کے شہر سے اُجڑے ہوئے
وہ کہ اک شاداب برگ و بار تھا ایسا کہ بس
میں نے اُس کے پاؤں میں دیوان اپنا رکھ دیا
وہ سراپائے سخن، شہکار تھا ایسا کہ بس
آئینے رکھے ہوں جیسے چاندنی کے شہر میں
نوروں نہلایا رخِ انوار تھا ایسا کہ بس
پوچھتے ہو دوست کیا احوال وصلِ یار کا
ایک منظر خواب کے اُس پار تھا ایسا کہ بس
کیا نظارہ تھا مبارک آنکھ جگمگ ہو گئی
روبرو میرے وہ حُسنِ یار تھا ایسا کہ بس

❁

جنگ ہے لڑنی ہمیں چنگیزوں، شب زادوں کے ساتھ
رات کے پچھلے پہر سجدے میں فریادوں کے ساتھ

طائروں کی ، آشیانوں کی ، خدایا خیر ہو
باغباں دیکھے گئے ہیں پھر سے صیادوں کے ساتھ

وہ اگر تاریخ پڑھ سکتے تو یہ بھی جانتے
جیت جذبوں سے ہوئی ہے نہ کہ تعدادوں کے ساتھ

بالیاں سونے کی اُگتی ہیں وہاں ہر ڈال پر
کھیت جو سینچے گئے ہوں عشق کی کھادوں کے ساتھ

ہم ہیں سادہ دل ، مگر ایسے بھی سادہ ہم نہیں
چار دن ہم بھی رہے ہیں اپنے اُستادوں کے ساتھ

چشمِ حیراں، غم زدہ یہ دیکھتی ہے روزو شب
کیا کیا انسان نے ،انساں کی اولادوں کے ساتھ

بات کرتے ہیں ، ہوا کو ، مصلحت کو دیکھ کر
کیا گِلہ کوئی کرے اب ایسے نقادوں کے ساتھ

آؤ اشکوں سے وضو کر کے اُسے ملنے چلیں
وہ سُنا ہے ، پیار سے ملتا ہے بربادوں کے ساتھ

❁

کچھ دل کو ہیں آزار ذرا اور طرح کے
کچھ وہ بھی ہیں غمخوار ذرا اور طرح کے

کچھ حُسنِ مسیحا بھی زمانے سے الگ ہے
کچھ ہم بھی ہیں بیمار ذرا اور طرح کے

ساقی نہ پلا جام کہ سچ بات تو یہ ہے
ہم لوگ ہیں مے خوار ذرا اور طرح کے

یوں خواب نہ بیچو کہ یہاں شہر جفا میں
بیٹھے ہیں خریدار ذرا اور طرح کے

اک صبر کا حیلہ ہے تو اک ڈھال دعا کی
اپنے تو ہیں ہتھیار ذرا اور طرح کے

محشر میں ہمیں بخش دیا اُس نے یہ کہہ کر
ہوتے ہیں گناہ گار ذرا اور طرح کے

سنتے ہیں مبارکؔ کو کوئی چوٹ لگی ہے
کہتا ہے وہ اشعار ذرا اور طرح کے
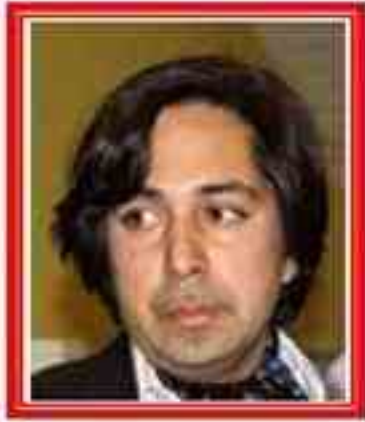
مظفر احمد مظفرؔ

Mr. Muzaffar Ahmed `Muzaffar

78, HookRoad,

SURBITON KT6 5BH

Mob: 07411068061

E.mail: muzaffar96@hotmail.com

مظفر احمد مظفر لندن کے مشاعروں میں اپنی اعلی وارفع شاعری، انداز بیان، بحر وعروض، اپنی دلفریب خوبصورت شکل وصورت، شخصیت، خوش لباسی اور خاص کر اپنے دھیمے لہجے کی گفتگو کی مٹھاس اور اخلاق وادب سے پہچان رکھتے ہیں۔ایک مدت جرمنی رہے پھر 2007 میں لندن والوں کی محبت میں سرشار یہاں آکر مقیم ہوگئے۔نوشہرہ کینٹ سے تعلق رکھتے ہیں گورے چٹے پٹھان لگتے ہیں مگر عام پٹھانوں کی طرح نہیں لگتے۔۔! تعلیم یافتہ ہیں شروع میں سروس کی، آج کل اپنا کاروبار کرتے ہیں۔نو برس کی عمر سے لکھنا شروع کیا نثر و نظم دونوں اصناف میں لکھتے ہیں۔باقاعدہ شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا مگر سات مجموعہ ہائے کلام اور دیوان غالب پر شرح محتاجِ اشاعت ہیں۔

مظفر احمد مظفرؔ نئی نسل کے نوجوان شاعر ہیں مگر ان کی شاعری کا اسلوب یہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان کی شاعری اپنی اصلی عمر سے بہت اوپر لگتی ہے۔ان سے مشاعروں میں اکثر ملاقات ہوتی ہے، پہلی ملاقات بھی ایک مشاعرے میں ہی ہوئی تھی۔عروض جانتے ہیں اور ہمیشہ غزل سے پہلے اپنی غزل کے عروض کا نام بھی بتاتے ہیں جو عام شعرا کو شاید معلوم تک نہ ہو۔۔ع

قافلے بادِ نسیمِ صبح کے میرے گلشن کو جلا کر چل دیئے

کافی ضخیم بیاض پاس رکھتے ہیں، انٹرنیٹ پر ایک ادبی رسالہ بھی نکالتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب بھی ان کا پہلا مجموعہ شائع ہوا اس نے برطانیہ کی ادبی دنیا میں ایک ہلچل مچا دینی ہے۔

نام آیا تھا لب پہ مجنوں کا   بجھ گیا رہگزار آنکھوں میں

مظفر احمد مظفر بھی مشرقی شاعر کی طرح اپنے غزلوں میں حسرت ناک خوابوں اور نیم جان ارمانوں کی مشعل فروزاں کرتا راستہ تلاش کرتا ہے تو اس کے ذہن و دل کی طرح الفاظ و معانی کا نگار خانہ جگمگانے لگتا ہے ایک ایک تجربہ بولنے لگتا ہے ایک ایک داغ لو دینے لگتا ہے ہر ایک کیفیت جاگ اٹھتی ہے اور ہر ہر حادثے کا چہرہ نکھر جاتا ہے۔ مظفر احمد غزل کی جمالیات کے اداشناس ہیں غزل کی اکائیاں ان کے شعری تجربوں کے اظہار کے لئے خاص موزوں ہیں۔

ان کے یہاں شعری تلازمات، استعارات اور تشبیہات کا ایک جہانِ بسیط آباد ہے ان کے ہاں الفاظ کے سمندروں کے قلوب میں پوشیدہ ان معانی کے گوہروں سے ان کی پہچان ہوتی ہے۔

یا داہلِ زنداں کو آئی جب گلستاں کی
دھجیاں اُڑا دی ہیں اپنے ہی گریباں کی
قصہ کیا سنائیں ہم تلخیِ زمانہ کا
خوں رُلا گئی ہمیں بے بسی مسلماں کی

ان کے بارے میں برطانیہ کے ممتاز شاعر، دانش ور جناب ڈاکٹر عبدالغفار عزم صاحب نے نہایت پر مغز و پر اثر مضمون لکھا جس میں وہ فرماتے ہیں کہ۔

''مظفر یقیناً غزل کے شاعر ہیں اور کامیاب شاعر ہیں۔ ان کی شاعری آج کی شاعری ہے۔ ان کی غزل نئے انداز کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان کا سخن آج کا، سچے اور پکے سخن ہونے کا امتیاز اور انفرادیت رکھتا ہے۔ ان کا کلام ہیئتی طور پر کلاسیکی رنگ و آہنگ میں سہل ممتنع کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہونے کے اعتبار سے متغزل و مترنم ساز میں رچا بسا، شعری و فکری لحاظ سے فصاحت و بلاغت کا جادو لئے معنی تناظر میں مضمون آفرینی، پہلو و تہہ داری نیز ہمہ گیریت سے معمول اس کا کینوس بہت ارفع و توسیع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کے سخن میں وہ تمام محاسن و عوامل پائے جاتے ہیں جو سننے سنانے کی کشش اور سرور و کیف آفرینی نیز افہام و تفہیم کی بات صلائے عام دینے اور قبول عام

ہونے کے شرف سے نوازتی ہے۔''

مظفر احمد مظفرؔ کا شعری مجموعہ ''حرفِ زیرِ لب'' جو جلد ہی منصۂ شہود پر آنے والا ہے اس میں انہوں نے غزل کو کئی رنگ دیئے ہیں اور فکر و فن کے خزانے لٹائے ہیں۔ ان کی شاعری میں معنویت اور نیا اسلوب بھی ملتا ہے، شعری تجربات اور زندگی کے تجربات کی ایک طویل داستان آپ کی غزلوں میں چھپی ہوئی ہے چونکہ آپ عصری شعور رکھتے ہیں اس لئے تجربات کی داستان میں انفرادیت نمایاں ہے۔ تہذیب، ثقافت اور روایات کی خوشبو لئے آپکی شاعری قاری کو اپنے سحر میں گرفتار رکھتی ہے اسی طرح مشاعروں میں مظفر احمد مظفر اپنے اعلیٰ وارفع شاعری کی بدولت نمایاں مقام رکھتے ہیں ان کی شاعری ان کی عمر سے زیادہ پختہ اور منجھی ہوئی لگتی ہے جس کی وجہ سے انہیں ہمیشہ اساتذہ کے برابر جگہ ملتی ہے ان کے اشعار میں نغمگی کے علاوہ سادگی و پرکاری، روانی و بے تکلفی کے اجزاء بھی نظر آتے ہیں جو سامعین کی توجہ کے باعث بنتے ہیں۔

ہمیں ان کے پہلے شعری مجموعہ کلام ''حرفِ زیرِ لب'' کا بے تابی سے انتظار ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ شعری مجموعہ برطانیہ و یورپ ہی نہیں انڈو پاک میں بھی ادبی دنیا میں اپنا مقام پائے گا اور اس کو مکمل پذیرائی ملے گی۔

آخر میں اپنے اس خوبصورت ادب دوست کو ہزار دعاؤں کے ساتھ ضرور کہوں گا کہ اپنا کلام کتابی شکل میں دنیائے ادب کے حوالے کریں تاکہ ہم سب اس سے مستفید ہوسکیں گو آج کے دور میں کتاب شائع کروانا اور اسے فروخت کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے مگر اتنے اچھے ادب کو فائلوں میں بند رکھنا بھی ادب کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ان کی چند خوبصورت غزلیں درج ہیں پڑھیئے اور داد دیجئے۔۔۔

❁

زباں پہ شکوہ بیداد لا نہیں سکتے
یہ داستاں سرِ محفل سنا نہیں سکتے
کتابِ عمر کے ہر باب میں ہے یہ مرقوم
تمہارا نام مگر لب پہ لا نہیں سکتے
وہ بے بسی ہے کہ منزل پکارتی مگر
زمیں میں پاؤں گڑے ہیں اُٹھا نہیں سکتے
کچھ ایسے سانحے گزرے رہِ محبت میں
تمام عمر جنہیں ہم بھلا نہیں سکتے !!
یوں انتظار میں آنکھیں ہوئی ہیں پتھر کی
شبِ فراق میں آنسو بہا نہیں سکتے
ہزار جھونکے اُٹھیں صرصرِ حوادث کے
چراغِ راہِ تمنا بجھا نہیں سکتے!
نہ پوچھ ان سے مظفرؔ بھنور کے پیچ و تاب
سفینہ برابِ ساحل جو لا نہیں سکتے !

❁

چھلکے تھے کبھی جام مجھے یاد نہیں
اے گردشِ ایام ! مجھے یاد نہیں
اِک صورتِ زیبا تھی مجھے یاد ہے لیکن
تھا اُس کا کوئی نام مجھے یاد نہیں
مہتاب کی صورت تھا کوئی پیکرِ پُر نور
اُترا تھا سرِ بام مجھے یاد نہیں
میں تھا یا کوئی مجھ سا کہیں خاکِ بہ صحرا
روتا تھا سرِ شام مجھے یاد نہیں
کچھ لوگ مجھے لے کے چلے تھے سرِ مقتل
پھر کیا ہوا انجام مجھے یاد نہیں
پھر پوچھنے آئی ہو مظفرؔ کا پتا تم
کہہ تو دیا ''مادام'' مجھے یاد نہیں

نذرِ احمد فراؔز

بارِ خاطر ہوئی یہ عمرِ گریزاں جاناں !
تجھ کو سمجھا تھا غمِ ہجر کا درماں جاناں !
آ بتاؤں تجھے آشوبِ تمنا کیا ہے ؟
کیسے کٹتی ہے یہ تارِ شب ہجراں جاناں !
میں نے ہر غم کو غمِ عشق سے تعبیر کیا
غمِ جاناں ہو یا بلا سے غمِ دوراں جاناں !
کوئی دیکھے میری آنکھوں سے اسیری کا فسوں
گھر ہوا جاتا ہے اک حلقۂ زنداں جاناں !
ایک بھی تیرِ نظر تیرا خطا جاتا نہیں
سب ہوئے جاتے ہیں پیوستِ رگِ جاں جاناں !
دھجیاں تھیں وہ مرے خوابِ نگر کی ہر سُو
تو نے سمجھا جنہیں اوراقِ پریشاں جاناں !
خودکشی ہے یا یہ اظہارِ غمِ فرقت ہے ؟
خود سے ہونے لگا ہوں دست وگریباں جاناں !
عمر بھر غنچۂ ہستی نہ شگفتہ دیکھا
''ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جاناں''
کنجِ غربت میں مظفؔر نے غنیمت سمجھا
جس قدر بھی وہ ہوا بے سر و ساماں جاناں !

جلا کر دامنِ ہستی چراغاں کر لیا میں نے
جہاں کو صورتِ آئینہ حیراں کر لیا میں نے
بڑا اُلجھا ہوا تھا فکرِ دوراں میں دلِ محزوں
جگر کو آشنائے سوزِ پنہاں کر لیا میں نے
نہ مجھ سا سربکف پاؤ گے گلزارِ محبت میں
لہو میں ڈوب کر جشنِ بہاراں کر لیا میں نے
بڑا پچھتا رہا ہوں تجھ سے شرحِ آرزو کر کے
کہ جانِ جاں کو پل میں دشمنِ جاں کر لیا میں نے
چراغِ آرزو بجھنے لگا جب ناامیدی میں
جگر کا خون ٹپکا کر فروزاں کر لیا میں نے
شبِ دیجور کٹتی ہی نہیں صحرائے وحشت کی
''یہ کس امید پر گھر کو بیاباں کر لیا میں نے''
یہی خوں نابہ افشانی مظفر اپنی قسمت ہے
چلو اچھا ہوا خود کو غزل خواں کر لیا میں نے

❁

اے دوست مجھے سوزِ نہاں مار نہ ڈالے!
یہ نالۂ شب آہ و فغاں مار نہ ڈالے!
اک عمر سے پیوستِ رگِ جاں ہے مگر اب
ڈرتا ہوں کہ یہ تیرِ تپاں مار نہ ڈالے!
بیتابیٔ دل کی یہ دوا خوب ہے لیکن
پہلو میں یہ شربت کی دوکاں مار نہ ڈالے!
رائج ہے زباں بندی کا دستور چمن میں
بلبل کو کہیں ضبطِ فغاں مار نہ ڈالے!
خورشید قیامت سے سوا سوزِ دُروں ہے
اے شیخ تجھے عشقِ بُتاں مار نہ ڈالے!
تو خواب ہے احساس ہے نغمہ ہے کہ گل ہے
یہ کشمکشِ وہم و گماں مار نہ ڈالے!
حد سے جو گزر جائے تری طرزِ تغافل
فرقت تری اے جانِ جہاں مار نہ ڈالے!
بت خانے کو جاتا ہے بڑے شوق سے لیکن
زاہد کو کہیں حسنِ بتاں مار نہ ڈالے!
بیٹھا ہوں ترے سایۂ گیسو میں مگر اب
ڈرتا ہوں مجھے راحتِ جاں مار نہ ڈالے!
اب دولتِ دل ہار کے روتا ہے مظفرؔ
مفلس کو یہ احساسِ زیاں مار نہ ڈالے!

❁

جو لذتِ آشنائے دردِ ہجراں ہوتے جاتے ہیں
سر کوئے تمنا وہ غزل خواں ہوتے جاتے ہیں
سفینہ ڈوب نہ جائے کہیں بحرِ طلاطم میں
احباب آشنا حریفِ موج ہوتے جاتے ہیں
وہی بنتے ہیں باعث دوستو بیتابیٔ دل کا
محبت میں جو نزدیکِ رگِ جاں ہوتے جاتے ہیں
متاعِ دل جنہیں سونپی تھی میں نے راہِ الفت میں
تعجب ہے وہی غارت گرِ جاں ہوتے جاتے ہیں
دبستانِ محبت میں اک ایسا دور آتا ہے
کہ اوراقِ کتابِ دل پریشاں ہوتے جاتے ہیں
اثر بعدِ فنا ہونے لگا ہے جذبۂ دل کا
''وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں''
جنوں میں بھی مظفرؔ ہے ہمیں پاسِ ادب ہر دم
بقصد ظرف محوئے حسنِ جاناں ہوتے جاتے ہیں

محسنہ جیلانی

17, Leys Gardens ,Cockfosters,

London EN4 9NA England

Tel: 02083509956

E.mail: asafjilani9@yahoo.co.uk

محسنہ جیلانی برطانیہ کی ممتاز افسانہ نگار اور شاعرہ ہیں ،وہ 1965 میں برطانیہ آئیں اور گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل آڈینس اور بی بی سی عالمی سروس میں خدمات انجام دیں۔ بارہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور اردو کی دونوں اصناف نثر اور شاعری میں لکھا۔ان کے افسانوں کے دو مجموعے بنام ''عذاب بے زبانی کا، بکھرے ہوئے لوگ اور ایک ناول ''میں دہشت گرد ہوں؟'' شائع ہوا اور ایک منظوم قاعدہ بھی۔

نثر کے ساتھ شاعری بھی کرتی ہیں اور لندن کے مشاعروں میں اپنے خوبصورت کلام سے محظوظ کرتی ہیں۔

محسنہ جیلانی ہندوستان کی مسلم یونیورسٹی کے شہر علی گڑھ کے ایک ممتاز ادبی خاندان میں پیدا ہوئیں ان کے آباؤ اجداد کا سلسلہ اپنے زمانہ کے مشہور صوفی شاعر مرزا مظہر جان جاناں سے ملتا ہے۔ وہ الہ آباد یونیورسٹی کے منشی کامل کے امتحان میں پورے اتر پردیش میں اوّل نمبر حاصل کر کے کامیاب ہوئیں اس کے بعد انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں گریجویشن کیا اور برطانیہ آ کر اردو زبان میں تدریسی ڈپلومہ حاصل کیا۔

لندن آ کر شروع شروع میں برطانیہ کے پہلے اردو ہفت روزہ مشرق میں باقاعدگی کے ساتھ برطانیہ میں مقیم خواتین کے مسائل پر کالم لکھنا شروع کئے اس کے بعد جب 1970 میں روزنامہ جنگ نے لندن سے اپنا اخبار شروع کیا تو انہوں نے خواتین کے صفحہ کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔علاوہ ازیں

کچھ وقت انہوں نے لاہور کے روزنامہ نوائے وقت میں بھی لکھا۔

اسی دوران بی بی سی لندن کے اردو سروس میں خواتین کے لئے نشر ہونے والے پروگرام ''برگ گل'' میں با قاعدگی کے ساتھ حصہ لیا اور اس پروگرام میں شرکت کرنے والی خواتین کی پہلی اردو تنظیم ''برگ گل'' کی بنیاد ڈالی۔ اس تنظیم نے بے شمار خواتین کو اپنی ادبی پیاس بجھانے کے مواقع فراہم کئے اور ادبی عمل کو جاری رکھنے کا حوصلہ دیا۔ ان کی کہانیاں اور افسانے ''افکار، لیل ونہار، افکار نو'' اور ''اوراق'' میں شائع ہوتے رہے اس کے علاوہ ہندوستان کے جرائد میں بھی ان کی کہانیاں شائع ہوئیں۔

محسنہ جیلانی لندن کے معروف صحافی کالم نگار آصف جیلانی کی اہلیہ ہیں۔ جیسا کہ میں ان کے مضمون میں بھی لکھ چکا ہوں کہ لندن کی ادبی دنیا میں ایک دو ہی ایسے جوڑے دیکھے ہیں جو ہم ذوق اور ادبی خیالات کے ہیں اور باہمی اتفاق و پیار سے ادب کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔ لندن کے ادبی حلقے میں محسنہ جیلانی اور آصف جیلانی کی جوڑی بھی ایک مثال ہے جو عموماً اکٹھے مشاعروں اور ادبی محافل میں شریک ہوتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی نہایت سنجیدہ، مخلص طبیعت کے حامل ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ محسنہ بہن نے میری دو کتابوں کے لئے لکھا بھی اور میرے مشاعروں میں بھی دونوں نے شرکت کی۔ انہیں جب اس کتاب کے بارے میں سوالنامہ اور فارم دیئے تو انہوں نے اسی نشست میں پُر کر کے دے دیئے اور شمولیت پر خوشی کا اظہار کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ یہ بہت بڑے ظرف کی بات ہے ورنہ ادب میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو برسوں سے ادب کا جھنڈا اٹھائے نعرے لگا رہے ہیں مگر بار بار یاد دہانی کے باوجود بھی اس تاریخی کتاب میں شرکت نہیں کی اب اللہ جانے ان کا بخل اجازت نہیں دے رہا یا پھر۔۔۔ دو کتابوں کی قیمت جو صرف دس پونڈ ہے دینے کی ہمت نہیں۔۔ کیونکہ ہمارے ہاں کتاب خرید کر پڑھنا بھی اپنی ہتک سمجھا جاتا ہے ہمارے بڑے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کتاب اعزازی دی جائے۔۔ بحرحال! آج اسی تنگ نظری نے ادب کو نقصان پہنچایا ہے۔ اور مصنفین نے اپنے مسودے لپیٹ کر الماریوں میں بند کر دیئے ہیں۔

محسنہ جیلانی کی تین کتابیں میرے پاس موجود ہیں جن میں دو نہایت اعلیٰ افسانوں کے مجموعے ہیں اور ایک ناول جو آج کل کی دہشت گردی اور برطانیہ میں نئی نسل کی بے راہ روی اور دو نسلوں کے درمیان حائل

خلیج کے تناظر میں لکھا گیا۔ محسنہ جیلانی نے ان نہایت اہم اور نازک مسائل کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

ان کے پہلے مجموعہ ''عذاب بے زبانی کا'' میں سولہ افسانے ہیں جن کے بارے میں برطانیہ کے معروف قلمکار و دانش ور محترم محمود ہاشمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ،

''محسنہ جیلانی نے مغربی معاشرے کے اس اذیت ناک پہلو کو اپنے کئی افسانوں میں نمایاں کیا ہے۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر ترین منظر نامے کے ذریعے کسی بڑے المیہ کی تجسیم کر دیتی ہیں اور وہ مختصر ترین منظر نامہ ایسی بھرپور فضاء کی علامت بن جاتا ہے۔ جس میں افسانے کا باطنی مفہوم ہر گوشے اور ہر پہلو سے نمایاں ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے اس افسانے کے ابتدائی جملوں سے ہی اس منظر نامہ کی تخلیق ہو جاتی ہے۔''

ان کے دوسرے مجموعہ '' بکھرے ہوئے لوگ'' میں چودہ خوبصورت افسانے شامل ہیں جس میں ایک افسانہ ''چڑیل'' کا پنجابی ترجمہ کر کے میں نے اپنے پنجابی رسالے ''سویرا'' میں بھی شائع کیا تھا اور وہ میری آنے والی پنجابی کتاب ''لندن دے افسانہ نگار'' میں بھی شامل ہے۔ اس مجموعہ کے ابتدائی صفحات میں معروف دانش ور جناب مشفق خواجہ نے محسنہ جیلانی کے افسانوں کے بارے میں لکھا۔

''ان کے ہاں بھی یاد آنے والے لوگ، قصے اور شہر گاہے گاہے کسک کی صورت میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسی باتیں بھی گزرے ہوئے وقت کے پردوں میں لپٹی ہوئی ملتی ہیں جنہیں کسی طور پر خوش گوار نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں بھی دکھ اور اذیت کے کتنے ہی حوالے موجود ہیں۔'' ان کے ناولٹ ''میں دہشت گرد ہوں؟'' جس کے آخر میں دو منتخب افسانے بھی شامل ہیں، آپ سخن میں طبع آزمائی کرتی ہیں اور مشاعروں میں اپنی شاعری سنا کر داد وصول کرتی ہیں۔ مگر ابھی تک ان کا کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا جس کا ہمیں انتظار ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

ہے ہزاروں میں مگر سب سے جدا ہو جیسے
وہ اکیلا ہے مرے دل میں خدا ہو جیسے
وہ نظر پھر سے مہربان نظر آتی ہے
چہرہء درد بھی کچھ آج سجا ہو جیسے
میں تو سوئی تھی مگر جاگ رہا تھا بادل
میری آنکھوں کا اسے روگ لگا ہو جیسے
ریشمی پھولوں نے پھر اطلس وکم خواب بنے
موسم گل بھی لئے رنگ قبا ہو جیسے
زندگی دکھ میں بھی کچھ ایسے مزہ دیتی ہے
رات بھر نیند میں اک بچہ ہنسا ہو جیسے
چاندنی پھیل رہی ہے مرے غم خانہ میں
درد کا چاند دل کہیں دل میں اگا ہو جیسے
دل کہ ہر درد کو کچھ ایسے سنبھالا دل نے
ہدیہء شوق ہو اور تم نے دیا ہو جیسے
دل کہ احساس کا مارا ہے سہم جاتا ہے
پیار کا بول بھی لگتا ہے گلا ہو جیسے
سارے اشعار مجھے اچھے لگے ہیں اپنے
تم نے تعریف کا اک لفظ کہا ہو جیسے

وادیٔ غربت میں رہ کر بھی غزل کہتے رہے
نفرتوں کی بھیڑ میں پھنس کر غزل کہتے رہے
سرزمینِ شوق پر اہلِ چمن گرتے رہے مرتے رہے
اونچے ایوانوں میں بیٹھے ہم غزل کہتے رہے
اک ذرا آنکھیں اٹھا کر دیکھنا دشوار تھا
خون کی برسات میں بھی ہم غزل کہتے رہے
سر برہنہ بیٹیاں بازار میں بکتی رہیں
کج کلاؤں کی زمیں پر ہم غزل کہتے رہے
بیٹیاں معصوم تھیں زندہ دفن ہوتی رہیں
سر زمینِ پاک پر بیٹھے غزل کہتے رہے
دل کا عالم تھا ہجومِ یاس میں کھویا ہوا
اور ہم کرتے بھی کیا بس ہم غزل کہتے رہے
بے حسی تھی خوف تھا احساسِ ناکامی بھی تھا
ذہن پر پردہ گرا کر ہم غزل کہتے رہے

ابابیلوں کو آنا تھا------

یہ کیسی ساعتیں گذریں یہ کیسی آفتیں آئیں
ابابیلوں کو آنا تھا ابابیلیں نہیں آئیں
یہ کیسا زعم تھا اپنا یہ کیسی خوش گمانی تھی
وہی تھی داستانِ غم وہی دکھ کی کہانی تھی
ابابیلوں کو آنا تھا ابابیلیں نہیں آئیں
کہیں جلتے ہوئے خیمے کہیں بجھتے ہوئے انسان
کہیں لٹتی ہوئی دنیا کہیں بکھرا ہوا ساماں
زمین کربلا پہ کربلا کا دور دورہ تھا
نہتے بے کسوں کے گھر اندھیرا ہی اندھیرا تھا
زمیں پر آسماں سے خون کی برسات ہوتی تھی
کہیں شامِ غریباں تھی کہیں پر رات ہوتی تھی
یہ کیسی ساعتیں گذریں یہ کیسی آفتیں آئیں
ابابیلوں کو آنا تھا ابابیلیں نہیں آئیں
کہیں ننھے بدن شعلوں میں جلتے تھے تڑپتے تھے
کہیں ماؤں کی جلتی کوکھ میں خنجر اترتے تھے
کہیں ام سلیمہ تھی کہیں بلقیس و ریحانہ
کہ پتھر بھی ہوئے نم ناک سن کے جن کا افسانہ
تو تم مایوس مت ہونا

یہ کیسے ساعتیں گذریں یہ کیسی آفتیں آئیں
ابابیلوں کو آنا تھا ابابیلیں نہیں آئیں
اندھیری رات کہتی ہے کہ تم مایوس مت ہونا
میرے دامن میں صبح ہے میرے آنچل میں
تارے ہیں
کہ میرے بعد دنیا میں اجالے ہی اجالے ہیں
ابابیلیں نہیں آئیں تو تم مایوس مت ہونا
ابابیلیں نہیں آئیں

جو بھی لکھا وہ سچ لکھا میں نے
کچھ اجالا تو کر دیا میں نے
میرے حرفوں نے کچھ کہا مجھ سے
جو سنا تھا وہ لکھ دیا میں نے
درد دل کی نماز پڑھنے کو
آنسوؤں سے وضو کیا میں نے
دولت درد جب ملی دل کو
سجدہ شکر کر لیا میں نے
اب بھی ہاتھوں میں ہاتھ ہے اس کا
کچھ تو وعدہ وفا کیا میں نے

میں ایک ماں ہوں

میرا گیت ہے پیار کی لوری
جس کی دھن میں رچی بسی ہے
ننھے بچوں کی قلقاری
میرا آنچل امن کا پرچم
ساری دنیا مجھ کو پیاری
جنگ کی رسمیں میں نہ جانوں
میں ایک ماں ہوں
سب کو سکھ دینے کی خاطر
سب کو خوش رکھنے کی دھن میں
اپنے درد چھپاتی جاؤں
آس نراش کی دھندلی پگ پر
سوجھ بوجھ کے قدم اٹھاؤں
نفرت کی دیواریں ڈھاؤں
میں ایک ماں ہوں
جگ مگ جگ مگ آنکھ کا کاجل
دھنک دھنک ماتھے کی بندیا
سوندھی سوندھی دودھ کی خوشبو
انگلی چوستے دھیان کا منظر
ننھی باہیں پیار کی راہیں
میری پونجی میری دولت

میری ممتا گہری ندیا
میں ایک ماں ہوں
نیل گگن کا اجلا سورج
جھل مل جھل مل شام کا آنچل
چاند کا ہالا رات کا کنگن
کھیتوں میں کھلیان
میرے دھیان میں پھول کھلائے
آشاؤں کے دیپ جلائے
ٹوٹے دانتوں کی مسکان
میں ایک ماں ہوں
سوچوں کی دہلیز پہ بیٹھی
پیار کے گیت میں گاؤں
مدھر مدھر گیتوں کی دھن پر
درد کے گجرے گوندھوں
پلکوں رین سجاؤں
تنہائی کے سناٹوں میں
سب کی خیر مناؤں
میں ایک ماں ہوں
غیر ہیں اپنے سب ہیں میرے
سب سے رشتے باندھ لیے ہیں
اس کی خاطر سب کی خاطر

درد سمیٹوں تیرے میرے
شیتل شامیں سجل سویرے
آنسو موتی درد کے ہیرے
زخموں کے پکھرا
میں نے اس سے مانگ لیے ہیں
میں ایک ماں ہوں

چوہدری محبوب احمد محبوبؔ

29, Thackeray Road.Eastham,

London E6 3BN

Tel: 02085524602

چوہدری محبوب احمد محبوبؔ ایسٹ لندن کی جانی مانی ادبی و سماجی شخصیت ہیں جو سابقہ تیس برس سے پنجابی ادب کی خدمت میں دن رات کوشاں ہیں۔ لاہور، پاکستان سے تعلق ہے۔ 1976 میں برطانیہ آئے، کاروباری شخصیت ہیں اور رزق حلال میں یقین رکھتے ہیں۔ نہایت اصول پسند، سچی اور کھری بات کہنے کے عادی ہیں اور خاص وصف ہے کہ جھوٹے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے کی جرات رکھتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو جو فی زمانہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ان کی اس سچائی اور بے باکی پر انہیں عزت دی جاتی ہے اور مخاطب کچھ کہنے سے قبل دو بار سوچتا ہے۔ ادبی سماجی خدمات میں جنون کی حد تک مصروف رہتے ہیں۔ لندن ایسٹ کے مشہور علاقے ایسٹ ہیم میں جہاں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مقیم ہے ایک طویل مدت سے ہفتہ میں دو بار ادبی و سماجی محفلوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ بوڑھے بزرگ ایشیائی لوگوں کیلئے انہوں نے پہلی مرتبہ ''ففٹی پلس'' نام سے تنظیم کی ابتدا کی جو آج اس علاقے کی مشہور فعال تنظیم ہے۔ جس میں مقامی پاکستانی بزرگ مل کر بیٹھتے ہیں اور ان کے لئے مختلف پروگرام کئے جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے ''پاک پنجابی کلچرل سوسائٹی لندن'' کا اجرا کیا جس کے تحت بے شمار پروگرام منعقد ہوئے اور پاکستان و ہندوستان سے لاتعداد شعراء، قوال اور فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ کئی کتابوں کی رونمائیاں ہوئیں اور پنجابی ادب کو پرموٹ کیا گیا۔ اس کے ساتھ انہوں نے ''پاکستانی رائٹرز ایسوسی ایشن'' بھی شروع کی جس کے تحت لندن اور گردونواح کے قلمکاروں کو پلیٹ فارم مہیا کیا گیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ''نیو ہیم پاکستانی کمیونٹی فورم لندن'' کا اجرا کیا جس کے تحت مقامی اسکول میں ہفتہ میں دو پروگرام کئے جاتے ہیں جس میں مشاعرے، عید میلاد النبی، پاکستان کے تاریخی دن،

یوم قائداعظم اور یوم علامہ اقبال کے علاوہ موسیقی اور ادبی پروگرام تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ کئی کتابوں کی رونمائی بھی کی گئی۔ ان تمام تنظیموں کے روح رواں محبوب احمد محبوبؔ صاحب ہیں جو تمام انتظام کرتے ہیں۔

ان کا ایک پنجابی شعری مجموعہ ''کھلے بوہے'' بھی شائع ہوا اور پنجابی حلقے میں بہت پسند کیا گیا۔

محبوب احمد محبوب نہایت سچے اور حب الوطنی کے جذبے سے معمور شخص ہیں۔ وہ پاکستان کے خلاف اور اسلام کے خلاف کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور وہ کسی موضوع پر بھی گھنٹوں بول سکتے ہیں۔ 1985 میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا جو آج تک جاری ہے۔ پاکستان کے موجودہ حالات پر بڑا اچھا لکھتے ہیں جس میں رہبران وطن کے لئے نصیحت ہوتی ہے۔ اسلام کے سچے شیدائی اور رسول پاک ﷺ کے سچے عاشق ہیں نعت بہت اچھی لکھتے ہیں اور اپنے پروگراموں میں نعت کا بڑا حصہ ضرور رکھتے ہیں۔ اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا ہے اور محنت مزدوری کر کے انہیں آکسفورڈ یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لئے بھیجا جہاں انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے والدین کا نام روشن کیا ہے۔ میرا ان کا ساتھ بہت پرانا اور شوق سانجھا ہے۔ پانچ برس تک میرے یورپ کے پہلے پنجابی رسالے ''سویرا'' کے ساتھ انہوں نے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ تعاون کیا۔ آج بھی اپنی ماں بولی پنجابی کے بہت بڑے علمبردار جانے جاتے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے لندن میں پنجابی زبان کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ خدمت کی ہے اور اسی بے پناہ اور مخلص خدمات کے اعتراف میں ''سویرا اکیڈیمی'' کی جانب سے انہیں شیلڈ دی گئی۔ والتھم فاریسٹ اور نیوہیم کے تین میئروں نے ایوارڈ سے نوازا، پنجابی کی طویل خدمات کے اعتراف میں لندن کے ہوم آفس کی معروف تنظیم ''پنجابی ان برٹن آل پارٹی پارلیمنٹ گروپ نے کلچرل ایوارڈ سے نوازا۔

پاکستان ولندن کے مشہور شاعر اختر لاہوری (مرحوم) ان کے استاد محترم تھے جنہوں نے لندن میں پنجابی کی پہلی شمع روشن کی تھی اور ان کے ہاں پنجابی کے ادبی محفلوں کی ابتدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کام کو جاری رکھنے کا سہرا ان کے ہونہار شاگرد محبوب احمد محبوب کے سر ہے جنہوں نے اپنے استاد گرامی

کا مشن آج تک جاری وساری رکھا جو آج تک پورے زور شور سے جاری ہے۔

اپنی اس کتاب میں انہوں نے حمد و نعت کے ساتھ بڑی اچھی غزلیں بھی لکھی ہیں نظم اور قطعات بھی ہیں ۔ان کی ہر نظم میں قومیت ابھرتی ہے وہ اپنے وطن میں منافقت، وطن دشمنی، بد دیانتی، جرائم اور دین سے دوری سے سخت نالاں ہیں اور اپنے اشعار میں جگہ جگہ پیغام دیتے ہیں کہ

ہن تے جاگ پاکستانی ہن تے اکھاں کھول

حالت تیری پتلی ہو گئی ملک ڈانوا ڈول

اپنے وطن سے پیار اور دینِ اسلام سے محبت ان کے ایک ایک شعر سے جھلکتی ہے جسے پڑھتے وقت ان پر ایک وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ کئی بار سخت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ان کی یہ بے باکی پورے لندن میں مشہور ہے اور وہ مشاعروں میں للکار کر کہتے ہیں۔

قوم نوں ونڈ کے فرقیاں وچ لیڈر ملا راضی

کویں علاج ایہناں دا کریئے کجھ تسیں وی دسو بھاجی

میں اپنے بہت ہی محترم عزیز دوست جناب چوہدری محبوب احمد محبوبؔ کے اس سچے جذبے کو سلام کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اسی طرح اپنے وطن اور مذہب کی محبت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے اشعار سے سوئی ہوئی قوم کو جگاتے رہیں گے اور اپنی ماں بولی کی ترقی و ترویج میں حسب معمول کوشاں رہیں گے۔میری محبتیں اور ساتھ ہمیشہ ان کے ساتھ ہے۔۔!!

✺

توڑ دا ساتھی کوئی نہیں ملیا کیہ اپنا کیہ پرایا
ساہواں دی سانجھ وی جھوٹی نکلی نہ ایہناں ساتھ نبھایا

عملاں نال نبیڑے ہونے چنگے عمل کمائیے
بھار کسے دی دھون دا کدی کسے نہیں چایا

رشتیاں دی ہن قدر نہ باقی سانجھ پیار دی بھلی
خود غرضی دی چادر نے ہے عقل تے پردہ پایا

وڈی عزت والا اے اج بہتی دولت والا
پر پاپ بناں نہیں کٹھی ہوندی یارو بہتی مایا

محلاں والے محلاں والیاں نوں ای جا کے ملدے
اوہنوں کسے نہیں پچھیا جہڑا جھگی وچ ہمسایا

پھل وانگوں محبوبؔ اوہ دسیا کنڈے وانگوں چبھیا اے
جیہدے ول وی نال پیار دے اپنا ہتھ ودھایا

✺

تیریاں یاداں مینوں گھیرا ایسا پایا اے
تیرے بنا سوہنیا میں سب نوں بھلایا اے

پیار پا کے جانیا! وے چھڈ گیاں کلی نوں
ہس دیاں اکھیاں نوں ڈاڈا تو رووایا اے

خاب وچ ای آ کے کدی مل جا وے سجنا
جیندی جانیں توں تے مینوں مار مکایا اے

خاب ای خیال چ میں بت تیرا گھڑ کے
کیتا اے پیار نالے سینے نال لایا اے

آس والا دیوا چنا حالی پیا بلدا
دل میرا بجھ گیا روح کملایا اے

۞

ہاسے ہاسے دے وچ یارو ویکھو میں کیہ کیتا
اپنے ہتھیں گھول کے میں تے زہر پیالہ پیتا

آسے پاسے تے کہندا اے نہیں جانا لبنیاں رہواں تے
دوجے پاسے نفس امارہ جسم دے اندر سیتا

آپے ای لئے دیس نکالے ویکھ کے پنجرہ سونے دا
کیہ دساں اس پنجرے وچ میرا ایل پل کیویں بیتا

ہن کیہ فائدہ سجنو تہاڈے اوڑ پوڑ کرن دا
دل تے جگر دا ہر اک حصہ جد ہو گیا فیتا فیتا

اوہناں نے وی محبوبؔ جی قدر نہ پائی کوئی
ساری حیاتی جنہاں دے لئی رات دن اک کیتا

۞

دن گزر گیا ہوکیاں دے وچ رات گن گن تارے
عقلاں والے جھلے ہو گئے عشق دے ویکھو کارے

ہر دم یاد سجن دی والا وی تے اک نشہ اے
ایس نشے وچ بن پیتے ای آوندے نت ہلارے

سکھ دے وچ تے ہر کوئی ساتھی نہیں کوئی ساتھی دکھ دا
بھیڑ پوے تے کم نہیں آوندے جیہڑے بھتے پیارے

میں عاجز مسکین نمانا کوئی نہیں بن تیرے
مالکا کرم کریں جنابوں تیرے ای ملن سہارے

ٹونے ٹوٹکے کم نہیں آوندے نہ ای وید حکیم
وصل بناں نہیں اچھے ہوندے محبوب ہجر دے مارے

تارے کسے لئی توڑ لیاواں ایہ گل میرے وس دی نہیں
بول کے جھوٹ پیار جتاواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

گل سن کے جہڑے گل نہیں سن دے اوہناں نوں کیویں سمجھاواں
بولیاں نوں کوئی گل سناواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

سدھے راہ تے چل دیاں نوں کجھ پُچھے راہ تے پاندے نیں
راہ کسے نوں پُچھے پاواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

اک ہو کے کجھ دیس لئی کریئے دیس تے سب دا سانجھا اے
سب دا بھار میں سر تے چانواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

سچی گل تے سچی اے کدی وی جھوٹھی پیندی نہیں
سچی گل نوں میں جھٹلاواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

تدبیراں دا تقدیراں اگے زور کدی نہیں چلدا
محبوبؔ لکھے ہوئے لیکھ مٹاواں ایہ گل میرے وس دی نہیں

نظراں دے نال چنا جدوں وی پلائی اے
چڑھیا خمار ایسا دنیا بھلائی اے

تیرے جیا سوہنا کوئی جگ تے نہیں دسدا
اکھ تیرے نال چناں جد دی ملائی اے

تاب کیہڑا جھلے تیرے حسن جمال دی
وانگ پروانے کئیاں جان وی گنوائی اے

دور رہ کے تیتھوں ہن جی نہیں سکناں
موت کولوں ودھ مینوں تیری اہ جدائی اے

تیرے ای خیال وچ رات دن لنگدا
دل وچ ایہو جیہی توں جوت جگائی اے

کِسراں محبوبؔ میں شکر کراں رب دا
مل گیا یار مینوں مل گئی خدائی اے

محمود اقبال محمودؔ

.Mob:07846626872.

E.Mail:mahmood_13@hotmail.com

محمود اقبال محمودؔ 2004 میں برطانیہ آئے اور تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صحافت، مختلف اسٹیج پروگرام مرتب کیئے، ٹی وی کی فلمیں ڈایئریکٹ کیں اور اداکاری کے میدان میں بھی آگے آگے رہے۔

نوجوان شاعر ہیں، بہترین کالم نگار، افسانہ نگار ہیں۔ وہ اپنے مخاطب کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ موضوع مذہبی ادبی ہو یا سیاسی ان کے ہاں اردو، انگریزی اور عربی کے الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے ان کی عالمانہ و مفکرانہ باتوں سے ان کا وسیع مطالعہ ثابت ہوتا ہے۔

طبیعتاً نہایت مخلص، منکسر المزاج اور چہرے پر دل آویز مسکراہٹ لئے دوسروں کو اپنایت کے جال میں اس طرح قید کر لیتے ہیں کہ پھر ساری عمر اسیری میں ہی گزرتی ہے۔

مشاعروں میں اپنے خوبصورت اشعار کو خاص انداز میں بیان کرکے داد وصول کرتے ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''سمے کی آخری ہچکی'' کالج کے زمانے میں شائع ہوا تھا۔ ''پکھی داس'' ان کا دوسرا مجموعہ ہے جو زیر طبع ہے۔ دوستوں کے دکھ سکھ میں ہر لمحہ شریک رہنے والے محمود اقبال ہمیشہ دوستوں کے نرغے میں رہتے ہیں۔ آج تک میں نے انہیں اکیلا بہت کم دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنا پہلا شعری مجموعہ ''سمے کی آخری ہچکی'' تب لکھا تھا جب ابھی زیر تعلیم تھے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اتنا کچھ لکھ چکے کہ کئی مجموعے مرتب ہو جائیں مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ یا پھر غم روزگار نے مہلت نہ دی۔ وہ کہتے ہیں کہ،

''یہ میری پہلی محبت ہے اور اس میں بہت سا خلوص اور بہت زیادہ پیار شامل ہے۔ ہر نظم، ہر غزل ہر شعر بہت سے رت جگے اور بہت سارا خون جگر لئے ہوئے ہے میں چاہتا ہوں کہ میری محبت ہر اس دل تک پہنچے جو محبت سے نا آشنا ہے۔''

ہر شاعر کا سفر طویل اور ایک صحرا کی مانند ہوتا ہے جہاں وہ برسوں آبلہ پائی کر کے اپنی منزل تک پہنچتا ہے محمود اقبال نے بھی برسوں سے اپنی پوری توانائی کے ساتھ ادب کے اس سفر کا جاری رکھا ہوا ہے اور آج لندن کے مشاعروں میں انہیں بڑے غور سے سنا جاتا ہے اور داد دی جاتی ہے۔ وہ اپنے حوصلے، مشق سخن، مطالعہ اور علم و ہنر کی روشنی میں نئی سمتوں اور منزلوں کی جانب مسلسل جستجو کے ساتھ رواں دواں ہیں اور یہی خوبیاں اچھے سنجیدہ فنکار کو معیار کی بلندی، کردار کی عظمت اور صلاحیتوں کے عروج پر پہنچا دیتی ہیں۔

ادب و سخن کی محبت اپنی زبان سے عشق انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسا ٹھوس کام کریں لہذا وہ ایک نہایت خوبصورت سہ ماہی ادبی مجلّہ نکالنے کی تیاری کر رہے ہیں جو تقریباً مکمل ہے اور جلد ہی منظر عام پر آجائے گا۔ ایک نوجوان جس نے اپنی زندگی کے ابھی بے شمار مرحلے طے کرنے ہیں ادب کے ساتھ اس قدر محبت قابل رشک ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ انہیں اس مقصد میں کامیاب کرے۔

اپنے اس مجموعہ میں انہوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نہایت اچھی نظمیں لکھی ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ اپنے وطن سے محبت ان کی رگوں میں خون کے ساتھ دوڑتی ہے اور وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہیں۔

میرے ذہن کے دریچوں میں ￼ تیری یاد خوشبو جگائے گی
مجھے اپنی مٹی سے پیار ہے ￼ مجھے یہ بھی پیار دکھائے گی

ان کی چند ایک نظمیں دل کے تار جھنجھلا دیتی ہیں اور ایک کیف و مستی کی فضا پیدا کرتی ہیں۔ ان میں ''سراب، جانے اب کس حال میں ہوگا، کہیں نہیں ہے، محبت کی بے معانی نظم، ہم سفر، ضرورت ہے اور وہ مجھ سے جدا ہوگیا'' اچھی نظمیں ہیں گو کئی ایسی بھی نظمیں ہیں جو بغیر عنوان کے ہیں انہوں نے اس مجموعہ میں غزلوں کو بھی عنوان دیئے ہیں۔ جبکہ آج کل صرف غزل ہی لکھا جاتا ہے۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''سمے کی آخری ہچکی'' جس میں قطعات، اشعار، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں محمود اقبال کی محبتوں کا ایک انمول خزانہ ہے جو اس نے اپنے چاہنے والوں، عزیز دوستوں اور ادب و سخن سے محبت کرنے والوں کی نذر کیا ہے۔ مجھے انتظار ہے ان کے نئے مجموعہ کا جس میں ان کا نیا کلام نئی امنگوں کے ساتھ، نئے جذبوں کے ساتھ، پردیس، جدائی، تنہائی، ہجر کی بھٹی میں پک کر کندن ہوا جسے پڑھ کر

قاری تڑپ اٹھے گا کیونکہ پردیس انسان کو جہاں دوری کے غم دیتا ہے وہاں اس کو جلا بھی بخشتا ہے اندر سے نکھار پیدا کرتا ہے دوری کی آگ میں جل کر وہ خالص سونا بن چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کہتے ہیں۔۔

گذشتہ عمر کے سارے حسین لمحوں کو — اوراق زیست میں شمار کر کے دیکھوں گا

تمام باتیں تیری اوران کہے جملے — کتاب شعر میں اشعار کر کے دیکھوں گا

محمود اقبال اکثر میرے گھر مجھے ملنے آتے ہیں اور گھنٹوں میں ان کی ادبی اور بڑی سنجیدہ عالمانہ گفتگو میں اس طرح محو ہو جاتا ہوں کہ گھنٹوں گزر جاتے ہیں وہ زندگی کے ہر موضوع پر روانی سے بولتے ہیں۔ ان کی باتیں ہزار کتابوں کا نچوڑ ہوتی ہیں وہ مجھ سے کئی برس چھوٹے ہیں مگر اپنی باتوں میں بہت بڑے لگتے ہیں جو ثابت کرتا ہے کہ عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ انہوں نے اساتذہ کی محفلوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

انہی نوجوانوں کے ادبی شوق و ذوق کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ اس دیارِ غیر میں ہماری زبان اور ادب کو کوئی خطرہ نہیں یہ اور پھلے پھولے گا۔۔ انشاء اللہ! مجھے بے شک محمود اقبال جیسے مخلص اور محبتیں بانٹنے والوں کی دوستی پر فخر محسوس ہوتا ہے۔۔ اللہ پاک انہیں ہر بری نظر سے بچائے۔ آمین

ہجر کا ہو جو صحرا تو چھاؤں کہاں
گاؤں والے نہیں ہیں تو گاؤں کہاں

اب جنازوں کی بارات اُٹھتی ہے واں
جن میں جھانجر چھنکتی وہ پاؤں کہاں

پھر دھماکہ ہوا شہر کھنڈر بنا
راستہ جو ملے نہ تو جاؤں کہاں

روشنی نے میرے گھر تو جانا نہیں
تارے جگنو پکڑ کے سجاؤں کہاں

میرے مالک تو مجھ سے ہے روٹھا ہوا
تو بھی ملتا نہیں اب جاؤں کہاں

دل ہے زخمی تو داغ جلنے دو
گھر ہے روشن چراغ جلنے دو

آگ پھولوں کو بھی لگا دی ہے
لہلہاتا یہ باغ جلنے دو

گر ہو حساس آنکھ جلتی ہے
میرا دل اور دماغ جلنے دو

کہا تھا میں نے اسے اور پل ٹھہر جاؤ
کہیں جو شام ڈھلے اور چراغ جلنے دو

وہ کہ اب چھوڑ کر چلا ہی گیا
اب کے اس کا سراغ جلنے دو

بزم گل نگار شبِ گل فروش ہوں
پھولوں کی ہوں ہنسی اور ہوا کا دوش ہوں

میں کانچ کا پیکر لئے مستی کا جام ہوں
آواز ہوں غریب کی میں سخت کوش ہوں

شاداب ہیں یہ چہرے کہ آنسو اساس ہے
خرقہ لئے ہوئے ہوں کہ میں سبز پوش ہوں

محسن کہو یا راہ بر یا راہزن کہو
میرے گلے کو کاٹ دو گو میں خموش ہوں

سودوزیاں کا اب مجھے احساس بھی نہیں
میں جسم بے لباس ہوں میں سرفروش ہوں

اک نظر اب اس کو دیکھوں گا تو چین آجائے گا
آنکھ کا روشن دیا کچھ دیر میں بجھ جائے گا

وہ میرا تھا نہ میرا ہے نہ میرا ہوگا
سلسلہ ملنے کا بن کر خواب سا رہ جائے گا

جو دیا تھا زندگی نے وہ بھی تو کچھ کم نہیں
زندگانی چھوڑ دے گا جاوداں کہلائے گا

رات کالی ہے ستارے بجھ گئے ہیں خوف سے
زرد پھولوں پہ سجا کے کون شبنم لائے گا

وقت نے چہرے پہ میرے اس طرح سے بھر دی ریت
کون ہے جو پاک سے بھی پاک آنسو لائے گا

سجا ہوا ہے یہ گلشن تمام کس کے لئے
وہ کون آئے گا اہتمام کس کے لئے
یہ کس کے آنے کی خوشبو ہے آج محفل میں
یہ شام کس کے لئے یہ جام کس کے لئے
یہ کس کی یاد میں محفل میں آج رونق ہے
کنارے جھیل کے ہیں یہ خرام کس کے لئے
نہیں جو واقفِ آداب محفلِ رنداں
سلام کس کے لئے کلام کس کے لئے
نہ پارسائی ہو دل میں تو یہ بتا واعظ
یہ سجدے کس کے لئے ہیں یہ قیام کس کے لئے
جو زر پرستی ہے دل میں نیت میں خود غرضی
تو جہاں میں ہے تیرا مقام کس کے لئے
شہید ہو چکے ہیں جو سرائے فانی میں
تو پھر یہ ماتمِ شیر و شام کس کے لئے
وہ سنتا ہی نہیں فریاد جب غریبوں کی
تو پھر لگا ہے یہ دربار عام کس کے لئے
حوالے کر دے دشمن کے بے گناہ بندے
لگایا ظلم کا بازارِ عام کس کے لئے
لگا رہے ہیں وہ نعرۂ حق پرستوں کا
وطن میں کرتے ہیں وہ قتلِ عام کس کے لئے
معاف کرنا ہے دشمن کو اچھا شیوہ ہے
تو دل میں ولولۂ انتقام کس کے لئے
اگرچہ گوشہ نشیں ہے زندگی محمود
تو بزم شعر و سخن میں ہے نام کس کے لئے

❁

لرزتے ہاتھوں سے شمع جلانا چاہتا ہوں
یہ ساری تیرگی یکدم مٹانا چاہتا ہوں
میری آرزو خواہش پہ منقش نرم بوسے ہیں
بہت جاگی ہوئی آنکھیں ملانا چاہتا ہوں
کسی آواز کی تاثیر تیرے دل میں جا اترے
غزل تحریر ہے سب کو سنانا چاہتا ہوں
میرا سرسبز ہونا اس کے چھو لینے میں مخفی ہے
میں صحراؤں کو دریا سے ملانا چاہتا ہوں
تو میرا ہاتھ پکڑے دل کھچا جاتا ہے ہاتھوں میں
تیرے سنگ عمر بھر یونہی نبھانا چاہتا ہوں
وہ تیرا پیار کرنا اور بے پرواہ سا ہو جانا
میں تیری اس ادا سے جاں چھڑانا چاہتا ہوں

Mr.Mushtaq Singh,

25, Findhorn Avenue,

HAYES (Middlsex) UB4 0DG

Tel: 02085618721

اصل نام ہی مشتاق سنگھ ہے جو اکثر سکھ لوگوں کا نہیں ہوتا وہ بتاتے ہیں کہ ان کے والد شیخو پورہ پاکستان میں ضلع دار تھے اور فارسی زبان کے عاشق، وہ دونوں بھائی ہمیشہ آپس میں فارسی زبان میں گفتگو کرتے انہوں نے میرا نام مشتاق سنگھ رکھا جو میرے لئے زندگی بھر کسی اعزاز سے کم نہیں رہا۔ مشتاق سنگھ سے ہمیشہ ملاقات مشاعروں میں ہوتی ہے۔ ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ نہایت خوش مذاق ہنتے ہنساتے انسان ہیں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ جائیں تو برسوں کے غم دور کر دیتے ہیں، اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ بلا کا حافظہ ہے ہزاروں اشعار ازبر ہیں۔ ان کی علمی وادبی تربیت سیفیہ کالج بھوپال کے ادب پروردہ ماحول میں ہوئی جہاں سے انہوں نے اردو ادب کے ساتھ گریجویشن کیا، شعبہ اردو سیفیہ کالج میں 'اردو مجلس' کے فعال سیکریٹری بھی رہے۔

1967 میں برطانیہ آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پیدا پاکستان میں ہوا پلا بڑھا ہندوستان اور شاید خاک نشین انگلستان ہوں گا۔ پندرہ سال کی عمر میں ڈرامے لکھنے شروع کئے جو اپنے گاؤں کی اسٹیج سے کئے جاتے تھے۔ اردو زبان سے محبت ہے مادری زبان پنجابی ہے دونوں میں لکھتے ہیں۔ پنجابی زبان میں دو افسانوں کے مجموعے شاعری کے گیارہ ایک مضمون کا مجموعہ اور ہندی میں ایک شعری مجموعہ شائع ہوا اس کے ساتھ ساتھ اردو میں ''خوابوں کی دھنک''، ''چاندنی چوک کی ایک شام''، ''ہم اتنے تنہا بھی نہ تھے'' اور ''گردِ ماضی'' دنیائے اردو میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ مشاعروں میں بڑے خوبصورت دھیمے لہجے میں ترنم سے پڑھ کر داد سمیٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے

اکثر ادبی جرائد میں مضامین شائع ہوتے ہیں اور نامور ناقدین اچھی رائے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر نعمان خان لکھتے ہیں کہ "پنجابی ان کی مادری زبان ہے اور اردو ان کی محبوبہ، دونوں زبانوں میں انہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بخوبی اظہار کیا ہے۔ شاعری ان کے لئے محض ذریعہ عزت وشہرت نہیں بلکہ ذوق کی تسکین کا ساماں اور جذبات واحساسات کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی شاعری میں مرصع سازی کے بجائے جذبہ واحساس کی رعنائی اور فکر وخیال کی گہرائی پائی جاتی ہے۔"

برطانیہ کے ممتاز ناقد شاعر جناب پروفیسر عقیل دانش ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ،

"مشتاق سنگھ نے اردو کی طرح پنجابی قاری اور سامع سے بھی خود کو منوالیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مشتاق کا خلوص غزل سے اس کی وابستگی اور انسانوں سے پیار کتنے ہی پڑھنے والے کو ان کا مشتاق بنا دے گا اور ہماری طرح وہ بھی مشتاق سنگھ کا یہ شعر گنگناتے نظر آئیں گے۔"

جب ملے کنج چمن میں پھول بکھرانے لگے ‌ ‌ ‌ درد کی شبنم وفا کے پھول خوابوں کی دھنک

بقول آنجہانی جگن ناتھ آزاد "خداوند کریم نے آپ کو شعر کہنے کے لئے بڑی موزوں طبیعت دی ہے شگفتگی اور تازگی آک کے کلام کا خاص وصف ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھ سے جب بھی مشتاق سنگھ سے ملاقات ہوئی میں اپنے قہقہے نہ روک سکا وہ عام گفتگو میں بھی لطائف کو اس طرح پرو کر پیش کرتے ہیں کہ رنجیدہ سے رنجیدہ انسان بھی مسکرائے بن نہیں رہ سکتا۔ میرے نزدیک دوسروں کو خوشیاں بانٹنا اس سے بڑی اور کوئی نیکی کسی مذہب میں نہیں۔!

مشتاق سنگھ برطانیہ کے ان معروف اور سامعین کے پسندیدہ شعراء میں سے ہیں جنہوں نے شاعری کو زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ سمجھ کر اپنایا ہے اور دوسروں کی زندگی میں قوس قزاح کے رنگ اور پھولوں کی خوشبو بھر دی ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ،

اس باغ میں بلبل کو چہکنا نہیں آتا ‌ ‌ ‌ جن پھولوں کو شاخوں پہ مہکنا نہیں آتا

انہوں نے زندگی کے تمام مسائل پر بڑی مہارت اور خوبصورتی کے ساتھ لکھا ہے ان کی شاعری میں رومانوی، ماروائی احساسات کی تھرتھراہٹ محسوس ہوتی ہے وہ جدید حسیت کا نہایت باریک شعور رکھتے

ہیں اور عصری تقاضوں سے بھی آنکھیں چار رکھتے ہیں۔ لہجے کی متانت اور زبان کے درو بست میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے حیات وکائنات اور زمانے کے نشیب و فراز کے ادراک نے انکی شاعری کو فکری بالیدگی اور گہرائی عطا کی ہے۔ جوان کے ان اشعار سے نمایاں ہے۔

☆ بجھے بجھے سے اگر ہیں چراغ راہوں کے دلوں کے چراغ جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

☆ جس سمت نظر جائے سلگتی ہیں شاخیں پھر اپنے بسیرے کو پرندے کہاں جائیں

قاری ان کی پر اثر، تازگی اور سادہ زبان میں دلکی گہرائیوں سے نکلی ہوئی شاعری کا اثر محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو صبح کے تازہ موگرے کی خوشبو میں لپٹے جھونکوں کی طرح دل و دماغ کو منور کر دیتے ہیں۔

ان کی انسان دوستی کا اس شعر سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا،

جس شخص کے باعث ہوئے رسوائے جہاں ہم
دیتے ہیں اسی شخص کو ہم پھر بھی دعائیں

مشتاق سنگھ کے ان چند اشعار کو پڑھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری میں کس قدر تازگی و ندرت ہے اس پر ان کا جو حسن بیان ہے وہ سن کر سامعین تڑپ اٹھتے ہیں۔ ان کی نظمیں بھی اپنے اندر ایک تڑپ لئے ہوئے ہیں جنھیں پڑھ کر سحر طاری ہو جاتا ہے۔ افسوس کاغذ کا پیرہن اجازت نہیں دے رہا۔

پیٹ کی مجبوریوں سے بے وطن ہوتے ہیں لوگ
پھر وہیں اپنے وطن سے دل شکن ہوتے ہیں لوگ
جس قدر شدت سے وہ چاہا کریں خاکِ وطن
اس قدر ہی دم بدم بت شکن ہوتے ہیں لوگ

آخر میں اس دعا کے ساتھ اپنے مضمون کو سمیٹتا ہوں کہ اللہ کرے زورِ قلم ہو اور زیادہ۔۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

جسے اپنا سمجھتا ہوں بیگانہ ہو ہی جاتا ہے
ہمیشہ دل نگاہوں کا نشانہ ہو ہی جاتا ہے

جسے میں پوجتا ہوں ایک پتھر کی طرح دل میں
وہی دل توڑ کے میرا روانہ ہو ہی جاتا ہے

نہ اپنوں سے شکایت ہے نہ غیروں سے کوئی شکوہ
یونہی ناراض ہم سے یہ زمانہ ہو ہی جاتا ہے

تمہاری یاد کی پروائیاں جب جھوم کے آئیں
غموں سے بھیگتا موسم سہانا ہو ہی جاتا ہے

زمانہ ہو گیا یوں تو ہمارے گھر اُنہیں آئے
مگر خوابوں میں ان کا آنا جانا ہو ہی جاتا ہے

بہت سوچا ہے تم سے دور رہ کر کیا کریں گے ہم
مگر جینے کا پھر کوئی بہانہ ہو ہی جاتا ہے

آپ کی یاد کو سینے سے لگا کر جینا
جیسے پتھر ہو کوئی سر پہ اٹھا کر جینا

ظلمتِ شب میں کس طرح ممکن ہو گا
بارشِ سنگ میں بھی سر کو بچا کر جینا

کیسا دستورِ زباں بندی ہوا ہے نافذ
جس طرح ہونٹوں میں شعلے دبا کر جینا

جس کی شدت سے مری جان پہ بن آئی ہے
اُف ! اُسی درد کو دل میں چھپا کر جینا

جس کے تنکوں پہ چمکتے ہیں لہو کے قطرے
اُس نشیمن کو ہے اب آگ لگا کر جینا

جس سے گھر کی بربادی ہو ایسی تو برسات نہ دے
جینا بھی مشکل ہو جن سے ایسے صدمات نہ دے

پیار محبت کے پھولوں سے مہکیں سب گلزار سدا
جن کو سن کر دل ہو فسردہ ایسے نغمات نہ دے

جن کو پا کر روح کی بستی سوکھی کھیتی ہو جائے
مولا! کبھی کسی کو ایسے تحفوں کی سوغات نہ دے

یہ دنیا ہے رنگ برنگی ظالم اور مظلوموں کی
ظلم کی آندھی تیزی پا کر سچائی کو مات نہ دے

پیٹ ہو خالی آس نہ کوئی امیدیں ہوں خاک نشیں
حاکم سے بدظن ہو جنتا ہرگز وہ حالات نہ دے

جو ہواؤں پہ بھی دیواریں اُٹھا لیتے ہیں
راہ میں خود ہی چراغ اپنا جلا لیتے ہیں

عزم ہو جن کا رواجوں سے بغاوت کرنا
وہ نئی صبحیں نئی شامیں بنا لیتے ہیں

یاد رکھتے ہیں جو ہر وقت مقامِ الفت
اپنے سینے پہ وہ سانپوں کا سُلا لیتے ہیں

عشق ہو مندر و مسجد یا کلیسا جن کا
وہ بڑے شوق سے الزامِ وفا لیتے ہیں

حافظؔ و سرمدؔ و رومیؔ سے جنہیں پیار ہے وہ
سنگ اپنوں سے تو غیروں سے دعا لیتے ہیں

❁

بے وفا اس نے جب کہا ہوگا
آئینہ چھن سے گر گیا ہوگا

تتلیوں کی فضا میں کیسی نِدا
شاخ سے پھول گر گیا ہوگا

جب بھی رُخ سے سِرکی ہوگی نقاب
چاند شرمندہ ہو گیا ہوگا

کچھ نہ کچھ تو ضرور سازش ہے
یونہی قاتل نہ بچ گیا ہوگا

ظلم ہر سمت سے اُٹھائے ہے
کیا کوئی اور کربلا ہوگا ؟

مرزا غالبؔ نے سچ کہا مشتاقؔ
''تُو بھلا کر تیرا بھلا ہوگا''

❁

تیری یادیں تو میرے دل کو دُکھانے آئیں
ریت کے ننھے گھروندوں کو گرانے آئیں

آشیاں خاک ہوئے ایک زمانہ گذرا
آندھیاں آج فضاؤں میں اُڑانے آئیں

اپنے بھی غیروں کی مانند ملے ہیں ہم سے
ایسی بھی ساعتیں اس دل کو جلانے آئیں

کوندتی بجلیاں اور تند ہوا ، بارش سنگ
گوشۂ جاں کو میرے سب ہی سجانے آئیں

رات بھر برف گری سرد ہوائیں آئیں
درد کی آنچ بجھانے کے بہانے آئیں

یاد کا چاند بھی اُبھرا تو قیامت بن کر
تتلیاں شوق کے خرمن کو جلانے آئیں
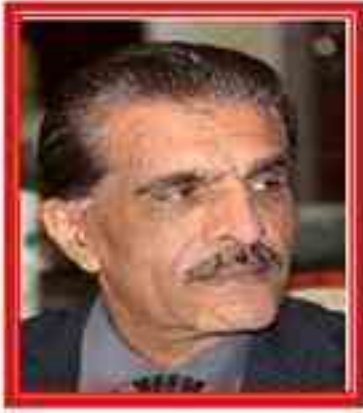
مشہود الفاروق قریشی خاور (مرحوم)

Mr.Mashood ul Farooq Qureshi,

233,Vicarage Road,

Leyton, London E10 7HQ England

Mob: 07956290240 Tel: 02085583996

E.mail:f.qureshi@hotmail.co.uk

لندن کے مشہور پاکستانی علاقے والتھم فاریسٹ کی مشہور سماجی، ادبی اور سیاسی شخصیت جناب مشہود الفاروق قریشی جو خاورؔ تخلص رکھتے ہیں اور دوست جنہیں فاروق قریشی کے نام سے جانتے ہیں، کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ 1964 میں ان کا برطانیہ آنا بجائے خود بڑا افسانوی طرز کا ہے۔

ایک مذہبی گھرانے میں پلا بڑھا بھولا بھالا سا یہ لڑکا ایجنٹ کے دھوکے سے پریشان حال ٹریول ایجنٹ کے دفتر کے باہر گھر سے ہزاروں میل دور کراچی کے انجانے شہر میں بیٹھا آنکھوں میں آنسو لیے دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ! میں تو قرض لے کر ماں باپ کی ہزاروں دعائیں دامن میں لئے اچھی نیت لے کر گھر سے نکلا تھا کہ پردیس میں جا کر محنت مزدوری کروں گا اور اپنے بہن بھائیوں کی اعلی تعلیم، والدین کی بہتر زندگی اور وطن کی آسودہ حالی کے لئے پیسہ کما کر بھیجوں گا مگر میرے ساتھ یہ کیا ہو گیا ۔ایک اپنے ہی مسلمان بھائی نے دھوکا دیا اور آج تہی دامن پردیس میں بیٹھا یہ سوچ رہا ہوں کہ کہاں جاؤں اور کس منہ سے واپس جاؤں۔ اب تو ہی ہے جو میری مدد کرے، تجھی سے التجا کرتا ہوں کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے، اپنے نیک بندوں کے طفیل، میرے آقا حضرت پیرا شاہ غازی شاہ قلندرؒ کے طفیل میری مدد فرما۔ اس کی آنکھوں سے دو قطرے کراچی کی تپتی زمین پر گر کر معدوم ہو گئے مگر دل سے نکلی دعا آسمان کا سینہ چیر کر عرش تک جا پہنچی اور اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پوچھا کہ "بیٹے! کیوں اتنے پریشان بیٹھے ہو۔؟"

اپنا دکھ بیان کیا تو اس شفیق انسان نے ہاتھ تھاما اور کہا۔" چل میرے ساتھ۔۔۔میں دیکھتا ہوں کہ تیرے سفر کا انتظام کیسے نہیں ہوتا۔۔!"

اور پھر آسمان کے مالک نے رحمتوں کا وہ مینہ برسایا کہ جل تھل ایک ہوگیا۔۔۔آنسوؤں میں بھیگی ہوئی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں نے سائبان تان دیا۔لکھنے پڑھنے کا شوق ورثے میں ملا تھا علمی اور مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔جہلم پاکستان سے تعلق ہے،طویل مدت کاروبار میں مصروف رہے اور اب بھی اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں۔

برطانیہ کی سیاسی پارٹی "لبرل ڈیموکریٹس" کے نہایت فعال کارکن ہیں۔ 2003ء میں والتھم فاریسٹ وارڈ کے کونسلر بنے اور پھر بہت ہی کم عرصہ بعد 2006ء میں والتھم فاریسٹ بارو کے میئر چنے گئے۔ اپنے میئر ہونے کے دوران انہوں نے کچھ ایسے کام کئے جو تاریخ کا حصہ بنے۔ برطانیہ میں میئر کو "ورشپ" کہہ کر مخاطب کیا اور لکھا جاتا ہے مگر انہوں نے میئر کا عہدہ سنبھالتے ہیں اپنے نام کے ساتھ "ورشپ" کا لفظ ہٹوادیا۔کہ میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔گو اس سے قبل اور اس کے بعد بھی کئی پاکستانی میئر کے عہدہ پر فائز ہوئے مگر انہوں نے اس نام نہاد "خدائی" کا فرق نہ سمجھا۔۔اس کے بعد انہوں نے سابقہ سو سال کی تمام ریکارڈ کو مات کر کے اس فنڈ کا نیا ریکارڈ قائم کیا جو ہر میئر کو دیا جاتا ہے جو اس نے اپنے ایک سال کے دورانیہ میں کسی نہ کسی مد پر جمع کرنا ہوتا ہے۔انہوں نے مقامی ہسپتال کے "کارڈیالوجی یونٹ" کے لئے فنڈ جمع کرنا تھا۔پھر شب و روز کی محنت اور اپنے ذاتی وسائل و تعلقات کی بنا پر اتنی کثیر رقم جمع کی کہ لوگ جان کر دنگ رہ گئے۔ کیونکہ انہوں نے دل کے مریضوں کے لئے مقامی ہسپتال "وپس کراس" کے لئے' ایکو کارڈیوگرام' مشین چنی تھی وہ خود ہسپتال کے لئے خریدنی بھی مشکل تھی۔مگر اس باہمت انسان نے رات دن ایک کر کے اتنی رقم جمع کی کہ نہ صرف جرمنی سے 62ہزار پونڈ کی مشین خریدی بلکہ جو رقم بچ گئی اس سے انہوں کئی "موبائل ہارٹ مونیٹرز" خرید کر ہسپتال کو عطیہ کیئے۔۔

ان میں بے پناہ ادبی لگن بھی ہے جو ان کو ورثے میں عنایت ہوئی۔ان کے والد بزرگوار اپنے علاقے کے مشہور درویش بزرگ تھے اور پنجاب کشمیر کے مشہور و معروف صوفی عارف باللہ جناب میاں محمد بخشؒ کا

کلام شائع کرتے اور فارسی کے کلام کا ترجمہ کرتے۔انہوں نے اپنے مرشد کے کلام کے لئے اپنی زندگی وقف کررکھی تھی۔فاروق قریشی اپنے والد بزرگ سے بہت متاثر ہیں۔اور میاں محمد بخشؒ کے کلام کے عاشق بھی۔'سیف الملوک' جو پنجابی شاعری میں نہائت اعلیٰ مقام رکھتی ہے انہیں کافی حد تک ازبر ہے اور اکثر مشاعروں میں اپنی نظامت کے دوران چنے ہوئے اشعار موقع کی مناسبت سے سنا کر سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں۔انہوں نے برسوں کی محنت اور چھان بین کے بعد حضرت میاں محمد بخشؒ کے حالات زندگی ،ان کی تمام شاعری ان کے خاندان کے شجرہ اور حالات پر مشتمل ایک نہایت اعلی اور مستند کتاب لکھی ہے جس کا نام ''گلستان غازی قلندر'' ہے یہ کتاب 2004ء میں ''غازی قلندر اکیڈیمی لندن'' کے زیر اہتمام شائع ہوئی اور پنجابی کے ادبی حلقے میں ایک ریفرنس بک کے طور پر مقبول ہوئی۔

ان کی دوسری کتاب ''ممولہ تے شہباز'' کے نام سے جو میرے ہاتھوں کمپوز ہوکر ''سویرا اکیڈیمی لندن'' سے شائع ہوئی جس میں فاروق قریشی صاحب نے اپنے چاہنے والوں کے بے حد اصرار پر ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے مشہور کلام ''شکوہ جواب شکوہ ،ساقی نامہ'' اور ضرب کلیم ،بانگ درا سے چند مشہور نظمیں اور غزلیں پنجابی میں منظوم ترجمہ کی ہیں۔یہ انمول کام برطانیہ میں آج تک کسی کے حصے میں نہیں آیا بلکہ پاکستان میں بھی کلامِ اقبالؒ کے پنجابی منظوم تراجم میں یہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔فاروق قریشی صاحب کا یہ کام پنجابی زبان میں ایک انمٹ یادگار اور سنگ میل ثابت ہوگا۔وہ اپنی پارٹی ''لبرل ڈیمو کریٹس'' کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کا الیکشن بھی لڑ چکے ہیں۔

ڈاکٹر منور احمد کنڈے لکھتے ہیں:

فاروق کی پسند ہے کچھ ایسی شاعری ہو جس میں جلوہ آرا ہر طور زندگی

دل سے یہی دعائے منور زبان پر پہنچے کلامِ خاورؔی کا دور تک اثر

میں اپنے نہایت مخلص مہربان دوست فاروق قریشی صاحب کے لئے دلی دعا گوہوں کہ اللہ پاک ان کے ہر قدم کو کامیابی وکامرانی بڑھ کر چومے۔آمین

ہم تو جشنِ بہاراں کو ترستے ہی رہے
وہ خزاں ساز اَبر تھے وہ برستے ہی رہے

جان و دل ہوش و خرد ہم لٹائی ہے وفا
اُن کی چتون کے جو بل تھے وہ نکھرتے ہی رہے

لالہ زاروں میں گل و بُو لا طلاطم بھی رہا
شبِ فرقت کے دیئے اشک چھلکتے ہی رہے

تیری محفل کا ہے ساقی شب افسردہ نظام
رِند گرتے ہی رہے گر گر کے سنبھلتے ہی رہے

زلفِ جاناں کے ترانے ہمیں لے ڈوبے
بل نکلتے ہی رہے خم سنورتے ہی رہے

وہ خلا باز بنے چاند کو تسخیر کیا
ہم رُخِ یار کو چاند سمجھتے ہی رہے

خاؔور اب بدلے گا تحریر کا انداز تیرا
تم بھی ماضی کے وہ نقش کھرچتے ہی رہے

میری خواہشوں کا اُبھار تو میری دھڑکنوں کا شمار تُو
میرا غم خوشی میری بے کلی میری آرزو کی پکار تُو

میری جان و دل کی تُو جستجو تُو ہی میرا حاصلِ گفتگو
میری روشنی میرے رنگ و بو میری زندگی کی بہار تُو

میری شان تُو ہے گمان تُو میری آن تُو میرا حال تُو
میری رفعتوں کا نشان تُو میرے شعر کا ہے نکھار تُو

میری شامِ غم کی ضیا ہے تُو میری الفتوں کی بقا ہے تُو
میرے آنسوؤں کا حصول تُو میری بے خودی کا اظہار تُو

میری زندگی میری بندگی میری سادگی میری عاجزی
میرا آر تُو میرا پار تُو میرا چین تُو ہے قرار تُو

میری نظم تُو میری نثر تُو میری ہر غزل میرا بند تُو
میری چھاؤں تُو میری دھوپ تُو میرا فخر تُو ہے وقار تُو

ہم خلوصِ ظاہری کے ہاتھ سے مارے گئے
کھل کے آئی سامنے تو بات سے مارے گئے

اُس نے کی سود و زیاں کی آڑ میں سوداگری
ہم فریبِ گرمیِ جذبات سے مارے گئے

جو بظاہر کہکشاں کی اوج پر کھیلا کئے
وہ ہی گرد و پیش کے حالات سے مارے گئے

منتظر صبحِ درخشاں کے جو بیٹھے شام سے
شدتِ غم کی اندھیری رات سے مارے گئے

بے رخی کا ان سے شکوہ کس لئے خاورؔ کریں
ہم تو ان کی مہر کی برسات سے مارے گئے

ٹک گرمیِ اُلفت سے جلتا ہے بدن میرا
تیرے ہی تصور کا شاہد ہے سُخن میرا

اب مُرغِ چمن صاحب صحراؤں میں اُڑتا ہے
مالی کی نظر بدلی کہتا ہے یہ من میرا

تُو محوِ خود سازی ہم ماہرِ خود سوزی
وہ ہوگا ہُنر تیرا ذرا دیکھ تو فن میرا

کچھ دیر سفر چل کے سنگت سے تُو اُکتایا
منزل کو بلا لوں گا اِک بار تو بن میرا

جب شوخ منڈھیروں کے اُس پار گیا سورج
اُلفت کے دریچوں میں سر دیکھنا خم میرا

امید کی چوکھٹ پر کرتا ہے دعا خاورؔ
کبھی خواب خیالوں میں ہوجائے ملن میرا

✻

زمانے کی محفل کا دستور ہے
ہر کوئی دل کے ہاتھوں مجبور ہے

وفا اور جفا دونوں ہیں اِک عطا
ملے جو بھی اُلفت میں منظور ہے

کسی سے شکایت کریں کس لئے
کہ صبحِ نصیباں ہی بے نور ہے

غمِ عشق سے بچ گئے ہم تو کیا
غمِ یاس میں اپنا دل چور ہے

نہ ہم ہیں کسی کے نہ اپنا کوئی
صنم ہے نہ ساقی ہے نہ حور ہے

طلاطم کی دنیا بڑی بیکراں
کناروں کی دنیا بڑی دور ہے

ہے مشہود کے نغموں کی یہ صدا
کہ جیسے کوئی شمع بے نور ہے

اتھروں (پنجابی)

ایہ سچ اے اتھروں بولدے نیں بے زبان دی بنن زبان اتھروں
درد مند دے دِل چوں آہ نکلے اوھدی کرن تفصیر بیان اتھروں
کسے بے وفا نوں یاد کر کے ساون مینہ وانگوں جھڑیاں لان اتھروں
آوے خیر دی خبر محبوب وَلوں ٹھاٹھاں ماردے وِچ میدان اتھروں
کدی مکر فریب دی اوڑھ چادر دھوکہ دین تے رنگ جمان اتھروں
ظالم ظلم دی جدوں آخیر کردا ڈِگ پین تے زمین ہلان اتھروں
جھڑے اوس دی اکھ وچ چھلک جاندے اوہ بڑے دِلاں نوں بھان اتھروں
صوفی سالکاں تائیں نہیں معاف کردے توبہ توڑ جاندے بے ایمان اتھروں
مارو تھل وچ جنھاں ونجائے سجن رو رو اُنہاں سُک جان اتھروں
ویلے وقت دی قدر نہ جو کردے ملدے ہتھ نالے پچھوں تان اتھروں
جنھاں صبر دا بھر کے جام پیتا خوش نصیب لوکی پی جان اتھروں
رنج جنھاں دے ہو محبوب جاندے وگدے اونہاں دے بے دھیان اتھروں
پچھلی رات خدا نوں یاد کر کے خاورؔ عشق دی شمع جلان اتھروں
ایتھو پُل صراط تے کم آون ہتھ پھڑ کے پار لنگھان اتھروں

ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ (مرحوم)

Dr.Maqsood Alhai Sheikh,

24,Park hill Drive, Bradford

BD8 0DF Tel: 01274 945462

E.Mail: maqsood.e.sheikh@googlemail.com

ماہ جولائی 2013 سے پہلے بریڈفورڈ کے مشہور و معروف عالمی قلمکار جو اپنی کہانی اور افسانوں سے ہند پاک کے علاوہ جہاں جہاں اردو لکھی پڑھی جاتی ہے صرف مقصود الٰہی شیخ کے نام سے ہی جانے جاتے تھے مگر 19 جولائی 2013 کے بعد ان کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا اضافہ اس بات کا ثبوت ہے کہ برطانیہ میں ان کی طویل ترین اردو خدمات کے اعتراف میں بریڈفورڈ کی یونیورسٹی نے محترم شیخ صاحب کو ان کی آدھی صدی کی انتھک محنت اور اردو ادب کی طویل ترین خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا۔ اس سے قبل چند سال پہلے حکومت پاکستان نے بھی شیخ مقصود الٰہی صاحب کی طویل اردو ادب کی خدمات کے صلہ میں انہیں پاکستان ہائی کمیشن لندن میں بلا کر بہت بڑے ہجوم کے سامنے ستارہ پاکستان سے نوازا جہاں راقم الحروف بھی موجود تھا۔

شیخ صاحب اپنی اہلیہ کی جان لیوا بیماری کینسر کا علاج کرانے برطانیہ آئے اس دوران انہیں پاکستان نیشنل بینک نے اعلی عہدے کی پیشکش کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ کچھ مدت کے بعد انہیں بریڈفورڈ منتقل کیا گیا۔۔ اور وہ پھر اسی شہر کے ہو کر رہ گئے۔

شیخ مقصود الٰہی صاحب کو میں ان دنوں سے جانتا ہوں جب میں 1965 میں بریڈفورڈ میں مقیم تھا ان دنوں مختلف دوکانوں کے بیس منٹ میں ادبی محفلیں ہوا کرتی تھیں۔

لندن آ کر میں ایک مدت تک اپنے گھریلو فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہا مگر 1998 میں ریٹائر ہو کر جب میں نے قلم سنبھالا تو شیخ صاحب ان دنوں ہفتہ وار 'راوی' نکالتے تھے لہذا کافی مدت تک میری

کہانیاں بھی 'راوی' میں شائع ہوتی رہیں۔ راوی پچیس سال تک جاری رہا اور شیخ مقصود الٰہی صاحب کا یہ کارنامہ برطانیہ کی ادبی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھا جائے گا کہ اکیلے شخص نے چوتھائی صدی تک کس طرح پوری کامیابی کے ساتھ اخبار نکالا۔ ان دنوں شیخ صاحب کا معمول تھا کہ اپنے آفس میں ہر ہفتے ایک ادبی پروگرام رکھتے جس میں مقامی اور گرد و نواح کی اہم شخصیات کو مدعو کیا جاتا اور ایک 'کوئز' (سوالیہ) پروگرام کے تحت انہیں مختلف موضوعات پر جواب لکھنے کو کہا جاتا اور کامیابی پر انہیں سرٹیفکیٹ دیئے جاتے جن میں ہفت روزہ راوی کی ممبرشپ کا فارم بھی ہوتا۔۔!!اس طرح ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت نہایت احسن طریقے سے جہاں اخبار کی ممبرشپ میں اضافہ ہوتا وہاں زبان وادب کا فروغ بھی ،اور یہ سلسلہ کئی برسوں پر محیط رہا۔۔۔

بریڈفورڈ جیسے شہر میں جہاں پاکستانیوں کی تعداد دوسرے شہروں سے کہیں زیادہ تھی وہاں شیخ صاحب نے کمیونٹی میں انتھک محنت سے بہت پر خلوص ہو کر اپنا مقام بنایا اور آپ کو 1971 میں ''جسٹس آف پیس'' کے عہدے سے سرفراز کیا گیا ،اسی طرح اس زمانے میں اکثریت انگریزی زبان سے نابلد تھی لہٰذا آپ اکثر رضا کارانہ مترجم کے فرائض بھی سرانجام دیتے، لوگوں کے ساتھ مختلف دفاتر میں جانا ،ان کے فارم بھرنا ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے۔ کمیونٹی میں اس طرح کے کام کرنے کے لئے اپنا بہت سا وقت عوام کی نذر کرنا پڑتا ہے مگر اس کی انہوں نے کبھی پرواہ نہیں کی۔۔

اپنی پیری کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی بیماریوں سے مجبور انہوں نے 'راوی' کسی کے سپرد کر دیا مگر کچھ ہی برسوں میں پچیس سال سے اُن کے خون پسینہ سے جاری وساری راوی جو ادب کے میدان میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، دوسروں کے ہاتھوں۔۔نااہلی۔۔یا سیاست کی نذر ہو کر سوکھ گیا۔۔۔

مگر چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی کے مصداق شیخ صاحب نے ایک نہایت خوبصورت دیدہ زیب ایسا ادبی مجلّہ نکالا جس نے نہ صرف برطانیہ بلکہ ہندو پاک ،امریکہ ،یورپ اور سکنڈے نیویا مڈل ایسٹ تک ادبی حلقوں میں دھوم مچا دی۔ ''مخزن'' گو سالانہ تھا مگر نہایت ضخیم اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے نامور قلمکاروں کی نگارشات سے مرصع آنکھوں کو خیرہ کرتا ہوا اس قدر خوبصورت رسالہ تھا جس کو پڑھنے

کے لئے ادب نواز لوگ سال بھر انتظار کرتے۔ یہ ایک ایسا پل تھا جو شیخ صاحب نے تمام دنیا کے قلمکاروں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے لئے تعمیر کیا۔ اور انوکھی بات یہ تھی کہ اس میں دیئے گئے ہر افسانے یا شعری تخلیق پر ہندو پاک کے معروف تبصرہ نگار اپنا تبصرہ بھی کرتے جس کا انہیں باقاعدہ معاوضہ دیا جاتا دس برس تک مخزن نے ادبی دنیا میں اپنا سکہ جمائے رکھا۔۔ شیخ صاحب باوجود اپنی بیماریوں کے اور اپنے روز بروز بڑھتے ہوئے بڑھاپے کے ہر سال ضخیم رسالہ نکالتے رہے اس کی تقریب رونمائی ہندو پاک کے مختلف شہروں میں ہوتی اور آپ طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچتے ۔۔مگر آخر کب تک جسم یہ مشقت برداشت کرتا۔۔۔ 'مخزن دس' کے بعد انہوں نے اعلان کر دیا کہ یہ آخری مخزن ہوگا۔۔ ادب کے پرستاروں کے لئے یہ ایک نہایت افسردہ خبر تھی مگر ہر کوئی جانتا تھا کہ اب وہ واقعی تھک گئے ہیں اور اتنے طویل ادبی سفر کے بعد انہیں آرام کی ضرورت ہے۔۔۔

گو اس دوران ان پر بے شمار مضامین لکھے گئے۔ کئی ایوارڈ حاصل کئے ،حکومت پاکستان نے ان کی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں نشان امتیاز دیا، فیصل آباد یونیورسٹی کی ایک طالبہ میمونہ روحی نے ان کی ادبی زندگی پر ایم فل کا مقالہ لکھا۔۔۔ افسانوں کے چھ مجموعے، دو ناولٹ، پوپ کہانیوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا، کئی کتابوں کے دیباچے تحریر کئے۔

انشاء اللہ جب بھی کوئی مورخ برطانیہ کی ادبی تاریخ لکھے گا آپ کا نام سرفہرست ہوگا اور آنے والی نسلیں آپ کا نام نہایت احترام اور محبت سے لیں گی۔۔

مجھے افسوس ہے کہ شیخ صاحب بھی کچھ مدت بیمار رہ کر اللہ کو پیارے ہو گئے عمر آپ کی شاید نوے کے قریب تھی۔ اللہ پاک ان کی مغفرت کرے۔ آمین
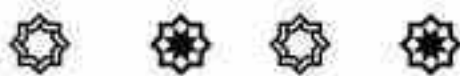
پوپ کہانیاں

(گو مقصود الٰہی شیخ صاحب نے ناولٹ، افسانے اور کہانیوں کے کئی مجموعے لکھے مگر ان دنوں وہ اپنی تعارف کردہ صنف ''پوپ کہانی'' پر زیادہ توجہ رہے ہیں، ان کی چند پوپ کہانیاں ملاحظہ ہوں۔)

ان بھوک، من بھوک

وہ کھانے میں مشغول تھا

ایک لڑکی سامنے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی

''چلو گی؟''

لڑکی نے کہا

''پہلے روٹی کھلا دو۔۔''

خوف، دہشت، وحشت، پریشانی

کراچی میں ایک نہتا نوجوان رینجرز نے گولیاں مار کر قتل کر دیا۔

پانچ چھ رائفل بردار اسے زندہ قابو نہ کر سکے

انسانی حقوق کی خاتون علمبردار کو صدمہ ہوا لیکن کوئی حیرانی نہ ہوئی۔

یہ تو روز ہو رہا ہے

جن کے سپرد عوام کی حفاظت ہے وہی عوامی جانیں تلف کر رہے ہیں

سوال پیدا ہوتا ہے

نہیں سوال کوئی نہیں

بات یہ ہے

کہ

نہتے آدمی کو گولی مارنے کے لئے زیادہ نہیں سوچنا پڑتا

سوچنے کا لمحہ تو وہ ہوتا ہے جب سامنے والے کے ہاتھ میں ہتھیار ہو۔۔!

فیملی فرینڈ

تم بہت چھوٹے ہو

دیس میں تھے

اب ملے ہو تو جوان جہان ہو

پردیس میں ہو۔

گھر، گھر والوں کی جدائی جھیل رہے ہو۔

ایک ایک فرد کا خیال کرتے ہو اور ہر کسی کے لئے فکر مند ہو۔

اُدھر،

بھابھی تمہارے غم میں گھل رہی ہیں۔

انہوں نے چلتے سمے تمہارے لئے پیغام دیا ہے۔

آؤ! گھر آنگن آباد کرو۔

وہ چاند سی دلہن بیاہ کرلانا چاہتی ہیں۔

گود میں پوتا کھلانا چاہتی ہیں۔

انہیں دھن دولت نہیں چاہیے۔

وہ سوکھی کھالیں گی۔

بہو بری نکلی، بھگت لیں گی۔

ایک ہی رٹ لگا رہی تھی۔

چاند! میرے چاند آجاؤ!!

تم مجھ سے مشورہ، نصیحت مانگتے ہو۔

میں کہتا ہوں، پردیس رہو، پیسہ کماؤ، ماں کو بھیجو، خدمت کے لئے نوکر چاکر رکھو۔ مگر،

ایک پل گنوائے بنا شادی کرلو۔

یہاں، وہاں، کہیں بھی،

اور نہیں تو مجھی سے!!

ورلڈ نیوز بنے گی،

کیونکہ

میں جان گیا ہوں! ولایت میں لڑکیاں کنواری رہ سکتی ہیں، لڑکے نہیں!!

میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں؟

لڑکا:

سامنے بینچ پر کالے سیاہ لمبو کے ساتھ تمہاری دوست بیٹھی ہے نا؟

لڑکی:

ہاں وہ میری دوست ہے۔ کیوں؟

لڑکا:

تم نے دیکھا وہ تمہاری دوست کو بری طرح چوم رہا تھا۔

لڑکی:

وہ اس کا دوست ہے۔ تم سے مطلب؟

لڑکا:

کیا تم میری دوست بنو گی؟

۞ ۞ ۞

ڈاکٹر منور احمد کنڈے پیر محلی

Hom/Dr. Munawar Ahmed Kanday,
15, Forsythia Close, Priorslee,
Telford TF2 9TA England
Tel: 019522 01794
E.mail: herbalcollege@hotmail.com

ڈاکٹر منور احمد کنڈے جو ایک طویل مدت ہومیو پیتھی و ہربل طریقِ علاج سے مریضوں کے لئے شفائی کام کرتے رہے اور کئی طالب علموں کو اس علم سے فیضیاب بھی کیا آج کل ریٹائیرڈ ہیں اور کل وقتی ادب کی خدمت میں مصروف۔ کنڈے ان کا خاندانی نام ہے جو ترازو کے معنی میں ہے۔ میری زندگی میں ایک دو ہی ایسے دوست آئے ہیں جن کی دوستی و رفاقت پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ اچھا دوست اللہ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے۔ منور صاحب نہایت مخلص ، ایماندار اچھا مشورہ دینے والے اور ساتھ نبھانے والے لوگوں میں سے ہیں۔ میں انہیں سابقہ اٹھارہ برس سے جانتا ہوں اس دوران گو ہماری ملاقات دو بار ہوئی مگر شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جب ان سے فون پر بات نہ ہو۔ شراپشائیر کاؤنٹی کے ایک دور افتادہ گاؤں پرائرسلی جو ٹیلفورڈ کے علاقے میں ہے جھیل کے کنارے ایک خوبصورت بنگلے میں رہتے ہیں۔ شاید ہی کسی نے انہیں مشاعرے میں دیکھا ہو مگر ریڈیو میں ان کی شاعری کی گونج سارے برطانیہ میں سنی جاتی ہے اس کے علاوہ یہاں کے تمام اخبارات و رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا ہے اب تک دس شعری مجموعے شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ طویل مدت تک ہفت روزہ نوائے وقت لندن میں ہومیو پیتھی کے علاج پر ان کے کالم شائع ہوتے رہے جو دو ضخیم کتابوں کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ اردو پنجابی دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں۔ برطانیہ کے پہلے شاعر ہیں جو بے شمار مصنفین پر توشیحی نظمیں لکھ چکے ہیں۔ نثر بھی بہت عمدہ لکھتے ہیں مگر اصل میدان شاعری ہے۔ ان کی تمام کتابیں میرے

ادارے ''سویرا اکیڈیمی لندن'' سے شائع ہوئیں۔

آج برطانیہ ہی نہیں یورپ، امریکہ ہندوپاک میں جو شخص بھی ادب سے متعلق ہے وہ جانتا ہے کہ منور احمد کنڈے ایک منجھے ہوئے قلمکار ہیں اور خدا نے انہیں اس قدر علمی وسعت عطا کی ہے کہ انہوں نے اردو اور پنجابی کی تمام اصناف پر لکھا اور خوب لکھا ہے۔ پنجابی کے دو شعری مجموعوں ''باغاں دے وچکار'' اور ''پینگ ہلارے'' کے علاوہ اردو کے آٹھ شعری مجموعہ ہائے کلام ''بیدار دل، طاق دل، حرفِ منور، لختِ دل'، بحرِ خاموش، رودِ وفا، ابر قبلہ اور بامِ دل شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہومیو پیتھک طریق علاج پر دو تصانیف'' اوراقِ شفا اور برگِ شفا'' بھی شائع کیں۔

ڈاکٹر منور احمد کنڈے نے متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی ہے مگر نظم اور غزل میں وہ اپنا الگ مقام رکھتے ہیں وہ اپنے خوبصورت لہجے کی انفرادیت، اپنے کلام کی پختگی اور اپنے اسلوب وفکر کی ندرت کے باعث اردو اور پنجابی کی غزل میں بھی اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔

شاعر کا دل صاف ہو ذہن بیدار ہو تو اس کی تحریر میں قوس قزح کے رنگ بھر جاتے ہیں، ایک کہکشاں ابھر آتی ہے، ایک نئی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔ اس میں ہر جانب پھول ہی پھول بکھر جاتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں جو کہتے ہیں وہ ان کی فطرت کی عکاسی ہوتی ہے۔

شعر میں دل کی بات لکھ لکھ کر تم بھی روشن ضمیر بن جاؤ

دولتِ درد بھر کے دامن میں اے منوّر امیر بن جاؤ

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک امیر ترین انسان ہیں کیونکہ ان کے پاس انسانیت کے درد، اپنے وطن سے بے پناہ محبت، دوستوں کی محبت اور ادب وسخن کی بے پناہ دولت ہے اور وہ اس پر پوری طرح شاکر ہیں۔ ان کے پاس نور کی وہ جاگیر ہے جسے ظرف کا نور کہہ لیں یا وضع داری کا نور اور یا محبتوں کا نور۔۔

ہے منوّر وہ امیروں کا امیر نور کی جاگیر اس کی ذات ہے

ڈاکٹر صاحب کی تحریروں اور شاعری پر دنیائے ادب کے بے شمار ادباء شعرا اور دانش وروں نے اپنے

خیالات کا اظہار کیا ہے۔جس کی ایک ایک سطر بھی اگر اس مضمون میں شامل کروں تو دو صفحات سے آگے بات بڑھ جائے گی۔ جو کسی اور وقت پر اٹھا رکھتا ہوں، مگر ڈاکٹر مناظر ہرگانوی کی بات میرے دل کو لگی۔

ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب کی غزلوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مناظر صاحب نے تحریر کیا کہ۔

''منورؔ احمد کی غزلوں میں حسی اور تجرباتی ربط سچائی کی خوشبو سے پیدا ہوا ہے۔انہوں نے تصوراتی خیالات کا پیراہن بننے کی بجائے حال کی برہنہ حقیقتوں کی تلاش کی ہے۔قلبی جذب و گداز کا آئینہ عصری حسیت کی گھٹتی بڑھتی کرنیں ہیں جن میں فکر، فن اور فلسفہ ہے۔''

اسی طرح برطانیہ کے صفِ اول کے شاعر جناب اکبر حیدر آبادی کی تحریر کی نقل نہ کروں تو بھی بات ادھوری رہ جائے گی۔وہ لکھتے ہیں کہ،

''منورؔ غزل کو مشکل ردیفوں سے سنوارنے میں بھی خاصا کمال رکھتے ہیں مگر ان کے کلام میں سب سے نمایاں خصوصیات سادگی، روانی اور سلاست ہیں۔وہ بھاری بھرکم پرشکوہ اور بلند آہنگ الفاظ کے استعمال سے اپنے قاری کو مرعوب کرنا نہیں چاہتے۔''

انڈیا کے ممتاز شاعر، ناقد جناب ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے ان کی شان میں ایک توشیحی نظم لکھی تھی جس کا ایک دعائیہ شعر نقل کر کے ختم کرتا ہوں۔

یہ دعا ہے اے خدا! روشن رہے ان کا دماغ
شاعری کی انجمن میں جگمگائے یہ چراغ

لکھنے کو تو ان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے جو میرے آئندہ پروجیکٹ میں شامل ہے مگر آج کے اس مضمون کو اس دعا کے ساتھ اختتام پذیر کرتا ہوں کہ۔۔اللہ کرے ان کے قلم میں اور برکت ہو اور وہ اپنے دوستوں میں اسی طرح گلہائے مہر و وفا کی خوشبو بکھیرتے رہیں۔۔آمین

حمدِ باری تعالیٰ (پنجابی)

چنگے ماڑے راجے رانے در دے ترے فقیر
اک نوں جے اسمانیں چکیں دوجا کریں حقیر
نظر کرم دی سب تے پاویں، غیض وی کدی دکھاویں
شہ رگ توں وی نیڑے رہ کے دوروں ماریں تیر
کسے دے خنجر کھُنڈے کر کے اپنے ہتھیں توڑیں
کسے دی قلم دے اندر رکھیں تیز دھار شمشیر
اک بھچال زمینیں سٹیں، ہر دِل کانبا چھیڑیں
مِنٹ نہ لگے جابر تیری مَنن شان کبیر
کالی رات دے وچ ڈبو کے سڑدا بلدا سورج
ٹھنڈی ٹھنڈی چَنن دے اندر رکھ دِویں تاثیر
لاہ کے تاج کِسے دے سر دا کاسہ ہتھ پھڑاویں
اِک توں کھوہ کے دوجے نوں توں دے دیویں جاگیر
کسے نوں سوہنے خاب دکھا کے سوچاں وچ ڈبوویں
کسے نوں خاب بناں ای بخشیں خاباں دی تعبیر
لمی لمی ظلم دی رسی کسے دی کردا جاویں
اوسے نوں فِر پا کے رکھیں پیراں چے زنجیر
واحد رازق ہستی تیری، کُل جہان سجاد
سِفلی اک منوّر عاجز، معاف کریں تقصیر

✽

امن کا شہر میں بحران نظر آتا ہے
درِ مسجد پہ بھی دربان نظر آتا ہے
جب کہیں پر کوئی انسان نظر آتا ہے
ساتھ میں سایہء شیطان نظر آتا ہے
خیر ہو اُن کے سفر کی کہ یہاں
ہر کوئی بے سروسامان نظر آتا ہے
جامِ تریاک بھی پیتا ہے مگر انساں
چند ہی یوم کا مہمان نظر آتا ہے
کیا عجب دورِ تجارت ہے کہ نفع میں بھی
ہر کسی کو یہاں نقصان نظر آتا ہے
اتنے مخلص ہیں متر دوست کہ آئینے میں
عکس کے ساتھ ہی بہتان نظر آتا ہے
جب قلم ہاتھ میں لیتا ہوں منوّر مجھ کو
صرف ''حالیؔ'' کا ہی دیوان نظر آتا ہے

❁

عیش و عشرت کا ہمیں خُوگر بناتا کون ہے
دے کے کاسہ ہاتھ میں در در پھراتا کون ہے
بے گنہ کے قتل کے پیچھے ہے آخر کس کا ہاتھ
ذہنِ قاتل میں خیالِ قتل لاتا کون ہے
کر رکھا محصور جو مجھ کو گنہگاروں نے ہے
دیکھوں پتھر سے مجھے زخمی بناتا کون ہے
شوق سے لے لیجئے کیسا بھی میرا امتحاں
امتحانِ عشق سے دامن بچاتا کون ہے
کون کانٹے دار شاخوں پہ اُگاتا ہے گلاب
پھر اُسے مرجھا کے مٹی میں ملاتا کون ہے
کس کے کہنے پر کرم ہم پر کرے نامہرباں
مہرباں کو خون کا پیاسا بناتا کون ہے
وہ بُلائیں ہم نہ آئیں یہ تو ممکن ہی نہیں
بزمِ جاناں میں مگر ہم کو بلاتا کون ہے
سُن کے افسانہ دلِ برباد کا ہنستے ہیں لوگ
دوسروں کے غم میں آنسو اب بہاتا کون ہے
عیب دیکھے دوسروں کے ہی منوّر ہر کوئی
آئینے میں شکل اپنی دیکھ پاتا کون ہے

❁

مالا تری یادوں کی بکھرنے نہیں دیتا
میں دل کے ہرے زخم کو بھرنے نہیں دیتا
جاں اپنی بچا سکتا ہوں میں جھوٹ سے لیکن
حق سے یہ ضمیر اپنا مکرنے نہیں دیتا
حالانکہ سلوک اُس کا ہے حد درجہ بھیانک
پھر بھی میں اُسے دل سے اُترنے نہیں دیتا
سمجھا تھا جسے راہِ محبت تھا سرابی
اب اُس سے کبھی خود کو گزرنے نہیں دیتا
ہیں تلخ حقائق بھی گوارا مجھے لیکن
میں پھول بھی خوابوں کے بکھرنے نہیں دیتا
ہے ماضی کا اک لفظ ہی انسان کا دشمن
انسان کا جو حال سنورنے نہیں دیتا
جینے نہیں دیتا ہے منوّر غمِ فرقت
اور وصل کا امکاں ہے کہ مرنے نہیں دیتا

❁

بحرِ غم سے لہر اٹھی کچھ پوچھ رہی ہے
اشکوں کی نمکین ندی کچھ پوچھ رہی ہے
مسکن ہے جو نفرت کے آسیبوں کی
خوف زدہ ویران گلی کچھ پوچھ رہی ہے
ایوانوں کے تابندہ فانوسوں سے
کٹیا میں ہے آگ لگی کچھ پوچھ رہی ہے
شہر دل میں کیسے بلوے پھوٹے ہیں
مانگ بہو کی خون بھری کچھ پوچھ رہی ہے
جس دیوار کے سائے میں بیٹھا ہوں میں
سر پر میرے آن گری کچھ پوچھ رہی ہے
چہرہ تیرا خواب تھا بھولے وقتوں کا
آج یکا یک یاد تیری کچھ پوچھ رہی ہے
تاریکی ہے رات میں ہو کا عالم ہے
ٹک ٹک کرتی ایک گھڑی کچھ پوچھ رہی ہے
ہر چہرے پہ لکھی ہے مغموم مسرت
درد میں ڈوبی ایک ہنسی کچھ پوچھ رہی ہے
میں آوارہ ایک منورؔ بادل ہوں
سوکھی دھرتی دور کھڑی کچھ پوچھ رہی ہے

❁

فلک پر کہکشاں باقی نہیں ہے
ستاروں کا جہاں باقی نہیں ہے
کتابِ درد پڑھ کر رو دیا ہوں
مری ہی داستاں باقی نہیں ہے
صحیفے بھی ہوئے بے سود آخر
عمل میں جب گیاں باقی نہیں ہے
خطابت ساحری ، نیکی بدی کی
صداقت کا بیاں باقی نہیں ہے
پرندہ فکر کا بھی تھک گیا ہے
شجر پر آشیاں باقی نہیں ہے
چٹکنے کو کلی بیتاب لیکن
بہارِ گلستاں باقی نہیں ہے
وفا کے تیر تو ہیں ذہن و دل میں
چلانے کو کماں باقی نہیں ہے
ادا کیسے نمازِ عشق ہوگی
منورؔ جب اذاں باقی نہیں ہے

مہ جبیں غزل انصاری

Mrs. Mah Jabin Ghazal Insari,

35, Lrih Court,Thorn Hill, Dewsbury

WH12 0QP England

Tel: 01924 505926

E.Mail : jmmj-123@yahoo .com

مہ جبیں غزل انصاری جنہیں برطانیہ کا ادبی حلقہ غزل انصاری کے نام سے جانتا ہے 1994 میں کراچی سے برطانیہ آئیں اور یارک شایئر کے ایک شہر ڈیوزبری میں سکونت اختیار کی جہاں ان کے شوہر ڈاکٹر نسیم الحق رضوی میڈیکل کے شعبے سے متعلق تھے۔ غزل انصاری کو علم سے اس قدر محبت تھی کہ انہوں نے یہاں آکر اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے جہاں علم بانٹنے کا کام شروع کیا یعنی درس وتدریس کے شعبے میں وہاں مزید علم حاصل کرنے کے لئے بھی کوشاں رہیں۔ انکی مصروفیت اورقابلیت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ ایک ہی یونیورسٹی سے وکالت کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا کہ اس یونیورسٹی میں غزل انصاری پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ایک ہی وقت میں بیٹی کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

دس سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا جو آج تک جاری وساری ہے۔ پہلا شعری مجموعہ ''ادھورے خواب'' آیا اور پھر دس سال کے بعد دوسرا مجموعہ ''سنہرے خواب'' منصۂ شہود پر آیا۔ نثر بھی لکھی مگر بہت کم زیادہ توجہ شاعری کی طرف ہی رہی۔ نہایت دلکش ترنم سے کلام سنا کر سامعین پر ایک سحر طاری کر دیتی ہیں۔ دور دور تک جا کر مشاعرے پڑھے بلکہ امریکہ، پاکستان کے مشاعروں میں بھی جا کر اپنی شاعری کا لوہا منوایا ہے۔ انٹرنیشنل مشاعروں میں انہیں بطور خاص مدعو کیا جاتا ہے۔

غزل انصاری کو پہلی بار الفوڑد میں خورشید پرویز کے ''ریڈ برج لٹریری سوسائیٹی'' کے مشاعرے میں دیکھا اور سنا۔ غزل انصاری خوش شکل خوش لباس نوجوان شاعرہ ہیں جو اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ

ادبی محبت کے ساتھ لندن سے کافی دور ڈیوز بری سے تشریف لائیں اور رات گئے تک مشاعرے میں شریک رہ کر طویل سفر طے کر کے واپس گھر گئیں۔ اتنے دور سے آنا غزل انصاری کی ادب دوستی اور اردو زبان سے محبت کا منہ بولتا ثبوت تھا جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ ترنم سے بھی بہت اچھا پڑھتی ہیں اور ان کے کلام مین تخیل اور گہرائی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے مشاعرے میں سامعین کو بے حد متاثر کیا اور خوب داد پائی۔ 'ادھورے خواب'' اور ''سنہرے خواب دونوں مجموعے کراچی کے مشہور پبلشر ادارے ''ویلکم بک پورٹ'' سے شائع ہوئے جنہیں بڑے خوبصورت طریقہ سے شائع کیا گیا ہے۔ خوبصورت سرورق، جلد بندی اور بہترین کاغذ کے ساتھ انہیں مرصع کیا گیا ہے۔ شاعرہ نے ان کا نام بھی اپنے اشعار کی روشنی میں رکھا۔ اس میں تقریباً تمام شاعری ہجر، دکھ، انتظار، بے بسی، وچھوڑے کے غم، ادھورے پن اور شکوے کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ 'ادھورے خواب' میں وہ کبھی تو یقین دلاتی ہیں کہ،

کاش آ جائے یقیں میری محبت کا تجھے   میری چاہت تری ہر شے سے بڑی ثابت ہو

اور کبھی انہیں گلہ ہوتا ہے کہ

کوئی برسوں پھرے کوچے میں انکے بن کے اک سائل
کوئی اک دم اٹھائے فیض ان سے ہے کہاں مشکل
کسی کو چار سو پھلواریاں قائم ہیں گلشن میں
کسی کے داخلے کو کہہ رہا ہے باغباں مشکل

اپنے دیس کو چھوڑ کے پردیس میں رہنا ایک بڑا ہی میٹھا عذاب ہے جسے انسان خود اپنے آپ پر طاری تو کر لیتا ہے مگر عمر بھر سسکتا رہتا ہے۔۔ سلگتا رہتا ہے۔۔ اپنے وطن کی مٹی کی یاد ایسی یاد ہے کہ شاید جنت میں بھی انسان کو نہ بھولے گی۔

مٹی کی سوندھی خوشبو پھر یاد آ رہی ہے   ماہا روہ رتوں کے خود کو سنا رہے ہیں

اسی طرح اپنے دوسرے مجموعہ کلام 'سنہرے خواب' میں بھی ان کی شاعری مزید نکھری ہوئی اور سنہری ہے اس میں بھی انہوں نے بے شمار موضوعات کو چھوا ہے۔ ان کی شاعری میں بلا کا درد ہے ایک کسک ہے ایک تمنا

،آرزو،انتظار،اداسی پائی جاتی ہے۔اپنی ذاتی زندگی میں کامیاب ،بھرے ہوئے گلشن میں آباد سکھی زندگی گزارنے والی شاعرہ جب شعر لکھتی ہے تو ان کے ہر شعر میں سسکیوں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

تمنا دل گھٹ کے آنکھ سے باہر نکلتی ہے　　　بس اشکوں کی زباں کہتی ہے جو دل پر گزرتی ہے

اسی طرح غزل انصاری کی اکثر شاعری یاد کے بھنور میں ہچکولے کھاتی نظر آتی ہے۔پردیس میں انسان کے پاس سوائے یادوں کے اور کچھ ہوتا بھی تو نہیں جس کے سہارے وہ زندگی گزارے۔۔اور یاد بھی ہمیشہ محبت بھرے دل میں اپنا مسکن قائم رکھتی ہے،خود غرض اور قوت پرست دلوں میں وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔۔ان کی نظموں میں بھی جدائی ،اور یاد کی میٹھی میٹھی کسک محسوس ہوتی ہے،ان کی نظمیں،''یہ دل آباد رکھنا تھا، لمحے،خیال آتا ہے،نظم ،بے بسی ،تیرے سارے خزاں کے موسم ،زندگی کے دامن میں،تمہاری یاد، یادیں،کبھی تنہائی کے لمحوں میں، تیری فرقت میں، نہ آئے تم ،پرانی یاد آج پھر،آواز ہمیں تم دے لینا''،اسی طرح ان کی خوبصورت نظم ''ہم یہ جان پائے''پڑھنے کے قابل ہے۔جس میں ایک طرف محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے تو دوسری جانب نہ ملنے کا غم اور اسے بول جانے کا عزم بھی شامل ہے۔

غزل انصاری ایک مخلص اور خاتون ہیں انہوں نے اپنے سابقہ مجموعہ 'ادھورے خواب' پر لکھے گئے مضامین اپنے نئے مجموعہ 'سنہرے خواب' میں شامل کر کے اپنے دوستوں کی عزت افزائی کی ہے یہ ان کی مروت اور نیک فطرت کا ثبوت ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ ان کی قلم میں مزید برکت دے اور وہ اسی طرح ادب کی آبیاری کرتی رہیں۔آمین

اگلے صفحات پر ان کی چند خوبصورت غزلیں ملاحظہ ہوں۔۔۔

حمد

یہ جلوہ کرم کا دکھا دے خدایا
مرا دل گھر اپنا بنا دے خدایا
رسولِ خدا کی محبت ہو دل میں
بقایا سبھی کچھ بھلا دے خدایا
ہو کعبے کا دیدار جب آنکھ کھولوں
اسی سرزمیں پر بسا دے خدایا
یہ دنیا کی رنگینیاں سب بھلا دے
مجھے تو بس اپنا بنا دے خدایا
بہت نعمتیں تو نے ہم کو عطا کیں
بس اب شکر کرنا سکھا دے خدایا
ہیں عاصی بہت ہم مگر تو کرم کر
ہمیں اپنا رستہ دکھا دے خدایا
کہ ہم تیرے محبوبؐ کے اُمتی ہیں
ہماری تو بگڑی بنا دے خدایا

❁

میں حال کیسے کہوں دل کی بے قراری کا
مجھے خیال ہے خود ان کی راز داری کا

کلی سے پھول کو کھلنے میں دیر لگتی ہے
نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا آہ و زاری کا

مری نگاہ ترے انتظار میں مجروع
جگر میں داغ جدائی کی ضربِ کاری کا

ہمیں نبھاتے رہیں عمر بھر یہ عہد و وفا!
خیال اسے بھی ہو اس دل کی اشکباری کا

تری نگاہِ کرم جلد ہوگی سوئے غزلؔ
اُسے یقین مکمل ہے رحمِ باری کا

❁

سب سے ملیے پیار سے سب سے محبت کیجیے
بات جب دل کی چلے دل کی نیابت کیجیے
رازِ دل کہہ کر نہ رسوا کیجیے خود کو کبھی
زندگی بھر کی نہ ضائع یوں ریاضت کیجیے
کم سخن اچھے ہیں کھل کر سامنے آتے نہیں
گفتگو کم کیجیے زیادہ سماعت کیجیے
فاصلہ رکھ کر سدا ملتے ہیں دور اندیش لوگ
اپنی غزل کی ہے بہتر خود حفاظت کیجیے
حلقۂ عشاق تو پہلے ہی سے ہے جاں بلب
زلف بکھرا کر نہ آپ اب اور قیامت کیجیے
ہم بھی دل میں آپکی چاہت لئے ہیں منتظر
گر کبھی فرصت ملے وہ پل عنایت کیجیے
مسئلہ ہو کوئی اس کا حل نکلنا چاہیے
دل میں ہو الجھن اگر اس کی وضاحت کیجیے
حد مقرر کیجیے کچھ کارِ دنیا کے لئے
ہے سکوں درکار تو صاحب قناعت کیجیے
زندگی کوئی نیا جب امتحاں مانگے غزؔل
آپ بھی پیدا نئی دل میں لطافت کیجیے

❁

نہ میں شاعر نہ وابستہ کسی سے بیاں مشکل
مگر اب ہے مجھے دل کی تڑپ رکھنا نہاں مشکل

نہ چند الفاظ اس حال شکستہ کی کہانی ہیں
کرے اس سے زیادہ کچھ بیاں میری زباں مشکل

کوئی برسوں پھرے کوچے میں اُن کے بن کے اک سائل
کوئی اک دم اٹھائے فیض ان سے ہے کہاں مشکل

کسی سے چار سو پھلواریاں قائم ہیں گلشن میں
کسی سے داخلے کو کہہ رہا ہے باغباں مشکل

اگر یوں ہی رہی بے التفاتی اس غزؔل سے پھر
سمجھ لیں گے کہ اپنی زندگانی ہے یہاں مشکل

روز ڈھونڈا انہیں مشرق کے صنم خانوں میں
سینہ کوبی کیا کرتے تھے بیابانوں میں

کاش مل جائے وہ اک روز سرِ راہ ہمیں
یہ تمنا ہے کہیں دل کے نہاں خانوں میں

خاک چھانی ہے زمانے کی مگر وہ نہ ملا
دامنِ چاک لئے پھرتے ہیں ویرانوں میں

آپ کے نام ہے ہر شعر، رباعی، ہر گیت
نام ہم اپنا لکھا کرتے ہیں دیوانوں میں

ہم سلگتے رہے، اک ہوک سی اٹھی دل میں
آپ جب بھی ہمیں گنتے رہے بیگانوں میں

ایسا کر جائیں گے کچھ تیری محبت میں غزلؔ
ہم فنا ہو کے بھی رہ جائیں گے افسانوں میں

تری باتوں سے اے ہمدم یہ ثابت ہو رہا ہے
تو مجھ سے بدگمانی کی حدوں کو چھو رہا ہے

مرا دشمن نہیں تھا اب تلک غیروں میں کوئی
کوئی اپنا ہی میرے خوں سے خنجر دھو رہا ہے

خود اس کی اگلی نسلیں ہی اٹھائیں گی پھل اس کا
کہ جو یہ فصل انساں نفرتوں کی بو رہا ہے

کسی کے لب پہ اک موجِ تبسم دیکھنے کو
کوئی سادہ دلی ریزہ ریزہ ہو رہا ہے

کبھی جس رشتے پر اک مان تھا، پختہ یقیں تھا
اسی کے بے وفائی پر یہ دل اب رو رہا ہے

ناصرہ رفیق

Mrs.Nasira Rafiq,
9, Spurgeon Ave,
Upper Norwood, London
SE19 3UQ
Tell: 0208 653 3572

مسز ناصرہ رفیق پاکستان سے تعلق رکھتی ہیں اور عرصہ دراز قبل برطانیہ تشریف لائیں۔ان کے شوہر جناب رفیق صاحب ہیں، محترمہ ناصرہ صاحبہ نہایت پڑھے لکھے اور مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے زندگی میں جو کچھ بھی سیکھا اپنے والد محترم سے سیکھا جو اپنے زمانے کے جید عالم تھے، بچپن سے شعور تک ادبی و علمی ماحول کے ساتھ خاندانی روایات مذہبی اقدار میں پرورش پائی دونوں ماں باپ اعلی تعلیم یافتہ تھے۔مذہبی لگاؤ کے ساتھ ساتھ انہیں فن موسیقی سے بھی لگاؤ تھا گھر پر اکثر محفلیں ہوتیں۔ان کے والد محترم نے علامہ اقبال اکیڈیمی کی بنیاد رکھی تو کئی اسکالرز کے وظیفے لگائے۔ناصرہ رفیق صاحبہ کے بچپن سے ہی گھر میں مشاعروں اور ادبی محافل کا دور دورہ رہا جہاں سے ان میں ادب کی محبت کے ساتھ ساتھ موسیقی سے پیار پیدا ہوا، شادی کے بعد شریک حیات نے بھی ان کی خوب حوصلہ افزائی کی اور برطانیہ میں آکر انہوں نے کمیونٹی کے لئے بے شمار کام کئے۔ان کا پہلا حمدیہ نعتیہ مجموعہ ’’پھوٹی کرن حجاز سے‘‘ العباس پرنٹرز کراچی نے نہایت خوبصورت مومی کاغذ پر 2012 میں شائع کیا جس کی رسم اجراء پاکستان ہائی کمیشن آفس لندن میں بڑے اہتمام کے ساتھ ہوئی جس میں لندن کے معروف شعراء اور اکابرین نے شرکت کی۔

ناصرہ رفیق نے طویل مدت تک سماجی کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا وہ آل پاکستان وویمن (اپوا) کی ایونٹ سیکریٹری رہیں۔تیس سال تک پاکستان ہائی کمیشن میں ’ون ورلڈ‘ کے ساتھ

بے شمار مقتدر انجمنوں کی خدمات سرانجام کرچکی ہیں اس سلسلے میں بہت سی نامور ہستیوں کے ساتھ ملنا رہا۔ کمیونٹی خدمات کے اعتراف میں بے شمار ایوارڈز سے بھی انہیں نوازا گیا۔

ان کے نعتیہ وحمدیہ مجموعے ''چھوٹی کرن حجاز سے'' کو برطانیہ کے ادبی مشاہیر نے بے حد پزیرائی دی۔

محترمہ بیگم ناصرہ رفیق صاحبہ نے راہ تصوف میں عشق کی وہ منزل پائی ہے جہاں دیدۂ بینا کیلئے ایک نئی دنیا آباد ہے اس دنیا میں من وتو کا کوئی فرق نہیں۔ یہاں اپنی شخصیت کواس ذات میں ضم کرنے کا سلیقہ موجود ہے جودلوں کودھڑکنا سکھاتا ہے، کائنات کاایک ایک ذرہ اس کے اشارہ پر حرکت کرتا ہے۔

ان کی شاعری رنگِ تصوف اور متاثر کن اظہار کے سبب قاری کے وسیع حلقہ میں مقبول ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

''چھوٹی کرن حجاز سے'' کے خوبصورت بامعنی نام سے ان کا یہ نعتیہ مجموعہ بے شک اردوادب میں بے پناہ اضافے کے ساتھ ساتھ عاشقان نبی اکرمؐ کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔ ایک سوچار کے قریب دل کی گہرائیوں سے نکلی محبت و پیار سے لبریز خوبصورت حمدونعتیں پڑھ کر قاری کے چاروں جانب نور کی چادر چھا جاتی ہے اور وجد طاری ہو جاتا ہے۔

محترمہ بیگم ناصرہ رفیق کی شاعری تصوف، معرفت، طریقت کے اسرار ورموز کی پرتیں کھولنے والی شاعری ہے۔ جس میں ڈوب کرانسان خودفراموشی کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ جہاں کی دنیا اہلِ عشق کے لئے انتہا ہوتی ہے۔ اور یہ عظیم دولت بے محنت نہیں ملتی بلکہ نفس امارہ کوکچل کر حاصل ہوتی ہے۔ یہ نفس کشی کا ایسا مرحلہ ہے جہاں قدم کے بھکنے کا اندیشہ تو ہوتا ہی ہے مگر شیطانی لوازمات مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعہ انہیں سرکشی پر آمادہ کرتے ہیں یہی وہ مقام ہے جسے پار کرکے انسان صحیح معرفت کی منزلیں طے کرتا ہے۔۔۔اور کہہ اُٹھتا ہے۔

وہی حامی ہیں محشر میں وہی تسکینِ دل ناصرؔہ
اُنہی کا سایہ سر پر بندگی میں میرے کام آئے

اچھی شاعری کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے اسے چاہنے اور پسند کرنے والوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے، تخلیق سے خود کو سکون اور اطمینان کا جذبہ ملتا ہے۔۔ان کے اس خوبصورت مجموعہ کلام کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا ہے جیسے پانچ بار اس بابرکت مقام کی زیارت کرنے کے بعد بھی ابھی تشنگی سی ہے،ان کی روح کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی خوبصورت الفاظ کے پیرہن میں ملبوس نعتوں نے دیوانہ سا بنا دیا اور جی چاہنے لگا کہ ایک بار پھر رختِ سفر باندھوں اور چل پڑوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس گنبد خضرہ کی زیارت کو جو دنیا کے افق پر چاند کی طرح اپنی نور کی کرنیں پھیلائے جگ مگ کر رہا ہے، شمع کی مانند اپنے پروانوں کو دعوت نظارہ دے رہا ہے ۔۔۔

ناصرہ ہم بھی تو مشتاقِ درِ احمدؐ ہیں
حاضری کے لئے کھل جائے مقدر کیسے

محترمہ ناصرہ رفیق صاحب نے بھرپور زندگی گزاری ہے اور آج بھی وہ اسی طرح تازہ دم خدمتِ خلق میں ہمہ تن مصروف ہیں۔اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے اور وہ ادب کے ساتھ انسانیت کی خدمت بھی کرتی رہیں۔آمین
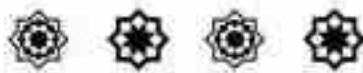
حمد باری تعالیٰ

وہ ربِ ذوالجلال ہے پروردگار ہے
اس کے کرم کا واسطہ میری نجات ہے

سنتا ہے وہ سبھوں کی کہ داتائے کُل وہی
یوں ہر بشر پہ اس کا کرم بے حساب ہے

جو بھی اسے پکارے وہ دل کے قریب ہے
یہ کون جانتا ہے وہ کس کے قریب ہے

ہم کو بھی کوئی وصف عطائے حبیبؐ ہو
اس شہہ کے نام بخش جو تیرا حبیب ہے

ہم عاشقوں کی بھیڑ ہے روضے پہ رات دن
دامن میں جو ملے گا وہ میرا نصیب ہے

ناصرہؔ کو حوصلہ ہے تو وہ ذاتِ پاک ہے
ہر درد کی دوا ہے تو میرا طبیب ہے

نعت

کب رات بسر ہوگی کب نورِ سحر ہوگی
سرکار کی خدمت میں مدینے کا سفر ہوگی

قرآن ہیں فرقان ہیں یاسین کبھی طٰہٰ
محبوب کی صورت بھی تو رشکِ قمر ہوگی

وہ کوچۂ دلداراں میرا شہرِ تمنا ہے
دیوانگیٔ شوق کبھی اپنی گزر ہوگی

میں ذرۂ ناچیز ہوں الفت میں عبارت ہے
خواہش کی تڑپ عاجز کو ایک نظر ہوگی

دربار میں جائیں گے اُس ہادی و رہبر کے
نارسائی ہے مایوس کو امیدِ ثمر ہوگی

امیدیں بہت ناصرہؔ ہیں شاہِ رُسلؐ سے
عزت بھی سوالی کی بس آپ کے گھر ہوگی

نعت

پارسائی ہزار رکھتے ہیں
دلربائی ہزار رکھتے ہیں
سلسلے آپ کے شبِ معراج
وہ خدائی سے پیار رکھتے ہیں
عاشقانہ نگاہ ربِ کریم
کبریائی کلام رکھتے ہیں
لامکاں سے مکاں کی حد ہی نہیں
رحمتیں باکمال رکھتے ہیں
سینے میں نور آنکھ میں روشن
دل پہ دستک ہزار رکھتے ہیں
وہ ہیں ختمِ رُسلؐ قرآں گواہ
اور پیغامِ خاص رکھتے ہیں
دینِ حق میں شہادت کربل
شانِ شہ تاجدار رکھتے ہیں
عشقِ طالب محبتیں اعلیٰ
آنکھیں نم اشک بار رکھتے ہیں
ظلم سہہ کر بھی ظالموں کے لئے
اپنے سینے گداز رکھتے ہیں
ناصرہؔ اُمتی ہیں ہم اُنؐ کے
عشقِ شہ دل نثار رکھتے ہیں

نعت

مقامِ ادب جالیوں پہ آقا
نگاہوں سے چوموں نظر سے جو دیکھوں
محبت سے لبریز دل کی ہر دھڑکن
میں جلوہ رنگیں ادا کیسے دیکھوں
تڑپتی ہے ہر سانس ذکرِ الٰہیہ پہ
دعاؤں کے اپنی اثر کیسے دیکھوں
جو مل کر بھی رہتا ہے بے چین ہر دم
دلِ مضطرب کی طلب کیسے دیکھوں
بندھی آس پھر سے بلاوا ملے گا
کرم کا گھرانہ عطا کیسے دیکھوں
ادب شوق و ذوق محبت ہے در پہ
ناصرہؔ ایک عالم کو مہمان دیکھوں

نعت

حسنِ یوسف کی خوبی کہاں رہ گئی
ذکرِ شمس و قمر والضحیٰ ہو گئی

شاعری بھول کر اپنے انداز کو
رخِ صل علیٰ کی ثناء ہو گئی

واقفِ اسرار حق صفوۃ الانبیاء
دلنشیں دلنشیں ہر ادا ہو گئی

جو صحیفوں میں تھا وہ نبیؐ آگئے
نبیِؐ آخر کی صورت عیاں ہو گئی

چاند تارے چمکنے لگے عرش پر
نور برسا زمیں آسماں ہو گئی

آج حیرت میں ڈوبے زمیں آسماں
مرحبا آمدِ مصطفیٰؐ ہو گئی

پیشوائی پہ حاضر فرشتے ہوئے
روپ احمدؐ جہاں چاندنی ہو گئی

عاصیو بندہ پرور مہرباں نبیؐ
ساری خلقِ خدا آشنا ہو گئی

موجوداتِ جہاں کے نبی ناصرہ
مرتبت ہر مکاں و زماں ہو گئی

نعت

بزمِ امکاں کے گہر معجزۂ ذات سے پھول
کیمیا نسخہ ہمارے لئے لاتے ہیں رسول

فرشیو عرشیو محبوبِ خدا ہیں یہ نبیؐ
رحمتِ باری کا احسان ہیں مژدہ نزول

چاند تابع ہے فلک تابع زمیں تابع ہے
انؐ کے قدموں کے نشانوں میں افلاک کی دھول

آپؐ کے آنے سے روشن ہوئے دل سبزہ زار
حسن اخلاق عمل درس ملے زریں اصول

تا ابد سے ہے آپؐ کا کلمہ جاری
ناصرہ کو بھی فداؤں میں سعادت ہو قبول

محمد ناظر علی فاروقی

Mr.Mohammad Nazar Ali Farooqi,
11, Church Close,
Bath Road, Hounslow
TW3 3DD England
Mob:07960863729 Tel:02085770174.
E.mail:nazirfaroqi@yahooo.com

ادبی نام ناظر فاروقی سے جانے جاتے ہیں۔ برطانیہ میں 1995 میں آئے۔مگر ان کا یہاں رہنا مستقل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک سال کو بانٹ کر کراچی ،لندن اور دوبئ میں قیام کرتے ہیں جہاں ان کے بیٹے بیٹیاں آباد ہیں۔

ناظر فاروقی نہایت خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ بچپن ہی سے ہاتھی کی سواری کرنے کو ملی ان کے دادا ریاست دوباری کے منتظمین میں سے تھے۔ادبی گھرانہ تھا لہذا ادب وسخن کے ماحول میں جوان ہوئے۔انہیں یہ فخر ہے کہ آج تک وزن سے گرا ہوا کوئی شعر ان کی قلم سے نہیں نکلا۔ان کی پہلی غزل آل انڈیا ریڈیو میگزین ''آجکل'' جس کے مدیر جوش صاحب تھے، میں چھپی جوان کی غزل کے معیار کی سند تھی۔جس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

جھلکتے ہیں پلکوں پہ ان کی ستارے گڑا جا رہا ہوں ندامت کے مارے

انہوں نے 1950 میں اپنی یہ غزل اس مشاعرے میں سنائی جس میں خمار اور جگر جیسے شعرا شامل تھے اور عشرت رحمانی نظامت کر رہے تھے اور جب انہوں نے دوسرا شعر پڑھا

جو دو اشک ٹپکے تھے ہنگام رخصت میں جیتا ہوں اب تک انہی کے سہارے

تو جگر صاحب نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور فرمایا ''صاحبزادے پھر پڑھیے'' اور ہمارے ناظر

فاروقی نے پوری غزل پڑھ کر بے حد داد پائی اس وقت سے انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بھی شعر کہہ سکتے ہیں اور پھر ادب وسخن کا ایک جھرنا بہہ اٹھا جو آج تک جاری ہے۔

ناظر فاروقی نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تہران ایران میں گزارا ہے وہ وہاں کی ایئر لائین میں 35 برس انجینئرنگ کے شعبے میں کام کرتے رہے اور ادبی محفلوں کا بھی اہتمام کرتے۔ انہیں وہاں ن۔م راشد اور ڈاکٹر اختر حسین جیسے عظیم المرتبت ادیبوں کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہیں انہیں فیض احمد فیض کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ایک طویل مدت کے بعد جب وہ تہران کو چھوڑ کر لندن آبسے تو وہاں کی ادبی سرگرمیوں میں بے حد کمی محسوس کی گئی۔ ریٹائیر ہو کر آپ کراچی گئے جہاں ان دنوں پولیس مقابلوں میں لوگوں کے قتل و غارت کا کھیل جاری تھا۔ انہوں نے حالات سے متاثر ہو کر ایک نظم لکھی۔

؎ اے کراچی کھا گئی تجھ کو بتا کس کی نظر

جو وہاں کے ایک اخبار میں ان کے فون نمبر کے ساتھ شائع ہو گئی پھر کیا تھا کئی دن تک ان کا فون خاموش نہ ہوا۔ فون پر ان ماؤں بہنوں کی سسکیاں سنائی دیتیں جن کے بھائی بیٹے پولیس کے جعلی مقابلوں میں گولیوں کی نذر ہو گئے۔ ناظر ہندوستان میں پیدا ہوئے پاکستان میں پلے بڑھے روزگار نے تہران میں جوانی لے لی بڑھاپے میں لندن آئے اب پھر پاکستان جا بسے ہیں اور گرمیوں کے چند ماہ لندن میں گزارتے ہیں۔

ناظر فاروقی جب بھی لندن آتے ہیں یہاں کی ادبی محفلیں ان کی مترنم غزلوں سے گونج اٹھتی ہیں۔ اور وہ اکثر اپنی شہرہ آفاق نظم ''اردو'' سنا کر محفل لوٹ لیتے ہیں۔

ان کے شہرہ آفاق شعری مجموعہ ''ورق ورق گلاب'' کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب انہوں نے اپنی ''لکھنو سے لندن تک'' نئی کتاب میں اپنے ماضی کی یادوں کو صفحہ قرطاس پر نقش کیا ہے جو 474 صفحات کی ضخیم کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنی خودنوشت یادوں کو بڑے افسانوی اور ادبی انداز میں تحریر کیا ہے جسے پڑھ کر میں بہت محظوظ ہوا۔ بقول معراج جامی کے خودنوشت تحریر مکمل سچ نہیں ہوتی کہ کئی ایسی

باتیں یا واقعات ہوتے ہیں جو مصلحت اندیشی میں قابل تحریر نہیں ہوتے مگر ناظر فاروقی نے بقول خود ان کے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ سچ کا دامن نہ چھوٹے۔۔!

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے تو مجھے توان کی شاعری میں حبیب جالب کی جھلک نظر آتی ہے۔ ذرا اس رباعی کو پڑھیں۔

گو تہجد گذار ہیں یہ لوگ اپنی دھرتی پر بار ہیں یہ لوگ
لُوٹ کر ملک، بھاگنے کے لئے کس قدر بیقرار ہیں یہ لوگ

ایسے اشعار وہی شخص لکھ سکتا ہے جو سچا ہو مومن ہو نڈر رہو اور وطن پرست ہو۔ اور یہ تمام خوبیاں ناظر فاروقی کے اس شعری مجموعے کے ورق ورق پر نمایاں ہیں۔ یہ ورق ورق گلاب بھی ہے اور ورق ورق سچ بھی ہے۔ مبارک باد کے مستحق ہیں ناظر فاروقی جنہوں نے عام شعرا کی طرح بلبل و مینا اور جھوٹے تصوراتی عشق میں ہجر و وصال کے رونے نہیں روئے بلکہ اپنے عزیز وطن میں ہونے والی ناانصافیوں کو اپنے اشعار میں بیان کیا، وہ خود کہتے ہیں۔

بن ہی جاتی ہے مرے شعر میں اس کی تصویر اب غزل چھوڑ کے لکھوں گا کہانی کوئی

ان کے اشعار میں کہانیاں ہیں دکھوں کی ناانصافیوں کی قاتلوں اور وطن دشمنوں کی۔۔لٹتی ہوئی عزتوں کی، لہو میں ڈوبے ہوئے جوان بیٹوں کی، غریب کی بیٹی کو دیکھتی شیطانی آنکھوں کی۔۔۔ ورق ورق گلاب کبھی کبھی لہو میں لتھڑے ہوئے اوراق لگنے لگتے ہیں۔

زبان و بیان کے لحاظ سے ناظر فاروقی صاحب کے یہاں ذوق کے فن کی پرچھائیاں نمایاں طور پر دیکھنے کی ملتی ہیں وہ جدت کی پگڈنڈیوں پر پاؤں رکھ کر ڈگمگاتے نہیں اپنی صلاحیت اور فنکارانہ قدرت سے اپنی منفرد پہچان بنانے کی کوشش کرتے ہیں یہ کوشش بلاشبہ قابل تحسین و ستائش ہے اور قاری کھلے دل سے ان کو داد دیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کے قلم سے ایسے ہی شہ پارے نمودار ہوتے رہیں اور دنیائے ادب کو منور کرتے رہیں۔۔آمین

٭

ارباب قلم کوئی برائی نہیں لکھتے
کس حال میں ہے آج خدائی نہیں لکھتے
بارود کی بُو جب سے خیالوں میں بسی ہے
ہم شعبدۂ دستِ حنائی نہیں لکھتے
سوئی ہوئی مخلوق پہ برسائی گئی موت
تاریخ میں سازش کو لڑائی نہیں لکھتے
اُس شہر مقدس میں جو ہے گنج شہیداں
شیطاں کی ہوئی کیسے رسائی نہیں لکھتے
مغموم ہیں ، رنجیدہ ہیں ، بے چین ہیں لیکن
آفت جو قبیلوں کے سَر آئی نہیں لکھتے
اندھی سے یہ اصرار کہ مجرم کو بھی پہچان
کیوں شرط یہ منصف نے لگائی نہیں لکھتے
گھر جل گئے سب رات یہ سرخی تو جما دی
وہ آگ مگر کس نے لگائی نہیں لکھتے
جو فصل عداوت کی کھڑی ہے وہ دِکھا دی
وہ فصل یہاں کس نے اُگائی نہیں لکھتے

قطعہ

نفاق ہی سبب انفعال ہو جائے
زیاں کا اہل چمن کو خیال ہو جائے
روش روش پہ کٹے سر سجا دیئے ہم نے
کہ پھر سے رونقِ گلشن بحال ہو جائے

٭

نہ دوزخ نہ باغِ ارم دیکھتے ہیں
گنہگار شانِ کرم دیکھتے ہیں
محبت میں جو بیش و کم دیکھتے ہیں
وہی راہ کے پیچ و خم دیکھتے ہیں
جو ہر شے میں خود کو چھپائے ہوئے ہیں
اسے بند آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
کدھر کو ہے رُخ آج کل آندھیوں کا
اُدھر اہل دانش بھی کم دیکھتے ہیں
نماز محبت ادا کرنے والے
کہاں سوئے دیر و حرم دیکھتے ہیں
فرشتہ صفت ہیں جو اپنی خوشی میں
زمانے کے رنج و الم دیکھتے ہیں
یہ کچھ دن سے ناظؔر کو کیا ہو گیا ہے
اُسے میکدے میں بھی کم دیکھتے

٭

گئے دن کہ وہ میرے لئے سنورتا تھا
غزل کے شعر میں خود کو تلاش کرتا تھا
جو بات دل میں تھی اس کے وہ سن رہا تھا میں
اِدھر میں کانپ رہا تھا اُدھر وہ ڈرتا تھا
سرور میں بھی کہاں اس کو بھولتا تھا میں
وہ دل کا حال ذرا جب نشہ اترتا تھا
قسم خدا کی مہکتی ہیں آج تک گلیاں
زمانہ بیت گیا جن سے وہ گذرتا تھا
ملُول مت ہو یہ سن کر دل پریشاں ہے
تمہارے ہوتے ہوئے بھی کہاں بہلتا تھا
اُسے نہ ڈھونڈ وہ شاعر تو مر گیا کب کا
غزل میں تیرے لبوں کا جو رنگ بھرتا تھا
وہ دن بھی یاد ہیں اچھی طرح ہمیں ناظرؔ
کہ چھت پہ چاند سرِ شام اترتا تھا

قطعہ

حیرت سے فرشتے بھی ہیں انگشت بدنداں
اس دور کے انسان کی زمین آج فلک ہے
پرواز پہ اپنی تجھے یہ ناز کہ بدبخت
اللہ کے محبوبؐ کی معراج پہ شک ہے

٭

وہ مری پہلی محبت کی کتاب
جس میں تازہ ہیں ابھی تک تیری یادوں کے گلاب

یاد ہے شام کو گلگشت کو آنا تیرا
بھول کر بھی کبھی آنکھیں نہ اُٹھانا تیرا

منتظر دیکھ کے مجھ کو کسی دیوار کے پاس
اک سہیلی کو وہ باتوں میں لگانا تیرا

ہم کو آیا نہ تھا اظہار محبت کرنا
اُس نے سیکھا تھا نگاہوں سے شکایت کرنا

❁

مری تمنا رہی ہمیشہ کہ ایک ایسی کتاب لکھوں
حروف جس کے ہوں پھول جیسے ورق ورق پر گلاب لکھوں
یہ حکم ہے اپنی عرضیوں پر حضور کے سب خطاب لکھوں
پھر اس میں نیچے جو نام لکھوں تو خود کو خانہ خراب لکھوں
اگر خدا مجھ کو حوصلہ دے جلا کے بچوں کی سب کتابیں
وہ جس سے دنیا میں نور پھیلے کچھ اس طرح کا نصاب لکھوں
کبھی فرشتوں کو چھوڑ کر وہ مری شرافت کو آزمائے
تو ساری دنیا نے جو کئے ہیں گناہ اپنے حساب لکھوں
میں مفتئ شہر کے فتوےٰ سے اتنا بیزار ہو چکا ہوں
کہ آبِ سادہ کو انتقاماً یہ سوچتا ہوں شراب لکھوں
یہ مانتا ہوں کہ پتی پتی کو آج احساس تشنگی ہے
مگر خدایا وہ دن نہ آئے کہ صبح نو کو سراب لکھوں
وہ مرکز شیطنت جو بادل سے آگ برسائے بستیوں پر
مرا قلم مجھ پہ تھوک دے گا جو اس عزت مآب لکھوں
جہانِ فانی میں غم کی دولت کسی کسی کو عطا ہوئی ہے
اب ایسی کمیاب شے کو ناظرؔ کیسے عذاب لکھوں

قطعہ

خون میں نہلا کے میرے شہر کو
عید کا جوڑا پہنایا جائے گا
گُل کئے جاتے ہو تم سارے چراغ
چاند آخر کب دکھایا جائے گا

❁

وہ بھی موتی خاک پر برسا گئے
ہم محبت کا خزانہ پا گئے

وہ تو میرا ذکر تھا احباب میں
تم نہ جانے کس لئے شرما گئے

خارِ غم دل سے نکلتا ہی نہیں
تم مرا دامن کہاں اُلجھا گئے

جان آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی
تم دمِ نزع کہاں سے آ گئے

کون اب آئے گا ناظرؔ سو رہو
رات بھیگی پھول بھی مُرجھا گئے

پروفیسر نجم الحسن ضمیر (مرحوم)

Prof.Najam ul Hasan Zamir,

Albert Road, London E17

Tel: 0208556 7422

محترم پروفیسر نجم الحسن ضمیر 1965 میں برطانیہ آئے۔پاکستان میں آپ مشہور جرنیلی سڑک جو جہلم سے لاہور جاتی ہے دریائے جہلم کے عین پار مشہور شہر سرائے عالمگیر سے تعلق رکھتے ہیں۔آج وہ معروف زمانہ سائے جو عالمگیر بادشاہ نے مسافروں کے لئے بنوائی تھی ایک منڈی کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے ملک کا یہ دستور رہا ہے کہ ملکی ورثوں کو اپنے قبضہ میں لینے اور باقی ماندہ کی اینٹیں تک اکھاڑ لے جانا ہے۔جتنی بھی یادگاریں پرانے بادشاہوں نے بنوائی تھیں آج ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔۔بحرکیف، نجم الحسن ضمیر پاکستان میں بھی درس وتدریس سے وابستہ تھے اور برطانیہ بھی آ کر وہ کالجوں اسکولوں میں علم کا خزانہ بانٹتے رہے۔یہاں سے نقل مکانی کر کے وہ سعودی عرب چلے گئے اور وہاں بھی 13 برس تک علم ہی کی آبیاری کرتے رہے۔صحت اچھی نہ رہی اور واپس لندن آگئے جہاں 'پارکنسن' کی موذی بیماری نے آن لیا۔لندن کے مشاعروں کی جان تھے اپنے مخصوص فکائیہ انداز میں گفتگو کے بعد شعر سناتے اور اکثر اپنی گفتگو میں اردو کے نہایت ثقیل الفاظ کا چناؤ کرتے مگر اس طرح کہ ہر کسی کو سمجھ بھی آجائے۔بہت نفیس، مہذب، اعلیٰ کردار اور نہایت دوستانہ شخصیت ہیں۔ہر کسی سے محبت پیار اور اخلاق سے پیش آنے کی وجہ سے دوستوں کا ایک قافلہ لئے چلتے ہیں۔

کالج کے زمانے سے ہی شاعری شروع کی جواب تک جاری رہی مگر آج پارکنسن کی بیماری کے باعث قلم نہیں پکڑ سکتے اور سخت رعشہ طاری ہو جاتا ہے۔اپنے گھر میں ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی ہوئی ہے جس میں انڈو، پاکستان سے پارٹیشن سے قبل کے رسائل وکتب بھاری رقوم خرچ کر کے منگواتے رہے۔ایک ادبی خزانہ جمع کیا ہے، جہاں ادب سے پیار کرنے والے گھنٹوں بیٹھے استفادہ کرتے رہے۔

میرے نہایت محسن اور پیار کرنے والے دوست ایک زمانے میں میرے پڑوسی بھی تھے ان کے بچے میری اہلیہ سے قرآن اور اردو بھی پڑھتے رہے آج وہ اعلی تعلیم یافتہ برسرِ روزگار اپنے گھربار والے ہیں۔

نجم الحسن ضمیر صاحب چونکہ زندگی میں تین ہجرتیں دیکھ چکے ہیں پاکستان سے برطانیہ اور یہاں سے سعودی عرب پھر وہاں سے واپسی اس طرح انہوں نے تین ہجرتوں کا ذائقہ چکھا ہے جو ان کی شاعری میں نمایاں ہوتا ہے۔مگر اکثر ان کی شاعری میں صوفیانہ پن بھی ملتا ہے۔

ان کی شاعری میں پیش کیئے گئے تجربات براہِ راست انسانی معاشرے اور انسانی سوچ سے اخذ شدہ ہیں جن میں انسانی دکھوں کا مداوا تلاش کرنے کی تمنا بھی ہے اور ذات کے کرب کی دل گداز داستان بھی ۔انہوں نے اپنی ادبی قابلیت پر ادب اینڈ آرٹ سوسائٹی سے ایوارڈ بھی حاصل کیئے۔ ہمیشہ زندگی کو بڑے طمطراق اور بھرپور انداز سے گزارا۔علم کی محبت اس قدر تھی کہ جہاں بھی کوئی دینی علمی درس ہوتا آپ وہاں پہلے سے موجود ہوتے۔

اپنے وطن کی محبت ہمیشہ دل میں بسائے رکھی مگر آج کے موجودہ حالات اور بدنیت حکمرانوں کی وقت پرستی اور خودغرضی سے سخت نالاں اور دل برداشتہ ہیں۔

میرے دو مجموعوں کے دیباچے بھی تحریر کیئے اور اکثر شعراء کی رہنمائی کرتے ۔آج کل کے کثرت سے پیدا ہونے والے شعرا کے بارے میں افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہتے کہ اللہ رحم کرے ہمارے ادب پر ،یہ شعرا کی بہتات ہماری زبان کو لے ڈوبے گی۔۔اور یہی ہو رہا ہے۔۔!!

ان کا پہلا مجموعہ کلام بنام ''صدائے ضمیر'' میں نے کمپوز کر کے شائع کیا جس میں ان کی لکھی ہوئی غزلیں ،نظمیں اردو اور پنجابی زبان میں ہیں گو یہ مجموعہ کلام صرف ان کے چیدہ چیدہ دوستوں تک ہی محدود ہے مگر اس طرح ان کا کلام کتابی شکل میں محفوظ ہو گیا۔

دلی دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی والی زندگی عطا فرمائے اور وہ ادب کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں بھی کو اپنی محبتوں سے نوازتے رہیں۔۔۔آمین

۞

میرے دل میں جانِ جاں تیرے سوا کوئی نہیں
مثلِ غنچہ لب گرفتہ ہوں ، صدا کوئی نہیں
میں اکیلا پھر رہا ہوں ، مدتوں سے بے قرار
آشنا کو ڈھونڈتا ہوں ، آشنا کوئی نہیں
سلسلہ دیدار کا پھر ٹوٹتا رہتا ہے کیوں؟
تیری نظروں میں اگر میرے سوا کوئی نہیں
کون سی بستی ہے یہ اور کس طرح کے لوگ ہیں؟
راستہ بتلا رہے ہیں جانتا کوئی نہیں
کیا مداوا ہو مری تنہائیوں کے درد کا ؟
آشنا تو ہیں بہت ، درد آشنا کوئی نہیں
عُمر بھر کے تجربے نے یہ بتایا ہے ضمیرؔ
میں تو سب کا دوست ہوں لیکن مرا کوئی نہیں

۞

چین لینے دے گی کب اس دل کی نادانی مجھے
لمحہ لمحہ دے رہا ہے اک پریشانی مجھے
گلستاں میں جا کے ہو جاتا ہوں میں یکدم اداس
یاد آتی ہے جب اپنے دل کی ویرانی مجھے
کیوں نہ کر دوں چاک میں اِک روز ملبوسِ حیات
راس آ جائے گی شاید چاک دامنی مجھے
ذہن کے پردے پہ کچھ ایسے بھی منظر نقش ہیں
اب نہیں ہوتی کسی منظر پہ حیرانی مجھے
ذہن میں آیا نہیں اب تک رہائی کا خیال
اُس کی یادوں نے کیا ہے جب سے زندانی مجھے
عمر ہے اپنی فقط اک لمحۂ فانی ضمیرؔ
اور ہیں در پیش کتنے درد لافانی مجھے

❁

نگاہِ حسن برہم ہو رہی ہے
دگرگوں نبضِ عالم ہو رہی ہے

طبیعت اک ذرا سنبھلی ہے جب سے
توجّہ آپ کی کم ہو رہی ہے

ہمیں تا دیر ٹھہرانے پہ اِصرار
انہیں یہ عذر ، شب نم ہو رہی ہے

دمِ رخصت گلے ملنا وہ ان کا
جدائی وصل میں ضم ہو رہی ہے

غمِ فرقت نہیں تو اب یہ غم ہے
کہ رخصت کیوں شبِ غم ہو رہی ہے

مری رنگینئ نظر و بیاں سے
حدیثِ شوق مُبہم ہو رہی ہے

❁

کچھ شعر میرے درد کی تصویر بن گئے
روز و شبِ حیات کی توقیر بن گئے

گذرے جو مجھ پہ حادثے فصلِ بہار میں
ہر پھُول کا نوشتۂ تقدیر بن گئے

آنسو بہائے ہم نے جو اُن کے فراق میں
راہِ وفا کے واسطے تنویر بن گئے

سوزِ درونِ سارباں کا فیض دیکھئے
نغمے حُدی کے نالۂ شبگیر بن گئے

دارو رسن کے مرحلے اہلِ جنوں کو آج
ذوقِ جمالِ یار کی تفسیر بن گئے

عجب دن تے عجب ہُنڑ راتاں
نہ گلشناں وچ بہار نہ عشق دیاں سغاتاں

نہ ہی او سوہناں لبھے نہ نشانی دَسے
کدھر لبھاں اوہنوں کس وَل پانواں جھاتاں

کینوں سناواں اپنی کہانی کونڑ دِلاں نوں پڑھدا
ہر کوئی سناندا پھردا اپنے دُکھ دیاں باتاں

ہر پاسے اِک ڈنڈ ںگارا ہر پاسے اِک رولا
کون سنے فریاد تے کون کرے مُلقاتاں

لوڑ پیاں نہ لبھے کوئی نہ کوئی آوے نیڑے
ٹُر گئے دِلاں دے دردی چھڈ گئے نے یاداں

پریم کہانی

زندگی دی پریم کہانی دے ورقے
انج بکھرے نے
ڈھونڈ دے آں کجھ لبھدا نہیں
او کتھے اُڈ گئے نے
اُنہاں اُتے لکھیا ہویا تے بہت کجھ سی
پر اوہ ورقہ جدے اُتے تیراناں بس
تیراناں ای لکھیا سی
اوہ میری اکھیاں دانور بن کے رہ گیا
اوہ ورقہ میرے دل وچ اتریا تے
میں اکھاں بند کرلیناں
ہُن وی کھولن توڈرداواں
کِتے اوہ ورقہ فیر نہ اُڈ جاوے
تے میرے دل وچ ٹھیرے ڈیرے لالیون

نجمہ عثمان

Mrs.Najma Usman,

57,Rosedale Road, ESPON

KT 17 2JH

Tel: 02083938543

E.Mail: najusman@yahoo.co.uk

نجمہ عثمان جون 1968 میں برطانیہ تشریف لائیں۔ کراچی، پاکستان سے تعلق ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں لہٰذا ایک طویل مدت سے درس و تدریس سے متعلق ہیں آج بھی شعبہ امتحانات لندن یونیورسٹی کے ساتھ پارٹ ٹائم کام کر رہی ہیں۔ اسکول کے زمانے سے ہی لکھنے کا شوق تھا اور مضامین و شاعری لکھتی رہیں اور آج تک دونوں اصناف میں برابر لکھ رہی ہیں۔ پہلا شعری مجموعہ 1989 میں ''شاخِ حنا'' کے نام سے دوسرا 1999 میں ''کڑے موسموں کی زد پر'' جبکہ تیسرا شعری مجموعہ زیر طباعت ہے اور 2008 میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''پیڑ سے بچھڑی شاخ'' نے کافی مقبولیت حاصل کی۔

لندن کے خاص خاص مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں آج کل دو ادبی تنظیموں ''فروغ اردو'' اور انجمن ترقی اردو خواتین برطانیہ'' کے ساتھ کام کر رہی ہیں اور اور بڑی فعال کارکن ہیں۔ بے شمار ادبی محفلیں منعقد کر چکی ہیں۔

نجمہ عثمان برطانیہ کی کھلی فضاؤں میں آئی تو اسے بہت کچھ کرنے کو ملا۔ یہ چند اُن خوش نصیب شاعرات میں سے ہیں جنہیں شریک حیات بھی باذوق اور ہم ذوق ملے اور یا پھر انہوں نے اپنی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کبھی تنگ نظری یا احساس کمتری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور اپنے ساتھی کے ذوق و شوق کی تسکین میں مذاحمت نہ کی۔ نجمہ بھی اپنے عثمان کی رفاقت میں اپنی منزل کی جانب گامزن رہی، عثمان صاحب خود نہایت عمدہ انسان ہیں چہرے پر مسکراہٹ کے پھول سجائے ہر کسی سے خلوص و محبت سے ملتے ہیں اور

ہمیشہ ادبی محافل میں اپنی شریک حیات کے ساتھ ہوتے ہیں۔

بچپن میں تنہائی سے اکتا کر گڑیوں سے دوستی کرنے والی اس لڑکی نے بڑے ہوکر کتابوں کو دوست بنا لیا، بچپن میں وہ اکیلے بیٹھ کر گڑیوں سے سرگوشیاں کرتی تھی اور انہیں کہانیاں سناتی تھی، بڑے ہوکر انہوں نے قلم کی زبانی لوگوں کو کہانیاں سنانی شروع کیں اور اس طرح بے جان گڑیوں نے ان کے اندر سے ایک جیتے جاگتے کہانی کار کو ڈھونڈ نکالا۔

جہاں ان کی شاعری اعلیٰ وارفع ہے وہاں ان کی نثر بھی پڑھنے کے قابل ہے ان کے پہلے افسانوی مجموعہ ''پیڑ سے بچھڑی شاخ'' اپنے عنوان کی طرح اپنے اندر کی کہانیوں کے کرب کا احساس دلاتی ہے۔ مرد کی نسبت خواتین قلم کار زیادہ حساس ہوتی ہیں اور اکثر خواتین قلم کاروں کی کہانیاں خواتین کے مسائل کے گرد ہی گھومتی نظر آتی ہیں۔ آج ہمارے بن باس کو آدھی صدی ہوگئی ہے اور جہاں اتنی طویل مدت دو متضاد تہذیبوں کے تصادم میں گزرے وہاں لاکھوں کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ اور انہی کہانوں کو ہماری مصنفہ نے بڑے خوبصورت پیرائے میں لکھا ہے۔

ان کے دو شعری مجموعے برطانیہ ہی نہیں پاکستان کے ادبی حلقوں میں بھی پسند کئے گئے۔ وہ جہاں اپنے قلم سے اپنے اردگرد کے ماحول کو خوبصورت کہانیوں میں بیان کرنے کا ہنر جانتی ہیں وہاں ان کے قلم سے خوبصورت اشعار، نظمیں اور مترنم غزلیں بھی رس ٹپکاتی قاری کو مسحور کرتی ہیں۔

نجمہ عثمان نے اپنی تمام تحریرات میں چاہے وہ نثر میں ہو یا نظم و غزل میں، ان تمام موضوعات کو سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے جن کا تعلق عملی سوچ سے بہت گہرا ہے جو حیات و کائنات کے سچے مسائل کی اس طرح عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ ان کی کہی ہوئی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا اور یہی وہ پہلو ہے جو کسی انسان کو شعری و نثری عمل سے گزارتے وقت اس کے دل و دماغ کو تجربات کی روشنی سے معمور کردے اور اس کی کہی ہوئی ہر بات دماغ میں اترتی چلی جائے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر فن کار اپنے عصر کا ترجمان ہوتا ہے۔ باوجود اس کے وہ مقبولیت کی منزل تک یونہی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے فن میں توانائی اور سحر کاری کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ وہ

جوہر ہے جسے بغیر ریاضت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ محترمہ نجمہ عثمان نے اپنے عصری شعور کو فن کے سانچے میں ڈھالنے میں کتنی ریاضت و مشق کی ہو گی۔

یہ سرکشی بھی نہیں اور یہ عاجزی بھی نہیں
عروج مجھ کو ملا خواہشِ زوال کے ساتھ

اسی طرح ان کی ایک غزل کے شعر ملاحظہ فرمائیں۔

کس کو معلوم دکھ کے جنگل میں
کون سی شاخ کس شجر کی ہے
اک تمنا ہے شعر لکھنے کی
اک کمی ہے تو بس ہنر کی ہے

مجھے امید ہے کہ محترمہ نجمہ عثمان صاحبہ اسی طرح ادب کی خدمت میں کوشاں رہیں گی اپنے اشعار و نثری شہ پاروں کے ساتھ ساتھ لندن کے دیگر شعراء خاص کر خواتین قلمکاروں کی پذیرائی کے لئے ادبی محفلوں کا انعقاد جاری رکھیں گی۔اور نئی نسل کے نوجوانوں کے لئے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری و ساری رکھیں گی۔۔

❁

نہ چاندی اور نہ سونا چاہتی ہوں
میں مٹی کا کھلونا چاہتی ہوں
کوئی یادوں کو پلکوں سے ہٹا دے
میں تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں
میں جن راہوں سے پہنچی تھی کسی تک
میں ان راہوں کو کھونا چاہتی ہوں
میری آنکھوں میں پنہاں ہے سمندر
میں ساحل کو ڈبونا چاہتی ہوں
یہ کیسا بوجھ ہے آنکھوں پہ میری
نہ جانے کیوں میں رونا چاہتی ہوں
مرے دل میں رہیں تازہ ہمیشہ
میں ایسے زخم بونا چاہتی ہوں
الگ سب سے جو ہے احساس اس کو
میں لفظوں میں پرونا چاہتی ہوں
جو یادیں باعث رنج و الم ہیں
میں ان یادوں میں کھونا چاہتی ہوں

ایک شعر

اس اجنبی سے شہر میں مانوس ایک شخص
ایسے ملا کہ خود کو بھی ہم اجنبی لگے

ایک شعر

میں بھی موتی چنتے چنتے ریت محل تک آ پہنچی
وہ بھی کیسا دریا دل تھا بہتے بہتے دور ہوا

❁

کسی ٹوٹے ہوئے دل میں سمانا چاہتی ہوں
محبت ہوں محبت کا ٹھکانہ چاہتی ہوں
عجب لڑکی ہوں تعبیروں سے خائف کیوں رہوں میں
سنہرے خواب آنکھوں میں بسانا چاہتی ہوں
زمینِ دل ہمیشہ ابر سے کہتی رہی ہے
نمو کی منتظر ہوں لہلہانا چاہتی ہوں
میں موسم کی کشاکش سے نہیں واقف ابھی تک
مگر سوکھے شجر پر آشیانہ چاہتی ہوں
ہجوم شادمانی میں کھڑی ہوں اور پیہم
میں رونے کے لیے کوئی بہانہ چاہتی ہوں
کبھی آنکھوں میں میری اشک آتے ہی نہیں اور
کبھی چھوٹے سے دکھ پر ٹوٹ جانا چاہتی ہوں
جو ہونا ہے وہ دیکھا جائے گا یہ سوچ کر میں
دیئے کی لو ہوا کے رخ پہ لانا چاہتی ہوں

۞

وہ مجھ کو دیکھ رہا تھا بڑے ملال کے ساتھ
میں اس کو دیکھ رہی تھی نئے سوال کے ساتھ

نہ بے رخی نہ عداوت نہ کوئی رنج و گلہ
نبھائی میں نے محبت یہ کس کمال کے ساتھ

وہ برہمی سے مرا حال پوچھتا تھا مگر
جواب دیتی تھی میں پھر بھی اعتدال کے ساتھ

عجیب وجد کا عالم رہا اکیلے میں
تھی محوِ رقص تری یاد جب کمال کے ساتھ

ملے تو اپنی انا کی حدوں میں قید رہے
ہمیں بدل نہ سکے خود کو ماہ و سال کے ساتھ

یہ سرکشی بھی نہیں اور یہ عاجزی بھی نہیں
عروج مجھ کو ملا خواہشِ زوال کے ساتھ

ہزار کوششِ پیہم کے بعد بھی نجمہ
قدم ملا نہ سکی موسموں کی چال کے ساتھ

ایک شعر

وہ بھی ماں کے رونے پر ہنس دیتا ہے
باپ سے کتنا ملتا جلتا بیٹا ہے

دو اشعار

ٹوٹے ہوئے در دیکھ کے، باہر سے ہی کچھ لوگ
جو آئے تھے ملنے کے لئے، لوٹ گئے

☆☆

سارے بچھڑے لوگ یہاں آباد ہوئے
دل کے اندر ایک پرانی بستی ہے

۞

منزلوں کی چاہت کو رہ گزر میں رکھ لینا
حوصلہ اڑانوں کا ٹوٹے پر میں رکھ لینا

بام اور دریچے بھی بولتے نظر آئیں
خوف کو مٹا دینا پیار گھر میں رکھ لینا

کھو نہ جائیں یادیں بھی بے ثبات دنیا میں
گم شدہ محبت کو چشم تر میں رکھ لینا

خواہشوں کو بو دینا زندگی کے آنگن میں
اشک کی نمی دینا، دکھ نظر میں رکھ لینا

ہر مقام ہر رتبہ، اک دعا کے دم سے ہے
ماں کی کچھ دعائیں بھی مال و زر میں رکھ لینا

راستوں کی تنہائی سخت جان لیوا ہے
یاد بچھڑے لمحوں کی تم سفر میں رکھ لینا

نئی رتوں کے وہی شجر ہیں' ہوا سے کہنا
ہرے ہیں لیکن یہ بے ثمر ہیں' ہوا سے کہنا
جو ہجرتوں کی مسافتیں جھیلتے رہے ہیں
اک عمر گزری ہے دربدر ہیں ' ہوا سے کہنا
برا ہے وہ اس کی چاہتوں پر بھی شک ہوا ہے
محبتوں کے عجیب ڈر ہیں' ہوا سے کہنا
ہوا سے کہنا نئی فضاؤں کو مختصر کر
کہ کچھ پرندے زمین پر ہیں' ہوا سے کہنا
جو جسم و جاں کی مسافتوں میں بکھر گئے تھے
وہ پھر سے آمادہء سفر ہیں ' ہوا سے کہنا
ہوائے ناسازگار میں جو جلے ہیں پیہم
چراغ وہ ہی تو معتبر ہیں' ہوا سے کہنا
وہ بیٹیاں جن کے بال چاندی سے ہو چلے ہیں
وہ دھوپ کی پھر منڈیر پر ہیں' ہوا سے کہنا
یہاں پہ مٹی کے جو امیں تھے 'کہاں گئے وہ
معاملے اب رہینِ زر ہیں ' ہوا سے کہنا
جو جبر و نفرت کے حبس میں جی رہے تھے نجمہ
ہوائے تازہ کے بام پر ہیں ، ہوا سے کہنا

دو اشعار

جو خموشی نے کہی وہ بات ہی کچھ اور تھی
گفتگو کو طول دینے کا سبب کچھ اور تھا

☆☆

ذرا سی دیر گھنی چھاؤں ہے رفاقت کی
پھر اس کے بعد کڑی دھوپ میں بسر ہو گی

❁

زندگی چھاؤں میں بسر کی ہے
یہ تھکن جانے کس سفر کی ہے
موند کے آنکھ دن میں دیکھے خواب
رات پھر جاگ کر سحر کی ہے
کس کو معلوم دکھ کے جنگل میں
کون سی شاخ کس شجر کی ہے
آئینے عکس سے ہوئے محروم
یہ عنایت بھی چشم تر کی ہے
اک تمنا ہے شعر لکھنے کی
اک کمی ہے تو بس ہنر کی ہے
زیب تن پھر کریں اداسی کو
یہ مسرت تو عمر بھر کی ہے

نجمہ شاہین

Miss. Najma Shaheen,

12, Ansar Gardens,

Markhouse Road, London E17 8RY

Mob : 07445 293016 .

E.Mail: n-shaheen@hotmail.co.uk

نجمہ شاہین ستمبر 1978 میں ضلع جہلم دینہ شہر کے قریب ایک گاؤں مہتہ لوسہر سے اپنے والدین کے ساتھ برطانیہ آئیں۔ پاکستان سے میٹرک کر کے یہاں اے لیول کیا اور پھر اپنی ازدواجی زندگی میں مصروف ہوگئیں مگر ان کے ادبی اور کمیونٹی کے لئے کچھ کرنے کے جذبہ نے انہیں کبھی بھی نچلا نہیں بیٹھنے دیا وہ ایک نہایت فعال اور متحرک خاتون ہیں۔ اپنے فالتو وقت کو کبھی ضائع نہیں کرتیں۔ ادب کے ساتھ گہرا شغف ہے لہذا انہوں نے 1985 سے باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ اردو پنجابی دونوں میں لکھتی ہیں ایک مجموعہ کلام ''خوشبوئے فضائے فردوس'' جو میرے ہاتھوں کمپوز اور شائع ہوا دنیائے سخن میں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ انٹرنیشنل اکیڈیمی انسٹی ٹیوٹ ہائی ایوارڈ کے علاوہ نیو دہلی یونیورسٹی برائے اردو سے شاعری کا ایوارڈ بھی حاصل کیا۔ اس کے علاوہ لندن کی معروف بارو (ضلع) والتھم فاریسٹ کے دو میئرز جس میں میئر فاروق قریشی صاحب اور میئر مسعود احمد صاحب نے بھی نجمہ شاہین کو کمیونٹی سروس اور ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈز سے نوازا۔

ادب کے علاوہ نجمہ شاہین کو فنونِ لطیفہ سے بھی گہرا لگاؤ ہے دو ٹی وی ڈراموں میں کام کرنے کے علاوہ انہوں نے اپنے علاقے میں کئی چیریٹی پروگرام آرگنائز کیے۔ والتھم فاریسٹ میلہ کمیٹی کی سابقہ گیارہ سال سے آرگنائزر سیکریٹری ہیں جو ہر سال ایشین میلے کے کامیاب پروگرام منعقد کرتی ہے۔ کمیونٹی کے رضا کارانہ پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ فردوس میرج بیورو بھی چلاتی رہیں اور کئی گھر آباد

گئے۔ آج کل جنرل (ر) پرویز مشرف کی پارٹی 'آل پاکستان مسلم لیگ گریٹر لندن' کی وویمن ونگ کی صدر ہیں۔ برطانیہ میں اس نے بے گھر اور نادار خواتین کے لئے ایک چیرٹی ''شاہین ویلفیئر فاؤنڈیشن یو کے'' بھی تشکیل دی ہے جس میں وہ دن رات مصروف ہیں۔ 'دی پاکستان، نیشنل، پکار، صدا، مشرق، شمع، یو کے ٹائم اور ساحل جیسے رسالوں میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہیں۔ غرضیکہ نجمہ شاہین اپنی خوش اخلاقی، خوش لباسی اور تحریر سے لندن کی ادبی خواتین میں ایک اچھا نام رکھتی ہیں۔ میں نجمہ شاہین کو سابقہ گیارہ بارہ برس سے جانتا ہوں وہ ہمیشہ میرے منعقدہ مشاعروں میں آ کر اپنے مخصوص انداز میں اردو اور پنجابی شاعری سے سامعین کو محظوظ کرتی ہے اور خوب داد وصول کرتی ہے اس کے علاوہ اس نے کبھی تکلف نہیں کیا بلکہ وہ ایک اچھے دوست کی طرح مشاعرے میں مہمانوں کی خاطر تواضع میں بھی ہاتھ بٹاتی ہے جو اس کی پرخلوص اور نیک نیتی کی واضح دلیل ہے۔ اس کی شخصیت کی طرح اس کی شاعری میں بھی بڑی سادگی اور چاشنی ہے اس سے مل کر یا اس کی شاعری پڑھ کر منہ میں شہد سا گھل جاتا ہے موتیے کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔ وہ جس طرح جھیل کے ٹھہرے پانی کی طرح مزاج رکھتی ہے اسی طرح اس کی شاعری میں شام کی ہلکی ہلکی خنکی اور شبنم کی ٹھنڈی پھوار محسوس ہوتی ہے۔ جو دن بھر کے تپتے ہوئے مزاج کو ایک فرحت و تازگی بخشتی ہیں۔ اس نے نظم اور غزل میں دل کی ہر بات ایسے کہہ دی جیسے وہ بڑے اعتماد سے اپنی کسی سہیلی سے سرگوشی کرتی ہو۔

ہر شعر میں آتی ہے میرے پیار کی خوشبو ہر لفظ میں بس پیار کی سوغات ملے گی

اس کی شاعری میں جہاں گلے شکوے ہیں وہاں دوستی و محبت کے عہد و پیمان بھی۔۔ کبھی وہ زندگی کے دکھوں کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی وہ اپنے دل پہ لگے ہوئے زخموں پہ صبر کا مرہم رکھ کر خدا کی رضا پر صابر و شاکر ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ اپنے اشکوں سے دامن بھر کر کسی سے الفت کا احسان تک نہیں لیتی۔ اور کبھی وہ اپنے جینے مرنے کی قسم کھا کر ساری زندگی گزارنے کا عہد کر لیتی ہے۔ حادثاتِ وقت اور گردشِ حالات کبھی احساس سے عاری کر دیتے ہیں تو کبھی وہ جذبات کے ریلے میں بہہ کر چینی کی طرح گھل کر میٹھا کر دیتی ہے اور کبھی۔۔ وہ سینہ سپر ہو کر آہنی دیوار بن جاتی ہے۔۔ نجمہ شاہین اپنی

غزلوں میں ان تمام ادوار سے گذرتی ہوئی ملتی ہے۔اس نے انسان کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے ہر اس موضوع پر لکھا ہے جو ہنستے مسکراتے روتے ، بلبلاتے ، دکھ، سکھ، تنگی، ترشی خوشی ،غمی غرضیکہ ہر حالت ہر دور میں انسان محسوس کرتا ہے۔۔

کیا کیا نہ دکھائی ہیں حالات نے تصویریں موسم بھی ہوئے ہیں کتنے بدنام ہواؤں سے

نجمہ شاہین نے اپنی ہمعصر شاعرات کی طرح اپنے دیس سے ہجرت کی اور دیار غیر کو دیس بنا کر اپنی روزی روٹی کے فکر کو ساتھ لئے اپنے بچوں کی اعلی پرورش اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ادب کے گلستان کو بھی سجا کر اپنی زبان وادب سے گہری محبت کا ثبوت دیا۔ نجمہ بہت حساس اور محبت بھرے دل کی مالک ہے۔اسے اپنی بیٹی اور نواسی سے اس قدر محبت ہے کہ اس نے اپنے پہلے شعری مجموعے کا نام بھی انہی کے ناموں فردوسؔ اور فضاؔء پر رکھا ہے ۔۔(’خوشبوئے فضائے فردوس‘)اس نے اپنی بیٹی اور نواسی پر طویل نظم لکھی اسی طرح اپنے گاؤں کی یادوں کو بھی لکھ کر اپنی محبت کا حق پورا کیا۔اس کے اس پہلے شعری مجموعہ میں 67 غزلیں اور پانچ نظمیں ہیں جب کہ ابتداء میں حمد ،مناجات اور ایک نہایت خوبصورت نعت ہے۔

اس کے یہاں علامتی اور استعاراتی اظہار میں جو صداقت و پختگی ہے وہ نجمہ کا امتیازی وصف ہے میری دلی دعائیں نجمہ کے ساتھ ہیں اور امید ہے کہ وہ اپنے سیاسی اور کمیونٹی کام کے ساتھ ساتھ ادب کی آبیاری میں بھی مصروف رہے گی ۔ اس کی چند اردو غزلیں اور ایک پنجابی نظم قارئین کرام کے لئے سامنے کے صفحات پر درج ہیں جو امید ہے کہ نجمہ کے دلی جذبات کی ترجمانی کریں گی ۔ مجھے خوشی ہوگی اگر وہ اپنے مطالعہ کو جاری رکھے اور لکھتی رہے تو انشاءاللہ وہ مزید ترقی کرے گی۔۔

❁ ❁ ❁ ❁

۞

حادثاتِ وقت نے سب کچھ مٹا کے رکھ دیا
گردشِ حالات نے پاگل بنا کے رکھ دیا

غیروں سے ڈرتے رہے نجمہ جہاں میں بے سبب
اعتماد اپنا زمانے نے ہلا کے رکھ دیا

بیچ پائے ہم نہ دنیا کو کبھی اپنا ضمیر
دِل میں اِک جذبات نے طوفاں اُٹھا رکھ دیا

غم کا غم مت کیجئے ، غم سے خوشی کی قدر ہے
خارگل سے دستِ قدرت نے لگا کے رکھ دیا

ہم کہاں تھے بے حسی کی آندھیوں سے باخبر
راہ میں دل کا دِیا ہم نے جلا کر رکھ دیا

روح بھی ناخوش رہی اور دِل بھی تڑپا عمر بھر
ہم کو بس اِک فیصلے نے تِلملا کر رکھ دیا

راستوں پر جب بڑھی ہیں تو ہوائے تند نے
منزلوں کا گرد میں نقشہ چُھپا کر رکھ دیا

رفتہ رفتہ سب چراغوں سے دھواں اُٹھنے لگا
وقت کے طوفان نے دِل بھی بُجھا کر رکھ دیا

۞

گھٹا کا نہ اُلفت میں احسان لیں گے
سدا اپنے اشکوں سے دامن بھریں گے

گزاریں گے لمحات یوں زندگی کے
تمہیں پر جئیں گے تمہیں پر مریں گے

محبت ، شکایت ، عبادت ، عنایت
وہی سب کریں گے تو ہم کیا کریں گے

وہ دل ہو تمہارا کہ دل ہو ہمارا
جہاں تم رہو گے وہیں ہم رہیں گے

کبھی وصل کا عیش ہو گا میسر
کبھی ہجر کی آگ میں ہم جلیں گے

اگر وہ نہ آئے بُلانے سے نجمہ
تصور میں ہم ان کو آواز دیں گے

❁

ہوش و حواس چھین لئے دل دُکھا دیا
مری وفا کا آپ نے اچھا صِلہ دیا

دشواریوں کو کس قدر آساں بنا دیا
اُس نے ہمارا حال سنا ، مُسکرا دیا

محبوب نے کلام کا فن بھی سکھا دیا
دِل کی کسک نے ہم کو بھی شاعر بنا دیا

خود دیکھ لو جو زخم ہمارے جگر میں ہیں
کیا آپ کو بتائیں کہ دنیا نے کیا دیا

رنج و الم سے کر کے دِل و جاں کو بے نیاز
اُس نے مجھے قتیلِ تبسّم بنا دیا

مرمر کے ہم نے عشق میں پائی ہے زندگی
ہم کو اجل کے وار نے جینا سکھا دیا

آیا وہ سامنے تو اُٹھا کر سبھی حجاب
نظروں نے اُس کو حالِ دل و جاں سُنا دیا

نجمہ اُسی کا نام ہے طوفانِ زندگی
جینے کا روز جس نے نیا حوصلہ دیا

❁

جامِ غزل بھی پیاس نہ دل کی بجھا سکا
الزام آج تک یہ غزل پر نہ آسکا

ہر سو وہی نشاں ہے ، وہی ضُو ، وہی مہک
جانے کے بعد بھی وہ یہاں سے نہ جاسکا

خود سے تو ہم زبان بنا اجنبی بہت
پھر بھی وہ حال دل کا نہ اپنے چھپا سکا

جاتے ہوئے وہ اُن کی اُچٹتی ہوئی نظر
اب تک مری نظر سے وہ منظر نہ جا سکا

اب کے سفر میں پوری سبھی کی ہوئی مراد
بس راہگیر دل کا ہی منزل نہ پا سکا

زور آزما ہوا کے بھی جھونکے ہوئے مگر
کھڑکی سے کوئی اُس کی نہ پردہ ہٹا سکا

نجمہ کھلا تو دہر پہ کچھ حالِ دل مگر
کشتی کی وسعتوں کو سمندر نہ پا سکا

❁

ہو جہاں یادِ وہیں بادِ صبا ملتی ہے
دشت و صحرا میں بھی گلشن کو فضا ملتی ہے
برق کو اس کے تبسّم سے ضیا ملتی ہے
اور ہمیں صرف تڑپنے کی سزا ملتی ہے
مرحلے اُس پہ گذر جاتے ہیں کیسے کیسے !
تب کہیں جا کے ہتھیلی سے حنا ملتی ہے
اِک مسیحا کی ازل سے ہے تمنا مجھ کو
کیا ترے شہر میں اس غم کی دوا ملتی ہے
ہم سے مستانے سمجھتے ہیں اُسی کو ساقی
جس کی آنکھوں سے مئے ہوش رُبا ملتی ہے
آسمانوں کو بھی رشک آتا ہے اُس پر اے دوست
جس زمیں کو تیری خاکِ کفِ پا ملتی ہے
لاکھ سر مار کے رہ جائیں منافق نجمہ
زاغ کو بھی کہیں شاہیں کی ادا ملتی ہے

پنجابی غزل

دل دا بوہا کھولی رکھاں
ساری راتیں اُڈیکن اکھاں
لاج پیار دی رکھیں سجناں
جگ دے مہنے سہ نہ سکاں
رات ہنیھری پوہ دی سردی
اگ ہجر دی ، سڑدیاں اکھاں
پیار تیرے نے مت جے ماری
لوکی دیندے رہ گئے متاں
پیار ترے چہ حال اِنج ہویا
رُل گئی آں میں وانگوں ککھاں
دل ہویا ہن کرچی کرچی
دریا ہنجو کیویں ڈھکاں
جس نوں لگدی اوہ ہی جانے
کنج کلیجے پیندیاں سٹاں
نظر نہ پیندی مینوں نجمہ
لیک نصیب دی ہتھ چ تکاں

نرگس جمال سحر

E.Mail: njsahar@yahoo.co.uk

نرگس جمال سحر پاکستان میں مردان سے تعلق رکھتی ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ، اسلام آباد میں محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھیں، شاید بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور مستقبل کی خاطر اعلیٰ نوکری کی قربانی دی اور غالباً بیس کی دہائی میں برطانیہ آئیں۔ یہاں بھی آ کر انہوں نے انکم ٹیکس، پاسپورٹ اور امیگریشن کے عملے کو اردو کی کلاسیں دینی شروع کیں اور کافی مدت تک انگریزوں کو اردو سکھلائی، شعر وسخن کا شوق پرانا تھا لہٰذا ایک دوست نے بتایا کہ تمہارے علاقے (والتھم فاریسٹ) میں ایک بڑی اچھی شاعرہ آئی ہیں جنہیں ایک مشاعرے میں سنا ہے تمہارے بارے میں بات ہوئی مگر انہوں نے بتایا کہ ابھی امجد مرزا سے ملاقات نہیں ہوئی، مجھے بھی تعجب تھا کہ میرے شہر میں اچھی شاعرہ آئے اور میں اس سے بے خبر رہوں۔۔!!

مگر تیسرے دن مجھے فون آیا کہ میں نرگس جمال ہوں اور آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ خوشی ہوئی اسی دن نرگس اپنی چھوٹی سی بیٹی عائشہ کے ساتھ آ گئیں جنہیں مل کر دلی مسرت ہوئی۔

اس کے بعد ملاقاتوں کے سلسلے نے بہن بھائی کے رشتے میں پروگرام کر دیا۔ نرگس جمال نے بڑی تیزی کے ساتھ اپنا ادبی سفر طے کیا، دو تین برسوں میں ہی انہوں نے اخبارات میں کالم نویسی کے علاوہ ادبی صفحات مرتب کیے اور مقامی ٹیلی ویژن میں ادبی پروگرام بھی دینے شروع کر دیے۔ مشاعروں میں باقاعدگی کے شرکت نے انہیں لندن کے ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی دی۔ وہ اپنا کلام ترنم سے سناتیں تو بے حد داد وصول کرتیں۔

نرگس جمال کا اسلوب سادہ، رواں اور دل کش ہے۔ ان کی شاعری کے متعدد اشعار کی خوشبو نے لندن کی ادبی محفلوں کو معطر کیے رکھا۔ ان کی اس نظم نے ان کے خوبصورت ترنم کے ساتھ ہر مشاعرے کو خوب لوٹا۔

جو وقتِ رخصت پے کام آئیں
وہ سب دعائیں سنبھال رکھنا
ہزار دیسوں کی سیر کرنا
مگر وفائیں سنبھال رکھنا

نرگس جمال کی شاعری میں نسوانیت کے جذبات واحساسات کا عکس ملتا ہے۔ان کی شاعری محبت کی شاعری ہے جو جاندار زندگی کی علامت ہے۔ بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات واحساسات کے نئے نئے مظاہر بھی ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ان کی ایک نظم ''اس کا لہجہ'' نے کافی مقبولیت حاصل کی تھی جو وہ بڑے دھیمے لہجے میں ترنم سے پڑھا کرتی تھیں۔

اس کا لہجہ ہے ہوبہو ایسا
جیسے خوشبو کلام کر جائے
جیسے آنگن میں چاند اُگنے کا
چاندنی اہتمام کر جائے!
جیسے بارش کے بعد قوس و قزح
جیسے پت جھڑ سے قبل بہار آجائے

نرگس جمال دراز قد خوش شکل،خوش لباس اور خوش اخلاق ہنستی مسکراتی خاتون ہیں اور اپنے سے چھوٹوں اور بڑوں سے ہمیشہ بڑے ادب کے ساتھ گفتگو کرتیں اور انہیں اپنا دلدادہ بنا لیتیں۔ پانچ چھ برس انہوں نے بڑی دلچسپی اور تیزی کے ساتھ اپنا ادبی سفر طے کیا اور کافی شہرت حاصل کی ، وہ اپنی شاعری کا پہلا مجموعہ اور اپنے افسانوں کے مجموعہ پر بھی کام کر رہی تھیں اور جلد ہی شائع کرانے کا ارادہ تھا، کچھ افسانے مجھ سے کمپوز بھی کرائے بلکہ شعری مجموعہ کی کمپوزنگ کا کام میرے سپرد کرنے کا ارادہ تھا مگر پھر کچھ ایسی گھریلو مجبوریوں، ذمہ داریوں اور اللہ جانے اور کن الجھنوں پریشانیوں سے دو چار ہوئیں کہ یک دم سین سے اوجھل ہو گئیں۔ایک دو بار میرے مشاعرے میں بڑی منت وساجت اور اصرار کے بعد آئیں

مگر پھر حسب عادت مسکرا کر سرگوشی کی کہ "امجد بھائی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا" کہہ کر چلی گئیں اور آج سال سے اوپر مدت ہوگئی ان کا کوئی پتہ نہیں۔۔کہ آیا وہ لندن ہی میں ہیں یا کہ پاکستان چلی گئی ہیں۔

ہمارے ہاں جو سب سے بڑی افسوسناک بات ہے وہ خواتین شعراء کے ساتھ ان کے دوسرے ہم عصر قلمکاروں کا برتاؤ اور رویہ ہے۔۔یہ شکایت عام سننے میں آتی ہے کہ جہاں کوئی خوش شکل شاعرہ میدان میں آئی اور اپنے اخلاص سے مسکرا کر یا دھیمے لہجے میں بات کی وہاں فصلی بٹیروں اور بدکردار نام نہاد اساتذہ و دیگر ادبی متوالوں نے عشق جھاڑنا شروع کر دیا۔گِن آتی ہے مجھے ایسے ادیبوں سے جن میں ادب نام کی کوئی شے موجود نہیں۔اسی مذموم عمل سے کئی شاعرات بدنام ہوئیں کچھ نے شاعری چھوڑ دی اور مشاعروں میں جانا بند کر دیا اور کچھ بالکل ہی گمنام ہو کر رہ گئیں۔۔۔!!

بے وفاؤں سے کیونکر وفا ہو سکے
ہے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو سکے
زندگی بھر اسی ہم تگ و دو میں تھے
پھر نہ تجھ سے کبھی سامنا ہو سکے

خدا جانے نرگس جمال سحر کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ وہ ادبی وصحافتی سین سے غائب ہوگئیں مگر مجھے اس بات کا سخت دکھ ہے کہ ایک اچھی شاعری، خوبصورت افسانہ نگار اور کالم نگار کی کمی نے لندن کے ادبی نامہ کو کافی نقصان دیا۔گو ای میل پر کبھی کبھار ان سے رابطہ ہو جاتا ہے مگر بہت کم۔۔میری دلی دعا ہے کہ وہ جہاں بھی ہیں اللہ انہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ خوش وخرم رہیں۔۔۔آمین

میری اس کتاب کے لئے انہوں نے پورا تعاون کیا تھا جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

تیرگی کو مٹا کے دیکھ ذرا
ایک شمع جلا کے دیکھ ذرا
جان لے گا ہمارے پیار کے رنگ
ہم سے نظریں ملا کے دیکھ ذرا
آسمانوں پہ تو جو رہتا ہے
میری دنیا میں آ کے دیکھ ذرا
اپنے بندوں کی مشکلات نہ سن
ایک جیون بتا کے دیکھ ذرا
کون کہتا ہے کچھ نہیں ملتا
اشک آنکھوں میں لا کے دیکھ ذرا
نامرادی کی بات نہ کر تو
لَو اسی سے لگا کے دیکھ ذرا
ڈوب جائے گا خود کی مستی میں
غم کو اپنا بنا کے دیکھ ذرا
دکھ نظر آئے گا زمانے کا
خود سے باہر آ کے دیکھ ذرا
کتنی راحت ہے درگزر میں سحرؔ
دل کو دریا بنا کے دیکھ ذر

جو وقتِ رخصت پہ کام آئیں
وہ سب دعائیں سنبھال رکھنا
ہزار دیسوں کی سیر کرنا
مگر وفائیں سنبھال رکھنا
بچائے اپنا جمال رکھنا
حسیں ردائیں سنبھال رکھنا
نظر چرا کے نہ دیکھے کوئی
امانتوں کا خیال رکھنا
ہماری خاطر تمہارے گجرے
جو گیت گائیں سنبھال رکھنا
اعزاز میرا یہ تیری چاہت
بس مجھ کو اس پر بحال رکھنا
سحرؔ اندیشے نہ دل میں رکھنا
فقط تم اپنا خیال رکھنا

❁

ہمارا حسن بھی اس دم کمال رکھتا ہے
تمہارا عشق بھی لیکن جمال رکھتا ہے

تو مرے دل کی ہر اک بات جان لیتا ہے
مجھے سمجھنے میں کمال رکھتا ہے

مجھے بھلائے گا کیسے ، بھلا یہ ممکن ہے
جو میرے آنسو تلک بھی سنبھال رکھتا ہے

نظر میں تیری ہزاروں سوال تشنہ تھے
مگر لبوں پہ نہ کوئی سوال رکھتا ہے

جو تو ملا تو رہا دکھ نہ کوئی یاد مجھے
تو کتنی چاہ سے میرا خیال رکھتا ہے

تجھے بھلا کے میں خوش ہوں یہ دیکھ لے خود ہی
سمجھ رہا تھا فقط تو کمال رکھتا ہے

تھا ساتھ غیر کے لیکن سحرؔ یہ لگتا ہے
خوشی کی آڑ میں جیسے ملال رکھتا ہے

❁

بے وفاؤں سے کیونکر وفا ہو سکے
ہے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو سکے

زندگی بھر اسی ہم تگ و دو میں تھے
پھر نہ تجھ سے کبھی سامنا ہو سکے

دل میں خواہش تو زندہ ہمیشہ رہی
تو کسی بھی طرح سے مرا ہو سکے

سچ کی قیمت اگر رائیگانی ہی ہو
پھر بیاں کس طرح ماجرا ہو سکے

ان کی کوشش ہمیشہ سے یہ تھی سحرؔ
زندگی یہ میری اک سزا ہو سکے

وقتِ رخصت سحرؔ کچھ تو ایسا کہو
پھر ملاقات کا سلسلہ ہو سکے

❁

جاتے لمحے کو تو بے کار نہیں کرنا ہے
زیست کو اور بھی دشوار نہیں کرنا ہے

دل اگر دے ہی دیا ہم نے بنا شرطوں کے
کچھ بھی ہو جائے اسے بار نہیں کرنا ہے

شکوہ اپنوں سے ہوا کرتا ہے غیروں سے نہیں
آپ کے رشتے سے انکار نہیں کرنا ہے

تم جو تھے دوست تو دشمن کی ضرورت کیا تھی
اب کسی کو ہمیں غمخوار نہیں کرنا ہے

پہلے ہرجائی کو پلکوں پے بٹھا کے رکھا
اب یہ کہتی ہو کہ اقرار نہیں کرنا ہے

اس کا لہجہ

اس کا لہجہ ہے ہوبہو ایسا
جیسے خوشبو کلام کرجائے
جیسے آنگن میں چاند اُگنے کا
چاندنی اہتمام کر جائے!
جیسے بارش کے بعد قوس و قزح
جیسے پت جھڑ سے قبل بہار آجائے
میرے گھر کا سلام کر جائے !
جیسے ہوتا ہے لمس ریشم کا
جیسے تتلی لپٹ کے آنچل سے
رنگ سارے تمام کر جائے !
جیسے امرت کی برکھا برسے ہے
جیسے خوش بختی آ کے جیون میں
ہر خوشی میرے نام کر جائے
جیسے راہ چلتا اجنبی اک دم
مڑ کے دیکھے سلام کر جائے
اس کا لہجہ ہے ہوبہو ایسا

نسیمہ نسرین

Nasima Nasreen,

46, Bedford Road,

Harrow, Middx HA1 4LZ

Mob: 0783 4478571

Tel: 0208 427 2533

نسیمہ نسرین 1971 میں برطانیہ آئیں، بی اے کے بعد لندن میں بیوٹیشن اور ہیر ڈریسنگ کا ڈپلومہ حاصل کیا مگر درس وتدریس کے ساتھ وابستہ ہوگئیں اور بطور آرٹ ٹیچر کے اپنے فرائض انجام دیئے۔ آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہی ہیں کراچی پاکستان سے تعلق ہے۔ 1969 سے لکھنا شروع کیا اس کے علاوہ انہیں مصوری کا بھی شوق ہے اور قلم کے ساتھ ساتھ برش سے رنگوں کے ساتھ بھی شاہکار تخلیق کرتی ہیں ان کے پہلے شعری مجموعے کا نام ''آوازِ دل'' ہے۔ شاعر تو ہوتا ہی ایک حساس دل اور نازک طبع اس پر اگر وہ مصور بھی ہو تو دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

محترمہ نسیمہ نسرین علی کے حساس دل کے تاروں سے جب جھنکار اٹھی تو کئی سُروں نے جنم لیا۔ شاعر ایک ایسا آبگینہ ہے جس کو چھٹنے کے لئے تو بہانہ چاہیے۔ وہ اپنے 'پیش لفظ' میں اسی بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ ''ذرا سی طبیعت کے ملول نے ایک ایسی کیفیت پیدا کردی کہ ہاتھ کاپی پینسل کی طرف بڑھے''۔ اور پھر الفاظ کا جھرنا پھوٹ پڑا اور وہی جھرنا ایک بیکراں سمندر بن گیا۔ اور یہاں تو معاملہ ہی الگ تھا کہ بچپن سے ہی حسن وخوبصورتی کی پرستار جو چیز دل کو چھو لے اس پر نثار۔۔ قدرت کی رعنائیوں پر فدا ہونے والی یہ شاعرہ پیدائشی آرٹسٹ تھی، آرٹ، فن، اور شاعری نے مل کر وہ قوس قزح کے رنگ بکھیرے کہ ایک خوبصورت شاہکار نے جنم لیا جس کا نام انہوں نے ''آوازِ دل'' رکھا۔ جس کو دیکھ کر ہی شاعرہ کے ذوق کا اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کا خوبصورت سرورق بھی انہوں نے خود ڈیزائن کیا جو آرٹ کا بہترین

نمونہ ہے۔نسیمہ نسرین نے اپنی زندگی میں بہت سی بہاریں دیکھی ہیں اور دکھ درد کے کئی سمندر بھی پار کئے ہیں یہ سب انسانی زندگی کے وہ دور ہیں جو ہر کسی پر گزرتے ہیں۔کوئی دو دھو کر گوشہ نشیں ہو جاتا ہے کوئی تسبیح مصلا سنبھال لیتا ہے تو کوئی قلم ۔۔اور کچھ مٹی اوڑھ کر سو جاتے ہیں کہ ان سے مزید برداشت نہیں ہو پاتا مگر کئی ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا سمجھ کر اسے اپنا مقدر بنا کر ساتھ لئے پھرتے ہیں۔نسیمہ نے بھی ان دکھوں کی نگری میں شاعری کی شمع جلا کر اس کے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

درد اُٹھا ہے تو کاغذ پہ بکھر جانے دو　　قافیہ بحر کی صورت میں نکھر جانے دو

’’آوازِ دل‘‘ جہاں درد بھری شاعری کا مجموعہ ہے وہاں فن اور آرٹ کا شاہکار بھی ہے، جہاں اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اشعار ہیں وہاں بے شمار رنگوں سے مزین اس کا سرورق متوجہ کرتا ہے۔

نسیمہ نسرین کی تمام شاعری پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ شاعرہ مصائب و دکھ کی چلچلاتی دھوپ میں زندگی کے کانٹے دار زمین پر سرگرم سفر ہے۔آسان اور سادہ الفاظ میں اپنے دل کی باتوں کی اشعار میں خوبی سے ڈھالا ہے۔ان کے یہاں ذاتی دکھ اور اندرونی کرب کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ان کے دل کی یہ آواز جس میں کہیں سسکیاں کہیں گلے شکوے سنائی دیتے ہیں۔

جب بھی کھولا ہے دریچہ، خواہشوں کے ڈھیر کا
درد بن کے روح میں کھلتی گئی آوازِ دل

عورت کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کے سر کا تاج ہوتا ہے، جب وہ اس سے محروم ہو جائے تو چاہے رشتہ دار اولاد، بہن بھائیوں اور احباب دوستوں سے زمین بھری ہو وہ تمام اس کے ویران بنجر لگتی ہے۔اپنے جیون ساتھی کے بچھڑنے کا غم ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے،ان کی نظموں ’’اڑان مجھ کو ملی، جب تلک آس تھی‘‘ میں اُنہی یادوں کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے۔

گزر کر خارزاروں سے جو ہم، محفوظ، آ نکلے
خزاں بھی پھول بن کر مسکرا جاتی جو تُو ہوتا

یہ نسیمہ کے دل کی آواز ہے جس میں سہانی یادیں ہیں۔انہوں نے آنکھوں کو موند کر سپنا بھلا کر وقت کے

تقاضے کو اپنا بنایا کیونکہ غم ہجراں کی سوچ کا کچھ فائدہ نہ تھا لہذا اس داستاں کو افسانہ بنا دیا۔ اور اپنے غموں کے پہاڑوں کو بھٹی میں جھونک کر کجلائے ہوئے راستوں کو کندن بنا دیا۔ اپنی اس خوبصورت غزل کے مقطع میں کہتی ہیں۔

جن راستوں کو خار نسیمہ سمجھتی تھی اُن راستوں کو یاد سے اُس کی سجا دیا

درد اور یاد میں ڈوبی ہوئی اس خوبصورت شاعری کو پڑھ کر نسیمہ نسرین کو داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے تنہائی میں بیٹھ کر فقط آنسو نہیں بہائے انہیں الفاظ کے پھولوں میں سجا کر اپنے دل کی آواز کو کتابی صورت میں پیش کیا جس کے لئے میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

اس کے علاوہ میں نے نسیمہ نسرین کا ایک اور روپ بھی دیکھا کہ وہ انسانیت سے بے پناہ محبت کرتی ہیں خدا کو خوش کرنے کے لئے اس کی مخلوق کو خوش رکھنا ناگزیر ہے۔ میں جب اس سال عمرہ کے لئے گیا تو نسیمہ نسرین جنہیں میں احترام و محبت سے باجی نسیمہ کہتا ہوں انہوں نے مجھے پچاس پونڈ بھیجے کہ وہاں جا کر غریبوں میں بانٹ دینا۔۔ میرے اور بھی درجنوں دوست کرم فرما ہیں مگر اس عظیم نیکی کا کسی کو خیال نہیں آیا کہ مکہ میں ایک نیکی لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ یہ احساس میری محترم بہن کو تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان کے دل میں جہاں نیکیوں کی حرص ہے وہاں اللہ کی اس مخلوق کا احساس بھی ہے جو محتاج ہیں جن کا ہم پر حق ہے اور یقین کریں ان پچاس پونڈز کو جب میں نے ریال میں تبدیل کرایا تو ہر نماز کے بعد ان اہل لوگوں کو دیتا رہا جو سر عام ہاتھ پھیلا کر بھیک نہیں مانگتے۔ اور بارہ دن اس رقم کو بانٹتا رہا جو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ اللہ قبول کرے۔ میں نے نسیمہ نسرین کو شاعرہ ہونے کے علاوہ ایک نہایت نیک سیرت خوش اخلاق اور نہایت منکسر مزاج پایا جو ایک بہترین انسان کی نشانی ہے۔ اللہ انہیں صحت تندرستی والی زندگی عطا فرمائے۔۔ آمین

❀ ❀ ❀ ❀

نعت

غم کی گھٹا میں نور کا جلوہ تمہی تو ہو
دل کی اداسیوں کا مداوا تمہی تو ہو

قائم ہیں کائنات کے رنگ، آپؐ کے طفیل
رنگوں میں سب سے رنگ، نمایاں تمہی تو ہو

گھبرا کے وحشتوں سے جو دیکھا کوئی نہ تھا
بے اختیار جس کو پکارا، تمہی تو ہو

زخموں کی شدتوں سے تجاوز اگر کیا
بانٹا ہے جس نے درد ہمارا تمہی تو ہو

دنیا کے جمگھٹوں میں الجھ کر نسیمہؔ نے
جب بھی لیا ہے نام تمہارا، تمہی تو ہو

قطعہ

میری ہتھیلیوں میں گلابوں کے رنگ ہیں
سوچوں میں پلتے خواب ستاروں کے سنگ ہیں
اپنی ہی کائنات کے طرزِ عمل کی خُو
کچھ ہم خیال میرے ارادوں سے دنگ ہیں

❁

ہوائیں تیز چلتی ہیں تو گھبراتا ہے دل میرا
کوئی پتہ کھڑکتا ہے تو گھبراتا ہے دل میرا

مجھے پردیس کے رنگین موسم دل میں چبھتے ہیں
وطن جب یاد آتا ہے، تو گھبراتا ہے دل میرا

یہ آنکھیں جب برستی ہیں، سمندر کو چھپاتی ہیں
کوئی آنسو بہاتا ہے، تو گھبراتا ہے دل میرا

بہت سے لوگوں میں رہنے کا عادی ہو گیا تھا یہ
جو تنہائی کو پاتا ہے، تو گھبراتا ہے دل میرا

لکھوں گی داستانِ دل، ارادہ جب بھی کرتی ہوں
سخن جب لب پہ آتا ہے، تو گھبراتا ہے دل میرا

خلوصِ دل کے بدلے میں اگر کوئی نسیمہؔ پر
غلط الزام رکھتا ہے، تو گھبراتا ہے دل میرا

٭

دوریوں کا زہر تھا ، پیتے گئے
یہ ستم سہہ کر بھی ہم جیتے گئے
ساعتیں عشرت کی ، غم کی تلخیاں
کچھ گھٹاتے جمع کچھ کرتے گئے
وقت اور حالات کی مجبوریاں
نذرِ حالِ زندگی کرتے گئے
دیکھ کر شمس و قمر کا حسن ہم
رات دن تیری ثناء کرتے گئے
جو ہماری دسترس سے دور تھے
رفتہ رفتہ خواب میں سجتے گئے
اک ہدایت کا دیا روشن رہا
جس طرف اپنے قدم بڑھتے گئے
اجنبیت ہی رہی جن کا شعور
دان اُن پر زندگی کرتے گئے
وہ نظر انداز کرتا تھا خطا
ہم خطائیں عادتاً کرتے گئے
جب نسیمہؔ پر کرم ہوتا رہا
وہ نرم ہم ہٹ دھرم ہوتے گئے

ایک شعر

مجھ کو معلوم نہ تھا ، تم ہی بچھڑ جاؤ گے
ورنہ کتابِ زندگی میں رنگ بھر دیتی

٭

چلو ہم ہر پرانی رنجشوں سے باز آتے ہیں
چلو ہم اپنے اپنے ظرف کو پھر آزماتے ہیں
مگر جاتی رتوں پر بھی ذرا گہری نظر رکھنا
جو اس کی واپسی کے منتظر ہیں ، ہار جاتے ہیں
دیے مایوس آنکھوں میں امیدوں کے جلاؤ تو
چمکتے چاند اور تارے تو ہر دل کو لبھاتے ہیں
جو رنجش ساعتوں میں زندگی کی پال لیتے ہیں
ندامت سے وہ پھر تنہا کہیں آنسو بہاتے ہیں
کسی کی خامیوں کے ساتھ اس سے دوستی کر لو
کہ جو بے عیب ہوں اُن سے تو سب رشتے نبھاتے ہیں
کہیں ایسا نہ ہو کہ سوچنے میں دن گزر جائیں
کہ لمحے جب گزر جاتے ہیں اکثر یاد آتے ہیں
پرکھنا ہو محبت کا نسیمہؔ گر تمہیں معیار
تو جلتے ہیں جو اس کی یاد میں، وہ جاں سے جاتے ہیں

❁

دل پہ تازہ سی چوٹ کھائی ہے
لب پہ پھر بھی ہنسی سجائی ہے
زخم کیسے دکھاتے غیروں کو
راز کی بات تھی ، چھپائی ہے
چُپ ہوں دل میں دکھوں کے حشر لئے
لب کھلیں گے تو جگ ہنسائی ہے
اُس کی آنکھوں میں غیر کا سایہ
کیسے کہہ دوں کہ بے وفائی ہے
غم میں چھوڑا تھا ساتھیوں نے جب
وہ گھڑی ہم نے آزمائی ہے
رنگ بولیں گے دھڑکنیں بن کر
ایسی تصویر اک بنائی ہے
اب بکھرنے کا غم نہیں ہم کو
ہر نفس زندگی لٹائی ہے
لوٹ جائیں گے ان کی دنیا میں
حشر اک جشنِ رونمائی ہے
کچھ تو ہو گا نسیمہؔ بھید اس میں
لکھ کے تحریر جو مٹائی ہے

❁

تجھ میں کھو جاؤں ، میں ڈوبوں نہ اُبھرنا چاہوں
تیری خاطر ، میں زمانے سے مکرنا چاہوں
اپنی تخلیق کی ہر سوچ کو خاکہ دے کر
منفرد رنگ تخیل کے میں بھرنا چاہوں
فکر و افکار کی دیوار کو اونچا کر کے
ساری پُرسوز فضاؤں سے گزرنا چاہوں
کسی معصوم کی معصوم ہنسی کی صورت
جھلملاتا ہوا اک شوخ سا جھرنا چاہوں
تا ابد رنگوں کی تخلیق ہو قائم دائم
جانے والے کو جدا خود سے نہ کرنا چاہوں
حرف ناکام جو تخلیق میں میرے آئے
چھوڑ کر دور نگاہوں سے گزرنا چاہوں
کوئی نظروں سے بچھڑ جائے کبھی آنکھ کھلے
سوتی رہ جاؤں نسیمہؔ وہ سحر نا چاہوں

ایک شعر

تھی جس کے بنا زندگی کی سوچ ناممکن
اُس کے بغیر کتنے برس بیت گئے ہیں !
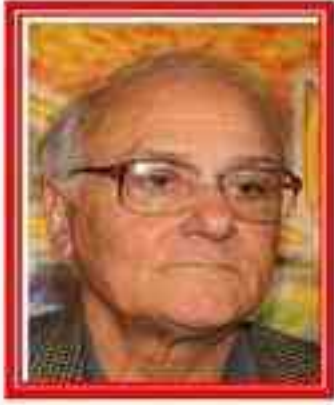
نصیر احمد ناصؔر بٹ

Mr.Nasir Ahmed Nasir Butt,

36,York Road, New Southgate,

London N112TE.Tel: 02088896485

نصیر احمد ناصؔر بٹ صاحب ہمارے لندن کے ممتاز معروف اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے شاعر ہیں اور مشاعروں میں اپنے جوشیلے انداز میں اپنے اشعار سے تالیوں کی گونج میں مشاعرہ لوٹ لے جاتے ہیں۔وہ پاکستان بھلوال سے تعلق رکھتے ہیں اور 1964 میں برطانیہ آئے۔

نصیر احمد ناصؔر ایک اعلی تعلیم یافتہ انسان ہیں انہوں نے پاکستان میں اردو اور فارسی میں ایم اے کر کے پھر برطانیہ میں آ کر اکیڈیمک ڈپلوما ان ایجوکیشن کیا، یونیورسٹی آف لندن سے ایم اے ان ایجوکیشن کیا پولی ٹیکنیک سے نفسیات میں بی اے آنرز کر کے آٹھ برس اسکولوں میں پڑھایا اور پندرہ برس تک سعودی عرب میں درس و تدریس کے مختلف شعبوں میں خدمات کے بعد واپس برطانیہ آئے ۔مگر اپنی شرمیلی اور خوددار فطرت نے انہیں کوئی ایسا مقام نہ دیا جس کے وہ حقدار تھے اور اس کی اہم وجہ آج کے دور کی منافقانہ، چاپلوسانہ رویوں کی بہتات ہے اعلی اور اونچا مقام حاصل کرنے کے لئے یا تو اپنے آگے والے کو دھکا مارنا پڑتا ہے، یا کسی کی حق تلفی کرنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی سفارش ،رشوت اور سر کو خم کرنا پڑتا ہے ۔۔اور یہ خامیاں جو آج کے دور میں ’’خوبیاں‘‘ گنی جاتی ہیں نصیر احمد ناصر میں موجود نہیں ہیں۔۔

وہ لندن کے مشاعروں کی جان سمجھے جاتے ہیں۔طبیعتاً نہایت سچے کھرے انسان ہیں اور ہمیشہ پر خلوص نیک نیت لوگوں کے ساتھ ہی دوستی رکھتے ہیں۔انہیں ادھر اُدھر کی سیاست لگائی بجھائی سے سخت نفرت ہے ادب میں ایسے لوگوں کی موجودگی انہیں بہت کھلتی ہے۔بحر حال یہ ایک انسانی فطرت ہے کہ زندگی میں ہمیں اچھے برے سب لوگوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنی پڑتی ہے اور آج تک معاشرے کی برائیوں

کو کوئی بھی دور نہیں کر سکا۔ مگر نصیر احمد ناصؔر اپنے اصول کے پکے ہیں وہ کہتے ہیں تو پھر برے لوگوں سے دور ہی رہنا بہتر ہے۔۔ اسی اصول کو وہ اپنی شاعری میں بھی بیان کرتے ہیں۔ انہیں اپنے وطن سے محبت ہے اور وہ اکثر اس بات کو رونا روتے ہیں کہ آج تک ہمیں کوئی مخلص رہبر نہیں ملا اور نہ ہی ہم نے ایسا چنا ہے جو ہمارے ملک کی ترقی کو اولین درجہ دے۔

کتاب قلم کار کا کلام محفوظ کرتی ہے۔۔ ورنہ وہ بکھرا رہتا ہے اور بکھری ہوئی چیز کی وقعت نہیں رہتی۔۔ پھر نصیر احمد جیسے شاعر کا کلام اگر کسی کتاب میں محفوظ نہ ہوتا تو دنیائے ادب کا بہت بڑا نقصان ہوتا۔۔ برطانیہ کی ادبی تاریخ نامکمل ہوتی۔ ان کے اس مجموعہ کا نام ''خزاں کے پھول'' ہے جب کہ یہ ادبی موسم کی بہار کے شگفتہ مسکراتے ہوئے دل میں اتر جانے والی خوشبو سے معمور وہ پھول ہیں جو سدا تازہ رہیں گے۔ جو چراغ انہوں نے روشن کیا ہے اس کی روشنی کئی صدیوں تک قائم رہے گی۔ ع

لوگ جب ظلمتِ نفرت کو بڑھائیں ناصؔر ہم کو بھی پیار کا ایک دیپ جلا دینا ہے

اور بے شک ناصؔر نے ایک ایسا دیپ جلا دیا ہے جو اپنے پیار کی روشنی صدیوں تک پھیلائے رکھے گا۔۔ یہ مجموعہ ہمارے شاعر کو انشاءاللہ صدیوں تک زندہ رکھے گا۔۔

اس کتاب میں پاکستان کے ممتاز ادیب محسن احسان کے علاوہ برطانیہ کے مشہور و معروف شعرا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ محسن احسان صاحب نے بڑے مختصر مضمون میں لکھا ہے کہ ''ناصؔر کے کلام میں اپنی زمین سے دوری، ہجرت کا ملال اور نئے ماحول میں با دلِ نخواستہ ڈھلنے کا اظہار ملتا ہے۔''

پوچھتے ہو پتہ مرے گھر کا بے وطن کا تو گھر نہیں ہوتا

ممتاز شاعر اکبر حیدر آبادی صاحب کہتے ہیں کہ ''نصیر بٹ ناصؔر صحت مند اور ترقی پسند رجحان کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک رجائی لہر دوڑتی صاف نظر آتی ہے۔ ان کی نظر زندگی کے مثبت پہلوؤں پر ہوتی ہے۔ ان کی شاعری حق پرستی اور محبت کے لطیف جذبات کی شاعری ہے۔''

علم کی میراث پر غیروں نے قبضہ کیا ہے ہم محبت کی اٹھائے داستاں پھرتے ہیں

میں نے نصیر ناصؔر کے کلام کو ہمیشہ غور سے سنا اور نہایت ہی غور سے پڑھا۔ میرے اس شاعر دوست نے اپنے منفرد بیان اور عصریت کے تقاضوں کو نیا رخ اور نئے وژن سے تابنا کی بخشنے کے باعث برطانیہ میں نہایت تیزی سے اپنی جگہ محفوظ کرالی ہے۔ اسی لئے ان کے اس مجموعہ کلام نے دنیائے ادب کے تمام حلقہ فکر میں پذیرائی حاصل کی۔ انہوں نے جہاں بہترین غزل لکھی ہے وہاں ان کی نظمیں بھی پڑھ کر جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ حالات حاضرہ پر ان کی بے شمار نظموں نے مشاعروں میں ہلچل مچائی۔ امید رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ اپنی نظموں کا بھی ایک مجموعہ دنیائے ادب کو مرحمت کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے پنجابی میں نہایت اعلیٰ شاعری کی ہے اور بے شمار مشاعرے لوٹے ہیں۔ ہمیں ان کے پنجابی مجموعہ کلام کا بھی شدت سے انتظار ہے۔

نصیر احمد ناصؔر ایک مدت سے باقاعدگی سے لکھتے ہیں مشاعروں میں ہمیشہ اپنا نیا اور اچھوتا کلام سنا کر داد پاتے ہیں۔ اللہ انہیں صحت تندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے تا کہ وہ برطانیہ کے گلستان ادب کو اپنے سخن کے پھولوں سے آباد رکھیں۔ آمین

اگلے تین صفحات میں ان کی خوبصورت غزلیں اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ لندن ہی نہیں، برطانیہ کے بھی بہترین شعرا میں سرفہرست ہیں۔

یہ دنیا کشتۂ رسمِ کہن ہے
محبت تو فقط دار و رسن ہے
خبر لیتے نہیں وہ وعدہ کر کے
یہ کیسی دوستی کیسا چلن ہے
وہی ہے بے خبر رسمِ وفا سے
چھپی چاہت میں جس کے اک جلن ہے
کمیں گہ سے کرے جو وار چھپ کے
وہ دشمن تو نہیں اپنا سجن ہے
سمجھتا تھا جسے میں دشمنِ جاں
شبِ تاریک میں روشن کرن ہے
ڈھلا ہے وہ سراپا چاندنی میں
مرا محبوب کیا سیمیں بدن ہے
مُسخر کر لیا جس نے خودی کو
حقیقت میں وہی تو بُت شکن ہے
ہر اک قطرے میں پنہاں ہے سمندر
چھپا ہر پھول میں سارا چمن ہے
ثنا خواں ذرہ ذرہ ہے اسی کا
چمن کی ہر کلی غُنچہ دہن ہے
لگاؤ دل نہ ناصؔر زندگی سے
یہ دنیا تو فقط دارالمحن ہے

جہاں میں ہوں وہیں پر مجھ کو میری جان رہنے دو
مرے اپنے حوالے سے مری پہچان رہنے دو
محبت اپنی فطرت میں کبھی دھوکا نہیں دیتی
رفاقت چھین لو مجھ سے مرے ارمان رہنے دو
خطوطِ دوستی جو سب تمہارے نام لکھے تھے
وہ نامے پھاڑ دو سارے، فقط عنوان رہنے دو
اگر میری وفاؤں پر کبھی تم کو یقیں آئے
تو اپنے پیار پر باقی مرا احسان رہنے دو
مجھے رسوا کیا جس نے حسینوں کی نگاہوں میں
اُسی ظالم کے آگے قتل کا سامان رہنے دو
مرے الفاظ میں سرِ جنونِ بے خودی دیکھو
مرے اشعار میں باقی مرا وجدان رہنے دو
میں اپنی فکر کی پاکیزگی سے خوف کھاتا ہوں
عقیدے بھول جاؤ بس مجھے انسان رہنے دو
ترے در پر لٹائی تھی کبھی پندار کی دولت
نجانے بچ گیا کیسے مرا ایمان، رہنے دو
بغاوت کی ہے میں نے آج پھر ارضی خداؤں سے
درِ زنداں کے آگے اب کھڑا دربان رہنے دو
ملے گا کیا تمہیں ناصؔر کو دردِ زندگی دے کر
پڑا تم اپنے در پر حسن کا مہمان رہنے دو

تمہاری یادوں کے حوصلے پر تمہارے خط کا جواب لکھوں
تمہارے دل سے اتر گیا ہوں میں پھر بھی عالی جناب لکھوں

تمہاری اُلفت میں مبتلا تھا مگر وہ مجھ سے یہ چاہتا تھا
کہ ساری دنیا کے دل جلوں کی مصیبتوں کا نصاب لکھوں

تلاشِ منزل میں چلتے چلتے میں سولیوں پر لٹک گیا ہوں
تمہارے خوابوں کی سرزمیں کو بھی حسرتوں کا سراب لکھوں

فسادیوں نے مسیحا بن کے محبتوں کو نگل لیا ہے
حقیقتوں کو چھپا کے ان کو میں کیسے عزت مآب لکھوں

ستم شعاروں کی حرصِ دولت نے ہم کو بزدل بنا دیا ہے
میں ایسے لوگوں کی زر پرستی کو اُمتوں پر عتاب لکھوں

تمہاری ناکامیاں انا کی کثافتوں میں چھپی ہوئی ہیں
میں چاہتا ہوں کہ اِن انوکھی حماقتوں پر کتاب لکھوں

منافقانہ رفاقتوں نے ہمیں تو برباد کر دیا ہے
تمہارے لفظوں میں دم نہیں کیا میں تک کو اہلِ کتاب لکھوں

تمہاری دہشت نے بستوں کے چراغ سارے بجھا دیے ہیں
تمہی بتاؤ کہ اس جفا کو میں کس طرح کا عذاب لکھوں

تمہارے ہاتھوں میں آج کل تو نصاب بھی ہے نکات بھی ہے
کمی نہیں ہے تو مفلسی کی ثواب لکھوں عتاب لکھوں

تمہارے نخروں نے پاک دھرتی پہ نفرتوں کو جنم دیا ہے
میں مفلسی کا نصاب لکھوں کہ ڈالروں کا حساب لکھوں

جنہوں نے فرعون بن کے ناصرؔ سکونِ عالم تباہ کیا ہے
اُنہیں جو خوفِ خدا نہیں ہے تو ان کو خانہ خراب لکھوں

پاکستان دی گل

اج اکٹھے ہو کے اسی سنن آئیں آں
بڑے چاواں دے نال پاکستان دی گل
ساڈے دلاں دے وچ جہڑا وسدا اے
اوس وطن تے اوس جہان دی گل
جس دھرتی نوں ملدائی اسمان جھک کے
اودھے اُچے پہاڑاں دی شان دی گل
چندر ماہ وانگوں جہڑا چمکدا اے
اودھے پرچم تے لگے نشان دی گل
جہڑے فلسفی نے اونہوں سوچیا اے
اودھے فکر تے اودھے ایمان دی گل
جدھے سر بنیا ساری قوم سہرا
اوس قائد دے سچے فرمان دی گل
جدھے خون نے دھرتی نوں رنگیا اے
اونہاں گھبرو جواناں دی آن دی گل

جنہاں گائے نے وطن دے گیت سوہنے
اونہاں شاعراں دی قومی زبان دی گل
پرچم حق دا لے کے اسی ڈٹے ہوئے آں
جتھے ہوندی اے اج پاکستان دی گل
ارضِ پاک کوئی ٹکڑا زمین دا نہیں
ایہہ وے دین تے ساڈے ایمان دی گل
ساری دنیا نے من لئی ہن آخر
ساڈی ہستی تے ساڈی پہچان دی گل
دشمن سڑدا ای حسد دی اگ دے وچ
جتھے ہوندی اے پاکستان دی گل
ایس جھنڈے نوں تھلے نہیں ہون دیناں
بھانویں مُک جاوے جسم جان دی گل
گونجدی رہوے گی وچ جہان ناصرؔ
قائد اعظم دے نال پاکستان دی گل

قطعہ

محبت میں سنبھل کر چل رہا ہوں
میں اپنی آگ میں خود جل رہا ہوں
مِرے جذبوں کی کیونکر شام ہوگی
جُنوں کی صحبتوں میں پل رہا ہوں

Mr.Naeem Mirza `Jogi`

21, Swan Court,

Lockwood, Huddersfield

HD1 3UX England Mob: 07961091822

نام نعیم مرزا ہے اور جوگی تخلص کرتے ہیں میرے ماموں زاد بھائی ہیں اور پنجابی کے بہت اچھے شاعر ہیں اردو میں بھی لکھتے ہیں۔ اخبارات میں ملکی حالات پر اکثر ان کے کالم قارئین کی توجہ کے مرکز بنے رہتے ہیں۔ اپنے علاقے کی خبریں بھی اخبارات کو بھیجتے رہتے ہیں۔ یارک شائر میں ریڈیو کی جانی مانی آواز ہیں اور طویل مدت سے آواز کی دنیا میں اپنی شاعری اور شعری ذوق کی مناسبت سے بڑے شوق سے سنے جاتے ہیں۔ میرا اور ان کا یوم پیدائش بھی ایک ہی دن کا ہے وہ بھی 28 اگست کو پیدا ہوئے مگر میرا سال 1942 تھا اور ان کا 1959 ہے۔ چکوال پاکستان سے تعلق ہے وہاں کی ممتاز کاروباری شخصیت محمد سعید مرزا (جو میرے ماموں تھے) کے صاحبزادے ہیں میٹرک کے بعد اپنے والد کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر اپنی فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے والد کے کاروبار کو سنبھالا (یہاں بھی ان کی کہانی میری کہانی سے مشابہت رکھتی ہے)

نعیم مرزا نہایت مذہبی خوش شکل خوش لباس اور نہایت ملنسار دوستانہ طبعیت اور مسکراتا ہوا نوجوان ہے زندگی میں بے شمار دکھ اٹھائے بہت سی منزلوں پر ٹھوکریں کھائیں اپنوں بیگانوں سے دھوکے کھا کر بھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے پنجگانہ نماز کی ادائیگی کے ساتھ اپنے رزق حلال کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اچھے رزق کی تلاش میں 1989 میں جرمنی چلے گئے۔ کہتے ہیں انسان اپنے لئے کیا کیا پروگرام تشکیل دیتا ہے مگر زندگی کے در پر کھڑی قسمت کی دیوی مسکرا رہی ہوتی ہے کہ میں نے تو تمہارے لئے کچھ اور ہی لکھ رکھا ہے ۔ برطانیہ آ کر انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں شادی کی ۔ ماشاء اللہ تین بچوں

کے باپ ہیں ۔ابھی وہ اپنے قدموں پہ جم بھی نہ پائے تھے کہ ان کا چھوٹا بھائی جو پاکستان نیوی میں اعلی افسر تھا جرمنی میں انہیں ملنے آیا اور اچانک بیمار ہو کر انتقال کر گیا اس کی میت لے کر پاکستان گئے تو واپسی پر پندرہ دنوں کے بعد بیمار باپ اپنے جوان چہیتے بیٹے کی موت کا دکھ برداشت نہ کر سکا اور مٹی اوڑھ کر سو گیا۔وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پھر پاکستان چلے گئے وہاں چند ماہ رہ کر اپنی ماں اور چھوٹے بھائی کو دلاسہ دے کر لوٹے ہی تھے کہ ماں کی بیماری کی خبریں آنی شروع ہو گئیں اور ایک دن وہ بھی جدائی کا غم دے کر اپنے میاں اور بیٹے کے پہلو میں جا سوئیں ۔دو سال کی قلیل مدت میں نعیم مرزا کا مہکتا ہوا گلشن برباد ہو کر انہیں زیست بھر کا دکھ دے گیا۔جس کی سسکیاں ان کے پنجابی کلام میں سننے کو ملتی ہیں۔

2000ء میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا،میرے سہ ماہی پنجابی رسالے میں پانچ سال تک باقاعدگی سے لکھتے رہے اور وہیں سے ان کی شاعری کی شروعات ہوئی۔۔

نعیم کو ادب ورثے میں ملا ہے ان کے والد مرحوم اپنے علاقے کی معروف سیاسی ،سماجی اور کاروباری شخصیت تھے گھر میں اس وقت کے معروف اخبارات ورسائل باقاعدگی کے ساتھ آتے ۔ان کے والد اور والدہ کو مطالعہ کا شوق تھا بچوں کے مشہور رسالے ''بچوں کی دنیا،نونہال اور فیروزسنز کی کتب آتیں ۔ماں اپنے مطالعہ کے لئے خواتین کے معروف جرائد'' ماہنامہ حور اور بانو منگواتیں اور نعیم صاحب ان تمام جرائد سے اپنی ادبی پیاس بجھاتے۔

کچھ مدت جرمنی رہ کر برطانیہ آ کر بھی نعیم مرزا تقریباً تمام اردو اخبارات کے خریدار رہے اور ان میں سے اہم سیاسی وادبی کالم اور صفحات اپنی فائل میں محفوظ کرتے رہے ۔ان کی ذاتی لائبریری میں کم از کم تین سو سے زائد کتب ہیں جو ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کی ترجمان ہیں ۔ان کی بے شمار پنجابی اور اردو شاعری وطن دشمن سیاسی لٹیروں کے خلاف ہے جو بھیس بدل بدل کر قوم کو بیوقوف بناتے چلے آ رہے ہیں ۔وہ ہفت روزہ ''یو کے ٹائم''،نوائے وقت،نوائے جنگ اور ڈیلی جنگ میں کالم بھی لکھتے ہیں ۔سیاست اور حالات حاضرہ پر ان کی گہری نظر ہے وطن عزیز سے ان کی گہری دلی محبت ان کی کمزوری ہے جس کا اظہار وہ اپنی شاعری میں کرتے ہیں ۔ان کی ایک طویل نظم کا یہ پہلا شعر وطن کی زبوں حالی کی ترجمانی کرتا ہے

پوری دنیا وچ پھرنے آں لے کے کشکول میلہ میلہ پئے کرنے آں دھیلہ نہیں جے کول

نعیم مرزا نوجوان شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پختہ اسلامی ذہن کے انسان ہیں۔انہوں نے ہمیشہ حلال اور اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو قومی سرمایہ لوٹ کو اپنے بینکوں میں بھرے اور اس کے عوام بھوکے رہیں۔وہ نہایت دلیر اور بے باک صحافی ہیں وہ جو لکھتے ہیں سچ لکھتے ہیں اور کبھی کسی کے دباؤ میں نہیں آتے۔

جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے تو ان کی غزلوں میں ایک درد ایک کسک کی آہٹ ملتی ہے جو ان کی ذاتی زندگی کا عکس ہے۔شاعر وہی لکھتا ہے جو محسوس کرتا ہے اور جب اسے دنیا میں دکھ ہی دکھ ملے ہوں تو اس نے سوائے آہوں اور سسکیوں کے اور کیا لکھنا ہے۔

تازہ تازہ بہار گذری ہے کس قدر سوگوار گذری ہے

کی دسّے جوگی تیری دنیا وچ کیسی پروردگار گذری ہے

نعیم مرزا جوگی درد کی دولت کا خازن ہی نہیں وہ پوری کائنات کا درد اپنے سینے میں سمونے کا ظرف رکھتا ہے اور اپنے اشعار کے وسیلے سے اسے اس کے اظہار وانعکاس کا یارا بھی ہے۔اس کا کلام اس کے فکری رویے قلندرانہ سادگی مستی اور خلوص و دیانت وطن سے بے پناہ محبت اور مفکرانہ انداز کی غمازی کرتا ہے۔

میں نے نعیم مرزا کا بہت قریب ہو کر مطالعہ کیا ہے وہ نہایت پر خلوص اور دوستانہ طبیعت کا حامل ہے بس اس کی زندگی میں پے درپے حادثات کی گہری چھاپ ہے جو اسے اچانک اداس کر دیتی ہے وہ خلاؤں میں اپنی قسمت کی دیوی کے ہاتھوں میں اپنے حصے کی خوشیوں کے پھول تلاش کرنے لگتا ہے۔ میرا بہت ہی عزیز بھائی ہے اور مجھے اس سے محبت ہی نہیں عقیدت و احترام بھی ہے اللہ اسے لاکھوں خوشیاں دے۔اس کا اکثر کلام ملکی حالات کے تناظر میں ہوتا ہے اور کافی طویل ہوتا ہے اسی لئے کچھ نظمیں چھوٹے فاؤنٹ میں شامل کی ہیں تاکہ مکمل آسکیں۔میری دلی دعائیں نعیم مرزا کے ساتھ ہیں اللہ اسے سدا اسلامت اور خوشیاں دے، آمین

ذِلتاں

ذلتاں ہی ذلتاں نے ساڈیاں مقدراں وچ
اجے عذاب وی لبھنے نے سانوں جا کے قبراں وچ
بولن دی اجازت جے ہوندی سچائیاں نوں
سب اچھا نئیں سی ہونا اج دیاں خبراں وچ
کوئی کنڑی زمین اُتے خیر دی نئیں آوندی
بم چھپے ہوئے نے انہاں کالے ابراں وچ
برکت ہی اُٹھ گئی اے یا پھل ہی کوڑے ہو گئے نے
کوئی فرق ہی نئیں رہیا صبراں بے صبراں وچ
خورے کنہاں جُرماں دی ملی اے سزا سانوں
عمر لنگھ گئی اے وقت دیاں جبران وچ
ساڈیاں گناہواں دی کی سزا ہونی اے ؟
دُکھ جد ملے سانوں نیکیاں دے اجراں وچ
کنیاں دی حیاتی وی موت وانگوں ہوندی اے
کئی جیوندے رہندے نے مر کے وی قبراں وچ
ویکھیں جھڑک نہ دیویں انہاں بدنصیباں نوں
کئی جوگی ہوندے نی انہاں دربدراں وچ

❁

پھلاں اُتے بھور آ گئے ہوسن
یاراں نوں سرور آ گئے ہوسن
گئے سن رُس کے ناراض ہو کے
مڑ کے ضرور آ گئے ہوسن
جنہاں دی عید نہ شب برات کوئی
وطناں توں دور آ گئے ہوسن
کج مسافر وفا دی راہواں توں
زخماں نال چور آ گئے ہوسن
مُڑ کے موسیٰ کلیم نہیں آئے
راہ وچ کوہ طور آ گئے ہوسن
روھی جنگل اداس لگ رہے نے
جوگی رنجور آ گئے ہوسن

ماں میریئے

یاد آوندی ایں میریئے مائے مینوں شام سویرے
کیوں ٹرگئی ایں اُوس جہانے کر کے خالی ویہڑے
تیرے دم دے نال سی گھر دا بھریا ہویا میلہ
بھین بھرا عزیز اقارب یاد آوندا اے ویلا
توں وطناں وچ جوندی سیں سی پردیس اچ آسرا مینوں
لِکھ دیندا ساں خطاں دے وچ ہر اک دکھڑا تینوں
فون دے اُتے نال تیرے کر کے دل دیاں باتاں
خیری دے نال دن چڑھدے سن لنگھ جاندیاں سن راتاں
تیرے ہوندیاں نال سی میرے دنیا دا ہر رشتہ
جدوں دی گئی ایں مُڑ نئیں آیا رحمت دا فرشتہ
دکھاں تے تکلیفاں میرے گھر وچ ڈیرے لائے
دھیاں پتر چھڈ گئے مینوں چھڈ گئے مامے تائے
ہر سُکھ اس دنیا دا مینوں چھڈ کے ہوگیا راہی
نہ کوئی مینوں دعا لگدی اے نہ دارو نہ دوائی
تیئنڈے باجھ حیاتی مائے ڈاڈھی اوکھی ہوگئی
جُرماں نالوں ودھ سزا میں اس دنیا وچ بھوگی
تیرے پیراں تے سر رکھ کے رونواں تے گرلاواں
جنی چھیتی ہو جائے مائے میں تیرے کول آواں
اِک دوجے نوں ملیئے مائے کرکر لمیاں بھانواں
توں میرے والاں وچ ہتھ پھیریں میں قدماں وچ سوجاواں
آخری خواہش جوگی دی رب کرے جے پوری
ملک الموت میل کرا دے مُک جاوے ایہہ دوری

جیون دے دُکھ

روندے چھڈ کے آئے ساں اجداداں نوں
ہن بہہ کے بیٹھے رونے آں اولاداں نوں
آپ مجرم آں تے جج وی آپے آں
لبھیئے کیوں اسیں تے آپ گواچے آں
ہنجو تے پردیس دا ساتھ پرانا اے
روندے روندے جانا روندیاں آنا اے
پچھلے موڑ ملک عدم والا مڑ گئے نے
اگوں رشتے بے قدراں نال جڑ گئے نے
دولتاں والا سُکھ وی اساں کمایا اے
اولاداں والا دُکھ وی جھولی پایا اے
دھیاں ویلے نال گھر ول مُڑدیاں نئیں
اکھیاں نے کہ ساری راتیں جُڑدیاں نئیں
پُتراں نوں نصیحت کرو تے لڑدے نے
ہفتہ ہفتہ گھر دے وچ نئیں وڑدے نے
یاری ، کدی بوہا مل کھلونے آں
کندھاں دے نال جپھے مار کے رونے آں
دکھاں دی روٹی سولاں دا سالن کھانے آں
ہجر دی اگ اِچ سڑدے بلدے جانے آں
کیہڑے جرم دیاں مِلیاں ایہہ سزاواں نے
اساں تے راضی کر کے ٹوریاں ماںواں نے
اُسی ساری عمرے پیو اگے اُچا نئیں بولے
فیر کیوں جوگی حصے جھکھڑ تے جھولے

۞

نویں عادت پے گئی اے بتی بال کے سونے دی
اک امید جئی باقی اے تیرے مُڑ کے آؤنے دی
مِنتاں کر کر ترلے پائے لکھ قاصد میں گھلے
ہر کوشش میں کر بیٹھاں واں رُٹھڑا یار مناؤنے دی
نواں دکھ وی کوئی نئیں ، فیر وی سمجھ نئیں آوندی
دِنے بیٹھ کے آہواں بھریئے راتیں بیٹھ کے رونے دی
اِنج لگدا اے آون والے پَل وچ کُجھ ہو جانا اے
ڈردیاں رہنا سہکیا رہنا عادت دل مرجانے دی
محل منارے شان و شوکت حُسن تیری جاگیر
تیرے اگے کی قیمت اے میرے دل کھڈونے دی
دور دور تک اکھیاں نوں کوئی نظری نئیں آوندا اے
کناں دے وچ آوندی اے، آواز کسے دے رونے دی
نہ تیرا پلا پھڑیا اے نہ تیرے توں کجھ منگیا اے
وجہ کوئی تے دس سجناں دور ہٹ کھلونے دی
ساریاں عادتاں چھٹ جان جوگی اِکو عادت پے جاوے
ادھی راتیں رب دے اَگے سجدے دے وِچ رونے دی

۞

اساں تے تیرے عشق وچ اپنا آپ گوا چھڈیا
تیرے ولوں رہ گئی گل اساں تے سِرالا چھڈیا
قیدو ورگے پیار دے ویری سازشاں کردے رہ گئے
ہیر نے پی کے زہر پیالہ پیار نوں امر بنڑا چھڈیا
کچا گھڑا اچھاں دیاں شُوکاں قاتل سیاہ انھیری رات
کیتی جان حوالے رب دے وعدہ یار نبھا چھڈیا
پیار شیریں دا تیشہ بن کے ہتھ فرہاد دے آیا
خسرو دے دربار وچ ممکن دا ترانا گا چھڈیا
وِیر پُنل نوں لے کے حالی کیچ شہر وی نئیں اپڑے
سسّی نے رُل ریت تھلاں وچ عشق دا بوٹا لا چھڈیا
پیار نئیں ملدا اوچ خیراتاں پیار ہے ناں اعزازاں دا
مجنوں دا بھن قاسہ لیلیٰ نقطہ ایہہ سمجھا چھڈیا
اوکھے پینڈے پیار دی راہ دے ڈاہڈی اوکھی منزل
اپنے آپ نوں مار کے جوگی عاشق نام دھرا چھڈیا

نکہت فاطمہ لکھنوی (مرحومہ)

Mrs.Nikat Fatma Lukhnawi,
193, Homerton High Street,
London E9 6BB
0208986 5564

محترمہ نکہت فاطمہ لکھنوی صاحبہ سے ملاقات الفورڈ میں محترم خورشید پرویز کے مشاعرے میں ہوئی جس میں آپ نے نہایت خوبصورت انداز میں اپنی دو غزلیں سنا کر داد سمیٹی۔ لکھنو کا لہجہ تو ویسے بھی موتیوں میں پرویا ہوتا ہے پھر شاعرہ کا اپنا نفیس اور دھیمہ لہجہ سونے پر سہاگہ تھا۔

اپنی بیماری کی باوجود ان کا ایک ایسے اعلی مشاعرہ میں آنا جو سال میں ایک بار ہی ہوتا ہے اور نکہت لکھنوی کا صرف اسی مشاعرہ میں ہی آنا کہ انہیں آج تک کسی اور مشاعرہ میں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ گوشہ نشین خاتون ہیں مگر ان کا اعلی ذوق اس بات کا یہ ثبوت ہے کہ وہ صرف ایسے ہی مشاعرے میں اپنا کلام سناتی ہیں جہاں اعلی ذوق کے لوگ موجود ہوں۔

نکہت صاحبہ سر زمین شعروسخن، گلستانِ تہذیب وادب اور اردو زبان کا گہوارہ لکھنو کے ایک مضافاتی قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئیں مگر پرورش اور تعلیم وتربیت لکھنو میں ہی ہوئی۔ انہوں نے علم وادب سے آراستہ گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں کے ماحول میں لکھنوی تہذیب وتمدن کی مٹھاس شعروادب کا رنگ اور آپس میں محبت پیار واتفاق کی چاشنی شامل تھی۔ دور اودھ سے شعرو شاعری کا رابطہ چلا آتا تھا۔ اور اسی قدر دانی کا فیض تھا کہ ان کی والدہ محترمہ کے پردادا منشی مظفرعلی اسیر لکھنوی واجد علی شاہ کے دربار میں منصبِ وزارت پر فائز تھے اور مرتبۂ استادواجد علی شاہ پر مامور تھے۔ وہ امیر مینائی کے بھی استاد تھے اور مرثیہ گوئی پر عبور رکھتے تھے۔ انہی کے پوتے مظفرعلی نے لکھنوی پس منظر میں اپنی مشہور زمانہ فلم ''امراؤ جان ادا'' بنائی تھی۔

نکہت صاحبہ کے بھائی افتخار مہدی لکھنو کے معروف اور صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ نکہت صاحبہ نے اپنی

ابتدائی تعلیم کونونٹ اور پھر کرامت حسین مسلم گرلز کالج لکھنو سے حاصل کی، تعلیم کے زمانے سے ہی نکہت صاحبہ اس وقت کے مشہور شاعر مجاز لکھنوی جوان کے شاعر ادیب ماموں کے دوست تھے سے بہت متاثر تھیں۔ نکہت لکھنوی نے پہلا شعر نو سال کی عمر میں کہا اس کے بعد یہ چھوٹی موٹی کہانیاں لکھتی رہیں جو اس وقت کے بچوں کے رسائل میں شائع ہوتی تھیں۔ بعد میں شمع اور بیسویں صدی میں بھی ان کے افسانے شائع ہوئے۔ جو اچھی تحریر کی ضمانت تھے۔ پاکستان آنے پر انہوں نے اپنی تعلیم اسلامیہ کالج کراچی سے مکمل کی جہاں کے ادبی رسالے "صدف" میں بھی انہوں بہت کچھ لکھا۔ زندگی کا سفر جاری رہا وہ انڈیا سے پاکستان اور پھر شادی کے بعد عدن اور وہاں سے لندن آ گئیں۔ لندن کے ادبی ماحول نے انہیں پھر سے لکھنے لکھانے پر اکسایا اور مشاعروں میں بھی جانے کا موقع ملا۔ یہاں آ کر بھی انہوں نے مزید تعلیم حاصل کی اور RSA ڈپلومہ ان ٹیچنگ کمیونٹی لینگو یج (اردو) میں ڈسٹنکشن کے ساتھ حاصل کیا۔ شام کی کلاسوں میں اردو بھی پڑھاتی رہیں۔ اتر پردیش سے ان کی ایک کہانی The bird and the raja منتخب ہوئی جو انگلش کی ایک کتاب Song stories جس میں 28 ملکوں کی کہانیاں تھیں شائع ہوئی جس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ ان کی غزلیں اور افسانے اکثر جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ان کی غزلوں میں تجربات کی علامتی اور استعارتی اظہار میں جو پختگی اور حسنِ نظر آتا ہے وہ ان کا امتیازی وصف ہے، زبان کی خوبصورتی اور خوبی نے ان کی شعری تخلیقات کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے۔

ہم نے بنائے کتنے ہی عظمت کے نشاں، انصاف کے گھر
لیکن ظلم کے ماروں کو، زنجیر ہلانا مشکل ہے
کلیاں توڑ کے تم نے کبھی، یہ پھول فروشو! سوچا ہے
زخم اگر بھر جائے بھی، تو درد بھلانا مشکل ہے

نکہت صاحبہ غزل کی رعنائی کو برقرار رکھتے ہوئے زمانے کے نشیب و فراز غم دوراں اور غم جاناں کو جس خوبصورتی سے نظم کرتی ہیں وہ قابل تحسین ہے۔

نکہت فاطمہ صاحبہ شاعری کے علاوہ خوبصورت افسانہ بھی لکھتی ہیں۔انہوں نے مجھے اپنے تین طویل افسانے بھیجے جونہایت اچھے انداز میں لکھے گئے۔ان کے تینوں افسانے ماضی کی سہانی خوبصورت یادوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے قاری کو کئی برس پیچھے لے جاتے ہیں جنہیں پڑھ کر وہ خود اپنے ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔نکہت لکھنوی کی تحریر میں ایسا جادو ضرور پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی کہانی سناتے سناتے قاری کو اس کی اپنی یادیں یاد دلا دیتی ہے کیونکہ ہر انسان اپنی سہانی یادوں کے سہارے ہی تو زندہ رہتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ نکہت لکھنوی نثر کی طرف پوری توجہ دیں گی کہ اردو ادب کی اس اہم صنف پر زیادہ توجہ نہیں دی جارہی۔۔پچھلے سال ہی برطانیہ کے معروف ادبی مجلّہ ''پرواز'' نے ان کا گوشہ نکالا تھا جس میں محترمہ نکہت صاحبہ کی اردو خدمات کے اعتراف میں مضامین لکھے۔جس میں مجھے بھی اعزاز حاصل ہے ان کی ادبی زندگی پر مضمون لکھنے اور اسے اپنے ادبی صفحہ میں شائع کرنے کا۔۔

نکہت فاطمہ بہن کو اللہ پاک صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے ان کے دل کا میجر آپریشن ہو چکا ہے اور اپنی بیماری ونقاہت کی وجہ سے بہت کم مشاعروں میں آتی ہیں۔

ابھی تک ان کے کلام ونثر کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا مگر امید ہے کہ اللہ انہیں صحت تندرستی سے نوازے، کہ شاید کبھی اپنی تخلیقات کو کتابی شکل دیں جو لازمی اردو ادب میں اچھا اضافہ ثابت ہوگا۔۔

نعت

اگر رہبر نہ تمؐ ہوتے تو ہم جانے کہاں جاتے
بھٹک جاتے، بہک جاتے قدم، جانے کہاں جاتے
اگر خیر البشر دیتا نہ درسِ عظمتِ انساں
بنی آدم نہ تفریقِ امم جانے کہاں جاتے
بزعم خود، ابد تک عبدیت معبود گر رہتی
رواسم کیش اسیرانِ صنم جانے کہاں جاتے
نہ درسِ سربلندی تجھ سے محکوموں کو گر ملتا
تو یہ ٹوٹے ہوئے انساں بہم جانے کہاں جاتے
ستم کوشوں کی فطرت کو ستم کش کر دیا تو نے
نہ دیتا رو انہیں گر دادِ غم جانے کہاں جاتے
اگر عزلت نشینوں کو نہ ہجرت کا سبق ملتا
تو ہم جیسے نکہتؔ اہلِ قلم جانے کہاں جاتے

❁

حدیثِ غنچۂ لب بند و بے ثبات سنو
سکوتِ شب میں کھلی چاندنی کی بات سنو
تمہارا نام ہے عنوان اس فسانے میں
تمہارے نام عبارت ہے یہ حیات سنو
کہاں پہ آن کے ٹھہرا ہے کاروانِ حیات
تھمی تھمی ہے جہاں نبضِ کائنات سنو
جرس میں گل کی ہے آوازِ الرّحیل کی گونج
رہی ہے ساتھ کبھی عمرِ ثبات سنو
ٹپک کے قطرۂ شبنم نے گوشِ گل میں کہا
کلی کے لب کو جو 'واہ' کر گئی وہ بات سنو
وہ صبح جس کے اُجالے رہین شعلہ و شر
اسی کے خوف سے کجلا گئی ہے رات سنو
فسانۂ غم پنہاں طویل ہے نکہتؔ
حدیثِ عشق سے ہے مختصر حیات سنو

❁

اے سوزشِ پنہاں یہ تپش کیسے سہوں میں
بے چین یہ دل ہے کہوں یا نہ کہوں میں
ہو گی متبسم سحرِ خواب پریشاں
اس آس میں کب تک صفتِ شمع جلوں میں
تاریکئ شب بخت سیہ بننے نہ پائے
فانوسِ محبت کو چراغاں ہی رکھوں میں
پیمانۂ جذبات چھلک جائے نہ دل کا
بہتر ہے یہ اندازِ شکیبانہ چلوں میں
اک حوصلہ ہے تیری نگاہوں کی تپش میں
ہمدم تجھے کیا دل کے سوا نذر کروں میں
ہر صبح ترے نام کی تسبیح میں گزرے
ہر شام ترے نام کا پیمانہ بھروں میں
اے عمرِ رواں تھم کہ ابھی تازہ ہیں یادیں
بیتے ہوئے لمحات کا سایہ نہ بنوں میں
جوں نقشِ وفا لوحِ زمانہ پہ رہے نام
اور صفحۂ دل حرفِ گذشتہ نہ بنوں میں
اس راہ سے گزروں تو تری راہ کی نکہت
کہتی ہے کٹے وقت کا افسانہ لکھوں میں

❁

اپنے فن کو اپنے اندر گھونٹ کے رکھنا مشکل ہے
خوشبو دل میں فن کرے تو گل کا ہنسنا مشکل ہے
ہم کو غمِ جاناں کی خلش اور نیشِ الم کے خوگر ہیں
ہم کو غمِ دوراں سے ایسی تسکیں پانا مشکل ہے
ظلمت کی گھنگھور گھٹا میں ایک شمع ناکامی ہے
دھرتی کے اندھیارے بن میں جوت جگانا مشکل ہے
ہم نے بنائے کتنے ہی عظمت کے نشاں انصاف کے گھر
لیکن ظلم کے ماروں کو زنجیر ہلانا مشکل ہے
کلیاں توڑ کے تم نے کبھی یہ پھول فروشو سوچا ہے
زخم اگر بھر جائے بھی تو درد بھلانا مشکل ہے
زیست کی راہیں سہل بھی ہوں اور عزم جواں سینے میں مگر
وقت کے اس بہتے دھارے پر پاؤں جمانا مشکل ہے
وقت پرانا ہو نہ سکے گا وقت امر ہو جائے گا
انمٹ نقش کو لمحوں کی زنجیر پہنانا مشکل ہے
ساتھ نہ یہ کچھ دیں گے نکہت اشکوں کی تپش آہوں کا دھواں
یہ پتھریلی بستی ہے یاں آگ لگانا مشکل ہے

❁

ہم کہیں وقت کے گرداب میں کھو سکتے ہیں
نکہت جس کو بہاروں میں سمو سکتے ہیں
مصحفِ زیست نکھر جائے گا خوابوں کی طرح تار
تخیل میں لمحوں کو پرو سکتے ہیں
راس آئی نہیں نیرنگیٔ دنیا نہ سہی
خود کو خوش رنگ خیالوں میں ڈبو سکتے ہیں
کون جانے کبھی تعبیر کی کونپل پھوٹے
صحنِ امید میں خواب ہی بو سکتے ہیں
مُلتفت ہم پہ اگر ہو نہ زمانے کا مزاج
بحرِ دل میں طوفان ڈبو سکتے ہیں
قُربِ رہبر سے زیادہ نہیں قرب منزل
اک تحفظ کی گھنی چھاؤں میں سو سکتے ہیں
کاش چن لیتی صبا ، خار قرینِ منزل
ہم سے کچھ آبلہ پا راہ میں ہو سکتے ہیں
ہونٹ ساکت ہیں مگر دیدۂ تر شاکی ہے
بند ٹوٹے تو کناروں کو ڈبو سکتے ہیں
یہ اجالا غمِ دل تجھ پہ گراں گزرے گا
دامنِ صبر اندھیروں میں بھگو سکتے ہیں

شام کا وقت گذرگاہوں پہ طاری ہے سکوت
قافلے درد کے صحرا میں کھو سکتے ہیں
جن کو سمجھے تھے کہ وہ انجمن آرا ہوں گے
گھر کی بربادی کا ساماں بھی ہو سکتے ہیں
نفرتوں سے نہ مسائل کبھی حل ہوں گے نکہت
ان کو اخلاص کی ڈوری میں پرو سکتے ہیں

قطعات

ہر ابتدا کا اختتام ہے اللہ
ہر ایک شے کو فنا ہے دوام ہے اللہ
امید و بیم کے مابین جو تعلق ہے
اسی لطف تعلق کا نام ہے اللہ

☆☆☆

وہ میری ذات کے اندر صفات سے باہر
وہ ذّرے ذّرے میں اور شش جہات سے باہر
چھپا ہے وہ کہیں احساس اور قیاس کے بیچ
اُسے سمجھنا حدِ ممکنات سے باہر

نور جہاں نوری (مرحومہ)

Mrs. Noorjahan Noori,

نور جہاں نوری برطانیہ کی جانی پہچانی معروف شاعرہ ہیں جنہیں بچپن سے ہی شاعری کا شوق تھا۔آپ 1987 میں برطانیہ آئیں جہاں انہوں نے اپنے شوہر محمد رشید صاحب کے ساتھ وکالت شروع کی اور اپنی 'نوری رشید سالیسٹر' فرم بنائی اور ابھی حال ہی میں اس کام سے ریٹائر ہوئی ہیں۔لندن سے امریکہ ،پاکستان اور یورپ تک کے مشاعروں میں اپنے مخصوص ترنم میں شاعری کی شہرت کا سکہ جمایا اور خوب داد پائی۔زمانہ طالب علمی کالج یونیورسٹی میں بے شمار ایوارڈ حاصل کیئے جن کی طویل لسٹ ہے وہ شیلڈیں ٹرافیاں اور ایوارڈ اب بھی ان کے ڈرائینگ روم میں بچپن کی یاد دلاتے ہیں۔لندن میں بھی انہیں ان کی طویل ادبی خدمات کے اعتراف میں ان گنت ایوارڈز ملے۔

کراچی یونیورسٹی میں لکھی ہوئی کتاب ''پردہُ ساز'' ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نسخہ پر ہفتہ طلباء کے درمیان ایوارڈ ملا ،اسی طرح زمانہ طالب علمی میں ینگ جرنلسٹ گلڈ کی جانب سے بہترین شاعرہ کا ایوارڈ اور کراچی یونیورسٹی میں 54 کالجوں کے مقابلے میں ملنے والی شیلڈ ''نشانِ ظفر'' زندگی کی قیمتی یادگار ہے۔

نور جہاں نوری کے چار شعری مجموعے شائع ہوئے مگر برطانیہ کی یہ واحد شاعرہ ہیں جن کے مجموعوں کے پانچ پانچ ایڈیشن شائع ہوئے اور ہندو پاک کے علاوہ یورپ و امریکہ کے معروف ادباء و شعراء نے ان کے بارے میں مضامین لکھے اور پذیرائی دی۔

''ماہ و سال کے موسم ،لمحوں کے موسم ،خواب و خیال کے موسم اور بیسویں صدی کے بیتے موسم'' یہ چار مجموعات ہیں جن کی اس قدر پذیرائی ہوئی اور مقبول عام ہوئے کہ نوری صاحبہ کو ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع کروانے پڑے۔اب انتظار ہے کہ وہ کس اور موسم کی باتیں کرنے کے موڈ میں ہیں اور شاید جلد ہی ہمیں اس اور موسم کے بارے میں پتہ چلے۔شاعر پر تو کئی موسموں کی بہار چھائی رہتی ہے۔ پیار کے

موسم، دلربا کے موسم، حسن کے موسم، غزل کے موسم، گیت کے موسم، درد کے موسم، خوشیوں کے موسم۔۔۔!!

۔ان کی ایک نعتوں کی کیسٹ بھی تیار ہوئی جو بہت پسند کی گئی۔

اس کے علاوہ ہر ہفتے کئی برسوں سے لندن کے ممتاز اخبار نوائے وقت میں قطعات شائع ہو رہے ہیں جو پاکستان کی سیاست اور حالات حاضرہ کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔

یہ ہماری معزز اور بہت ہی پیاری شاعرہ اکثر مشاعروں میں جا کر جب پڑھتی ہیں تو اول تو انہیں ان کے مرتبے کی نوعیت پر صدارت کی کرسی پر بٹھایا جاتا ہے جہاں یہ آخر میں اپنا جادو جگاتی ہیں۔اور لوگ مسحور ہو کر گھر جاتے ہوئے راستہ بھول جاتے ہیں۔اور اگر ان کے بعد کسی نے پڑھنا ہے تو پھر ان کے بعد شاید ہی کوئی شاعر جم پاتا ہے۔۔اپنے کلام میں اس طرح کھو جانا۔اور ترنم سے پڑھ کر سامعین کے دل و دماغ کو جکڑ لینا کہ کئی سمجھدار ان کے کلام کے بعد باہر چائے یا سگریٹ پینے چلے جاتے ہیں کہ صاحب!اب کسی اور کو کیا سننا۔۔اب کیا مزہ آئے گا۔۔!!

؎ سنا ہے چاند نے دیکھا تو کہہ اُٹھا فوراً
زمیں پہ کون یہ ماہِ تمام آیا ہے

انہوں نے خوبصورت غزل لکھی تو سحر طاری ہو گیا۔نظم لکھی تو جادو بکھر گیا۔سیاست پر، مذہب پر، حالات حاضرہ پر، ہجر و وصال پر، حسن پر، حتیٰ کہ ہر موضوع پر اپنے قلم کو رواں رکھا۔لکھا اور خوب لکھا۔۔

؎ آزمانی تھی مجھے اپنے جنوں کی طاقت
اک دِیا تیز ہواؤں میں جلا کر دیکھا

ان کے کلام میں جہاں ایک سوز ہے الم ہے درد ہے وہاں ایک جذبہ بھی ہے ولولہ و جنوں بھی ہے۔ جہاں وہ دھیمے میٹھے لہجے میں سرگوشی کرتی ہیں وہاں ایک جوش بھی ہے ایک للکار بھی ہے۔

؎ یہ کس کی محبت نے بخشی ہے نوری
تجھے شاعری میں یہ جادو بیانی

ان کے شریک حیات محمد رشید صاحب ایک بہت مخلص اور پیار کرنے والے ساتھی ہیں۔جنہوں نے نوری کا وکالت کے پیشے میں ہی نہیں ادب میں بھی ساتھ دیا۔وہ خود بہت ادب نواز اور باذوق انسان ہیں۔اورنوری چند ایک شاعرات خواتین میں سے ہیں جن کے شریک حیات ادب میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔

نوری کا کلام حب الوطنی سے سرشار ہے۔وہ ایک جگہ خود کہتی ہیں کہ۔

''اہلِ ایمان کا فتوی یہ ہے کہ میرے کلام میں رب العالمین کے فرمان کی رمق اور رحمت العالمین کے عشق کی تپش ہے۔اور یہ اسی کا معجزہ ہے۔۔''

چلتا ہے خوشامد سے سب کام یہاں نوریؔ
سوغات ملے اس کو جو لاڈ سے پالا ہے

نور جہاں نوری نے اپنی غزلیات میں ان تمام موضوعات کو سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے جن کا تعلق عملی سوچ سے بہت گہرا ہے جو حیات و کائنات کے سچے مسائل کی اس طرح عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔وہ غزل کی شاعرہ ہیں ان کی غزلوں میں بدلتی ہوئی زندگی اور جذبات و احساسات کے نئے مظاہر ملتے ہیں۔

غزل اس دور کے مظلوم کی ہے ترجماں میری
جہاں کے درد و غم پر چیخ اُٹھتی ہے زباں میری

آخر میں نوریؔ کے گلستاں سے چند پھولوں کی مہک چند پھولوں کی رعنائی پیش ہے۔ملاحظہ ہو۔۔۔

(افسوس کہ نور جہاں نوری صاحبہ ڈیمنشیا کا شکار ہو کر ایک طویل مدت تک بستر فراش رہیں۔اس دوران ان کے خاوند شیخ رشید صاحب بھی انتقال کر گئے۔نور جہاں نوری کی کی کوئی اولاد نہیں تھی لہذا آخری وقت میں بہن نے سہارا دیا،اور پھر وہ بھی اپنے شیخ جی کے پاس پہنچ گئیں۔اللہ غریق رحمت کرے۔آمین)

❁ ● ● ❁

میرے لئے سلام کہ دشنام کچھ بھی ہو
دستِ صبا سے بھیجئے پیغام کچھ بھی ہو
رنگوں میں ایک رنگ محبت کا رنگ ہے
رنگوں کے امتزاج پہ الزام کچھ بھی ہو
خوشبو ہے جلترنگ ہے شعلہ ہے برق ہے
مجھ کو نہیں غرض کہ ترا نام کچھ بھی ہو
میں رہ نوردِ شوق ہوں چلتی ہی جاؤں گی
منزل ملے نہ مل سکے انجام کچھ بھی ہو
زہراب ڈال کر بھی پلا دے وہ پیار سے
پی لوں گی میں خوشی سے تہہ جام کچھ بھی ہو
افسردہ زندگی ہو کہ آسودہ زندگی
لیتی رہوں گی نام ترا کام کچھ بھی ہو
ہر سمت جلوے دیدنی نوری کے ہو گئے
رِم جھم ہو یا دھنک ہو سرِ شام کچھ بھی ہو

امّاں

چشمۂ فیض ہیں، آغوشِ ارم ہیں امّاں
ظلمتِ دہر میں انوارِ کرم ہیں امّاں
ہو گیا ایک زمانہ مجھے اُن سے بچھڑے
پھر بھی محسوس یہ ہوتا بہم ہیں امّاں

وہ بے وفا تھا مگر بے وفا لگا ہی نہیں
نہیں، نہیں مجھے اُس سے کوئی گلہ ہی نہیں
خزاں نے چاک کیا گل کا پیراہن ایسا
بہاریں آتی رہیں وہ مگر سِلا ہی نہیں
کہاں ملا تھا وہ کیسے جدا ہوا ہم سے
یہ ذکر ہم نے کسی سے کبھی کیا ہی نہیں
دعا کے باب میں کیسا یہ فرق دشمن و دوست
دعائے خیر سے بہتر کوئی دعا ہی نہیں
میں دنیا دار سہی مصلحت سے عاری ہوں
کسی کے سامنے یہ سر کبھی جھکا ہی نہیں
جسے بھلا نہ سکے اُس کو یاد کیا کرتے
جدا بھی ہو کے وہ دل سے جدا ہوا ہی نہیں
تمہارے قہقہے سب کچھ بتا گئے نوری
چھپاؤ لاکھ مگر غم کبھی چھپا ہی نہیں

سحر کی روشنی ظلمت میں ڈھل گئی کیسے
تھرکتی ، ناچتی گھر گھر اجل گئی کیسے
محبتوں کے گھنے سائے مل رہے تھے گلے
ہوائے نفرت و تفریق چل گئی کیسے
عجیب خوف کا عالم چمن میں ہے ہر سُو
بہار خود ہی گلوں کو کچل گئی کیسے
اے ارضِ پاک مرا اک سوال ہے تجھ سے
تو میرے بانکے ، سجیلے نگل گئی کیسے
ہمارا دیس ہمارے وجود کا ہے گواہ
تو پھر وجود میں تخریب پل گئی کیسے
مرے خدا مرے رحمان اور رحیم بتا
دعائے خیر بھی شر میں بدل گئی کیسے
امیرِ شہر نے نوؔری کی یوں زباں کاٹی
کہ سچی بات زباں سے نکل گئی کیسے

لوگ ہم سے وفا نہیں کرتے
ہم کسی سے گلہ نہیں کرتے
یہ بھی توہین ہے بہاروں کی
چاکِ دامن سیا نہیں کرتے
جو قدم اُٹھ گئے اُٹھاتے رہو
قُربِ منزل رکا نہیں کرتے
توڑے کیوں ہو رشتہ ماضی سے
لوگ ایسے جیا نہیں کرتے
جو ستم کے خلاف اُٹھتے ہیں
ایسے سر پھر جھکا نہیں کرتے
کرتے ہو توڑ پھوڑ کیوں ناصح
دل کو دل سے جدا نہیں کرتے
یہ صِلہ ہے جہاد کا نوؔری
مرنے والے مرا نہیں کرتے

گر آئے زاہد تجھے اُس شوخ کا دیدار ہو جائے
یہ دعویٰ پارسائی کا فنا فی النار ہو جائے
یہ ہر دن کے نئے صدمات سے گھبرا گیا ہے دل
جو ہونا ہے مِری تقدیر میں اک بار ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو بازی محبت کی اُلٹ جائے
ہماری جیت ہو جائے تمہاری ہار ہو جائے
نہیں دیر و حرم کی قید، مسجد ہو کہ بُت خانہ
جہاں میں سر جھکا دوں آستانِ یار ہو جائے
میں جس ڈالی پہ دو تنکے رکھوں بجلی کڑکتی ہے
میں جس گل پر نظر ڈالوں کھٹکتا خار ہو جائے
اندھیری رات میں آنکھوں سے یوں موتی برستے ہیں
ہر اِک موتی نظر میں کہکشاں کا ہار ہو جائے
نظر ٹکرا گئی تو جھوم اُٹھی زندگی نوؔری
نظر کترا گئی تو زندگی دُشوار ہو جائے

رشید

ہوں وہ خواب و خیال کے موسم
یا مرے ماہ و سال کے موسم
تم سے وابستہ ہیں خدا کی قسم
زیست کے سب جمال کے موسم

عزمِ جواں

ہم اچھالیں گے لہو خونِ جگر ہونے تک
ہم نکھاریں گے اندھیروں کو سحر ہونے تک
زندہ قوموں کی طرح گلشنِ ہستی یارو
خون سے سینچو بہاروں کا گزر ہونے تک

موج دریا میں ہے مگر تنہا
جیسے تاروں میں ہے قمر تنہا
اک تماشا ہے چار سُو اس کے
پھر بھی لگتا ہے بازیگر تنہا
موم کی مورتی پگھل نہ سکی
دھوپ میں کر لیا سفر تنہا
بیچ میں اک اَنا کا جنگل ہے
میں اِدھر، اور وہ اُدھر تنہا
دل میں مہکے گلاب یادوں کے
اور ہے روح کا شجر تنہا
میں بھی تنہا تھی پر نہ جانے کیوں
دُکھ ہوا اُس کو دیکھ کر تنہا
ہر سہارا فریب ہے نوؔری
ڈوب کر دل میں تو اُبھر تنہا

نورالصباح سیمی برلاس

Mrs. Noor ul Sabbah Barlas

E.Mail:

noorulsabah.rehman@googlemail.com

پورا نام نورالصباح ہے مگر ادبی نام سیمی برلاس سے معروف ہیں ۔نہایت منکسر المزاج، دھیمے لہجہ، خوش لباس، خوش شکل، خوش اخلاق، مذہبی رجحان، حجاب پہنے نہایت ادب کے ساتھ مخاطب ہوتی ہوئی نوجوان شاعرہ میری بہت ہی مخلص بہنوں جیسی سیمی برلاس جب بھی مشاعرہ میں آتی ہیں اپنے پر وقار میٹھے لہجے میں اپنی خوبصورت شاعری سے ایک سحر طاری کر دیتی ہیں۔ پیدائش پاکستان کوئٹہ کی ہے پھر حیدر آباد ،راولپنڈی اور کراچی میں مقیم رہیں اور 1988 میں برطانیہ آئیں اور یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ میڈیکل شعبے میں فزیوتھراپی میں سلور میڈل حاصل کیا ۔این ایچ ایس میں فزیوتھراپی ور آکوپنکچر کے شعبے سے متعلق ہیں۔ میں ہمیشہ ان خواتین کا نہایت احترام کرتا ہوں جو اپنے گھر بچوں کے فرائض پورے کرنے کے علاوہ ملازمت بھی کرتی ہیں اور سونے پر سہاگہ کہ ادب کے لئے بھی وقت نکالتی ہیں۔سیمی برلاس گو لندن سے کافی دور رہتی ہیں مگر یہ ان کا ادب کے ساتھ مخلصانہ لگاؤ ہے کہ وہ طویل سفر کر کے مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں۔

ادب کے ساتھ انہیں بچپن سے ہی لگاؤ تھا علمی گھریلو ماحول ہونے کی وجہ سے وہ چار پانچ سال کی عمر سے ہی اسکول اور کالج سے بے شمار انعامات حاصل کرتی چلی آئیں ۔ دونوں اصناف میں لکھتی ہیں شاعری کے علاوہ افسانہ کہانیاں بھی خوب لکھیں جس مشاعرے میں جاتی ہیں اس کی با قاعدہ رپورٹ لکھ کر اخبارات کو بھیجتی ہیں ۔ان کے دو شعری مجموعے ''ندا'' اور بحرِ خیال'' شائع ہو کر دنیائے ادب میں پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ میں ان کے پہلے مجموعہ کلام ''ندا'' سے تو محروم رہا مگر ان کے دوسرے مجموعہ کلام ''بحرِ خیال'' جو ماہنامہ ساحل نے شائع کیا اس پر ایک مضمون لکھ چکا ہوں۔

نورالصباح سیمیں برلاس برطانیہ ہی کی نہیں ایک عالمی شاعرہ ہیں جنہوں نے یورپ کے علاوہ مڈل ایسٹ میں بھی اپنی شاعری کا جادو جگایا ہے۔ برطانیہ کے صف اول کے شاعر جناب اکبر حیدرآبادی صاحب لکھتے ہیں کہ،

''سیمیں برلاس خوش نصیب ہیں کہ انہیں شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا۔ مگر اس میں کیا شک کہ انہوں نے اپنے ذاتی جوہر طبع کے بل بوتے پر اس قیمتی موروثی سرمایہ سے پوری طرح استفادہ کیا جس کا ثبوت ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ندا'' تھا جسے بہت سے معروف و مستند اربابِ قلم نے سراہا۔''

اسی طرح مشہور شاعر، ادیب، ریڈیو، ٹی وی پیشکار جناب صفدر ہمدانی فرماتے ہیں کہ،

'وہ اپنے مزاج اور ظاہری شکل وصورت سے جیسی نظر آتی ہیں ان کی شخصیت کا یہی عکس ان کی غزلوں کے کئی شعروں اور نظموں میں نظر آتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے سیمیں برلاس ایک بڑی تعداد کے ان شاعروں میں سے نہیں ہیں جو اندر باہر سے الگ الگ ہوں بلکہ وہ جیسی ہیں ویسی ہی اپنے اشعار میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ جو عمل کی ایک اعلیٰ صورت ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیمیں کی شاعری اپنے آپ کو منواتی ہے۔

رہے گی یاد میرے بعد میری کاری گری
کمال مجھ میں نہیں ہے میرے ہنر میں ہے

اور یہ ہنر ایسا ہے کہ سننے اور پڑھنے والے ایک سحر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا اپنا ایک انداز ہے جو کسی چشمے کے ٹھہرے ہوئے پانیوں کی طرح عمیق، ٹھنڈا میٹھا اور اپنی خاص خوشبو رکھتا ہے۔

ہے شاعری تری لفظوں کی سیمیں جادوگری
کہ سننے والا طلسمات کے اثر میں ہے

معروف مرحوم شاعر خالد یوسف نے ان کے بارے میں لکھا کہ،

''وہ بڑے شگفتہ اور جاندار لہجے میں اپنے فی الضمیر کو شعری قالب میں ڈھالنے پر قدرت رکھتی ہیں۔''

برطانیہ کی ممتاز شاعرہ ادیبہ محترمہ حمیدہ معین رضوی اپنے طویل مضمون میں تحریر فرماتی ہیں کہ،

''سیمیںؔ ایک باشعور شاعرہ ہے جو اپنے ماحول سے باخبر ہے۔اور معاشرے کے تضادات نے جو دکھ جھولی میں ڈالے ہیں ان کو بدل دینے کا اختیار نہ سہی اس کی شناخت اور نشاندہی وہ کرتی ہے۔''

سیمیں براس نے ہمیشہ غزل کے کلاسیکی لہجے کو پوری طرح گرفت میں رکھا ہے اور الفاظ اور اسلوب دونوں میں پیوستگی قائم رکھی ہے۔اور شاعری میں معنی آفرینی کو اپنی بساط کے مطابق برقرار رکھا ہے۔وہ ایک منجھی ہوئی شاعرہ ہیں اور مشاعروں میں اپنے کلام اور اندازِ بیاں سے سامعین کی مکمل توجہ حاصل کئے رکھتی ہیں۔وہ اپنی مدبرانہ شخصیت ،اسلامی طرز پر ڈھکی چھپی حجاب میں خوش لباسی ،خوش گفتاری اور اپنی اعلیٰ وارفع شاعری کے بل بوتے پر مشاعرہ لوٹ لیتی ہے۔

ہر بات جیسے دل میں اترتی چلی گئی
سیمیںؔ کرشمے کیسے یہ تیری زباں میں ہیں

ان کے کلام کے مطالعہ سے جو مجموعی تاثر ملتا ہے وہ یہ کہ انہوں نے جھوٹی روایات کے بجائے مثبت قدروں سے رشتہ جوڑا ہے اور جاندار روائتوں کی پاسداری کی ہے ،شعری اور ادبی لب ولہجہ کے اعتبار سے سیمیں براس ایک نمائندہ شاعرہ ہیں۔ان کی شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ان کے احساسات کی نزاکتیں اور لطافتیں ان کے متخیلہ کا انداز ان کی فکر کی گہرائیوں اور وسعتوں کا یکجا ہوکر ایک کلیت کی صورت میں نظر آتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسی طرح اپنے اعلیٰ کلام سے اپنے سامعین اور قارئین کو محظوظ کرتی رہے گی اللہ کرے ہو زورِ قلم اور زیادہ۔۔آمین

✿

زخم دیتا ہے تو مرہم بھی لگا دیتا ہے
میرا قاتل مجھے جینے کی دعا دیتا ہے

جل کے مٹنے بھی نہیں دیتا بجھاتا بھی نہیں
بجھنے لگتی ہوں تو کچھ اور ہوا دیتا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ کانٹوں سے نبھے گی کیسے
پھول دامن میں تو ہر کوئی سجا دیتا ہے

یہی پانی ہے جو جیون کا اساسی جُز ہے
ہو کے برہم یہی ہر زیست مٹا دیتا ہے

شہر کے شہر یوں سیلاب میں بہہ جائیں گے
پتھروں کو بھی یہ منظر تو رُلا دیتا ہے

قوم کو اپنے یہ اطوار بدلنے ہوں گے
تفرقہ قوم کی وحدت کا مٹا دیتا ہے

شبِ فرقت کے چراغوں کی خدا خیر کرے
صبح کا جھونکا ہر اک دیپ بجھا دیتا ہے

اس کی رحمت سے تو مایوس نہ ہونا ہرگز
رزق پتھر میں بھی کیڑے کو خدا دیتا ہے

اپنی تخلیق سے آسودہ نہیں ہے شاید
خود ہی تصویر بناتا ہے مٹا دیتا ہے

دل کے کھو جانے کا افسوس کریں کیوں آخر
یہ تو وہ شے ہے کہ ہر کوئی گنوا دیتا ہے

محفلوں سے ہمیں ویرانے میں لے آیا ہے
دل بھی دشمن کی طرح ہم کو سزا دیتا ہے

سنگ باری سے پریشان نہ ہونا سیمیؔ
صاف گوئی پہ زمانہ یہ صلہ دیتا ہے

✿

غبار دل کا مری طرح تم بھی دھو لینا
کسی چنار سے تم بھی لپٹ کے رو لینا

ٹپک رہے ہیں جو آنکھوں سے سچے موتی ہیں
تم اعتماد کے دھاگے میں یہ پرو لینا

ملال کیا ہے اگر چند خواب ٹوٹ گئے
تم اپنی آنکھوں میں کچھ اور خواب بو لینا

جو وعدہ کر کے نہ آئے کوئی تو یوں ہی سہی
ذرا سی بات پہ پلکیں نہ تم بھگو لینا

تمام رات تو آنکھوں میں کاٹ دی سیمیؔ
سحر قریب ہے اب دو گھڑی کو سو لینا

❁

شامِ غم ہم کو کاٹنی تو تھی
شکر ہے ساتھ شاعری تو تھی

لفظ جگنو تھے شعر قندیلیں
شاعری میں بھی روشنی تو تھی

گھپ اندھیرا تھا اور سناٹا
کٹ گئی رات رات ہی تو تھی

روشنی بانٹنے کو دنیا میں
صورتِ شمع میں جلی تو تھی

وہ مرے درد کو سمجھ نہ سکا
ہاں مسیحائی اس نے کی تو تھی

خاموشی میں بھی بول اٹھیں آنکھیں
میں نے اپنی زبان سی تو تھی

مر نہ پائے تو یہ مقدر ہے
ورنہ یہ جان ہم نے دی تو تھی

ہم اکیلے کہاں تھے دنیا میں
ساتھ یاں تیری یاد بھی تو تھی

کیا خبر ہم بھی ہوں ولی سیمیؔ
ہم نے مے معرفت کی پی تو تھی

❁

میں نہیں جانتی کیا مانگ رہی ہوں
میں تو بس صرف دعا مانگ رہی ہوں

تیرگی پھیل رہی ہے ہر سو
تجھ سے ظلمت میں ضیا مانگ رہی ہوں

تیری رحمت کا ہو بادل سر پہ
تھوڑی جنت کی ہوا مانگ رہی ہوں

میرے لفظوں کو مواثر کر دے
علم و حکمت کی دعا مانگ رہی ہوں

سیمیؔ اس ساری خدائی کے عوض
میں فقط قربِ خدا مانگ رہی ہوں

قطعہ

اس کو سامنے پا کر لفظ ہو گئے مفلوج
اور اس کی آنکھوں سے بولتی رہی آنکھیں
بات یوں بنائی کہ صاف چھپ گئی ہر بات
رازِ دل مگر میرا کھولتی رہی آنکھیں

بے رخی بندے سے اتنی اے خدا
کیوں نہ پوری کی میری یہ التجا
ہے اگر تیرا غضب بے انتہا
تیری رحمت تو ہے اس سے ماسوا
کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں بتا
تجھ سے بھی حاصل نہ ہو گر مدعا
تیرے قبضے میں زمین و آسماں
میں بھی تیرے در پہ اک ادنیٰ گدا
قادرِ مطلق کرم کی ہو نظر
تو نہیں بندوں سے یوں خفا
جانتی ہوں میں گنہ گاروں میں ہوں
میں ہوں ذرہ تیری رحمت سو گنا
مال و دولت کی نہیں ہرگز ہوس
مجھ کو ان دلکش کھلونوں سے بچا
خواہشِ دنیا کے بت دل سے نکل
ہو بتوں سے پاک کعبہ جسم کا
آرزو ہے لب پہ تیرا نام ہو
جسم سے جب جان ہو میری جدا
دل میں سیمیؔ کے رہے تری طلب
صرف یہ ہے ایک چھوٹی سی دعا

بنتِ حوا

اس سے بڑھ کر نہیں جرم ہوگا
اس سے بڑھ کر نہ کوئی بھی الزام ہے
میں صفائی میں اپنی بھلا کیا کہوں
بنتِ حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے
اسلئے تو رواجوں کی زنجیر میں
میرے اپنوں نے ہی مجھ کو باندھے رکھا
مجھ کو رشتوں کے میزان پر ناپتا
مجھ کو حصوں کی میراث میں بانٹتا
باپ، بھائی، شوہر ہو یا بیٹا میرا
ہر کوئی اک کسوٹی پہ ہے جانچتا
میری اپنی کوئی زندگی ہی نہیں
میں فقط دوسروں کی ضرورت رہی
مجھ پہ دنیا زمانے کا الزام ہے
ابنِ آدم کا ہر جرم میرے نام ہے
میں صفائی میں اپنی بھلا کیا کہوں
بنتِ حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے

ڈاکٹر ودیا ساگر آنند (آنجہانی)

Dr Vidyya Sagar Anand

ڈاکٹر ودیا ساگر آنند انڈیا سے تعلق ہے اور غالباً ستر کی دہائی میں برطانیہ آئے افسوس کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے قبل ہی وہ ہمیں ستمبر 2013 میں داغ مفارقت دے گئے جو دنیائے ادب کے لئے نا قابل تلافی نقصان ہے۔۔اعلی تعلیم یافتہ ساگر آنند کو اردو سے والہانہ عشق ہے ،لندن کے معروف ماہنامہ ''پرواز'' کے ساتھ ان کا ہمیشہ بھر پور مالی تعاون رہا بلکہ جہاں بھی کوئی اردو کا کام کر رہا ہو وہ اپنا ہاتھ ضرور بڑھاتے ہیں۔میری ان سے آج تک ملاقات نہیں ہو سکی کہ وہ اپنی علالت کی وجہ سے مشاعروں میں بہت ہی کم شرکت کرتے ہیں مگر جب محترم ساحر شیوی (مدیر اعلی پرواز) نے ان سے میری اس کتاب کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کتاب میں شامل تمام قلمکاروں سے بڑھ کر مالی تعاون کا چیک بھیج دیا اس سے بڑھ کر کوئی اردو ادب سے اپنی محبت کی مثال کیا دے گا۔۔۔!!

ڈاکٹر ودیا ساگر آنند کے پانچویں شعری مجموعہ کی پشت پر پچیس کتابوں کے سرورق کی تصاویر ہیں جن میں ان کے پانچ شعری مجموعے، بہادر شاہ ظفر پر مضامین کی کتاب بنام ''بہادر شاہ ظفر'' جس میں راقم الحروف کا مضمون بھی شامل ہے یہ کتاب انہوں نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شائع کی جس کا اہم مقصد آخری مغل بادشاہ کی میت کو ہندوستان لا کر دفن کرنا ہے۔اردو، انگریزی اور ہندی زبان میں ہندو پاک کے معروف قلمکاروں کے مضامین پر مشتمل دیگر کتابوں کے سرورق بھی شامل ہیں جو ودیا ساگر آنند کی طویل اردو خدمات کے اعتراف میں لکھی گئیں۔ ان کے بارے میں سینکڑوں مضامین ادبی جرائد میں شائع ہوئے۔ان کا اردو میں سب سے پہلا شعری مجموعہ 1993 میں ''مئے آنند'' کے نام سے شائع ہوا جو اس قدر پسند کیا گیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن 2000 میں شائع کیا گیا۔2005 میں جب ان

کا دوسرا مجموعہ کلام ''کلامِ نرم نازک'' شائع ہوا تو اس کے خاصی قدر و منزلت ہوئی جس پر ہندوستان کے صوبہ راجستھان کی ادبی تنظیم ''بزم شعور'' جے پور نے اسی بہترین شعری پیشکش تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر ودیا ساگر کی عدم موجوگی میں انہیں ''تلوک چند محروم ایوارڈ'' سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی انہیں اردو کی طویل خدمات کے اعتراف میں ''محسنِ اردو'' اور ''سفیرِ اردو'' کے خطابات سے نوازا گیا۔

موصوف کا تیسرا مجموعہ کلام 2006 میں ''بہارِ بے خزاں'' منصۂ شہود پر آیا اور دنیائے ادب میں خوب پذیرائی حاصل کی اسی طرح ان کا چوتھا مجموعہ کلام ''ساون میں دھوپ'' آیا اور اردو کی بستیوں نے اس کو بھی خوب سراہا۔ پانچواں مجموعہ ''پانچواں گگن'' ان کے چاروں مجموعوں سے منفرد ہے کیونکہ یہ مختلف النوع شعری اصناف پر مشتمل ہے حالانکہ اس میں وافر تعداد میں غزلیں شامل ہیں۔ ان کے اس مجموعے نے اردو حلقوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ ودیا ساگر آنند غزل و نظم کے شاعر ہی نہیں بلکہ وہ ہر صنف کو سلیقے سے برتنے کا ہنر جانتے ہیں۔ غزل، نظم، ہائیکو، ماہئے، دوہا گیت، دوہا غزل اور شخصیاتی دوہے لکھنے میں انہوں نے اپنے اس مجموعہ میں اپنے آپ کو منوایا ہے۔

ڈاکٹر ودیا ساگر آنند کی سب سے بڑی خوبی ان کی انسان دوستی ہے وہ ملک، مذہب کی سرحدوں کو نہیں مانتے بلکہ ہر اچھے انسان سے محبت کرتے ہیں۔ اپنی شاعری میں انہوں جہاں اپنے مذہبی رنگوں میں شعر کہے وہاں حمد اور نعت کے پھولوں سے بھی اپنی شاعری کو خوبصورت بنایا۔ حمدیہ غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں

کب ہو دیدارِ رام اور رحیم   میں پرستارِ رام اور رحیم

جانے محشر میں حال کیا ہوگا   ہوں گنہگارِ رام اور رحیم

زندہ جب تک رہوں، بنوں آنندؔ   پاک کردارِ رام اور رحیم

اسی طرح ان کی طویل نعت کے چند اشعار ہیں جو ثبوت ہیں ان کی اسلام دوستی کی۔۔

نورِ وحدت ہیں مدینے والے   شمعِ برکت ہیں مدینے والے

ہم چلیں نقشِ قدم پر اُنؐ کے   ماہِ خلقت ہیں مدینے والے

شک نہیں اس میں ذرا بھی آنندؔ   تابِ ملّت ہیں مدینے والے

ان کے یہاں جو تجربات کے علامتی اور استعاراتی اظہار میں جو صداقت پختگی اور حسن نظر آتا ہے وہ ڈاکٹر ودیا ساگر آنند کا امتیازی وصف ہے۔ زبان اور بیان کی خوبیوں نے ان کی شعری تخلیقات کو ایک سچے موتیوں کی مالا کی طرح پرو دیا ہے۔ ہندو پاک کے علاوہ مغرب میں وہ اپنی ایک پہچان رکھتے ہیں۔

خزاں کے دور میں زندہ ہوں زندگی کا کمال
لبوں پہ اُف بھی نہیں ہے یہ بے بسی کا کمال

غزل کا لہجہ نہایت سادہ الفاظ سادہ، بیانہ مضبوط، اکثر غزلیں چھوٹی بحر میں جو کم سے کم الفاظ میں اپنی بات کو سمجھانے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ان کے پورے کلام میں مجھے عارفانہ خوشبو پھوٹتی محسوس ہوئی۔اپنی ہر غزل میں وہ نصیحت کرتے برائی سے روکتے اور خدا کی عبادت میں سکون تلاش کرتے نظر آئے۔

اس کی لاٹھی ہے یارو بے آواز
دشمنی مت لے مول قدرت سے
ڈھونڈ مت تُو اِدھر اُدھر اس کو
ہوگا وصلِ خدا عبادت سے

ان کی شاعری کی تفصیل میں جاؤں تو سید معراج جامی صاحب کی طرح ایک پوری کتاب مرتب ہو جائے مگر صفحات اجازت نہیں دے رہے۔افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی اور وہ آج ہم سے بہت دور چلے گئے۔مگر ان کی انسانیت دوستی، اردو سے گہری محبت انہیں صدیوں زندہ رکھے گی۔۔

گو وہ یارب بندۂ ناچیز ہے
کر مگر منظور آننؔد کی دُعا

۞

کبھی اُٹھے ہیں کبھی گر گئے ہیں روز و شب
کہ زندگی کے لئے لڑ رہے ہیں روز و شب
اگر سوچ سمجھ کے چلے ہیں روز و شب
رہ حیات میں کانٹے ملے ہیں روز و شب
فراقِ یار میں دکھ بھی سہے ہیں روز و شب
یوں بے قرار بھی ہوکر جئے ہیں روز و شب
ہماری روشنی دیکھو کہاں کہاں پہنچی
کہ ہم چراغ تھے، جلتے رہے ہیں روز و شب
لہو سے اپنے اسے جب سے ہم نے سینچا ہے
چمن میں پھول بھی کھلنے لگے ہیں روز و شب
تماشا دیکھ رہے ہیں ہم اہل دنیا کا
کہ زندگی کے لئے مر رہے ہیں روز و شب
تمنا پھر بھی یہاں ہو رہی ہے جینے کی
فریب دنیا سے ہم کھا چکے ہیں روز و شب
بگاڑا میں نے کسی کا نہیں مگر کچھ لوگ
نہ جانے کیوں مرے پیچھے لگے ہیں روز و شب
وفا ہی کی ہے زمانے سے ہر قدم آنندؔ
خوشی پہ میری یہ کیوں جل رہے ہیں روز و شب

رباعیات

جینے کے لئے کام بھی کرنا ہوگا
خاتمہ آلام بھی کرنا ہوگا
چرچا ہو اگر اہلِ سخن میں اپنا
شاعری میں کچھ نام بھی کرنا ہوگا

☆☆

ظلمت سے نکالا ہے جہاں کو ہم نے
ہر وقت سنبھالا ہے جہاں کو ہم نے
آنے نہ دیا ہم نے خزاں کا موسم
دے کر لہو پالا ہے جہاں کو ہم نے

☆☆

پانی میں اترنا ہے تو گہرائی دیکھ
ہے جاننا انساں کو تو سچائی دیکھ
مت گام اُٹھا سوچے بنا تو اپنا
جو دوستی کرنی ہے تو اچھائی دیکھ

☆☆

ہر شخص کو انسان بنانا ہوگا
شیطان کے چنگل سے چھڑانا ہوگا
کوئی بھی کسی سے نہ عداوت کر لے
اس دہر میں اُس دور کو لانا ہوگا

قطعات

زندگی سے ہے مجھ کو پیار بہت
اس پہ کرتا ہوں اعتبار بہت
جی رہا ہوں ضرور ، پر اس کے
عشق میں ہو گیا ہوں خوار بہت

☆☆

نہیں جس انسان میں انسانیت ہی
وہ انساں کہنے کے قابل نہیں ہے
نظر آتا ہے سب کو آدمی وہ
مگر سینے میں اس کے دل نہیں ہے

☆☆

زندگی ہے کتاب کی مانند
ایک کھلتے گلاب کی مانند
اس کے جینے میں ہے بڑا آنند
اس کی مستی شراب کی مانند

☆☆

دنیا سے پیار کرنا ہمیں ہو گا ایک دن
کانٹوں سے بھی گزرنا ہمیں ہوگا ایک دن
ہم وقت کو گنوائیں نہ بیکار دوستو
کیا شک ہے اس میں، مرنا ہمیں ہوگا ایک دن

چاندرات

چلی نہ جانا مرے دل کو آج ٹھکرا کر
شبِ وصال پھر آئے نہ آئے قسمت میں
ہے میرے دل میں بھی جینے کی آرزو رقصاں
اسی لئے ہی مٹا ہوں تمہاری الفت میں
نہ تم خیال کرو یہ کہ بس حسیں ہو تم
جو رشکِ حور ہو اک ایسی مہ جبیں ہو تم
مری نگاہ میں بے شک ہو لاجواب مگر
نگاہِ غیر میں ایسی حسیں نہیں ہو تم
جہاں کو چھوڑ کے میں تم سے پیار کرتا ہوں
سکونِ قلب بھی تم پر نثار کرتا ہوں
تمہارے سامنے جچتا نہیں کوئی مجھ کو
کسی کے کہنے کا کب اعتبار کرتا ہوں
کل ایک دوست نے مجھ کو کہا یہ چپکے سے
وہ چاندرات کہ تم جس سے پیار کرتے ہو
مجھے بتاؤ کہ ہے کیوں پسند وہ تم کو
ہے اس میں کون سی خوبی کہ اس پہ مرتے ہو

✿

سونے والوں کو ہمیشہ ہی جگایا میں نے
کتنے لوگوں کو ہے انسان بنایا میں نے
سخت مشکل تھا مگر جی کے دکھایا میں نے
اپنی تقدیر کو حکمت سے بنایا میں نے
اشک آنکھوں سے محبت میں بہایا میں نے
اپنے سینے سے تیرے غم لو لگایا میں نے
آندھیوں میں بھی چراغوں کو جلایا میں نے
دل میں اک شہرِ محبت کا بسایا میں نے
اب کوئی فکر نہ مرنے کی ہے نہ جینے کی
زندگی کو سلیقے سے سجایا میں نے
اپنی غربت میں بھی خودداری روا رکھی ہے
سر نہ چوکھٹ پہ امیروں کے جھکایا میں نے
میں نے بیکار گزارا نہ کبھی جیون کو
میں جہاں پہنچا وہاں پھول کھلایا میں نے
بحرِ الفت میں کبھی وقت کبھی وقت بھی آیا ایسا
غم کے طوفاں میں بھی کشتی کو چلایا میں نے
پیار میں گزری ہے یہ زندگی ساری آنندؔ
اپنے یاروں کا کبھی دل نہ دکھایا میں نے

✿

پیچھے سے آکے پیٹھ پہ مت وار کیجئے
آئے ہیں پیار کے لئے تو پیار کیجئے
دنیا کے ڈر سے خود کو نہ آزار کیجئے
اس طرح زندگی کو نہ بیکار کیجئے
انکار کیجئے ، کبھی اقرار کیجئے
جس طرح آپ چاہتے ہیں پیار کیجئے
مرنے کے بعد زندہ رہے نام آپ کا
جیون جدید طرز سے گلزار کیجئے
اچھا نہیں ہے دل میں خلش لے کے ہم مریں
جو بات ہو زباں سے بھی اظہار کیجئے
کیا ان کی زندگی ہے جو غفلت میں رہ گئے
بہتر ہے اپنے آپ کو بیدار کیجئے
اعمال لے کے جانے ہیں دنیا سے ساتھ میں
شفاف شیشے جیسا ہی کردار کیجئے
کتنی مٹھاس اس میں ہے یہ جان لیں گے آپ
اردو زباں سے دل سے ذرا پیار کیجئے

ہارون رشید

Mr. Haroon Rashid,
11, Princes Court.Wembley
Tel: 02089027208\ 07775593945
E.mail:haroonrashid007@hotmail.co.uk

ہارون رشید 1964 میں برطانیہ آئے ، پاکستان میں مردان سے تعلق ہے اردو اور پشتو دونوں زبانیں روانی سے بولتے ہیں مگر اردو ادب سے گہرا لگاؤ ہے ۔اپنی شاعری نہایت خوبصورت ترنم سے پڑھتے ہیں ،آواز بھی اچھی ہے اور سُر سے بھی گہرا اور پرانا تعلق ہے ۔آنجہانی محمد رفیع ،نوشاد اور ۔۔۔ کے ساتھ یادگاری تصاویر ہیں جن کے ساتھ ان کی ملاقاتیں رہیں ۔ہارمونیم پر اکثر پرانی اور کلاسیکی گیت نہایت سر کے ساتھ گا کر محفلوں کو لوٹ لیتے ہیں ۔

1945 میں لکھنا شروع کیا نثر اور شاعری دونوں اصناف میں لکھا ۔ریڈیو براڈ کاسٹنگ سے بھی گہرا تعلق رہا ۔لندن آ کر انہوں نے ٹیکسٹائل کیمکلز ،ڈائینگ پرنٹنگ کے ڈپلومے حاصل کئے اور طویل مدت تک کام کیا ۔عام شعرا کی طرح اپنے آپ کو منوانے کا جنون نہیں ہے گہری جھیل کی طرح خاموش اور اپنے آپ میں مطمئن رہنے والے نہایت سنجیدہ طبیعت انسان ہیں ۔۔۔

آجکل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں ۔ان کا کافی کلام ان کی بیاض میں بھرا پڑا ہے مگر بقول ان کے کبھی چھپوانے کی خواہش نہیں ہوئی ۔

مشاعروں کے علاوہ وہ موسیقی کے پروگرام بھی کرتے ہیں اور ہارمونیم پر کلاسیکی و نیم کلاسیکی گیت گا کر داد سمیٹتے ہیں ۔ان کی آواز میں بلا کا رس اور لوچ ہے ،شعرا اپنی کتابوں کی رسم اجرا پر ان سے اپنی غزلوں کو ان کی آواز میں پڑھوا کر داد سمیٹتے ہیں ۔

لندن کے مشاعروں میں انہیں ترنم سے اپنا کلام سنانے کی سفارش کی جاتی ہے جہاں وہ اپنی مد بھری

آواز میں اپنی غزل گا کر ایک سحر طاری کر دیتے ہیں۔ ایک طویل مدت تک لندن کی معروف ادبی تنظیم کے ساتھ اپنا تعاون رکھا اور ان کے مشاعروں کی نظامت بھی کرتے رہے۔مگر خود دار طبعیت کے مالک ہیں نہ کسی کے ساتھ خود غرضی کا عمل رکھتے ہیں نہ اپنے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔۔

شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں ہے بلکہ ایک فن ایک صناعی ہے۔شاعر الفاظ کی مدد سے حسیات وتخیلات جذبوں، ولولوں، امنگوں اور اپنے تجربات ومشاہداتِ زندگی کو تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر فن کار اپنے عصر کا ترجمان ہوتا ہے۔باوجود اس کے وہ مقبولیت کی منزل تک یونہی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے فن میں توانائی اور سحر کاری کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے ۔یہ وہ جوہر ہے جسے بغیر ریاضت کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ہارون رشید نے اپنے عصری شعور کو فن کے سانچے میں ڈھالنے میں کتنی ریاضت ومشق کی ہوگی۔کیونکہ وہ جہاں ایک اچھے شاعر ہیں وہاں ایک سحر انگیز مغنی بھی۔۔جو اپنی خوبصورت غزلوں کو اپنی آواز اور سر سے دلفریب بنا دیتے ہیں۔

ہجرت کا دکھ یہاں کے ہر باسی کے دل میں ہمیشہ ناسور کی مانند رستا رہتا ہے، وطن سے دوری ایک عذاب بن جاتی ہے چاہے کوئی غیر وطن میں کتنا خوشحال کیوں نہ ہو۔۔کہتے ہیں سونے کے پنجرے میں بند طوطا چوری کھا کر بھی اپنے اس درخت کی کھوہ کو نہیں بھولتا جہاں اس نے اپنا بچپن گزارا تھا۔۔ہمارے ہارون رشید بھی اسی طوطے کی مانند سونے کے پنجرے میں ہوتے ہوئے بھی اپنے اس گھونسلے کو نہیں بھول پائے۔۔۔اور اپنے وطن سے محبت کرنے والے کبھی بھولتے بھی نہیں ہیں چاہے وہ جہاں بھی رہیں۔!!

محبت ہے نہ سوزِ علم وفن ہے
کہیں کیسے کہ یہ اپنا وطن ہے
اُسی تنہا کو روئے گا زمانہ
پریشاں حال ہے جو بے وطن ہے

ہارون رشید بہت کم رسالوں میں شائع ہوتے ہیں فطرتاً وہ کچھ شرمیلے بھی ہیں اور بڑے وضعدار طبیعت کے مالک ہیں۔انسانیت کا درد اس قدر ہے کہ اپنے گھر میں بے وطن بچوں کی نگہداشت کرتے ہیں ان کی اہلیہ محترمہ بھی انہی کی طرح درد دل رکھنے والی نہایت مخلص اور دیندار خاتون ہیں۔

ہارن رشید بہت کم لکھتے ہیں مگر جو لکھتے ہیں وہ بہت اچھا لکھتے ہیں اور کبھی اپنی تشہیر نہیں کی۔اس کتاب کے لئے مجھے ان کی غزلیں حاصل کرنے میں بہت وقت لگا۔۔انکساری اور عاجزی عبادت کا درجہ رکھتی ہے جو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی ان کو عزت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔۔جبکہ ہمارے ایسے شعرا وادبا کی کمی نہیں جو گلے میں اپنی شاعری اور قلمکاری کا بورڈ آویزاں کئے پھرتے ہیں اور اصرار کر کے اپنے بارے میں لکھواتے ہیں۔مگر ایسے کاغذ کے پھول چند دنوں میں اپنی وقعت کھو بیٹھتے ہیں۔میں ہارون بھائی کی مخلص دوستی اور ان کے پیار کا شکر گزار ہوں وہ کافی دور رہنے کے باوجود بھی میرے مشاعروں میں ہمیشہ شرکت کرتے ہیں اور محفل کو اپنی شاعری وآواز کی خوشبو سے معطر کر دیتے ہیں۔

ان کی چھ خوبصورت غزلیں سامنے والے صفحات پر اپنی داد سمیٹنے کے لئے تحریر ہیں پڑھیئے اور داد دیجئے ۔وہ افسانہ بھی بہت اچھا لکھتے ہیں مگر افسوس کہ صفحات کی کمی کی وجہ سے ان کی کوئی نثر شامل نہیں کر سکتا۔

میری دلی دعا ہے کہ ہارون بھائی اسی طرح اپنی شاعری کو اپنی میٹھی آواز کے پیرہن میں دوسروں تک پہنچاتے رہیں اور خواہش کروں گا کہ وہ اپنے کلام کو اکٹھا کر کے اسے کتابی شکل ضرور دیں تاکہ آنے والے لوگ بھی ان کے کلام سے مستفید ہو سکیں اور اس طرح کتاب میں شاعر کا کلام ہمیشہ زندہ بھی رہتا ہے۔۔۔

✿ ✿ ✿ ✿

❁

جام ہونٹوں سے لگایا جائے
ساری دنیا کو بھلایا جائے
کوئی تعبیر نہیں ہو جس کی
خواب وہ کس کو سنایا جائے
شرط اوّل ہے دل کے ساتھ جھکے
جب کبھی سر کو جھکایا جائے
جو ہواؤں کا رُخ بدل ڈالے
اِک دیا ایسا جلایا جائے
جس کو دیکھو وہ پریشان نظر آتا ہے
حالِ دل کس کو سنایا جائے
در و دیوار ہی نہ ہوں جس کے
اِک مکاں ایسا بنایا جائے
کاش ایسی کوئی صورت ہو جائے
آکے پھر اُس سے نہ جایا جائے
کون ہے دوست اور دشمن کون !
ہاتھ اب کس سے ملایا جائے
حسرتیں چُن کے زمانے بھر کی
دلِ ویراں کو سجایا جائے
آج پھر دھیمے سُروں میں تنہاؔ
جی میں آتا ہے کہ گایا جائے

❁

محبت ہے نہ سوزِ علم و فن ہے
کہیں کیسے کہ یہ اپنا وطن ہے
جہاں بیٹھے ہوں کچھ اہلِ محبت
وہیں اے دل ہماری انجمن ہے
شہنشاہی میں بھی پایا نہ ہم نے
خلوصِ عشق میں جو بانکپن ہے
اسی تنہاؔ کو روئے گا زمانہ
پریشاں حال ہے جو بے وطن ہے

❁

میرا اندازِ سخن سب سے جدا ہو جیسے
ایسا لگتا ہے کہ صدیوں سے نیا ہو جیسے
یوں نظر پھیر لی مجھ سے سرِ محفل اس نے
بے تعلق ہی ہمیشہ سے رہا ہو جیسے
آپ کا نقشِ قدم راہِ وفا میں مجھ کو
یوں ملا ہے کہ دعاؤں کا صلہ ہو جیسے
تجھ سے ملتا ہوں تو یوں محسوس ہوا مجھ کو
تو مرے جسم میں صدیوں سے چھپا ہو جیسے
وقت کے ساتھ میں اس طرح چلا ہوں تنہاؔ
ایک مجبور محبت کی انا ہو جیسے

٭

اب یہ سوچا ہے قسم جھوٹی ہی کھا لی جائے
جیسی دنیا ہو روش ویسی بنا لی جائے

قابلِ دید اگر شے ہو تو دیکھے کوئی
ورنہ بہتر ہے نظر اپنی ہٹا لی جائے

رسمِ الفت یونہی باتوں سے نہیں نبھ سکتی
جب تلک زندگی طوفاں نہ بنا لی جائے
ا
س نئے دور کے تفریح زدہ لوگوں سے
کوئی امیدِ وفا ہو تو اُٹھا لی جائے

اب تو یوں کٹتی ہے یہ زندگی اس دنیا میں
جیسے اک ہاتھ سے گاگر نہ سنبھالی جائے

یوں ہی بیکار ہے ہر شاخ جھکانا تنہا
پھل ہو جس شاخ پہ وہ شاخ جھکا لی جائے

٭

آنکھوں میں پیار دل میں محبت بنی رہے
ہونٹوں پہ چاہے کتنی شکائت بنی رہے

ایسا نہ ہو کہ رشتۂ انسانیت بھی جائے
اتنا لڑو کہ ملنے کی صورت بنی رہے

اتنی پیو شراب کہ پینے کے بعد بھی
دو چار گھونٹ پینے کی صورت بنی رہے

اپنے مفاد اپنی ترقی کے واسطے
کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ نفرت بنی رہے

دنیا ہمارے واسطے دوزخ سے کم نہیں
جنت اگر ہے دنیا تو جنت بنی رہے

❁

دل سے ہر نقش تمنا کو بھلا کر دیکھیں
زندگی سادہ اصولوں سے سجا کر دیکھیں

چاک داماں و گریبان ہوئے جاتے ہیں
اس تمنا پہ کہ ہم غم کو مٹا کر دیکھیں

کاغذی پھول رہیں گے یہ سدا کاغذی پھول
آپ ان کو کسی صورت بھی سجا کر دیکھیں

فہم و ادراک کی جو بات کیا کرتے ہیں
اپنے ماضی کی وہ تصویر اٹھا کر دیکھیں

جاگ جائے کوئی سویا ہوا لمحہ شاید
ان کو افسانۂ پارینہ سنا کر دیکھیں

لوگ سمجھیں گے اسے میری تباہی کا سبب
آپ رسماً کوئی افسانہ سنا کر دیکھیں

ڈر ہے تنہاؔ کو نہ رسوا یہ زمانہ کردے
آپ اس طرح نگاہیں نہ ملا کر دیکھیں

❁

محبت اور نہ نفرت کر رہے ہیں
تغافل حسبِ عادت کر رہے ہیں

تعجب ہے ہمیں جن سے گلہ تھا
وہی الٹی شکائت کر رہے ہیں

ادب آیا نہ جن کو زندگی بھر
ادب میں وہ ہی جدّت کر رہے ہیں

لگائی اس سے اور اس نے بجھائی
بہت دن سے یہ خدمت کر رہے ہیں

طوافِ حسن تو کچھ دن میں ہوگا
ابھی تنہاؔ زیارت کر رہے ہیں

محمد یسٰین بھٹی

Mr.Mohammad Yasin Bhatti,

24,Wimbome Drive, Bradford

BD15 7AH.Tel:07816975143

E.Mail: yasinbhatti@hotmail.co.uk

محمد یسٰین بھٹی صاحب کا تعارف حال ہی میں ایک دوست کی معرفت ہوا ان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اردو پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں اور بہت اچھی کرتے ہیں۔فون پر بات چیت ہوئی تو میں نے انہیں اس کتاب میں شمولیت کی دعوت دی جو انہوں نے بخوشی قبول کی زرِ تعاون کے ساتھ اپنا پہلا شعری مجموعہ ''پھول چنتا ہوں'' بھیجا اور چند غزلیں پنجابی کی بھی نذر کیں۔

یسٰین بھٹی کا تعلق پاکستان کی تحصیل گوجر خان کے معروف گاؤں ''بیول'' سے ہے اپنے علاقے کے معزز سماجی و کاروباری شخصیت کیپٹن جہانداد خان بھٹی کے صاحبزادے ہیں، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1989 میں رزق کی تلاش میں گھر سے نکلے یورپ کے مختلف ممالک میں دس سال تک قسمت آزمائی کے بعد 2000ء میں برطانیہ آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ برطانیہ کے کثیر التعداد پاکستانی شہر بریڈفورڈ میں مقیم ہیں۔مشاعروں میں کم جاتے ہیں مگر جا کر اپنے کلام سے خوب داد وصول کرتے ہیں۔پاکستان کے معروف شاعر جناب ڈاکٹر نثار ترابی اور بریڈفورڈ کے ممتاز پنجابی شاعر جناب ممتاز اعوان تاجپوری کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔کسی اچھے شاعر کا کسی دوسرے شاعر کو استاد تسلیم کرنا بھی اس شاعر کا اعلیٰ ظرفی اور شرافت و محبت کا ثبوت ہے ورنہ کئی ایسے شعرا بھی دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ تو پیدائشی شاعر تھے!! آج تک جو بھی لکھا ہے خود سے لکھا کسی سے کبھی اصلاح نہیں لی۔!! خیر۔۔۔۔!!

مگر یسٰین بھٹی ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں شرمیلے اور نہایت بااخلاق انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں بلا کی وضع داری پائی جاتی ہے کیونکہ ایک اچھا شاعر ہونے کے ساتھ اچھا انسان ہونا

زیادہ اہم ہے۔۔اچھے انسان اپنا ماضی نہیں بھولتے۔یسین بھٹی نے بھی برسوں ہجرت کے دکھ سہے ہیں اور ہمیشہ اپنے گھر کی دہلیز کو یاد رکھا ہے۔

جس کو لے کر میں چلا تھا شبِ ہجرت یسٰینؔ
وہی پوشاک پرانی مری پردیس میں ہو

ان کے اس پہلے مجموعہ کلام میں خاص بات جو دیکھی وہ ان کی کچھ غزلیں اردو کے ساتھ ساتھ نئی نسل کے نوجوانوں کے لئے انگریزی رومن میں بھی درج ہیں۔انہوں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ یہاں کی پلی بڑھی ہوئی نوجوان نسل بھی ہماری شاعری پڑھے اور ہمارے کرب کو سمجھے۔۔جو قابل تقلید ہے۔
برسوں پردیس کی خاک چھاننے کے بعد یسین بھٹی اپنے بال بچوں کے ساتھ پرسکون زندگی گزارتے ہوئے بھی اپنی آپ کو اپنے وطن سے دور ایک پردیسی اجنبی دیس میں رہتا ہوا محسوس کرتے ہیں جو ایک فطری عمل ہے کہ کبھی بھی کوئی اپنی جنم بھومی کو نہیں بھول سکتا۔۔۔

ہے دیس اجنبی ، اجنبی شام ہے   یہاں جو بھی بستا ہے بے نام ہے
مسافر ہیں روزی کے مارے ہوئے   کہ اپنا ہے جو بھی وہ گم نام ہے
کریں یاد یسٰینؔ بیتے سمے   کہ ہجرت میں اپنا یہی کام ہے

ان کے اس پہلے مجموعہ کلام میں بریڈفورڈ کے مشہور صحافی ،ادیب جناب یعقوب نظامی صاحب دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ،
''محمد یسٰین بھٹی کی شاعری کا زیادہ حصہ وطن سے محبت اور ہجرت کے کرب پر مبنی ہے۔یوں تو مجھے یہ ہجرتوں کے ایسے شاعر معلوم ہوئے جن کی شاعری میں جگہ جگہ وطن میں محبت ،ہر دیس میں رہنے کی کسک اور وطن کی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اس طرح کے شعروں میں مہکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

آنکھ میں درد کہانی مری پردیس میں ہو   کیسے پھر شام سہانی مری پردیس میں ہو
میں ہجرت سے بہت پہلے کہاں سوچا تھا   در بدر خاک جوانی مری پردیس میں ہو

یوں تو اس ملک میں ہر شخص جو اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آن آباد ہوا اس کے دل میں

ہجرت نے کئی زخم کرر کھے ہیں جو آج برسوں بعد ناسور بن کر ہر وقت رستے رہتے ہیں اور وہ ایک انجانے کرب و تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ مجھے خود آج چون سال ہو گئے ہیں وطن کو چھوڑے ہوئے اللہ نے ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کیا ہوا ہے مگر پھر بھی یادِ وطن ایک کانٹے کی طرح دل میں چبھن پیدا کئے رکھتی ہے ہر دم خیال کا پنچھی اسی جانب پرواز کرتا ہے۔ مگر۔۔۔

ہم ہیں پنچھی اداس ڈالی کے

دیس کے پار آب ودانہ ہے

یہ کرب یہ دکھ اور یہ کبھی نہ ختم ہونے والی کسک کبھی بھی ختم نہ ہو گی۔۔ وہ پہلی نسل کے لوگ جو یہاں سونے کے پنجرے میں اپنی مرضی سے قید ہیں ہمیشہ اپنے درخت کی اس کھوڑ کو یاد کرتے آہیں بھرتے رہیں گے جہاں وہ پیدا ہوئے، جوان ہوئے اور پھر حالات کے جال میں پھنس کر ہمیشہ کے لئے اس سونے کے پنجرے میں قید ہو گئے۔۔ یہ دکھ صرف ہمارے شاعر یٰسین بھٹی کا ہی نہیں ہے۔۔ اس ملک کے ہر فرد کا ہے۔۔ مگر عام انسان اکیلے میں آہیں بھر آنسو بہا کر خاموش ہو جاتا ہے مگر شاعر اپنی جذبات کو شعر کا اور نثر نگار افسانے کہانی کا پیرہن پہنا کر پیش کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ شیئر کر کے اپنے جذبات و احساسات کی تسکین کا پہلو ڈھونڈتا ہے۔۔

پھر میں یٰسین پھول ڈھونڈتا ہوں پھر مرے ساتھ زمانہ ہے

یسٰین بھٹی صاحب اردو کے ساتھ پنجابی کے بھی شاعر ہیں ان کا پنجابی شعری مجموعہ بھی زیرِ ترتیب ہے مجھے امید ہے کہ ان کی خوبصورت شاعری پنجابی میں بھی دنیائے ادب میں اچھا اضافہ ہو گی اور اردو کی طرح اس کی بھی پذیرائی ہو گی۔

مینوں کیویں چنگی لگے؟ دیس دی ایہ ہوا تے نہیں ایں

سنگی اوہ یسٰین اے میرا اینا بے وفا تے نہیں ایں

❀ ❀ ❀ ❀

محبت کا کوئی تو پیمان ہوتا
کہ جس پہ ہمیں بھی بہت مان ہوتا

کبھی اتنے ارزاں نہ رہتے جہاں میں
ہمیں زندگی کا جو عرفان ہوتا

تجھے کاش رکھتے تصور میں اپنے
کہ دل کے بہلنے کا سامان ہوتا

رہِ زندگی میں کسی سمت جا کر
تجھے ڈھونڈ لیتے جو امکان ہوتا

کسی سے تعلق بناتے نہ اتنا
کسی سے نہ ملنے کا ارمان ہوتا

اگر اپنی مٹی پہ یسٰین رہتے
کہاں ہجرتوں کا یہ طوفان ہوتا

رُخ ہوا کا بدل نہ جائے کہیں
دل کسی پہ مچل نہ جائے کہیں

چین کھویا تھا شوق سے ہم نے
پھر طبیعت سنبھل نہ جائے کہیں

اُس کی آنکھیں ہماری جانب ہیں
کوئی جادو سا چل نہ جائے کہیں

اُس نے وعدہ کیا ہے آنے کا
آج کی شام ڈھل نہ جائے کہیں

یاد اِس واسطے نہیں آتا
شب ہماری بہل نہ جائے کہیں

سوچ یسٰین وقت ہے اب بھی
دیکھ دل ہے یہ جل نہ جائے کہیں

❁

پاس اپنے جو وہ بلاتے ہیں
کچھ ستارے سے جاگ جاتے ہیں

اپنی پلکوں کو وادیوں میں ہم
خواب تیرے لئے سجاتے ہیں

صرف اپنے ہی دُکھ عزیز نہیں
رنج غیروں کے بھی اُٹھاتے ہیں

جیسے کھلتے ہیں باغ میں غنچے
ایسے دھیرے سے مسکراتے ہیں

یاد آتی ہے اپنی مٹی کی
ہجر کے زخم بھول جاتے ہیں

یوں تو یسٰین بے زبانوں کو
داستاں کس لئے سناتے ہیں

❁

آنکھ میں درد کہانی مری پردیس میں ہو
کیسے پھر شام سہانی مری پردیس میں ہو

میں نے ہجرت سے بہت پہلے کہاں سوچا تھا
در بدر خاک جوانی مری پردیس میں ہو

میں مسافر ہوں سفر میرا مقدر ٹھہرا
میں نے چاہا ہے کہ جانی مری پردیس میں ہو

سبھی تارے ہوں مری راہ میں روشن روشن
سبھی رستوں کی نشانی مری پردیس میں ہو

میں تو نرمی سے محبت کا پتا دیتا ہوں
کیسے پھر شعلہ فشانی مری پردیس میں ہو

جس کو لے کر میں چلا تھا ہجرت یسٰین
وہی پوشاک پرانی مری پردیس میں ہو

ہم کسی ہجر میں ڈوبیں تو اُبھر کر دیکھیں
پھر ترے شہر میں آئے ہیں بکھر کر دیکھیں

اک نہ اک روز جنوں لائے گا اُس پار مجھے
اپنے ہونے کی گواہی سے مُکر کر دیکھیں

ہم نے پھر عکس تماشا کو بچا رکھا ہے
آئینے دیکھیں تو کچھ اور سنور کر دیکھیں

اپنی نظروں میں بچا رکھا ہے منظر سارا
کس لئے پار سمندر کے اتر کر دیکھیں

اک نظر تجھ کو سرِ بزم سخن تو لائیں
اک نظر تجھ کو کھلی آنکھ میں بھر کر دیکھیں

ظلمتِ خواب نے کب کس کو اُجاڑا یسٰین
شب جو آئی ہے تو پھر شب سے نہ ڈر کر دیکھیں

پنجابی غزل

حسن دا کوئی خدا تے نہیں ایں
سوہنیا توں سدا تے نہیں ایں

ہس کے کیوں نہیں مل دا سانوں
ساڈے نال خفا تے نہیں ایں

پل پل ہوکے ہنجو ملن
پیار اے کوئی سزا تے نہیں ایں

مینوں کیویں چنگی لگے ؟
دیس دی ایہ ہوا تے نہیں ایں

موسم وی نیں غیراں ورگے
دل وی اپنی جا تے نہیں ایں

سنگی اوہ یسٰین اے میرا
اینا بے وفا تے نہیں ایں
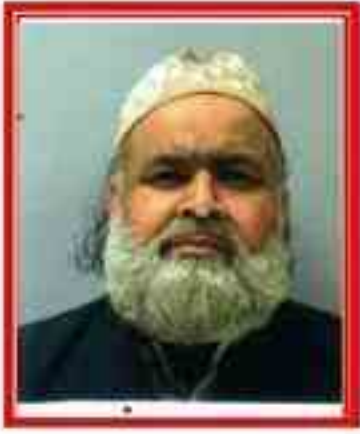
محمد یعقوب رضوی قادری

Mr. M.Yahqoob Rizvi Qadri,
34, Spenvally Road,Rainwonsthorpe
Dewsbury WF13 3EZ
Tel: 0044 7529773149

محمد یعقوب رضوی قادری صاحب درویش منش انسان ہیں ایک مدت سے فون پر گھنٹوں محبت بھری باتیں اوران کا پنجابی صوفیانہ کلام سن کرایک سحر طاری ہو جاتا ہے۔ گوابھی تک شرف ملاقات نصیب نہیں ہوامگران کی وڈیو، یوٹیوب پر دیکھی جس میں وہ اپنا کلام بڑے خوبصورت انداز، سریلے پن اور ماہرانہ سر کے ساتھ گا رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو سراور راگ کا بھی علم ہے۔

آپ ضلع گجرات کے گاؤں کسّو کی کے رہنے والے ہیں، معروف پنجابی صوفی شاعر حضرت میاں محمد بخشؒ کے معتقد ہی نہیں بلکہ انہیں اپنا استاد مانتے ہیں۔ اور اپنے علاقے کے صوفی شاعر جناب عنایت علی قصور مند، جواپنی زندگی میں کسی درسگاہ سے باقاعدہ فارغ التحصیل تو نہیں مگران کا کلام ''سُچے موتی'' نامی کتاب میں محفوظ ہے، کے شعری محاسن سے بھی مستفید ہیں۔ پیر سید منظور حسین شاہ صاحب قادری سروریؒ کسّو کی والوں سے بیعت ہیں اوران سے گہری علمی، ادبی اور روحانی وابستگی رکھتے ہیں۔

محمد یعقوب رضوی صاحب جون 2006 میں برطانیہ آئے اور یارک شائر کے ایک شہر ''ڈیوزبری'' میں مقیم ہیں۔ اس علاقے کے نزدیکی شہروں بریڈفورڈ، ہڈرزفیلڈ وغیرہ کے مشاعروں میں اپنی آواز اور کلام کا جادو جگاتے ہیں مگر ابھی تک لندن والے ان کے کلام سے محروم ہیں۔۔ ان کی شاعری ماہِ رمضان کی ستائسویں کو حضرت سلطان باہوؒ کی محفل میں ایک نعت پڑھنے سے شروع ہوئی۔ اُن کی اس پہلی تحریری نعت کا پہلا شعر تھا۔

توراں مدینہ دل کا نگینہ پل پل یاد ہے آئے نیناں برس گئے

حسنینؓ کے ناناؐ جگت کے جاناں یاد میں تُمری آ قانیناں برس گئے

ابھی تک ان کا کوئی شعری مجموعہ منظر عام پر نہیں آیا مگران کے پاس جو پنجابی مجموعہ ہائے کلام تیار ہیں اُن میں ''ہاواں دے موتی، نسبت دے لال، سولاں دے ہار، تاہنگاں دے تیر'' اور، زندگی نامہ شامل ہیں۔اپنی اردو شاعری کی اصلاح معروف شاعر جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد سے لیتے ہیں اور انہی کی رہنمائی میں ان کے اردو کے دو شعری مجموعے ''یادوں کے ساغر اور'' ہجر کے چراغ'' بھی انشاء اللہ جلد ہی سامنے آئیں گے ۔ ہمارے ہاں کتاب چونکہ خریدی نہیں جاتی لہذا نتیجے میں کئی رضوی صاحب جیسے بہترین شاعر اپنے کلام کو جیب میں محفوظ کئے رکھتے ہیں اور خاص کر ریٹائیرڈ شعراء کے لئے کتاب کو شائع کروانا بھی خاصا مشکل کام ہے۔۔!!

رضوی صاحب نے بے شمار ٹیوی کے پروگراموں میں بھی اپنی صوفیانہ شاعری کا جادو جگایا ہے وہ ڈی ایم ڈیجیٹل کے ''شامِ قلندر'' اور تکبیر ٹی وی کے نعتیہ پروگراموں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

حضرت میاں محمد بخشؒ کھڑی شریف سے خاص نسبت ہے اور ان کی کتاب ''مرزا صاحباں'' کی کتابت بھی کی جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔گوگل کی مشہور ویب سائیڈ ''یوٹیوب'' میں ''توں اک واری مل سجناں'' کے عنوان سے با قاعدہ طبلے کے ساتھ کلام پیش کیا جو بہت پسند کیا گیا۔

ان کی غزلیہ شاعری اعلیٰ درجہ شاعری کی گونا گوں خصوصیات سے مرصّع ہے،انہوں نے اپنی زندگی کے تلخ و شیریں تجربات و مشاہدات کو شعری پیکر عطا کیا ہے۔آپ الفاظ کی مدد سے اپنے احساسات و تخیلات جذبوں ،ولولوں ،امنگوں اور اپنے تجربات و مشاہداتِ زندگی کو تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔انسان تنہا ہوتے ہوئے بھی تنہا نہیں ہوتا خیالات و تفکرات کا ایک ہجوم ہوتا ہے جو تنہائی میں بھی اس کے ذہن و دل میں رقصاں ہوتا ہے یعقوب رضوی صاحب بھی تنہا نہیں ہوتے انہوں نے اپنے آپ کو ادب کے لئے مختص کر رکھا ہے اور جس کی آتشِ فرقت میں وہ ہمیشہ سوزاں رہتے ہیں۔

میتھوں درد دل دے چُھپاون نہیں ہوندے

اکھیاں چوں اَتھرو سُکاون نہیں ہوندے

انہوں نے زیادہ کلام پنجابی زبان میں لکھا ہے اور مزے کی بات ہے کہ ان کے کلام میں ایسے ایسے پنجابی کے خوبصورت الفاظ شامل ہوتے ہیں جو بہت کم بولے جاتے ہیں جس کی اہم وجہ اردو کا زیادہ چلن جس کی وجہ سے پنجابی زبان میں بھی اردو کے بے شمار الفاظ در آئے ہیں۔ ویسے بھی پنجابی زبان ہر پندرہ میل کے بعد تبدیل ہو جاتی ہے اور اپنے اپنے علاقے کے کئی ایسے مخصوص الفاظ ہیں جو دوسرے علاقے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں۔ مگر رضوی صاحب کو پنجاب کے بے شمار علاقائی الفاظ پر دسترس ہے جو وہ اپنے کلام میں شامل کر کے اسے مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں۔

عشق دی پہکھیا رضوی منگاں

دولت دنیاں تھوڑتوں سنگاں

رہوے چڑھیا عشق بخار

اوہ راہیا عشق دیا

میرے بہت ہی مخلص دوست ، بھائی جناب محمد یعقوب رضوی قادری صاحب کے نام سے میں اس کتاب کو اختتام تک پہنچاتا ہوں کہ ان کا مبارک نام یعقوب رضوی قادری بھی ''ی،، سے شروع ہو کر ''ی،، پر ہی اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اور جو کہ برطانیہ کے ادبی مشاہیر کی اس تاریخی کتاب کی مہر ثابت ہوا جسے میں اپنی کتاب اور اپنے لئے مبارک سمجھتا ہوں۔ اللہ پاک انہیں صحت تندرستی والی طویل زندگی عطا فرمائے اور ہم ان کی شاعری سے مستفید ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی اپنا پہلا مجموعہ کلام منصۂ شہود پر لا کر دنیائے ادب میں ایک خوبصورت اضافہ کریں گے۔ ان کی دو غزلیں اردو اور چار تخلیقات پنجابی میں سامنے والے صفحات کی زینت ہیں امید ہے قارئین کرام انہیں پسند کریں گے۔

صبا جا سنا میرے دل کے ترانے　　　یہ کہنا ملن کے ہیں موسم سہانے

❁

صبا جا سنا میرے دل کے ترانے
یہ کہنا مِلن کے ہیں موسم سہانے

ہے مہتاب بیتاب رگ رگ یہ میری
تُو جانے نہ جانے تُو مانے نہ مانے

مِرے دن کٹے اور کٹتے رہیں گے
نہ بھولے تجھے تیرے عاشق پرانے

مِرا بارہا تیرے کوچے میں جانا
مِری جاں نہ بھولیں مجھے وہ زمانے

کہاں اہلِ دل ہائے دل چھپ گئے ہیں
عزیزو بتاؤ تو اُن کے ٹھکانے

اب آجا مجھے دردِ دل دینے والے
نہ بھولو پیا رضوؔی جیسے دِوانے

❁

محبت مِری رائیگاں تُو نے سمجھی
مِرا دل نہ دل کی زباں تُو نے سمجھی

گلستاں تِری یاد کا میرا دل ہے
مِرے دل کی خوشبو گراں تُو نے سمجھی

تِرے گیت اک عمر گاتا رہا میں
مِری پیت وہم و گماں تُو نے سمجھی

تِرا درد دولت ہے دل کی مِری جاں
مگر بے حسی کی دکاں تُو نے سمجھی

دُکھی دل دُکھانا ہے شیوا تمہارا
مِری خامشی بے زباں تُو نے سمجھی

نہ دنیا نہ دنیا کے میلے رہیں گے
نہ رضوؔی کی آہ و فغاں تُو نے سمجھی

میتھوں درد دل دے چُھپاوَن نہیں ہوندے
اکھیاں چوں اَتھرو سُکاوَن نہیں ہوندے

گیا ٹُر جدوں دا ہے محرم دلاں دا
غیراں نوں دُکھڑے سناوَن نہیں ہوندے

جے ٹُر جاناں سی ساہنوں دس کے تے جاندوں
ساہتھوں دن تیرے بن ٹپاوَن نہیں ہوندے

خدا دی قسم درد منداں دے چاک آں
بے درداں دے سنگ نبھاوَن نہیں ہوندے

اَزلاں توں اک دے آں، اِک دے رہواں گے
ساہتھوں در بدر سر جھکاوَن نہیں ہوندے

بُلھےؒ وانگوں مُرشد منا کوئی نہیں سکدا
ہر کس تھیں گھنگھرو سجاوَن نہیں ہوندے

جے لا بیٹھیں رَنیوں، لا کے رکھ لاج رضوؔی
کچہّ تک گھڑا یار پاوَن نہیں ہوندے

تینوں وَسدا ویکھ کے وَس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے
تینوں بدلا ویکھ کے ہس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے
اسیں قُدس مُلک دے رہن والے
نہ پلک جدائی سہن والے
بے پرواہ یار دے وَس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے
دانا کھا کے بَن نادان گئے
پلّے درداں دے طوفان پئے
ہو کے اشرف ہن بے وَس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے
چاپایا بھار بَلی دی بلا والا
سودا کیتا عشق سوداء والا
جھلے عشق دی چَس دے وَس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے
ساہڈی ملکاں ریس نہ کرنی اے
جتھاں رضوؔی ھُو ھُو پڑھنی اے
پِچھے بلدی ویکھ نہ نس پئے آں
اسیں اُجڑے اُکھڑے ازلاں دے

گنج گنج کے پیر پیار
اوہ راہیا عشق دیا
اس راہ وچ خار ہزار
اوہ راہیا عشق دیا
عشق سمندر بوہت ڈونگھیرا
ڈگمگ ڈولے بھلا بھلیرا
کئیں ڈُب گئے ادھ وشکار
اوہ راہیا عشق دیا
سوہنی سوزوں عشقوں سڑ گئی
سرے چنہاں دے چھلڑی چڑھ گئی
کر پورے قول قرار
اوہ راہیا عشق دیا
کھیڑے کھیڑا کر کر تھکے
ہیر رانجھے وَل، وَل وَل تکے
چھڈ آجا تخت ہزار
اوہ راہیا عشق دیا
صحباں یار تے ٹہہ ٹہہ مرگئی
مرزا مرزا کہہ کہہ مر گئی
نہیں رکھیا رائی ادھار
اوہ راہیا عشق دیا
عاشقاں دا ہے شام سلوناں
سیف ملوک جہیا کس ہوناں
جہدا کھڑی والا غمخوار
اوہ راہیا عشق دیا
عشق دی پہکھیا رضوی منگاں
دولت دنیاں تھوڑتوں سنگاں
رہوے چڑھیا عشق بخار
اوہ راہیا عشق دیا

تیری یاد بَن ٹھَن کے آندی پئی اے
میرے درد سُتڑے جگاندی پئی اے

اینہاں اکھیاں رو رو کے ساون ہے لایا
گھڑی وَصل دی ہورے آندی پئی اے

صَبا جا کے آکھیں میرے دِلربا نُوں
رگ رگ تیرے گیت گاندی پئی اے

زمانے دی شاہی دی طالب نہیں ہوندی
تیرے در تے بَن کے جو باندی پئی اے

ساہڈا باخدا ایہہ عقیدہ اے پکا
تیرا صدقہ کونین کھاندی پئی اے

تیری جان پہچان ایہو ہے رضوی
تیری غزل دردوں سہاندی پئی اے

مرحومین شعراء وادباء

دنیا میں آیا ہوا ہر شخص چاہے وہ سو سال سے بھی زیادہ جی لے مگر ایک دن اس نے اللہ کی رضا سے اس دنیا سے کوچ کرنا ہی ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں جہاں بدنی طاقت سے نوازا ہمیں عقل سلیم بھی دی اور اسی عقل سے انسان نے آج چاند اور ستاروں کو مسخر کر لیا زمین کو روند ڈالا اور زمین سے پوشیدہ خزانے تک ڈھونڈ لایا، اسی طرح اس عقل نے ہمیں قلم کی طاقت دی اور اس قلم نے بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ ڈالے اسی قلم نے امن وسکون بھی دیا اور دنیا میں عقل و دانش اور سخن و ادب کے گلستاں آباد کئے۔

آج برطانیہ میں بہت اچھا ادب تخلیق ہو رہا ہے اور ہزاروں قلمکار قلم کے جوہر دکھا رہے ہیں کچھ اپنے قلم سے ایسا ادب تخلیق کر کے عدم سدھار گئے جو سدا یادگار رہے گا اور تا قیامت لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں گے یہ ادب ان کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے گا اسی ادب کے حوالے سے لوگ انہیں سدا یاد رکھیں گے اور اس کی خوشبو سے دنیائے ادب معطر رہے گی۔۔ ذیل میں میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ برطانیہ کے مرحوم قلمکاروں کے نام شامل کروں جس کے لئے میں میرے محترم بزرگ دوست جناب پروفیسر محمد شریف بقا صاحب اور محترم آدم چغتائی صاحب نے کافی معلومات مہیا کیں۔ جس لئے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ کئی دوسرے ادب دوستوں سے بھی گزارش کرتا رہا کہ مجھے اپنے اپنے شہروں کے قلمکار جو زندہ ہیں یا رخصت ہو گئے ان کی معلومات مہیا کریں۔ کافی دوستوں نے تعاون کیا جن کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ان مرحومین میں سے کچھ میرے شفیق مہربان دوست تھے جو میری موجودگی میں عدم سدھار گئے ان پر میں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے، کچھ مہربان دوست جنہوں نے زندگی میں اس کتاب کے ساتھ مالی اور قلمی تعاون کیا مگر زندگی نے وفا نہ کی ان کے مضامین کتاب کے اندر اسی طرح شامل ہیں جیسے دوسروں قلمکاروں کے مع ان کے کلام کے۔۔! باقی مرحومین شعرا کے نام شامل ہیں۔۔

نجمہ انصار (مرحومہ)

اللہ غریق رحمت کرے نجمہ انصار برطانیہ کی نہایت عمدہ شاعرہ نہایت مخلص، سنجیدہ، مدبّر اور وضعدار خاتون تھیں۔ان سے پہلی ملاقات ایک مشاعرے میں ہوئی مگر ان کی کتاب ''زخمہ احساس'' جو مجھے کسی شاعر نے دی کہ اس پر اپنی رائے لکھیں تو نوائے وقت میں شائع ہونے والے میرے اس مضمون سے وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ برسوں کے فاصلے مٹ گئے مگر افسوس کہ ان دنوں ان کے جسم میں کینسر نے اس تیزی کے ساتھ اپنی جڑوں کو پیوست کر دیا تھا کہ ڈاکٹروں نے لا علاج کر کے انہیں گھر بھیج دیا۔وہ دو بار ہی میرے مشاعروں میں آسکیں اور دونوں بار میں نے انہیں مہمان خصوصی کی عزت دی جس پر وہ ہمیشہ بڑی ممنونیت سے مجھے دیکھ کر شکریہ کہتیں۔۔ پھر پتہ چلا کہ وہ اپنے دکھوں سے نجات پا کر اللہ تعالٰی کے حضور حاضر ہو گئیں۔

میں ان کی وفات سے چار دن قبل ان کے گھر گیا جہاں وہ ہسپتال کے دیئے ہوئے پلنگ پر دراز تھیں جان لیوا بیماری نے ان کے روشن سنجیدہ پر جلال چہرے پر مردنی کا رنگ بکھیر رکھا تھا انہوں نے مجھے اپنے نزدیک بٹھا کر میرا ہاتھ تھاما اور نحیف آواز میں کہا جو آج بھی میری روح میں جاگزیں کلمات میرے کانوں میں گونج کر میری آنکھوں کو نم کر دیتے ہیں۔

'' امجد میرے بھائی ! افسوس کہ اتنی مدت لندن کے مشاعروں میں منافق، حاسد اور نام نہاد شعراء کے ساتھ وقت برباد کیا۔۔آپ ملے تو بھی کتنی دیر کے بعد۔۔آپ نے ہمیشہ مجھے عزت دی مجھ پر خوبصورت مضمون لکھا شائع کیا۔مگر۔۔۔افسوس جب ملے تو میرے پاس وقت ہی نہ رہا۔۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے،اور جیسے سانسیں پھول گئی ہو۔۔کچھ دیر بعد پھر بولیں،

امجد ! مجھے امید ہے کہ تم میرے کلام کو زندہ رکھو گے اور اپنی ادبی صفحات میں شائع کرتے رہو گے۔۔ میں کچھ کتابیں دوں گی وہ لائبریری میں دے دینا۔'' نجمہ انصار 1973 سے برطانیہ بھر کے معیاری مشاعروں میں شرکت کر رہی تھیں۔وہ پہلے بریڈ فورڈ میں رہتی تھیں جب کہ وہ بعد میں لندن میں مقیم ہو گئیں۔وہ ایک ادبی خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں ان کے والد بزرگوار جناب نفیس احمد صدیقی

مستند شاعر تھے جو بعد میں سیاست میں دلچسپی کے باعث شاعری پر زیادہ توجہ نہ دے سکے، ان کی والدہ محترمہ رابعہ صدیقی باضابطہ شاعرہ تھیں۔ اور پھر خوش قسمتی سے جناب انصار حسین خان ان کے شریک حیات ہوئے تو وہ بھی ادب کے شیدائی نکلے جن کے تعاون سے نجمہ کے شعری ذوق کو مزید جلا ملی اور اس طرح تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا جس نے 1988 میں شعری مجموعہ بعنوان ''زخمۂ احساس'' ترتیب دیا۔ مگر کچھ ایسی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوئی۔ مگر پھر 2000ء میں شائع ہوا۔ نجمہ انصار کی شخصیت نہایت سادہ اور کسی تکبر، بڑائی و غرور سے دُور، ان کی شاعری گنجلک ترکیبوں اور غیر مروجہ بندشوں سے مبرا، ان کا اسلوب سادہ، رواں اور دل کش تھا۔ دعا ہے اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت دے اور ان کے کلام کو زندہ رکھے۔ آمین

تری گلی سے جو پرہیزگار گزرے گا
تو دیکھنے کو تجھے، بار بار گزرے گا
ترا خیال نہ آئے گا یوں تو سوچ سے
گو، میرے ذہن میں بے اختیار گزرے گا
چلا رہا ہے بغاوت کے تیر، جو چھپ کر
کبھی وہ ہو کے اِنہی کا شکار گزرے گا
وہ ایک شخص ہمیشہ اُٹھائے گا فِتنہ
جِدھر سے بھی وہ کبھی، بدشِعار گزرے گا
وہ، شَر اُٹھانے میں جس کو کمال ہے حاصِل
کبھی یہاں سے نہ وہ شرمسار گزرے گا
اِک آئینہ ہی دِکھانے کی بات ہے نجمہ!
مزاجِ شیخ پہ لیکن یہ بار گزرے گا

کہیں حیات کا نام و نشاں نہیں ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو پھر یہ جہاں نہیں ہوتا
ہر ایک شخص کی بس ایک ہی کہانی ہے
سلگ رہا ہو کچھ ایسے، دُھواں نہیں ہوتا
ستارے لاکھ ہوں دستار پر جڑے روشن
ہر ایک جلوہ مگر کہکشاں نہیں ہوتا
یہی یقیں ہے مرا اور یہی حقیقت ہے
کسی کا صبر کبھی رائیگاں نہیں ہوتا
ہے بدگماں، مگر اک اصول ہے اس کا
کہ بدگماں سے کبھی بدگماں نہیں ہوتا
عبث ہے آس ستم گر سے رحم کی نجمہ
یہ وہ زمیں ہے جہاں آسماں نہیں ہوتا

رحمت قرنی مرحوم

رحمت قرنی سے بھی میری ملاقاتیں مشاعروں میں ہوتیں۔نہایت ملنسار، دوست نواز اور مسکراتے ہوئے شخص تھے، باتوں میں مزاح کی چاشنی لئے سر پر جناح ٹوپی سجائے اکثر مشاعروں میں کلام سنا کر داد پاتے۔انہوں نے اپنا کلام یکجا کر کے لاہور میں ایک جاننے والے صحافی کو جا کر دیا اور پانچ ہزار روپے بھی اس کی ڈیمانڈ پر ادا کر دیئے، چند دنوں کے اصرار اور بار بار یاد دہانی پر ایک روز اس کمبخت نے ایک عدد کتاب کی ڈمی بنا کر ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ”کہ اتنے روپوں میں یہی کتاب چھپ سکتی ہے۔“ انہیں اس دھوکہ پر اس قدر صدمہ ہوا کہ دوسرے روز ہسپتال پہنچ گئے۔۔اور پھر جو کچھ ہوا وہ کسی افسانے سے کم نہیں۔۔ دوسری رات کو ہسپتال میں ڈاکو آ گئے اور مریضوں سے بٹوے گھڑیاں اور موبائیل چھیننے لگے۔قرنی صاحب اس انوکھی حرکت پر اس قدر دہشت زدہ ہوئے کہ جسم پر لگی ہوئی ٹیوبیں اتار پھینک کر باہر بھاگ پڑے۔۔دل کے مریض تو تھے ہی چند قدم جا کر سڑک پر ایسے گرے کہ روح پرواز کر گئی۔۔۔اس افسوسناک اور حیرت ناک خبر نے لندن کے ادبی حلقے میں دکھ اور سنسنی پھیلا دی انہیں پاکستان ہی دفن کر دیا گیا اور یوں ان کو اپنا کلام کتاب کی صورت میں دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ یہ حسرت لئے اس بے وفا اور ظالم دنیا سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئے۔۔۔

آپ ایران کے شہر آبادان میں پیدا ہوئے اور پھر کراچی، بمبئ سے ہوتے ہوئے امرتسر میں مستقل قیام کیا سات آٹھ سال کی عمر میں ہی اشعار وارد ہونے لگے، فارسی زبان مادری ہونے کی وجہ سے اپنے اسکول میں اعلیٰ حیثیت رہی، بچوں کے رسالوں میں نظمیں کہانیاں لکھیں بلکہ کراچی کے مشہور رسالے ”بھائی جان“ میں ایک منظوم ڈرامہ لکھ کر انعام بھی حاصل کیا۔ہونہار بروا کے ایسے چکنے پات تھے کہ لڑکپن سے ہی شاعری میں اپنے آپکو منوالیا تھا۔امرتسر میں ”ایوان اردو“ کی بنیاد رکھی۔پاکستان کا قیام ہوا تو سکھر آ کر ملازمت کی پھر رائل پاکستان ایئر فورس میں شامل ہو کر خدمت وطن سے سرخرو ہوئے۔پھر دوسری ہجرت کی اور 1962 میں برطانیہ آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

انہیں اپنے مجموعہ کلام کو شائع کرانے کا شوق تھا جو زندگی میں نصیب نہ ہوا مگر ان کے عزیز ترین اور نہایت مخلص دوست جناب شیخ رشید صاحب اور محترمہ نور جہاں نوری نے جہاں ان کی اس خواہش کو پورا کر کے ان کا مجموعہ کلام بنام ''مانوس قفس'' شائع ہی نہیں کروایا بلکہ اس کی رسم اجرا بڑے اہتمام سے کروا کر اپنی بے پناہ محبتوں کا ثبوت دیا وہاں مرحوم رحمت قرنی کی روح کو سکون و تازگی بخشی۔ اللہ ان جیسے مخلص دوستوں کی دوستی ہر ایک کو نصیب کرے اور ان کو اجر عظیم دے، آمین

ان کی ایک غزل قارئین کرام کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

❁

رونقِ بزم لگے عزتِ مئے خانہ لگے
تیرا دیوانہ تو محفل میں نہ دیوانہ لگے

میرے احباب بھی مقتل میں ہیں بہرِ تفریح
دیکھئے آپ کا اک وار بھی اوچھا نہ لگے

آ کے مقتل میں بھی جی ان کا نہیں بہلے ہے
کیا تماشا ہے تماشا ہو تماشا نہ لگے

ہائے وہ وقت فقیروں کا دعا ہو بے فیض
کوئی خیرات نہ پہنچے کوئی صدقہ نہ لگے

اچھے اچھوں سے بھی کیا اچھے سبق ہم کو ملے
اب تو سو اچھوں کا اچھا بھی ہو اچھا نہ لگے

جب سے وہ جانِ وفا چھوڑ گیا ہے رحمتؔ
مطلقاً دل نہ لگے شہر بھی ویرانہ لگے

محمد ادریس چغتائی مرحوم

محمد ادریس چغتائی مرحوم برمنگھم کے معروف مترنم شاعر جناب آدم چغتائی کے بڑے بھائی تھے، 1953 میں برطانیہ آئے۔نہایت خوش گلو شاعر تھے۔اس زمانے میں لوگ اپنی روزی روٹی کی فکر میں مصروف عمل تھے مگر صاحب ذوق اور سخن پرور لوگ بھی موجود تھے جو چھٹی والے دن اپنے گھروں میں صاحب ذوق احباب کو اکٹھا کر کے ادبی محفلوں سے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان پیدا کرتے ان میں قابل ذکر منیر قریشی تھے جو اپنے گھر میں ادبی محفلوں کا اہتمام کرتے جہاں مشہور شعرائے وقت استاد بُنگی، لطیف کلیم، ڈاکٹر حسین شاداں، عابد علی، میر مودودی اور ادریس چغتائی اور آدم چغتائی اکٹھے ہوتے۔

1963 میں برمنگھم میں آدم چغتائی نے ایک ادبی محفل ''رائٹرز گلڈز آف پاکستان'' کی داغ بیل ڈالی جس میں ڈاکٹر یوسف قمر، معین الدین شاہ، عابد علی، ڈاکٹر حسین شاداں اور فضل حسین شامل تھے۔جس کے صدر یوسف قمر اور جنرل سیکریٹری مرحوم ادریس چغتائی تھے۔بقول آدم چغتائی صاحب کے یہ برمنگھم جیسے بڑے شہر کی پہلی ادبی تنظیم تھی۔۔محمد ادریس چغتائی 1948 میں وفات پائے۔ان کی ایک غزل،

یہ چند آنسو یہ چند آہیں سوائے ان کے دھرا ہی کیا ہے
زمانہ کیا چھین لے گا ہم سے کسی نے ہم کو دیا ہی کیا ہے
ہماری آنکھوں میں آنسو کیسے زباں پہ یہ عذرِ بے گناہی
ہمی کو لٹنا تھا لٹ گئے ہیں تمہاری اس میں خطا ہی کیا ہے
کسی نے یوں ہی اڑائی ہوگی میں اس کا کیسے یقین کرلوں
وہ کیا کریں گا ستم کسی پہ انہیں تمیز جفا ہی کیا ہے
تباہیوں کا ملال ہی کیا جدائیوں کا سوال ہی کیا
گزر گئی دل پہ جو بھی گزری ہمارا ان سے گلہ ہی کیا ہے
میری کہانی ابھی ہے جاری گزار دوں گا میں رات ساری
تمہارا ہی تذکرہ ہے اس میں ابھی تو تم نے سنا ہی کیا

راجہ محمد تاج مرحوم

ضلع کوٹلی آزاد کشمیر کے ایک گاؤں سرہوٹہ میں پیدا ہونے والے بچے کو جب والدین نے دیکھا ہوگا کہ یہ معذور پیدا ہوا ہے تو لازمی بات ہے انہیں دلی رنج ہوا ہوگا ،کوئی ماں باپ اپنی اولاد کو بیمار یا معذور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔مگر یہ سب اللہ کی رضا ہے۔کہ وہ کسے کیا عطا کرے۔ مگر یہی بچہ جب اپنی سمجھ بوجھ کو پہنچا تو اس میں اللہ نے علم حاصل کرنے کا اتنا جذبہ پیدا کیا کہ اس نے اپنی جسمانی معذوری کو اپنی علمی پیاس کے درمیان حائل نہ ہونے دیا۔وہ نہ صرف اپنے خاندان کے لئے ایک مثال بن گیا بلکہ پوری قوم کے لئے ایک نمونہ بن کے سامنے آیا۔ پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں میں آبائی گاؤں میں حاصل کی چونکہ والد راولپنڈی ملازم تھے لہذا جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو وہاں ان کے لئے زیادہ مواقع تھے۔اور اپنی جسمانی معذوری کے باوجود کئی کئی گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اسکول سے لے کر کالج تک کے سفر میں اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے ۔بی اے کے بعد وہی معذور بچہ ایک مدرس کی شکل میں سامنے آیا اور عزت وتکریم حاصل کی ۔۔یہ تھے ہمارے بہت ہی پیارے بزرگ دوست، محسن ،اردو پنجابی کے ممتاز شاعر جناب راجہ محمد راج صاحب جولوٹن میں رہے اور وہیں انتقال کیا۔اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے، آمین

راجہ تاج صاحب نے بی اے کے بعد ایک مقامی اسکول میں درس وتدریس کا کام شروع کیا ۔اور سات سال تک اس میں پڑھایا۔مگر جب جسمانی تکلیف زیادہ بڑھی اور وہ چلنے پھرنے سے بالکل ہی معذور ہوگئے تو بجائے گھر کے کونے میں بیٹھنے کے انہوں نے اپنے گھر کی بیٹھک میں اسکول کھول لیا اور پھر بارہ برس تک وہ نئی نسل کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے رہے۔ایک ایسے شخص کے لئے جو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کا محتاج ہو جائے مگر اپنی ہمت ،خوداعتمادی کے بل بوتے پر اور علم کی محبت میں سرشار نچلا نہ بیٹھے اس پر اللہ بھی مہربان ہو جاتا ہے وہ دوسروں کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے جوان بھتیجے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے تایا جان ہمارے لئے روحانی پیر ہیں مشعل راہ ہیں رہبر ہیں انہیں دیکھ کر ہمیں بھی دنیا کے مصائب و

آلام ہیچ نظر آتے ہیں اور آگے بڑھنے کا اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

راجہ تاج سے میری بڑی پرانی یاد اللہ ہے انہوں نے ہمیشہ ہر اردو پنجابی رسالے اخبار کو اپنا مالی قلمی تعاون پیش کیا۔ ان کی پہلا مجموعہ ''چراغ راہ'' دوسرا ''معراجِ عقیدت'' اور پھر تیسرا مجموعہ کلام ''متاعِ عقیدت'' ہے جس میں حمد، نعت، غزل اور مختلف موضوعات پر نظمیں ہیں۔ مجھے اعزاز ہے کہ ان کے تیسرے مجموعے کی کمپوزنگ میرے ہاتھوں ہوئی اور اسے برطانیہ کے مشہور ادبی مجلّے ''ساحل'' نے شائع کیا۔ ان کا کلام درج ذیل ہے۔

لمحہ لمحہ اب اضطراب میں ہے
خونِ دل رنگِ آفتاب میں ہے
ڈگمگاتی ہے ناؤ موجوں میں
سب زمانہ اب انقلاب میں ہے
حالات حاضرہ پر کیا کروں تبصرہ میں
یہ تحریر فقط اس کتاب میں ہے
موجودہ حکمرانوں سے حب الوطنی کی کیا توقع
اب یہ ادب کہاں ان کے نصاب میں ہے
محوِ پیکار حکمران ہیں سب
دیدہ و بینا عذاب میں ہے
کاغذی پھولوں میں خوشبو کہاں ہے
بوئے گل تو فقط گلاب میں ہے
مارا مارا پھرے ہے بے چارہ
تاؔج کا حال اضطراب میں ہے

تجھ سے ملنے کی تمنا میں جیئے جاتے ہیں
زندگی زہر ہی سہی پھر بھی پیئے جاتے ہیں
زندگی کیا ہے بس اک درد بھرا فسانہ ہے
پیراہن درد کا ہے جس کو سیئے جاتے ہیں
بن سکے گا جو ہر افسانے کی زینت لوگو
ہم زمانے کو وہ عنوان دیئے جاتے ہیں
لوگ ایسے بھی ہیں موجود زمانے میں سدا
جو کہ مرنے کی تمناء میں جیئے جاتے ہیں
بے وفا تجھ پہ لہو اپنا نچھاور کرکے
ہم تمہیں زندہ جاوید کیے جاتے ہیں
عہد عقبیٰ کی بھلائی کی بجائے کیوں ہم
زیست فانی کی تزئین کیے جاتے ہیں
زندہ رہنے کی سعادت کے وہی ہیں حقدار
دوسروں کے لیئے جو تاؔج جیئے جاتے ہیں

محمد سرور رجاؔ مرحوم

محمد سرور رجاؔ صاحب سے پہلی ملاقات لندن کے ایک مشاعرے میں ہوئی جس میں ان کی کتاب 'ہالۂ نور' اور 'نسیم ارم' کی رسم اجراء ہوئی۔ نوٹنگھم سے لندن کا طویل سفر کر کے پیری اور بیماری کے دوران آنا ہی رجا صاحب کی ادب سے بے پناہ محبت کا منہ بولتا ثبوت تھا، رجا صاحب کی طبیعت میں اس قدر انکسار وعاجزی اور خلوص ہے کہ وہ پہلی ملاقات میں اپنے مخاطب کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ وہ فارسی، اردو، انگریزی اور پنجابی کے بہت بڑے عالم ہیں اور ان کو ان چاروں زبانوں پر مکمل عبور ہے۔ انہوں نے سولہ برس کی عمر میں فارسی میں غزل لکھی جس نے ایران میں شائع ہو کر پذیرائی حاصل کی۔

انہوں نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کو اردو میں منظوم کر کے اردو ادب کو وہ بیش بہا خزانہ عطا کیا ہے۔ انہیں شاعر مشرق سے والہانہ محبت تھی کہ اسی سال تک انہوں نے علامہ اقبال پر ہی کام کیا۔ "مئے باقی" کو اردو میں منظوم کرنے کے بعد وہ علامہ اقبال کی دوسری تصانیف "اسرار و رموز، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اور ارمغان حجاز کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔ مجھے یہ اعزاز ہے کہ میں نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ کمپوز کیا اور اسے کتابی شکل میں ترتیب دیا۔ جو ماہنامہ ساحل نے شائع کیا۔ ان کی وفات کے بعد بھی ماہنامہ ساحل میں علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام کا منظوم ترجمہ شائع ہوتا ہے جو ساحل کے مدیر اعلیٰ محترم تنویر اختر صاحب کی ادب سے محبت اور مرحوم محمد سرور رجا کی عقیدت کا ثبوت ہے کہ وہ ان کے اس عظیم ادبی کام کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ رجا صاحب کی اپنی شاعری میں بھی الفاظ کی ترتیب، ان کو شاعری کی مالا میں پرونا، ان کا ردھم، اسلوب و انداز ایک سحر کا سماں پیدا کر دیتا ہے اور رجاؔ صاحب کی علمی برتری کا احساس ان کی شعری صلاحیتیں اور فارسی و اردو زبانوں پر مکمل عبور دیکھ کر بے اختیار زبان سے ماشاءاللہ نکلتا ہے۔۔ اللہ پاک ان کو غریق رحمت کرے اور اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

۞ ۞ ۞

مرحوم قلمکار:

گوان میں بے شمار قلمکاروں کو میں ذاتی طور پر نہیں جانتا مگر ان کے نام سے ضرور واقف تھا جو برطانیہ کے ادبی افق پر اپنے سخن و ادب اور کلام سے اچھی یادیں چھوڑ گئے۔ مندرجہ ذیل شعرا و ادبا میں سے جو ماضی قریب میں فوت ہوئے جنہیں میں ذاتی طور پر جانتا تھا ان پر مضامین شامل اشاعت ہیں۔ باقی مرحومین کی معلومات محترم پروفیسر محمد شریف بقا اور محترم آدم چغتائی صاحب سے حاصل ہوئی جس کے لئے میں ان دونوں بزرگوں کا شکر گزار ہوں۔۔۔

لطیف کلیم ، عطا جلندھری ، سرور جلندھری ، موج فرازی ، میر بشیر ، بخش لائلپوری ، حکیم غلام نبی ، بے تاب سوری ، جی اے بلبل کاشمیری ، رحمت قرنی ، جاوید احسن ، ابرار ترمذی ، نسیم شمائل پوری ، بہار کاشمیری ، ڈاکٹر مجیب ایمان ، حسن ڈبائی، جامؔی جوہر زاری ، اطہر راز ، حبیب حیدرآبادی ، استاد بنگی ، خالد یوسف، ایم صغیر ادیب، نجمہ انصار، قیصر تمکین، صفیہ صدیقی، حفیظ جوہر، جاوید اختر بیدی ، ڈاکٹر فیروز مکرجی ،اعجاز احمد اعجاؔز،یوسف عاجز، سرمد بخاری ، محمد ادریس چغتائی، منیر قریشی ، سید صداقت حسین شاہ ، اختر ضیائی ، سید اشفاق حسین اشفاؔق ، ڈاکٹر ودیا ساگر آنند ، محمد زاہر داری ، مسٹر سوری ، حبیب حیدرآبادی ،معین شاہ ، محمد نذیر عاجز، راجہ محمد تاج ، عاشور کاظمی، عبدالرحمٰن بزمی ،مجاہد ترمذی ، سلطان محمود ،کفایت شاہ ، چنچل سنگھ ، حسین مشیر علوی ، رالف رسل، سلطان الحسن فاروقی ،انور شیخ ، چوہدری محمد سلیمان، فاروق حیدر ناداں ،آغا محمد سعید،ڈاکٹر عبدالغفار عزم، نجمہ انصار، محمود ہاشمی، اقبال مرزا، عادل فاروقی ،نور جہاں نوری، انور نسرین ،سیما جبار، گلشن کھنہ، فاروق قریشی، چمن لال، اسلم زاہد، نجم الحسن ضمیر، حیدر طباطبائی، ساحر شیوی، اکبر حیدرآبادی، خالد یوسف، عاصی کشمیری، قاضی عبدالقدوس، سالم جعفری، ساقی فاروقی، (اور بہت سے شعرا انتقال کر چکے ہیں ان کی تفصیل ''یورپ کے ادبی مشاہیر'' میں ہوگی)

برطانیہ کے اخبارات

☆ روزنامہ جنگ — مدیر: افتخار قیصر (جاری)

☆ روزنامہ اوصاف — مدیر: ماہتاب خان (ختم)

☆ روزنامہ کشمیر ٹائمز — مدیر: چوہدری مبین (ختم)

☆ ہفت روزہ نیشن — مدیر: محمد سرور (جاری)

☆ ہفت روزہ نوائے وقت — مدیر: گلفام اختر (ختم)

☆ ہفت روزہ یو کے ٹائمز — مدیر: قیصر امام (ختم)

☆ ہفت روزہ اسٹار — مدیر: امداد حسین شیخ (بند)

☆ ہفت روزہ اردو ٹائمز — مدیر: طاہر چوہدری (جاری)

☆ ہفت روزہ آجکل — مدیر: سید (بند)

☆ ہفت روزہ پاکستان — مدیر: فیضان عارف (بند)

☆ ہفت روزہ ملت — مدیر: ---- (بند)

☆ ہفت روزہ آواز — مدیر: مرزا امداد (بند)

☆ ہفت روزہ اخبار وطن — مدیر: عبدالرزاق (بند)

☆ ہفت روزہ لائیٹ — مدیر: ندیم مرزا (بند)

☆ ہفت روزہ نوائے جنگ — مدیر: آصف سلیم مٹھا (جاری)

ہفت روزہ اخبار وطن

برطانیہ میں سب سے پہلا اردو کا اخبار محترم محمود ہاشمی صاحب نے 'مشرق' کے نام سے نکالا جس میں عبدالرزاق (مرحوم) بھی شامل تھے مگر کچھ مدت کے بعد ان حصہ داروں میں اختلافات کے باعث عبدالرزاق صاحب نے نیا پرچہ اور اس کو "اخبار وطن" کا نیا نام دے کر 35 سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ جاری رکھا۔ رزاق صاحب کی بیماری نے اس پرچے کو بیچنے پر مجبور کر دیا اور ساؤتھ ہال کی ایک پارٹی نے خریدا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ کچھ مدت یہ بند رہا مگر اس کے بعد جاوید تاج نامی شخص نے جو کچھ مدت آواز اخبار میں بھی کام کرتا رہا، نے اخبار وطن کو دوبارہ شروع کیا جس کے ساتھ ڈیڑھ برس تک میں بھی کام کرتا رہا۔ مگر شراب، جوئے کی بری عادت نے جاوید کو اس قدر مقروض کر دیا جس کا شکار میں بھی ہوا اور گیارہ سو پونڈ میرے بھی ہڑپ کر گیا جس کے عوض سر بازار بری طرح زدکوب ہوا اور رات بھر ہسپتال رہا۔ اس بے ایمانی کے نتیجے میں دوسرے ماہ کا پرچہ پرنٹ ہوا پریس میں پڑا رہا اور 37 سال تک چلتا ہوا برطانیہ کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اخبار ایک نا اہل، بد دیانت اور بد کردار انسان کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔۔۔ آج کل موصوف بے روزگاری الاؤنس پر گلیوں میں پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور اپنے قرض خواہوں کو دیکھ کر راستہ تبدیل کر جاتے ہیں۔۔ مگر جو نقصان اردو ادب اور صحافت کو انہوں نے دیا وہ نا قابل معافی ہے۔ ۔

ہفت روزہ ''نوائے وقت''

ہفت روزہ نوائے وقت کے بانی و مدیر جناب ڈاکٹر گلفام اختر نے اس اخبار کو گلاسگو (اسکاٹ لینڈ) سے شروع کیا، اس کے کچھ مدت بعد وہ لندن شفٹ ہو گئے۔ گو اس اخبار کا پاکستان کے نوائے وقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر اختر گلفام نے خاصی طویل مدت تک اس پر بہت محنت کی۔ اور اکیلے کئی برسوں سے اسے چلا رہے ہیں۔ میں اس پرچے میں پانچ سال تک ایک کالم ''فکر جہاں'' کے نام سے لکھتا رہا جو کافی پسند کیا جاتا رہا مگر اس کے بعد میں نے خود دو رسالے پنجابی ''سویرا'' اور مزاحیہ رسالہ ''مسکان'' نکالنے شروع کئے جس کی وجہ اتنی مصروفیت بڑھ گئی کہ کالم کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو گیا کیونکہ میں ہمیشہ اپنا مواد کمپوز کر کے اخبارات و رسائل کو بھیجتا ہوں جس کے لئے خاصی محنت درکار ہوتی ہے۔

ہفت روزہ ''یو کے ٹائمز''

اس کے مالک عطا الحق صاحب ہیں اور اعزازی مدیر جناب قیصر امام صاحب، اس اخبار کا بھی یہ ساتواں سال ہے۔ یہ اخبار مفت تقسیم ہوتا ہے جو اشتہارات پر چلتا ہے۔ اس میں بھی میں چار سال تک ادبی صفحہ مرتب کرتا رہا جو انہیں مکمل کمپوز کر کے دیتا تھا جس پر مجھے مناسب اجرت بھی دی جاتی رہی۔ مگر اکثر اخبارات مالی طور پر پریشان ہی رہتے ہیں کہ ہمارے قارئین مفت کا اخبار تو پڑھ لیتے ہیں خرید کر نہیں۔ اور جو اخبارات کا ذریعہ آمد محض اشتہارات پر ہو وہ بھی پریشان ہی رہتے ہیں کہ اپنی کاروباری کمیونٹی بھی ہماری طرح ہی ہے اشتہارات شائع ہونے کے بعد رقم کی وصولی مسئلہ بن جاتی ہے۔

عطا الحق ایک اچھے دوست ہیں اور ہم نے کئی سال تک بڑی محبت کے ساتھ اکٹھا کام کیا۔ جب سے میں نے یہ کتاب شروع کی اس کے بعد میں اور کوئی کام نہ کر سکا کہ اس پر میری خاصی طویل مدت اور محنت صرف ہوئی جس کی وجہ سے میں نے ان سے وقتی طور پر معذرت مانگ لی مگر اب پھر میں اس اخبار کا ادبی صفحہ مرتب کر رہا ہوں جس میں برطانیہ و یورپ کے علاوہ پاکستان کے قلمکاروں کا بھی کلام شامل ہوتا ہے اور میں یہ ادبی صفحہ سینکڑوں لوگوں کو ای میل کے ذریعے بھیجتا ہوں۔۔۔۔

ہفت روزہ ’’نیشن

اس کے مالک نہایت پرانے منجھے ہوئے صحافی جناب محمد سرور صاحب جوایک مدت تک روزنامہ ’جنگ‘ سے بھی وابستہ رہے، کراچی سے صحافت پرڈگری کے بعد وہاں پڑھاتے بھی رہے۔موجودہ وقت میں میں کسی مبالغے کے بغیر بڑے وثوق کے ساتھ کہوں گا کہ سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ہفت روزہ اخبار ’نیشن‘ ہی ہے۔آج کل میں اس اخبار میں مسلسل ایک قطعہ بھیجتا ہوں اور کسی نہ کسی کتاب پر ایک تعارفی مضمون کے علاوہ اپنے مشاعروں کی رپورٹ وغیرہ جوسرور بھائی بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ یہ تمام کام محض ان کی محبت،دوستی اورادب کی خدمت کے جذبہ سے بغیرکسی اجرت،لالچ کے کررہاہوں۔اور یہ بھی ضرور کہوں گا کہ بہت سے اخبارات کے ساتھ میرا قلمی تعاون رہا ہےمگر میری تحریروں پرانہوں نے خاص نظر کرم رکھی۔۔نیشن بہت پڑھا جاتا ہےاوراس کے قارئین میں علمی ادبی لوگوں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔۔جس کا تمام کریڈٹ اس کے مدیراعلی جناب محمد سرور صاحب کو جاتا ہے جودن رات اس کومزید نکھارنے اورسنوارنے میں لگے رہتے ہیں۔اپنے کام کے علاوہ وہ کمیونٹی کے ہر پروگرام میں چاہےوہ مذہبی،سیاسی،کاروباری یاادبی ہووہاں ان کو ہمیشہ موجود پایا۔انہیں اس محنت و خدمت کا صلہ بھی اس طرح ملتا ہے کہ انہیں ہمیشہ اسٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔وہ ہرموضوع پراپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے ہیں جسے سامعین پوری توجہ سے سنتے بھی ہیں اور داد بھی دیتے ہیں۔محمد سرور صاحب واحد صحافی ہیں جوباقاعدہ ڈگری یافتہ صحافی ہیں جوصحافت کی اونچ نیچ سے واقف ہیں اور برطانیہ کی صحافتی دنیا میں ایک اعلی و برتر مقام کے حامل ہیں۔کاروباری برادری کے علاوہ ہرفیلڈ میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔نیشن واحد اخبار دیکھا ہے جس کا مخصوص عملہ اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی میں نہایت منظم طریقے سے مصروف عمل ہوتا ہے۔۔۔17 سال سے جاری ہونے والا نیشن برطانیہ کے علاوہ یورپ کے بہت سے ممالک میں بھی دستیاب ہے۔۔

❁ ❁ ❁

برطانیہ کے رسائل

☆ جدید اردو ڈائجسٹ — مدیر: پروفیسر محمد شریف بقاء — (ختم)

☆ نوائے اقبال — (ختم)

☆ مشرق — مدیر: محمود ہاشمی — (ختم)

☆ ہفت روزہ ایشیاء — مدیر: حبیب الرحمٰن — (ختم)

☆ ہفت روزہ اخبار وطن — مدیر: محمد رزاق — (ختم)

☆ ہفت روزہ راوی — مدیر: مقصود الٰہی شیخ — (ختم)

☆ ماہنامہ شفق — مدیر: شاہد منصور ملک — (ختم)

☆ ہفت روزہ آزادی — مدیر: یوسف قمر — (ختم)

☆ ماہانہ آفاق — مدیر: استاد ٹھینگی — (ختم)

☆ جنبشِ نو (خواتین کا رسالہ) — مدیرہ: ڈاکٹر فیروز مکر جی — (ختم)

☆ شہرزاد — مدیر: حیدر طباطبائی — (ختم)

☆ ماہنامہ صدا — مدیر: اقبال مرزا (مرحوم) — (ختم)

☆ سہ ماہی سویرا (پنجابی) — مدیر: امجد مرزا امجدؔ — (ختم)

☆ سہ ماہی مسکان (اردو مذاحیہ) — مدیر: امجد مرزا امجدؔ — (ختم)

☆ ماہنامہ پرواز — مدیر: ساحر شیوی — (ختم)

☆ سہ ماہی چانن (پنجابی) — مدیر: سلیم مرزا — (ختم)

☆ ماہنامہ ساحل — مدیر: تنویر اختر (مرحوم) — (ختم)

☆ ماہنامہ قندیل ادب (انٹرنیٹ) — مدیر: رانا عبدالرزاق — (جاری)

ماہنامہ ساحل

برطانیہ میں کافی رسائل شائع ہوتے رہے اور بند ہوتے رہے جس کی وجہ ہمیشہ مالی مشکلات رہیں، جس کی اصل وجہ قارئین کی عدم مالی معاونت، مگر اس کے باوجود بھی یہ دو ادبی مجلّے کئی برسوں سے ادب کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ جس میں جناب تنویر اختر صاحب کا ماہنامہ ساحل ہے جو نو سال سے متواتر نہایت خوبصورت مومی کاغذ پر خوبصورت رنگین تصاویر کے ساتھ شاعری اور نثری مضامین کے ساتھ قارئین کی ادبی پیاس بجھا رہا ہے اس کے مدیر اعلی تنویر بھائی (مرحوم) میرے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے نہایت اصول پسند انسان تھے۔ اسکی گیٹ اپ، مضامین کا اعلی معیار اور اشاعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ نہایت مناسب زر سالانہ ہے۔۔ تنویر اختر کی اچانک وفات ہم سب کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ اب ان کی بیگم محترمہ ڈاکٹر نزہت تنویر نے اس خوبصورت مجلّے کو زندہ رکھا ہوا ہے جو کچھ مجبوریوں کی وجہ سے اس سال اگست 2016 سے دو ماہی کر دیا گیا ۔

ماہنامہ پرواز

معروف شاعر، نثر نگار محترم ساحر شیوی، صابر ارشاد عثمانی اور پاکستان میں جناب سید معراج جامی کی مشترکہ کوششوں سے سابقہ تیرہ برس سے برطانیہ، ہندو پاک میں معروف ادبی مجلّہ شمار کیا جاتا ہے گو یہ سادہ کاغذ پر شائع ہو کر بھی اپنے ادبی مضامین کی وجہ سے ادبی قارئین میں پسند کیا جاتا ہے۔ نہایت نامساعد مالی حالات کے باوجود بھی ساحر شیوی صاحب اسے پوری باقاعدگی کے ساتھ ہر ماہ شائع کرتے ہیں۔ جو ہندو پاک کے سینکڑوں دانش وروں کو اعزازی بھیجا جاتا ہے۔ اس میں خاص خوبی یہ ہے کہ ہر ماہ کسی معروف ادبی شخصیت کا گوشہ شائع ہوتا ہے جس میں اسے بیس سے بائیس صفحات دیئے جاتے ہیں جن میں اس کا کلام اور اس کے بارے میں مضامین ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ادبی مجلّہ دنیا کے قلمکاروں کو روشناس کرانے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔

۞ ۞

برطانیہ کے اردو ریڈیوز

اخبارات و رسائل کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے بھی اپنے پروگراموں میں اردو ادب کا ہمیشہ حصہ رکھا بلکہ تمام نشریات اردو میں ہی ہوتی ہیں جنہیں انڈیا والے ہندی کا نام دیتے ہیں ان میں چند چینلز میں مشاعروں کے علاوہ کتابوں کا تعارف بھی کرایا جاتا رہا۔

ریڈیو:

ریڈیو آواز: گلاسگو کے مشہور ریڈیو آواز (ایف ایم) کی نشریات چوبیس گھنٹے ہوتی ہیں جن میں ہر سوموار کو 9 بجے سے 12 بجے تک معروف شاعر، صحافی مبشر شہزاد پروگرام پیش کرتے ہیں جس میں گانوں غزلوں کے ساتھ شعراء کو بذریعہ فون پڑھواتے ہیں اسی طرح ہر منگل کے روز ''دل کی باتیں'' کے عنوان سے طاہر بٹ 2 بجے سے 4 بجے تک اسی قسم کا پروگرام نشر کرتے ہیں جس میں شعراء و شاعرات کو کلام سنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔

ریڈیو سنگم: ہڈرس فیلڈ کا ایف ایم پر اپنی نشریات دیتا ہے جس پر پنجابی کے ممتاز شاعر نعیم مرزا جوگی نہایت خوبصورت پروگرام پیش کرتے ہیں اور شعراء کو دعوتِ کلام دیتے ہیں بلکہ انہوں نے کئی بار با قاعدہ ریڈیو مشاعروں کا بھی اہتمام کیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ ریڈیو پر موجود شعراء کے علاوہ فون پر بھی برطانیہ کے مختلف شہروں سے شعراء کو کلام پڑھنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے اس ریڈیو پر مشہور شاعر شہزاد اسلم بھی ادبی پروگرام پیش کرتے ہیں۔

ریڈیو سن رائز: جو ساؤتھ ہال کا مشہور اور پرانا ریڈیو ہے جس کی چوبیس گھنٹے کی نشریات کو پوری دنیا میں سنا جاتا ہے اس میں معروف پیشکار انیسہ ناصر کا پروگرام سننے کے قابل ہوتا ہے انیسہ ناصر نہایت اعلیٰ ادبی ذوق کی مالک ہیں اور ہزاروں اشعار ازبر ہیں بڑی پختہ آواز کی مالک ہیں۔ اسی طرح رات نو بجے

سے بارہ بجے تک ایک چوہدری صاحب بھی اسی ریڈیو پر اردو کا پروگرام پیش کرتے ہیں جس میں ملک بھر کے شعراء اپنا کلام سناتے ہیں۔

قسمت ریڈیو: ساتھی لدھانوی خود بہت اچھے ردو پنجابی کے شاعر ہیں جو شاعری کا پروگرام نشر کرتے رہے مگر آج کل یہ ریڈیو بھی سن رائز ریڈیو نے اپنے اندر ضم کرلیا ہے۔

ریڈیو فضا: نوٹنگھم کا ریڈیو فضا جس میں برطانیہ کی معروف شاعرہ فرزانہ خان نیناں نے تقریباً آٹھ سال تک نہایت خوبصورت پروگرام پیش کئے جس میں برطانیہ بھر کے معروف شعرا اپنا کلام سناتے فرزانہ نیناں یہ پروگرام نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتیں وہ خود بھی معروف شاعرہ ہیں اور مشاعروں کی نظامت بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ کرتی ہیں۔۔مگر مدت ہوئی یہ سروس بند ہوچکی ہے۔

اس کے علاوہ مختلف شہر میں جس میں بریڈفورڈ، ہڈرسفیلڈ، برمنگھم اور نوٹنگھم ہے ان میں رمضان المبارک کے ماہ میں ریڈیو رمضان کے نام سے ایک ماہ کا پروگرام دیا جاتا ہے جس میں رمضان کی نسبت مذہبی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ریڈیو کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا کہ تمام ریڈیو جو برطانیہ کے مختلف شہروں میں پروگرام نشر کررہے ہیں وہ سکھ اور ہندوؤں کی ملکیت ہیں، پاکستانی اس میدان میں نظر نہیں آتے۔سوائے ریڈیو پیشکاروں کے ورنہ جتنے بھی ریڈیو کے ٹھیکے ہوتے ہیں ان میں انڈین لوگ زیادہ ہیں۔اس کے علاوہ بھی دوتین ریڈیو سروسز موجود ہیں مگر ان میں اردو ادب کی کوریج یا شاعری وغیرہ نہیں ہوتی وہ خالص پروفیشنل سروسز اور موسیقی نشر کرتے ہیں۔

برطانیہ کے ٹیلی ویژن:

موجودہ الیکٹرانک میڈیا میں ٹیلی ویژن کا بہت بڑا دخل ہے ریڈیو اب اتنا نہیں سنا جاتا جتنا لوگ ٹیلی ویژن کے پرگراموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔

بی بی سی: برطانیہ میں سب سے پہلا اردو کا پروگرام بی بی سی نے ''اسے اپنا ہی گھر سمجھئے'' کے نام سے شروع کیا تھا جس میں مرحوم سلیم شاہد اور کنول نین پرواز پروگرام پیش کرتے تھے اور انڈیا و پاکستان سے آئے ہوئے معروف گلوکاروں کو مدعو کرتے اور مقامی گلوکاروں کو بھی بلاتے ۔ چونکہ یہ پہلا اردو کا پروگرام تھا جو صبح نو بجے لگتا لہذا اسے ہر کوئی دیکھتا اسی طرح بی بی سی ریڈیو پر بھی یہ پروگرام نشر ہوتا جسے فیکٹریوں میں بھی سنایا جاتا مجھے یاد ہے پریسٹن میں اپنے لوگوں کے اصرار پر کینٹین میں جب یہ پروگرام نشر کیا جاتا تو ہم لوگ دوسرے ورکروں سے ناشتے کا وقت تبدیل کر کے نو بجے جاتے تا کہ یہ پروگرام سنیں ۔ جب رات کی ڈیوٹی ہوتی جو صبح چھ بجے ختم ہوتی تو میں نو بجے تک جاگ کر ان پروگرامز کو سنتا اور دیکھتا ایسا بھی کئی بار ہوا کہ کرسی پر پروگرام کے انتظار میں بیٹھا اور نیند اور تھکاوٹ کے غلبے نے وہیں دبوچ لیا آنکھ کھلی تو پروگرام ختم ہو چکا تھا۔۔پھر وقت کے ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن عام ہوتے گئے اور آج درجنوں چینل کھل گئے ہیں جن میں بے شمار مفت ہیں جن پر اردو پنجابی پروگراموں کے علاوہ فلموں اور ڈراموں کی کثرت ہے۔

ذیل میں ان ٹی وی چینلز کا ذکر ہے جن پر ادبی پروگرام نشر ہوتے رہے یا بدستور ہو رہے ہیں۔

ڈی ایم ڈیجیٹل: مانچسٹر کے پاکستانی چینل ڈی ایم ڈیجیٹل میں ہفتہ وار اخبار یو کے ٹائمز کے بانی عطاء الحق نے ''میں نے شعر کہا'' کا پروگرام شروع کیا جو رات کے ڈیڑھ بجے سے اڑھائی بجے تک ہوتا تھا مگر اتنی رات گئے بھی شعر و سخن سے دلچسپی رکھنے والے اس میں بذریعہ فون حصہ لیتے اور جاگ کر سنتے ۔لندن سے حق صاحب شاعر حضرات کو اپنی کار میں لے کر چار گھنٹے کے سفر میں وہاں پہنچتے اور پھر تین بجے وہاں سے چل کر رات بھر کے سفر کے بعد لندن آتے ۔ یہ سخن و ادب کا عشقیہ سفر کافی مدت تک جاری

رہا یہاں تک کہ اس چینل نے لندن آ کر اپنے پروگرام نشر کرنے شروع کئے۔

پھر چند ماہ بعد انہوں نے یہ پروگرام مجھے دے دیا اور میں اپنی کار میں مقامی شعرا کو لے کر جاتا پروگرام کے بعد انہیں رات کے چار بجے تک ان کے گھروں تک چھوڑ کے آتا۔۔۔۔یاد رہے کہ یہ تمام ادبی خدمات مفت میں کی جاتیں جبکہ ٹی وی والوں کو فون کالز پر بھی پیسے ملتے ہیں مگر یہاں جو باقاعدہ ملازم ہیں سوائے انہیں باقی کسی ٹی وی یا ریڈیو پیشکار کو کوئی اجرت نہیں دی جاتی۔۔میں نے چھ ماہ تک ان کا پروگرام پوری کامیابی کے ساتھ کیا اس کے بعد یہ چینل لندن کے اخراجات برداشت نہ کرنے کی وجہ سے واپس مانچسٹر چلا گیا۔مگر اس کے بعد کوئی ادبی پروگرام نہیں ہوا۔۔۔

تکبیر: ڈی ایم ڈیجیٹل کے جاتے ہی تکبیر چینل جو بنیادی ایک مذہبی چینل ہے نے برمنگھم سے لندن برانچ کھولی اور یہاں سے بھی پروگرام شروع ہوئے مجھے دعوت دی گئی تو ''تکبیر'' چینل پر دو پروگرام دیتا رہا ایک سوموار کو شام چھ بجے سے سات بجے تک ''سخن ور'' کے نام سے جس میں دو تین شعرا شامل ہوتے اور دوسرا ''دستک'' کے نام سے جو معاشرتی اور گھریلو موضوعات پر بات چیت کا ہوتا جس میں دو مہمان ہوتے اور بے شمار فون کال پر لوگ اپنے مسائل بتاتے۔یہ دونوں پروگرام سات ماہ تک جاری رہے مگر پھر تکبیر والے برمنگھم چلے گئے کہ لندن کے اخراجات ان کے لئے زیادہ تھے ۔۔

وینس: نوٹنگھم کی معروف شاعرہ محترمہ فرزانہ نیناں خان بھی وینس ٹی وی نوٹنگھم سے شاعری کا پروگرام بنام ''فرزانہ کے ساتھ ایک فنکار'' کافی مدت تک دیتی رہیں اور برطانیہ کے مختلف شہروں سے شعرا و شاعرات ان کی دعوت پر جاتے۔مجھے بھی اعزاز ہے کہ ان کے پروگرام میں شرکت کی وہ ہمیشہ ایک ہی شاعر کو بلاتیں اور انہیں سنا جاتا ٹی وی کے تمام پروگرامز میں فون کال بھی لی جاتیں اس طرح دوسرے شعرا بھی فون پر اپنا کلام سنا کر اپنی تسکین کا سامان پیدا کرتے اور سننے والے بھی محظوظ ہوتے۔اسی چینل پر معروف شاعر،صحافی ہفت روزہ یو کے ٹائمز کے بانی عطا الحق بھی ''میرا پاکستان'' کے نام سے پروگرام پیش کرتے ہیں جو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

اسلام چینل اردو: یہ چینل کافی مدت سے جاری ہے مگر 2016 سے انہوں نے معروف شاعر سہیل ضرار خلش کی رہبری میں ''ہفتہ وار ادبی پروگرام ''بزم سخن'' کی ابتدا کی جو بہت مقبول ہوا۔

ویکٹون: لندن کا ٹی وی چینل ویکٹون جو دو سال خوب چلا اور پھر یکدم بند ہوگیا جس پر مختلف موضوعات کے ساتھ شعر و شاعری کا پروگرام مشہور گلوکار کاشف راجہ دیتا رہا جس میں اردو پنجابی شعرا کو بلایا جاتا اس پر بھی فون کال لی جاتیں جو کال کرنے پر پچاس پینی فی منٹ اخراجات ہوتے جس پر شاید ستر فیصد ٹی وی والوں کو ملتا۔۔

وینس: لندن کا ہی چینل وینس جو ایک پاکستانی کی ملکیت ہے اس پر معروف شاعر فیضان عارف شعر وسخن کا پروگرام کرتے تھے جو کافی مدت سے جاری رہا اس پر بھی پانچ چھ شعرا و شاعرات کو بلایا جاتا ہے اور باقاعدہ مشاعرہ کیا جاتا ہے جس میں ایک صدر اور ایک مہمان خصوصی ہوتا ہے ۔پچھلے دنوں انڈیا و پاکستان کے شعرا کے علاوہ برطانیہ کے دیگر شہروں کے شعرا کو فون کال پر بھی مدعو کیا جاتا رہا جو فون پر اپنا کلام سناتے اور ان کی فوٹو اسکرین پر دکھا دی جاتیں۔مگر پیشکار صاحب کا اپنا مخصوص پسندیدہ اور خوشامدی حلقہ تھا جنھیں وہ بار بار بلاتے جسکی وجہ سے آہستہ آہستہ اپنی مقبولیت کھوتا گیا ۔گو میں بھی دو بار ان کے پروگرام میں بلایا گیا مگر جب انہوں نے چند اچھے اور صاحب دیوان بزرگ شعرا کے کلام پر اپنی عادت کے مطابق تنقید کی اور انہیں اس قابل نہ سمجھا کہ انہیں دوبارہ بلائیں اسی طرح اپنے پروگرام میں مدعو شعرا کا کلام دیکھنا ان میں نقائص نکالنا انہیں پڑھنے سے منع کرنا اور اپنے پروگرام میں بلا کر معززین کو شرمندہ کرنا جس پر میں نے سخت اعتراض کیا اور انہیں بتایا کہ لوگ ان کی اس عادت کو کن ''الفاظ'' میں یاد کرتے ہیں۔۔!!! اسی تنگ نظری، تعصب اور خودنمائی کی وجہ سے ہی شاید ادبی پروگرام ہی بند کردیا گیا۔

سن رائز: ٹی وی اسٹیشن بھی کچھ مدت پہلے بند ہوگیا ہے جو 'ساؤتھ ہال' کے مشہور سن رائز ریڈیو سروس نے شروع کیا تھا۔اس پر بھی اردو سروس تھی جس میں ریڈیو کی معروف پیشکار محترمہ انیسہ ناصر ''غزل کی

رات'' کا پروگرام دیا کرتی تھیں گو اس میں غزلیں فلمی ہوا کرتی تھیں مگر اس پروگرام کا تعلق بھی شعر و سخن کے ساتھ تھا۔۔

برطانیہ میں اردو (ہندی) کے بے شمار ٹی وی چینل برطانیہ میں چل رہے ہیں جن میں پاکستان کے 'جیو' 'پی ٹی وی' جن کی دو الگ نشریات الگ ناموں سے کی جاتی ہیں 'پی ٹی وی گلوبل اور پرائم پی ٹی وی' جن پر خبریں اور دیگر پروگرام دیئے جاتے ہیں اس کے علاوہ 'سماء' بھی ہے جس پر زیادہ خبریں یا سیاسی مباحثے نشر ہوتے ہیں، انڈیا و پاکستان کے بے شمار چینل ہیں جن میں ''سونی، زی ٹی وی، لمحے، رشتے، پنجابی ٹی وی سروس، اقراء، نور ٹیوی، کلر، زنک، فلموں کا چینل 'یو ایم پی مووی' جس پر چوبیس گھنٹے اردو انڈین فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر مفت ہیں جبکہ زی ٹی وی، سونی چینل ہیں جو صرف سالانہ زر تعاون پر دستیاب ہوتے ہیں البتہ سال میں مذہبی تہواروں پر ان کی مخصوص مدت تک نشریات مفت بھی مہیا ہوتی ہیں۔ مذہبی چینلز بھی بے شمار ہیں جن میں سنی عقیدے کے علاوہ اہل تشیع کے بھی چینلز مفت نشریات دیتے ہیں۔ جو تمام اردو زبان میں ہیں۔

کچھ ایسے بھی چینل ہیں جن پر فقط گانے نشر ہوتے ہیں جن میں 'برٹش ایشیاء'،

یہ تمام ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام اردو میں ہوتے ہیں جنہیں انڈیا والے ہندی کا نام دیتے ہیں مگر اس طرح ان فلموں اور ٹی وی کے پروگراموں سے یورپ میں پلنے والی نئی نسل کو اردو سے جان پہچان ملنے میں مدد ملتی ہے اور ان کی اکثریت چاہے بول نہ سکے مگر سمجھ ضرور لیتی ہے۔ جس سے میں سمجھتا ہوں کہ اردو زبان کی ترقی و ترویج میں ان کا بھی ہاتھ شامل ہے۔۔

ویب سائیڈ ٹی وی چینلز : کمپیوٹر کا استعمال ہماری زندگی میں اس قدر تیزی سے آیا کہ آج اس میں لاکھوں کتابیں، سینکڑوں اخبارات و رسائل اور ٹی وی چینلز بھی دستیاب ہیں جن سے آپ گھر بیٹھے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ٹی وی چینلز میں ''میسج ٹی وی'' ''اپیکس ٹی وی'' قابل ذکر ہیں جو ادبی محافل کی کوریج بھی کرتے ہیں۔

برطانیہ کی ادبی تنظیمیں

کسی جگہ بھی ادب اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ اسے کسی تنظیم کا سہارا نہ ہو، یورپ میں جب ہم لوگ آئے تو پہلے چند سال تو مالی حالات سدھارنے میں لگے اس کے بعد آہستہ آہستہ خوشحالی آنے لگی تو ذوق بھی باہر جھانکنے لگا۔ جو لوگ گانے بجانے کا شوق رکھتے تھے ان کے سر، لے کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور عید یا قومی دنوں میں کوئی جگہ کرائے پر لے وہاں پروگرام ہونے لگے، شعر و شاعری کے شوقین میدان میں آنے لگے ان میں وہی لوگ تھے جو اپنے وطن میں بھی لکھا پڑھا کرتے تھے اس دوران اخبارات و رسائل بھی چھپنے شروع ہو گئے تو مزید حوصلہ افزائی ہوئی مختلف شہروں میں ادبی تنظیمیں بننا شروع ہوئیں ادھر مقامی کونسلوں نے جن کے پاس فنون لطیفہ کی پرموشن کے لئے وافر پیسہ ہوتا تھا ایک تنظیم کو جب گرانٹ ملی تو طرح طرح کی جعلی تنظیموں نے سر ابھارا اور مقامی کونسلوں اور حکومتی اداروں سے گرانٹیں لے کر ہاتھ رنگے جس کے نتیجے میں آج ادب کے نام پر اور اگر کسی تنظیم کا نام پاکستانی یا مسلم ہو تو وہ دور سے ہی ہاتھ باندھ کر معافی مانگ لیتے ہیں گو اس دوران حکومتی بجٹ میں بھی کافی کٹوتیاں کی گئیں مگر آج بھی فعال اور مخلص تنظیمیں جو اپنا حساب کتاب درست رکھتی ہیں اور واقعی صحیح کمیونٹی کا کام کر رہی ہیں ان کو باقاعدہ گرانٹ ملتی ہے مگر سابقہ پندرہ بیس برسوں میں اپنے بھائیوں نے اپنی ساکھ کو اس قدر برباد کیا ہے کہ مقامی کونسلوں اور گرانٹ کمیشن کو اب کسی ایشیائی پر بھروسہ نہیں رہا۔۔

کچھ ایسی بھی ادبی تنظیمیں ہیں جو کبھی معروف و مشہور تھیں اور لوگ شوق سے شرکت کرتے تھے مگر آج وہ چراغ سحری بنی ہوئی ہیں جس کی اور بھی وجوہات ہوں گی مگر جہاں شعراء کو عزت نہیں دی جاتی یا انہیں ان کے حسب مراتب پڑھوایا نہیں جاتا یا بانی و صدور اپنی اکڑ فوں سے لوگوں کو بد دل کر دیں بات بات پر اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں، کڑی شرائط لاگو کریں یا لوگوں کی جیبوں پر نظر رکھیں اور بہانے بہانے سے چندہ جمع کرتے رہیں وہاں لوگ ایک دو بار تو جاتے ہیں مگر بار بار جا کر رسوا نہیں ہوتے۔ کچھ ایسی تنظیمیں بھی ہیں

جن کو سیاست نے تباہ و برباد کر دیا جس میں انا پرستی اور خود پرستی بھی شامل ہے۔ جہاں ذاتی تعلقات کو اہم سمجھا جاتا ہے، کچھ ایسی بھی ہیں جو صرف اپنے خاص حلقے تک محدود ہیں۔ جن میں ملکی اور لسانی تعصب بھی پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ چند لوگوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔

اس کے باوجود ایسی تنظیمیں ہیں جو کئی برسوں سے ادبی مشاعروں کا سلسلہ قائم رکھے ہوئے ہیں اور ادب کے فروغ میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ذیل میں لندن کے علاوہ دوسرے شہروں کی ادبی تنظیموں کے نام درج ہیں۔ لندن ایک ایسا شہر ہے جو ہمیشہ سے ہی شعراء شاعرات، اخبارات و رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا مرکز رہا ہے یہاں موسم سرما میں ہر ماہ میں کہیں نہ کہیں دو تین مشاعروں کے پروگرام ضرور ہوتے ہیں۔ لندن میں تین ادبی تنظیمیں ایسی ہیں جو ہر ماہ کے ایک مخصوص دن میں اپنا مشاعرہ ترتیب دیتے ہیں۔ ایسی بھی کئی تنظیمیں تھیں جو ان کے سربراہوں کی وفات کے بعد ختم ہو گئیں اور کئی نااہلی، بے عملی اور کرپشن کی وجہ سے دفن ہو گئیں۔ ذیل میں وہ تنظیمیں ہیں جو کچھ چل رہی ہیں کئی ہر ماہ ادبی محافل کا اہتمام کرتی ہیں اور کئی سال میں ایک بار اچھا سا مشاعرہ کر کے سال بھر دوسرے مشاعرے کی تیاری کرتے ہیں اور کئی ایسی ہیں جو کبھی آباد تھی اور آج ختم ہو گئیں۔۔!!

لندن کی تنظیمیں:

والتھم فاریسٹ لٹریری سوسائٹی: جس کے بانی و صدر مشہور شاعر افسانہ نگار اختر ضیائی مرحوم (مفصل ذکر صفحہ نمبر ۱۳ پر) تھے ان کے جنرل سیکریٹری ممتاز شاعر انجم شہزاد (ذکر صفحہ نمبر ۹۵) تھے۔ والتھم سٹو ایسٹ لندن میں ان کی ادبی تنظیم کی یہ خوبی تھی کہ جب بھی کوئی گلوکار، شاعر، ادیب انڈیا یا پاکستان سے آتا وہ ان کے اعزاز میں ایک خوبصورت شام کا اہتمام کرتے اس کے علاوہ ان کی ماہانہ ادبی محفل ہوتی جس میں نئے قلمکاروں کو خاص طور پر اہمیت دی جاتی۔ میری ادبی زندگی کی شروعات بھی اسی محفل سے ہوئی تھی اور اختر ضیائی صاحب خاص طور پر مجھے بلاتے ان دنوں میں صرف افسانے کہانیاں لکھا کرتا تھا اور وہ پہلی ادبی محفل تھی جہاں مجھے افسانہ پڑھایا جاتا۔ اختر ضیائی مرحوم کی آج بھی کمی محسوس ہوتی ہے کہ ان کی وفات کے بعد ایک طویل مدت تک والتھم فاریسٹ کے لوگ ایک اچھی ادبی محفل سے محروم رہے۔۔

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم: اس سے پہلے راقم الحروف (مفصل ذکر صفحہ نمبر ۱۰۶ پر) نے ایک ادبی تنظیم کی ابتدا کی جس کا نام "قلم قبیلہ" رکھا گیا جس کے پلیٹ فارم سے ڈیڑھ سال تک ہر ماہ نہایت خوبصورت اور کامیاب ادبی پروگرام کئے گئے، جس کا جنرل سیکریٹری میں تھا، صدر جناب فاروق قریشی اور خازن الیاس راجہ تھے مگر والتھم فاریسٹ جیسے پاکستانی گنجان علاقے میں جہاں ستر ہزار کی پاکستانی آبادی بستی ہے وہاں پاکستان کے نام پر کوئی تنظیم نہیں تھی لہذا دوستوں کے مشورے سے قلم قبیلہ کا نام بدل کر "والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی" رکھ دیا گیا۔ 2006 اگست سے اس ادبی پلیٹ فورم سے ہر ماہ کی پہلی اتوار کو مسلسل مشاعرے، کتابوں کی رسم اجرا، معاشرے کے مختلف موضوعات پر سیمنار اور مذہبی تہوار پر نعتیہ مشاعرے عید ملن پاٹیوں پر لذیذ کھانوں کے ساتھ بہترین موسیقی کے پروگرام اور مشاعرے جن میں مقامی اور باہر سے آئے ہوئے قلمکاروں کی کتابوں پر بغیر کسی اجرت یا فیس کے ان کی کتابوں کی رسم اجرا کا سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ اس کا تمام انتظام میرے سپرد ہے جبکہ اب صدر ڈاکٹر شوکت نواز اور خازن راجا محمد الیاس (مضمون صفحہ نمبر ۸۵) اور سرپرست اعلی جناب فاروق قریشی صاحب (مضمون نمبر ۴۳۷) ہیں۔ یہ واحد تنظیم ہے جس کی ہر محفل میں شعراو ادبا کی فلمیں بنا کر یوٹیوب پر بھیجتے ہیں جن کی تا حال تعداد 620 تک پہنچ چکی ہے اور ہر ماہ دس سے پندرہ تک بڑھتی ہے کسی شاعر کا نام بھی یوٹیوب پر ٹائپ کر کے دیکھیں جس کے ساتھ WFPCF لگا دیں جو ہماری تنظیم کا مخفف ہے ۔لندن بلکہ برطانیہ کی یہ واحد ادبی محفل ہے جو باقاعدگی کے ساتھ ماہانہ پروگرام کرتی ہے جس کی مکمل رنگین کوریج ہفت روزہ 'نیشن' میں شائع ہوتی ہے اور ہر پروگرام میں کم از کم بھی پچاس ساٹھ سامعین کی تعداد ضرور ہوتی ہے۔ اور خاص بات کہ آج تک ہم نے کبھی مقامی کونسل سے گرانٹ کی بھیک نہیں مانگی ،تمام اخراجات ہم چار دوست مل کر ادا کرتے ہیں لندن کی یہ واحد ادبی تنظیم ہے جس میں ہمیشہ ہال فل رہتا ہے اور ادب سے محبت کرنے والے پورا مہینہ اس کی محفل کا انتظار کرتے ہیں۔۔۔

پاک کلچرل سوسائٹی: اس تنظیم کو ڈاکٹر رشید اختر نے 2008 میں قائم کیا۔ گو یہ تنظیم سال میں صرف دو پروگرام یوم پاکستان پر منعقد کرتی ہے۔ 14 اگست اور 23 مارچ۔ مگر آج تک برطانیہ میں کسی تنظیم

نے بھی اس طرح کا کوئی پروگرام نہیں دیا جس میں نئی نسل کے کمسن بچوں کو کئی ماہ کی انتھک محنت کے بعد پاکستانی نغمے، ترانے، علاقائی گیت اور ناچ سکھائے جاتے ہیں اور خوبصورت علاقائی لباس میں پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ تنظیم کے صدر و بانی کی اہلیہ محترمہ چونکہ اسکول میں ٹیچر ہیں لہذا وہ اپنے اسکول کے پاکستانی بچے بچیوں کو کئی ماہ تک گھر میں اس پروگرام کی تیاری کرواتی ہیں۔ یہ ایک خالص فیملی پروگرام ہوتا ہے جس میں برطانیہ میں پلے ہوئے بچوں کو اسلامی و پاکستانی تہذیب وتمدن، بول چال، رہن سہن سکھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کی تاریخ میں پاک کلچرل سوسائٹی اور میری تنظیم 'والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم' واحد دو تنظیمیں ہیں جنہوں نے ہمیشہ اتفاق واتحاد سے مشترکہ پروگرام بھی کئے ہیں جن میں موسیقی کے علاوہ مشاعرے اور بچوں کے ادبی وسماجی پروگرامز شامل ہیں۔ ورنہ برطانیہ کی تاریخ ہے کہ ہم ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے اور ایک دوسرے کی شکایتیں لگانے اور دوسروں کو ختم کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ ڈاکٹر رشید اختر صاحب میرے نہایت مخلص دوست ہیں اور ہمارے ایک جیسے خیالات اور مقاصد نے ہمیں اتفاق پیار اور اتحاد سے کمیونٹی کے لئے کام کرنے کا موقع دیا۔ اللہ پاک یہ دوستی و پیار ہمیشہ قائم رہے۔ آمین

بزم شعر وادب: لندن کے ووڈ گرین کے علاقے میں ووڈ گرین لائبریری میں معروف شاعرہ محترمہ سیما جبار (مضمون صفحہ نمبر ۲۴۶ پر) نے اس کو شروع کیا جس کے بنیادی ممبران میں سے مرحوم خالد یوسف، مرحوم ڈاکٹر نوید حسن، مرحوم رستوگی، نصیر احمد ناصر، ہارون رشید، راقم الحروف اور دو تین اور صاحبان تھے۔ جب تک ڈاکٹر نوید حسن زندہ رہے وہ اس کے اخراجات برداشت کرتے رہے اور محفلیں عروج پر رہیں۔ سیمینار، موسیقی، مشاعرے ہوتے خوب کھانے کھلائے جاتے۔ لائبریری والے ہال مفت دیتے اور کچھ گرانٹ بھی ملتی۔۔ اب گرانٹ نہ ملنے کی وجہ سے اخراجات اکیلی سیما جبار کے لئے برداشت کرنا ناممکن ہیں لہذا محترمہ سیما جبار جو اپنی پیری، بیماری اور مناسب گرانٹ نہ ہونے کے باوجود سال میں دو تین مشاعروں کا انعقاد کر لیتی تھیں جواب ختم ہو چکا ہے۔

بزم اردو لندن: اس کے بانی مشہور شاعر اسد اللہ غالب ماجد صاحب ہیں جو سال میں ایک بار

نہایت اچھے مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں۔اور کبھی کبھی موسیقی کا پروگرام بھی کرتے ہیں۔

اردو تحریک: اس تنظیم کے روح رواں تن تنہا ڈاکٹر عبدالغفار عزم ہیں جو بہت پرانے شاعر اور اس تنظیم کے صدر و بانی ہیں۔ان کے علاوہ آج تک معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کے جنرل سیکریٹری کون ہیں اور خازن کون ۔۔ہاں البتہ وقت کے ساتھ بہت سے لوگ مالی و اخلاقی تعاون کرتے رہے اور پیچھے ہٹتے رہے۔یہ ہر ماہ کے آخری جمعہ کو لندن کی مشہور یونیورسٹی SOAS میں ایک کمرے میں ادبی محفل کا اہتمام کرتے ہیں۔۔2016 کو ان کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے یہ تنظیم بھی ختم ہوگئی۔

علامہ اقبال اکیڈیمی اور محفل ذوق: یہ دونوں نام ایک ہی تنظیم کے ہیں جو کبھی محفل ذوق ہوا کرتی تھی اس کے بعد انہوں نے اقبال اکیڈیمی بنائی۔اس کے روح رواں اور تن تنہا نذیر احمد بٹ ہیں جو اپنے ادبی نام ضیا جلال پوری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔یہ تنظیم غالباً 1975 میں شروع ہوئی کسی زمانے میں بھر پور محفل ہوا کرتی تھی۔علامہ اقبال کا نام ضرور شامل ہے اور اکیڈیمی کا بھی ہے مگر آج تک اکیڈیمی اپنے نام تک ہی محدود رہی سوائے مشاعروں کے اور کوئی کام نہیں ہوسکا۔یہ تنظیم بھی ایک وقت میں اپنے عروج پر تھی مگر اکثر دیکھا گیا کہ ایک ہی انگلی کے گرد لپٹی ہوئی تنظیموں کی عمر طویل نہیں ہوتی۔یہ تنظیم بھی ذاتی عناد ایک دوسرے کے ساتھ جلن پر خاش اور تنگ نظری کی بھینٹ چڑھ گئی۔۔

مجلسِ اقبال: اگر برطانیہ میں علامہ اقبال پر کوئی کام ہوا ہے تو اس تنظیم کے بانی جناب پروفیسر محمد شریف بقا صاحب نے کیا ہے (مفصل مضمون صفحہ نمبر ۲۶۴ پر) جو ماہر اقبالیات کے طور پر جانے جاتے ہیں۔اب تک مختلف موضوعات پر 53 کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔آپ نہایت منکسر المزاج اور وضع دار انسان ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں نہایت مخلص و ایماندار بھی۔ادب اور معاشرتی تنظیموں کے نام پر یار لوگوں نے مقامی کونسلوں کو خوب لوٹا اور ہاتھ رنگے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کل انہوں نے کٹوتی کردی اور خاص کر اگر کوئی پاکستانی ہو تو دور سے سلام۔۔مگر جہاں تک اس تنظیم کا تعلق ہے ہر کوئی اس بات کی گارنٹی دے سکتا ہے کہ پروفیسر محمد شریف بقا صاحب ان تمام ''خوبیوں'' سے دور رہے۔

الفورڈ کے نزدیک ''بارکنگ'' کے علاقہ میں پاکستانی کمیونٹی سینٹر والوں کے تعاون سے سال میں ایک دو ادبی محفلوں کا اہتمام کرتے ہیں جس میں علامہ اقبال کے موضوعات پر مختلف موضوعات دیئے جاتے ہیں جن پر شعراء وادبا اپنے نظمیں یا تقاریر پیش کرتے ہیں۔اس محفل کی خوبی ہے کہ اس میں چوٹی کے ادباء و علماء شامل ہوتے ہیں۔

نیوہیم پاکستانی کمیونٹی فورم:اس سے پہلے اس تنظیم کے بانی چوہدری محبوب احمد محبوب نے ''پاکستانی رائیٹر ایسوسی ایشن'' اور پاک پنجاب کلچرل سوسائٹی'' بھی تشکیل دی (ذکر خیر صفحہ نمبر ۴۱۳ پر) جس کے تحت بے شمار پنجابی مشاعرے اور کتابوں کی رسم اجرا ہوئی ۔پاکستان کی محبت نے انہیں اپنی تنظیم کا نام تبدیل کرنے پر مجبور کیا تو اب ''نیوہیم پاکستانی کمیونٹی فورم'' کے پلیٹ فارم سے ہر ماہ 'کیتھرین کمیونٹی سینٹر' ایسٹ لندن سے ادبی محفل کا اہتمام کرتے ہیں۔

محبوب احمد لندن کے نیوہیم علاقے میں بہت مصروف عمل انسان ہیں۔ پنجابی کے شاعر ہیں ان کا بھی مضمون شامل کتاب ہے (صفحہ نمبر ۴۱۳)۔ پروفیسر محمد شرف بقا کے داماد ہیں اور کمیونٹی کے کاموں میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں۔کاروباری شخصیت ہیں، بے حد مصروفیت کے باوجود کمیونٹی کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے میں دن رات مصروف عمل ہیں۔

اردو مرکز:اس تنظیم کو شاید معروف شاعر افتخار عارف نے شروع کیا جس میں فاروق حیدر، صابر ارشاد عثمانی اور عزم غفار پیش پیش تھے ایک زمانے میں اس تنظیم نے نہایت بہترین پروگرام کیے عالمی مشاعرے جن میں پاکستان سے آئے ہوئے بڑے بڑے شعراء شریک ہوتے۔ افتخار عارف یہاں سے پاکستان چلے گئے ۔مگر پھر جس طرح اکثر ہماری روایت ہے آپس کی پھوٹ ایک دوسرے کے خلاف سازباز، چغلیاں حسد وبغض اور کرسی کی لالچ نے اچھی بھلی چلتی ہوئی تنظیم کو ختم کردیا۔ اردو مرکز کافی مدت بند رہنے کے بعد خدا بھلا کرے ڈاکٹر جاوید شیخ صاحب کا (جو خود شاعر نہیں مگر نہایت ادب دوست اور ادب نواز انسان ہیں) جنہوں نے دوبارہ چند معروف اور مخلص شعرء اوادبا کو اکٹھا کیا اور اردو مرکز کی تنظیمِ نو کی ،جس کے تحت چند ایک ادبی پروگرام منعقد ہو چکے ہیں اور امید ہے کہ مزید ترقی

ہو گی۔۔

''ریڈ برج لٹریری سوسائٹی'' اس اردو محفل کے بانی وصدر معروف شاعر و ناقد جناب خورشید پرویز صاحب ہیں (مفصل ذکر ۱۶۲ صفحہ) جنہوں نے اسے الفورڈ لائبریری کے تعاون سے 1992 میں شروع کیا اور سال میں دو مشاعرے نہایت اعلی پیانے کے ہوتے ہیں جن میں برطانیہ کے چوٹی کے شعرا و شاعرات اپنے کلام کو پیش کرتے ۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے جس کے بارے میں میں اکثر کہتا ہوں کہ سونار کی ایک لوہار کی کے مصداق خورشید صاحب کا چھ ماہ کے بعد ایک مشاعرہ دوسروں کے سال میں بارہ مشاعروں پر ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔۔مگر کونسل کی گرانٹ بند ہونے کی وجہ سے یہ بھی ختم ہو گئی۔

عالمی انجمن مصنفین ہیرو: ہیرو کے علاقے میں معروف شاعر اسکالر، ٹیوی پیشکار علامہ فیاض عادل فاروقی (مفصل ذکر صفحہ نمبر ۳۶۵) کی تشکیل کردہ یہ تنظیم بھی کافی فعال رہی ہے کافی ادبی و مذہبی سیمنار کرائے گئے ۔ اب بھی اس کے پلیٹ فارم سے کافی ادبی کام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ درجنوں غیر مسلم ان کے ہاتھ پر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ سال میں ایک دو ادبی و سماجی محفلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔

پاکستان سوسائٹی آف ہیرو: یہ تنظیم آٹھ سال سے یوم قبال پر نہایت اہتمام سے خوبصورت ادبی محفل سجاتے ہیں صدر اس کے آجکل جناب محمد رضوی صاحب ہیں اور اکثر نظامت محترم عقیل دانش صاحب اپنے خاص ادبی انداز میں کر کے محفل کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔

بزمِ فروغِ اردو: اس ادبی محفل کو مشہور مزاحیہ شاعر فاروق حیدر ناداں (مرحوم) (مفصل ذکر صفحہ نمبر ۳۳۵) نے شروع کیا اور نہایت کامیاب مشاعرے کرائے جن میں مہمانوں کی ضیافت کا خوب انتظام ہوا کرتا تھا پاکستان و ہند سے آئے ہوئے شعراء کو دعوت دی جاتی کافی مدت تک ادبی سرگرمیاں جاری رہیں مگر پھر فاروق حیدر ناداں کی وفات سے وہ رونقیں نہ رہیں۔

آج کل اس کی معروف افسانہ نگار فہیم اختر اور معروف شاعرہ و افسانہ نگار محترمہ نجمہ عثمان (مفصل ذکر صفحہ نمبر ۴۷۸ پر) محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں سال میں ایک آدھ مشاعرہ بھی ہو جاتا ہے۔

انجمن اردو: اس کے بانی وصدر معروف ریڈیو پیشکار اور دانش ور رضا علی عابدی صاحب ہیں۔

انجمن ترقی اردو خواتین برطانیہ: یہ معروف انجمن بلقیس درانی نے تشکیل دی اور طویل مدت تک خواتین کے مشاعرے اور ادبی محفلیں ہوتی رہیں۔ اپنی پیری اور بیماری سے مجبور اب نجمہ عثمان کبھی کبھار پروگرام تشکیل دیتی ہیں جس میں لندن کی کافی تعداد میں خواتین شرکت کرتی ہیں۔

''تحریم خواتین لندن'' اس کی بانی مشہور و معروف شاعرہ، کالم نویس محترمہ رخسانہ رخشی ہیں جو اکثر اپنی رہائش گاہ میں کسی نہ کسی معروف ادبی ہستی کے برطانیہ آنے پر ادبی محفل کا اہتمام کرتی ہیں اور چیدہ چیدہ ادبی ہستیوں کو دعوت دیتی ہیں۔ انہوں نے لندن کی خواتین کے لئے اس تنظیم کی داغ بیل ڈالی جس کے تحت موسیقی کے پروگرام بھی کرائے گئے۔ گھریلو محافل میں چند ایک معزز مرد حضرات بھی مدعو ہوتے ہیں۔

ریڈنگ:

''اردو سوسائٹی ریڈنگ'' ریڈنگ کے چھوٹے سے شہر میں اس تنظیم کے بانی وصدر مشہور شخصیت خضر مفتی صاحب سال میں ایک بھرپور مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں جس میں وہ لندن کے شعراء کو بھی دعوت سخن دیتے ہیں۔ ''اردو سوسائٹی ریڈنگ'' کے نام سے سابقہ دس سال سے ادبی محافل کروا رہی ہے ۔اس میں مقامی مصنفین کی کتابوں کی رسم اجرا بھی کرائی جاتی ہے۔

برمنگھم:

رائٹرز گلڈز آف پاکستان۔ سب سے پہلے یہاں ادبی تنظیم کا سہرا آدم چغتائی (مفصل ذکر صفحہ نمبر۱۳ پر) کے سر ہے جنہوں نے 1963 میں اپنے مرحوم بھائی محمد ادریس چغتائی، یوسف قمر مرحوم اور لطیف کلیم کے ساتھ مل کر ''رائٹرز گلڈز آف پاکستان'' کی داغ بیل ڈالی اور مشاعروں کا انعقاد کیا۔ اس کے بعد لطیف کلیم نے 1974 میں ''انجمن ترقی اردو'' تشکیل دی۔ کسی زمانے میں برمنگھم اردو کا مرکز ہوا

کرتا تھا اور کافی مشاعرے ہوا کرتے، انور مغل مرحوم نے بھی پاکستان سے بے شمار شعرا کو بلا کر مشاعرے کئے۔ آج کل یہ شہر کافی خاموش ہے جس کی اہم وجہ آپس میں انتشار اور باہمی اتفاق کا فقدان ہے جو اکثر شہروں میں ادبی سرگرمیوں کے راستے میں حائل ہوتا ہے۔

جہانِ اردو برطانیہ: معروف خاکہ نگار، شاعرہ محترمہ سلطانہ مہر صاحبہ (ذکر خیر صفحہ نمبر ۲۲۲) نے اس ادبی تنظیم کو لاس اینجلیز امریکہ میں شروع کیا تھا اور بے شمار ادبی محافل کا انعقاد کیا، جب وہ 2001 میں برمنگھم (برطانیہ) آکر سیٹل ہوئیں تو انہوں اس تنظیم کو از سرِ نو تشکیل دے کر ''جہانِ اردو برطانیہ'' کے نام سے شروع کیا اور بے شمار ادبی محافل کا انعقاد کیا۔ اس تنظیم کی صدر محترمہ سلطانہ مہر اور جنرل سیکریٹری ان کے خاوند جاوید اختر چوہدری صاحب (مضمون صفحہ نمبر ۱۳۱) ہیں۔

آگہی: اس کی صدر و بانی معروف شاعرہ، نثر نگار محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسماعیل ہیں (ذکر خیر صفحہ نمبر ۱۸۰ پر) یہ 1997 کو تشکیل دی گئی اور یادگار مشاعرے ہوئے اس کے علاوہ کتابوں کی تقریب رونمائی اور خواتین کے پروگرام بھی شامل ہیں۔ اس تنظیم کا اہم مقصد ایشیائی خواتین کے مختلف ثقافتی اور سماجی مسائل پر توجہ دینا انہیں موثر پلیٹ فارم مہیا کرنا اور گھریلو خواتین کے لئے خاص کر ایسے پروگرام تشکیل دینا جہاں وہ کچھ سیکھنے کے علاوہ اپنا کچھ فالتو وقت تعمیری کاموں میں صرف کر سکیں۔ اس تنظیم نے کافی مدت تک نہایت اچھے پروگرام کئے جو تا حال جاری ہیں۔ ''آگہی'' کی سرگرمیوں میں مختلف موضوعات پر سیمنار اور کانفرنسز، سمپوزیم، ورکشاپس، نمائش، ڈرامہ، میوزکل پروگرام، ادبی پروگرام، مشاعرے، نوجوان بچیوں کے لئے سہ ماہی ورکشاپس اور کتابوں کی رونمائی وغیرہ۔۔ اس کے علاوہ ''آگہی'' کے نام سے سہ ماہی نیوز لیٹر کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا ہے جس میں تنظیم کی تمام کارکردگیاں مع تصاویر تفصیلات کے ساتھ دی جاتی ہیں۔ اس کی مدیرہ تنظیم کی صدر محترمہ ڈاکٹر رضیہ اسماعیل ہیں جو معروف شاعرہ، کہانی کار، ناقد اور بہترین قلمکار ہیں۔

اردو فورم (یوکے۔ برمنگھم): جس کے ڈائیریکٹر ملک فضل حسین ہیں۔ جنہوں نے برمنگھم میں

لاتعداد مشاعروں کا انعقاد کیا اور مشہور معروف ادبی شخصیت ہیں۔ یہ ادبی تنظیم بیس پچیس سال سے کام کر رہی ہے اور تا حال جاری و ساری ہے۔

فانوس: اس تنظیم کو ملک عباس صاحب نے شروع کیا اور کافی مدت تک فعال رکھا۔ ملک عباس صاحب معروف کالم نگار ہیں۔

سخن ور: اس کے بانی و صدر معروف شاعر و افسانہ نگار جناب جاوید اختر چوہدری ہیں جنہوں نے بے شمار ادبی محفلوں کا انعقاد کیا، پاکستان کے معروف شاعر عدیم قریشی کی مہمان نوازی کا شرف بھی حاصل ہے۔ یہ تنظیم بھی پانچ چھ سال تک کافی متحرک رہنے کے بعد ختم ہوگئی۔

اقبال اکیڈیمی: اس تنظیم کے بانی جناب سعید درانی ہیں جنہوں نے کافی پروگرام کیے۔

بریڈفورڈ: بریڈفورڈ برطانیہ کا 'منی پاکستان' کہلاتا ہے جہاں لاکھوں کی تعداد میں پاکستانی آباد ہیں۔ میں خود وہاں دو سال تک رہا ہوں۔ کسی زمانے میں اکثر ادبی محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا جس میں وہاں کے حضرت شاہ صاحب پیش پیش تھے مگر آج کل وہاں بھی خاموشی ہے اور کبھی کبھار سال میں ایک بار کسی مشاعرے کی خبر پڑھنے کو مل جاتی ہے۔

بک سینٹر: ادب کے حوالے سے اگر بک سینٹر کے مالک جناب افتخار قریشی کا ذکر نہ کروں تو حق ادا نہ ہوگا۔ قریشی صاحب ادب نواز اور دوست نواز انسان ہیں اور ان کا یہ سینٹر برطانیہ ہی نہیں پورے یورپ ،امریکہ کا سب بڑا بک سینٹر ہے جہاں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں یورپ، امریکہ اور دوسرے ممالک کی لائبریریوں میں بھیجی جاتی ہیں۔ پاکستان و ہند سے آئے ہوئے کئی شعراء و شاعرات کی میزبانی کا بھی انہیں شرف حاصل ہے اور یہاں پاک و ہند کے تمام رسائل و اخبارات بھی ملتے ہیں۔ برطانیہ کے مصنفین کے ساتھ ان کا ہمیشہ نہایت پرخلوص تعاون رہتا ہے۔۔

بریڈفورڈ ادبی کونسل: اس کے صدر پنجابی کے مشہور شاعر صاحبزادہ ممتاز اعوان تاجپوری اور جنرل

سیکریٹری لیڈز کے معروف اردو پنجابی شاعر عاشق جعفری ہیں۔

بزمِ اردو: اس تنظیم کو بریڈفورڈ کے معروف شاعر حضرت شاہ نے قائم کیا اور ایک مدت تک نہایت مقبول رہی جس میں پاکستان سے بڑے بڑے نامور شعراء و شاعرات کئی کئی ہفتے حضرت شاہ جی کی مہمان نوازیوں سے لطف اندوز ہوتے، مشاعرے پڑھتے لفافے بھی وصول کرتے اور میزبان کے پلے سے شاپنگ بھی کرتے۔ اور اسی ادبی محبت کے نتیجے میں حضرت شاہ جی کے دو چلتے ہوئے ریسٹورنٹ تک بک گئے اور آج چند سہانی یادیں باقی رہ گئیں۔۔۔!!

لیڈز: بزمِ یاراں: لیڈز بریڈفورڈ سے چند میل کی مسافت پر ہے کافی بڑا شہر ہے جس میں بڑے مشہور شاعر جناب عاشق جعفری صاحب (ذکرِ خیر مفصل صفحہ نمبر ۲۹۳) مقیم ہیں جو بریڈفورڈ کی ادبی کونسل کے جنرل سیکریٹری ہیں اور ان کی اپنی ذاتی ادبی تنظیم "بزمِ یاراں" بھی ہے جس کے صدر وہ خود ہیں اور جنرل سیکریٹری معروف شاعرہ سکینہ تابندہ ہیں جس کے تحت اکثر مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان کے ہاں اکثر پاکستان کے معروف شاعر ادیب ڈاکٹر نثار ترابی آ کر ٹھہرتے ہیں۔

نوٹنگھم:

بزمِ علم و فن: اس کو مشہور شاعر شوکت واسطی (مرحوم) نے شروع کیا جس میں شہر کے معروف شعراء عاصی کاشمیری، فرزانہ نیناں کا تعاون شامل تھا اور پاکستان سے بڑے بڑے شعراء کو بلوایا جاتا اور مشاعرے کئے جاتے۔ شوکت واسطی کی وفات کے ساتھ ہی یہ تنظیم ختم ہوگئی۔

حلقہ اربابِ ذوق: اس کے صدر مشہور شاعر عاصی کاشمیری ہیں۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے بھی یادگار مشاعروں کا انعقاد ہوتا رہا۔ اب بھی گاہے بگاہے مشاعروں کا انعقاد ہوتا ہے مگر تواتر سے نہیں۔

کریٹیو مائینڈ سوسائٹی: اس کی صدر معروف شاعرہ، ٹی وی پیشکار محترمہ نیناں فرزانہ خان تھیں جس کے تحت بے شمار ادبی پروگرام منعقد ہوئے۔ دوسرے شہروں سے بھی شعراء و شاعرات شریک محفل ہوتے

۔مگر یہ تینوں تنظیمیں ان کے صدور کی ذاتی مصروفیات، عمر اور بیماریوں کی وجہ سے متحرک نہیں رہیں۔

انجمن ادب آکسفورڈ: اس ادبی تنظیم کو آکسفورڈ کے معروف پنجابی شاعر جناب محمد ایوب سنگھیا نے شروع کیا جس میں برطانیہ کے صفِ اول کے دو شعرا جناب خالد یوسف مرحوم اور جناب اکبر حیدر آبادی کا تعاون حاصل رہا اس طرح اس کے صدر اکبر حیدر آبادی، جنرل سیکریٹری خالد یوسف مرحوم اور خازن محمد ایوب سنگھیا ہوئے۔ اس کے تحت بے شمار عظیم الشان مشاعرے منعقد ہوئے جن میں لندن اور دوسرے شہروں سے معروف شعرا کو دعوت کلام دی جاتی۔ مجھے بھی اعزاز ہے کہ میں بھی دو تین بار وہاں مشاعرہ پڑھنے بلایا گیا۔ پھر خالد یوسف صاحب انتقال کر گئے اور محترم اکبر حیدر آبادی بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے وہاں سے منتقل ہو کر اپنی بیٹی کے پاس برسٹل چلے گئے۔مگر اب بھی یہ ادبی تنظیم ایوب سنگھیا اور محترمہ نزہت عباس کے سپرد تھی مگر کبھی سننے میں نہیں آیا کہ کبھی کوئی ادبی محفل کا انعقاد ہوا ہو۔

یہ امر نہایت قابل افسوس ہے کہ اکثر ادبی تنظیمیں اسی شخص کی مرہون منت ہوتی ہیں جو ان کا بانی ہو۔ باقی افسران کی فوج محض کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے جمع ہوتی جس کا مجھے ذاتی تجربہ ہے۔ اور جب بھی اس تنظیم کا بانی بیمار کمزور یا رخصت ہو جائے تنظیم اس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا پہلو جو افسوناک نہیں شرمناک ہے کہ اکثر ادبی تنظیمیں دوسروں کے حسد، بغض اور سازشوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ تیسری وجہ مقامی کونسل کی گرانٹ ختم ہونے کی وجہ بھی ہے کہ چند سال پہلے انگریز اپنے طریقے سے مالی تعاون دیتے تھے مگر اپنی قوم نے ایسی ایسی دھاندلیاں کیں جھوٹ کی بنیاد پر بڑی بڑی رقمیں ہضم کیں جو آہستہ آہستہ یہ راز کھلتا گیا کہ ادبی سماجی کام برائے نام ہے فقط مال بٹورنا ہے۔ جس کی وجہ سے آج کسی پاکستانی یا ایشین تنظیم کو کوئی مالی امداد نہیں ملتی جو بھی لوگ ادبی تنظیمیں چلا رہے ہیں مل جل کر اخراجات بانٹ لیتے ہیں، کئی تو ساتھ گانا بجانا اور کھانا رکھ کے ٹکٹ لگا دیتے ہیں۔۔ بحر حال جو بھی خلوص سے ادبی کام کر رہے ہیں وہ قابل تحسین ہیں۔۔۔

۞ ۞ ۞

برطانیہ کے قلمکار:

میں نے اپنے وسائل کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ برطانیہ کے ہر شہر میں موجود قلمکار، جن میں شاعر، افسانہ نگار، کالم نگار، خاکہ نگار یا کوئی بھی جس کا قلم کے ساتھ ذرا سا بھی تعلق ہو اس کا نام اس کتاب میں ضرور شامل ہو۔۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ بہت سے شہروں میں ان گنت ایسے قلمکار موجود ہیں جنہوں نے بہت اچھی شاعری کی یا نثر لکھی مگر یا تو وسائل کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہوئے سامنے نہ آئے یا انہوں نے ایسا ضروری نہ سمجھا اور اپنے شوق سے لکھتے رہے۔ بہت سے دوستوں کو درخواست بھی کی کہ ہر جاننے والوں سے پتہ کر کے مجھے ہر ایک قلمکار کا نام دیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی رہ گیا ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔۔ اس کے بعد بھی مجھ سے ضرور رابطہ کریں تاکہ اگر کسی اور کو ضرورت ہو یا اسی موضوع پر کبھی دوسری جلد شائع کرنے کی ضرورت پڑے تو انہیں شامل کر دیا جائے۔ برائے کرم نوٹ فرمائیں کہ میں شہروں اور قلمکاروں کے نام متفرق انداز میں لکھ رہا ہوں بطرز حروف تہجی کے نہیں جبکہ مضامین میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ شکریہ

لندن:

سیما جبار، بانو ارشد، نور جہاں نوری، بیبی برلاس، سائرہ بتول، شاہدہ احمد، حمیدہ معین رضوی، محسنہ جیلانی، شوکت مرزا، گلزیب زیبا، سبینہ سحر، نجمہ شاہین، شاہین اختر شاہین، نجمہ عثمان، ناصرہ رفیق، نرگس جمال سحر، نسیمہ نسرین، فرزانہ فرحت، نکہت فاطمہ لکھنوی، اشرف عطارد، رخسانہ رخشی، امجد مرزا امجد، مشہود الفاروق قریشی خاور، راجہ محمد الیاس، ابراھیم رضوی، محمد اسلم چغتائی، اسلم رشید، فیاض عادل فاروقی، عقیل دانش، کاشف سمیع بھٹی، جتندر بلو، گلشن کھنہ، سوہن راہی، ریاست رضوی، آصف جیلانی، ڈاکٹر رحیم اللہ، محمود علی محمود، چوہدری محبوب احمد محبوب، محمد شریف بقا، ناصر احمد نصیر، محمد ناظر فاروقی، مشتاق سنگھ، باقر نقوی، تصدق سہیل، سہیل احمد لون، جمشید مرزا، سلیم فگار، یشب تمنا، مبارک صدیقی، ارشد لطیف، ساقی فاروقی، شہباز خواجہ، کرشنا ویدانت موجود، محمود اقبال، انجم شہزاد، پاکیزہ بیگ، چمن لال چمن، سلطان صابری، رانا عبدالرزاق، ساجد رانا، مظفر احمد مظفر، عابدہ شیخ، عطاءالحق، عقیل دانش، فیض ضیا، کوثر علی، ثمینہ رحمت، ہارون رشید، مبارک احمد مبارک، عبدالرشید سروہا، عدیل یوسف صدیقی، فرحت شمیم، باسط کانپوری، رشید منظر، غالب ماجدی، ضیا جلال پوری،

اسلم زاہد، رضا علی عابدی، مصطفےٰ شہاب، فیضان عارف، شبنم حبیب، فضل کریم مغل، خورشید پرویز، عبد الحی راغب، عائشہ غازی، عامر امیر، حیدر طباطبائی، عبیدہ سید، شاکر قریشی، ڈاکٹر جمال سوری، مظہر ترمذی، اسلم رشید، منزہ شاہ، نور جہاں نور، نجم الحسن ضمیر، نعیم ساہریا، ایوب اولیاء، صابر ارشاد عثمانی، اکرم اشعر، صدیقہ شبنم، عطیہ خان، بابر بخاری، ثروت اقبال، زہرہ نسیم، اے کے زندانی، انور خالد، سید اجمال مہدی زیدی، رانا رفیق پرواز، ارمان یوسف، بیرسٹر ظہور بٹ، جبیر سنگھ بسمل، آغا رئیس مرزا، فیض اللہ خان فیضی ٹونکی، عبداللہ قریشی، سہیل ضرار خلش،

برمنگھم: سلطانہ مہر، چوہدری جاوید اختر، ڈاکٹر رضیہ اسماعیل، فضل حسین، آدم چغتائی، مرزا عظمت اللہ بیگ، ممتاز احمد ممتاز، عبدالرشید چغتائی، محمد فاروق نسیم، علیم اشرف، محمد سیف سرورندوی، افتخار احمد افتخار، خواجہ محمد عارف، ڈاکٹر عبدالرب ثاقب، صفی حسن، طارق امبر، ملک عباس، حنیف عثمانی، جہانگیر، محمد اقبال بھٹی، طاہرہ حسن، طلعت سلیم، نسیم اختر نسیم، فاروق ساغر، اقبال نوید، پرویز مظفر، شبانہ یوسف، آصفہ جہاں آرا خان، انجم رضوی، صبیحہ علوی، سجاد حیدر، محمد بوستان القادری،

بریڈفورڈ: سلیم مرزا، مقصود الٰہی شیخ، حضرت شاہ جی، ممتاز اعوان تاجپوری، عابد ودود، عطاء محمد عنبر، محمد یاسین بھٹی، بوٹا راجس، اسد ضیاء، جاوید اقبال ستار، ڈاکٹر صفات علوی، یعقوب نظامی، ملک عبدالخالق موجی،

لیڈز: عاشق جعفری، اشتیاق میر، سکینہ تابندہ، ڈاکٹر صباحت عاصم،

مانچسٹر: تانیہ رحمان، باصر سلطان کاظمی، لیاقت علی عہد،

ہڈرس فیلڈز: نعیم مرزا جوگی، شہزاد اسلم، محمد خلیل ڈڈیالوی، راجہ خالد محمود

گلاسگو (سکاٹ لینڈ): مبشر شہزاد، فرح ملک، امتیاز علی گوہر، راحت زاہد، شاہدہ ناز حسین، ناصر محمود، کشور صباحت، محمد اطہر، نعیم قریشی۔

ایڈنبرا: بشریٰ غوری، محمد یعقوب غوری،

راچڈیل: صابر رضا ،

ڈیوس بری: مختار آزر کربلائی ، عابد ہاشمی ، غزل انصاری ، یعقوب رضوی ،

ریڈنگ: فرخندہ رضوی ، سالم جعفری ، فرحت خان ،

لوٹن: ساحر شیوی ، ناصر بٹ ،

سلاؤ: اشتیاق زین ، سررام شری جیت ، ساجد جنجوعہ ، شاہین صدیقی ،

برسٹل : اکبر حیدرآبادی

ویلز: شمع چوہدری ، مسرت ناہید چوہدری ،

ٹیلفورڈ: ڈاکٹر منور احمد کنڈے ،

نوٹنگھم: فرزانہ نیناں خان ، احمد مسعود ، سعدیہ سیٹھی ، عاصی کاشمیری ، صوبیدار یعقوب مرزا، محمد اکرم رانا، مقصود چوہدری، مسرت طارق، اقبال مسرور تبسم ، ارمان شہزاد ، فضل کریم، ڈاکٹر شمیم احمد،

پیٹر برو: غزالہ عالم ، نور شہزادی ، شہزادی عالم ،

اولڈھم: نغمانہ کنول ، یاسمین حبیب ، انور جمال فاروقی ،

آکسفورڈ: محمد ایوب سنگیا ، علی عباس ، نزہت عباس،

وولورہمپٹن: اندر جیت سنگھ جیت ، قاضی عبد القدوس،

ڈڈلی: ڈاکٹر عبد الرب ثاقب

آئرلینڈ: محمد افضل صائم

☆ پلیز نوٹ فرمائیں، مندرجہ بالا تمام شعرا و شاعرات کے نام مختلف شہروں میں مقیم دوست شعرا سے حاصل کئے گئے ہیں اگر کسی کا نام غلط شہر میں لکھا گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ اگر کسی کا نام رہ گیا تو بھی معافی چاہتا ہوں کہ کئی ہفتے میں اسی کوشش میں رہا کہ کسی کا نام رہ نہ جائے۔۔۔ الف میم

نوٹ (آج فروری 2024 کو جب میں یہ نوٹ لکھ رہا ہوں اور اس کتاب کو پی ڈی ایف میں ربدیل کر رہا ہوں، افسوس ہے کہ اس کتاب میں موجود 34 سے بھی زیادہ شعرا و شاعرات اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔ درجنوں ادبی تنظیمیں ختم ہو چکی ہیں۔ مشاعروں میں شعرا نظر نہیں آتے اور لندن میں دو تین ہی تنظیمیں ہیں جن میں سے ایک ماہانہ مشاعروں کا اہتمام کرتی ہے جس کے بانی و صدر چوہدری محبوب صاحب ہیں یا بزم سخن ور کے نام سے سہیل ضرار سال میں ایک دو مشاعروں کے اہتمام کرتے ہیں۔ یا پھر بریڈفورڈ کی ادبی تنظیم سال میں کسی ہوٹل میں ٹکٹ رکھ کر پروگرام پیش کرتی ہے۔ ورنہ آج۔۔ ہر طرف خاموشی و بے حسی کا ہی راج ہے۔۔ تیسری نئی نسل جوان ہو چکی ہے جنہیں اردو پنجابی سے کوئی تعلق نہیں۔۔ جنہیں پیار تعلق تھا ان میں زیادہ رخصت ہو گئے جو بچ گئے وہ بڑھاپے کا شکار ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔۔۔!!!) امجد مرزا امجد فروری 2024

امجد مرزا آمجد کی تصانیف

۱	کانچ کے رشتے (انعام یافتہ)	اردو	افسانے	2000ء
۲	سونے کی صلیب	اردو	افسانے	2001
۳	دوریاں	اردو	افسانے	2003
۴	پھلواری	اردو	انشائیہ	2004
۵	اوکھے پینڈے	پنجابی	افسانے	2005
۶	یاداں	پنجابی	شاعری	2005
۷	تنہائیاں	اردو	افسانے	2005
۸	جھوٹے لوگ	اردو	افسانے	2006
۹	دھنک کے رنگ	اردو	انشائیہ	2007.
۱۰	ہوائے موسمِ دِل (دوایڈیشن)	اردو	شاعری	2010
۱۱	توبہ (سعادت حسن منٹو ایوارڈ یافتہ)	اردو	افسانے	2011
۱۲	وچھوڑے	پنجابی	شاعری	2013
۱۳	برطانیہ کے ادبی مشاہیر (دوایڈیشن)	اردو	تعارفی مضامین	2014
۱۴	چند قہقہے	اردو	لطیفے	2015
۱۵	پرچھاواں (زیرترتیب)	پنجابی	شاعری	
۱۶	یادِ ماضی (زیرترتیب)	اردو	افسانچے (کہانچیاں)	
۱۷	چھاواں (زیرترتیب)	پنجابی	افسانے	

Amjad Mirza`amjad` امجد مرزا آمجد

E.Mail: mirzaamjad@hotmail.co.uk

Mob :07939830039

سویرا اکیڈیمی لندن کی مطبوعات

❁ دوریاں	اردو	انشائیہ	امجد مرزا امجد
❁ پھلواری	اردو	انشائیہ	امجد مرزا امجد
❁ یادیں	اردو	مضامین	راجہ محمد الیاس
❁ اوکھے پینڈے	پنجابی	افسانے	امجد مرزا امجد
❁ یاداں	پنجابی	شاعری	امجد مرزا امجد
❁ باغاں دے وچکار	پنجابی	شاعری	منور احمد کنڈے
❁ تنہائیاں	اردو	افسانے	امجد مرزا امجد
❁ بیدار دل	اردو	شاعری	منور احمد کنڈے
❁ خیالِ واصف	اردو	شاعری	سید واصف اکبر آبادی
❁ خوشبوئے فضائے فردوس	اردو	شاعری	نجمہ شاہین
❁ جھوٹے لوگ	اردو	افسانے	امجد مرزا امجد
❁ طاق دل	اردو	شاعری	منور احمد کنڈے
❁ پینگ الارے	پنجابی	شاعری	منور احمد کنڈے
❁ دھنک کے رنگ	اردو	انشائیہ	امجد مرزا امجد
❁ وچھوڑے	پنجابی	شاعری	امجد مرزا امجد
❁ کانچ کی گڑیا	اردو	کہانیاں	مسرت ناہید
❁ حرفِ منور	اردو	نظمیں	ڈاکٹر منور احمد کنڈے
❁ ہوائے موسمِ دل	اردو	شاعری	امجد مرزا امجد
❁ سمندر پار	اردو	کہانیاں	راجہ محمد الیاس
❁ توبہ	اردو	افسانے	امجد مرزا امجد
❁ وچھوڑے	پنجابی	شاعری	امجد مرزا امجد
❁ برطانیہ کے ادبی مشاہیر	اردو	مضامین	امجد مرزا امجد

پھلواری
ڈوریاں
چند قہقہے
بوڑھ دی چھاں
شاعری

ریڈیو سنگم

آ

امجد مرزا امجد
کی تصنیفات

امجد مرزا امجد
کی تصنیفات